مکمل و مدلل

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

جلد ۵

کتاب الصلوٰۃ (ربع رابع)

افادات

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

مرتب

مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ دارالعلوم دیوبند

افادات

مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ
مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

ترتیب قدیم وتعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ
سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

فتاوی دارالعلوم دیوبند

اہم مقامات پر نظر ثانی

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید وتعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

فتاوی دارالعلوم دیوبند

مکمل و مدلّل

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

جلد پنجم

بقية كتاب الصّلاة

افادات

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہٗ

ترتیب قدیم و تعلیق

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ

ترتیب جدید و تعلیق

مفتی محمد امین صاحب پالن پوری

حسب ہدایت

حضرت مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر: مکتبہ دار العلوم دیوبند

نام کتاب : مکمل ومدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند [جلد: پنجم]

مسائل : بقیة کتاب الصّلاة

افادات : مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

مفتی اوّل دارالعلوم دیوبند (ولادت: سنہ ۱۲۷۵ھ وفات: سنہ ۱۳۴۷ھ)

ترتیب قدیم : مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ، سابق مفتی دارالعلوم دیوبند

ناظم اعلیٰ : حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

معاون خصوصی : حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

ترتیب جدید : مفتی محمد امین صاحب پالن پوری، استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم دیوبند

ناظم تجمیع وکوڈنگ فتاوی: مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب ناظم شعبۂ کمپیوٹر دارالعلوم دیوبند

سن اشاعت: جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ مطابق جنوری ۲۰۲۱ء

تعداد صفحات: ۵۶۸ —— تعداد فتاوی: ۸۵۴

ناشر : مکتبہ دارالعلوم دیوبند، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴

مطبوعہ : ایچ، ایس، پرنٹرس، سی: 29، سیکٹر، اے -7، پارٹ - 1، ٹرونیکا، سٹی، (یوپی)

بقية كتاب الصّلاة

مسائل نماز جمعہ

مسائل نماز عیدین

بارش طلب کرنے کا بیان

احکامِ میّت

غسلِ میّت کا بیان

کفنِ میّت کا بیان

جنازہ اٹھانے کا بیان

نمازِ جنازہ کے مسائل

قبر، دفن اور ان کے متعلقات

تعزیت کا بیان

زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب کا بیان

متفرق مسائل

شہید کے احکام

آگاہی

اس جلد میں جن کتابوں کے حوالے بار بار آئے ہیں وہ درج ذیل کتب خانوں کی مطبوعات ہیں

اسمائے کتب	مطبوعہ
صحاح ستہ	مکتبہ بلال دیوبند
موطین	مکتبہ بلال دیوبند
شرح معاني الآثار	مکتبہ بلال دیوبند
مشكاة المصابيح	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
الهداية	الامین کتابستان دیوبند
ردّ المحتار	دارالکتاب دیوبند
الفتاوى الهندية	دارالکتاب دیوبند
بدائع الصّنائع	دارالکتاب دیوبند
شرح الوقاية	دارالکتاب دیوبند
غنية المستملي (الحلبي الكبير)	دارالکتاب دیوبند
طحطاوی علی مراقی الفلاح	دارالکتاب دیوبند
البحرالرائق	زکریا بک ڈپو دیوبند
قواعد الفقه	اشرفی بک ڈپو دیوبند
مرقاة المفاتيح	مکتبہ امدادیہ، ملتان، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

از: حضرت اقدس مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ، أمّا بعد :

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ ''مکمل و مدلل فتاوی دارالعلوم دیوبند'' مرتبہ حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ (از: کتاب الطّھارۃ – تا – کتاب اللّقطۃ ، جلد أوّل تا دوازدھم) کی ترتیب جدید کا کام ۱۴۳۵ھ میں شروع ہوا تھا، اور شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ تک اس کی چار جلدیں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھیں۔

پانچویں جلد کی ترتیب شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ میں مکمل ہو گئی تھی، اور حرفِ آخر کا عمل باقی تھا، جو حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ انجام پانا تھا؛ لیکن حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شعبان المعظم میں اسباق موقوف ہونے کے بعد بہ غرض علاج ممبئی تشریف لے گئے، اور ملک میں کورونا کی بیماری پھیلنے کے بعد لاک ڈاؤن نافذ ہونے کی وجہ سے سفر کا سلسلہ موقوف ہو گیا، موصوف واپس تشریف نہیں لا سکے، پھر

۲۵/ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ کو حضرت مفتی صاحب کا ممبئی میں ہی انتقال ہوگیا، إنّــا للّٰـہ وإنّـا إلیـہ راجعون ، اور دارالعلوم میں بھی لاک ڈاؤن کی وجہ سے تمام تعلیمی وتدریسی سرگرمیاں یکسر موقوف ہوگئیں۔

پانچویں جلد کی طباعت سے پہلے حسبِ معمول آخری نظر ڈالنے کا کام باقی تھا، حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد حرفِ آخر کون کرے اس کا فیصلہ دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کو کرنا تھا، لاک ڈاؤن کی وجہ سے مجلس شوریٰ کا انعقاد بھی بروقت نہ ہوسکا۔

بالآخر مجلس شوریٰ ماہ صفرالمظفر ۱۴۴۲ھ میں اس کام کے لیے حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم کے نام کا فیصلہ ہوا۔ اور مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد (جس کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب کے مقدمہ میں درج ہے) اب پانچویں جلد طباعت کے لیے تیار رہے۔

اس طویل تمہید کا حاصل یہ ہے کہ ع:

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا

شعبۂ ترتیب فتاوی کے ذمہ دار افراد چھٹی جلد کی ترتیب میں مصروف ہیں، اللہ کرے آئندہ یہ عمل رفتار پکڑ سکے اور مناسب وقفہ کے ساتھ باقی ماندہ جلدوں کی تکمیل ہوجائے۔ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کی مکمل اشاعت کے بعد دوسرے حضرات مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کی ترتیب واشاعت کا کام شروع کیا جاسکے۔ واللہ ولی التوفیق۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)
۱۱/ جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ
۲۵/ جنوری ۲۰۲۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ ترتیبِ جدید

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم .

مکمل و مدلّل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد کو بھی احقر نے جناب مفتی مصطفیٰ امین پالن پوری، جناب مفتی محمد حبان بیگ علی گڑھی اور جناب مولانا امیر اللہ مشتاق مئوی صاحبان کے تعاون سے مرتب کیا ہے، ہم نے ترتیب قدیم پر جو اضافے اور کام کیے ہیں اُن کی مختصر تفصیل جلد چہارم کے مقدمہ میں مذکور ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی یہ پانچویں جلد ماہِ شعبان المعظم سنہ ۱۴۴۱ھ میں ہم نے مکمل کر لی تھی، اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) کی خدمت میں ملاحظہ کے لیے پیش کرنی تھی، مگر موصوف بہ غرض علاج ممبئی تھے، اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے دیوبند آنا مشکل تھا، ہم اُن کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے کہ ۲۵/ رمضان المبارک سنہ ۱۴۴۱ھ منگل کے دن موصوف کا انتقال ہوگیا **إنّا للّٰہ وإنّا إلیہ راجعون**، اُن کے انتقال کے بعد احقر نے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی بنارسی (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے مشورہ کیا تو حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

''شوریٰ کا انتظار کرو، مجلس شوریٰ نظر ثانی اور ملاحظہ کے لیے جس کا نام طے کرے اُس کے ملاحظہ کے بعد کتاب شائع کی جائے گی''۔ مجلس شوریٰ منعقدہ: ۲۴، ۲۵، ۲۶/ صفر المظفر سنہ ۱۴۴۲ھ مطابق: ۱۲، ۱۳، ۱۴/ اکتوبر سنہ ۲۰۲۰ء نے جو تجویز منظور فرمائی وہ حسب ذیل ہے:

''مجلس نے طے کیا کہ ہر جلد کی تکمیل کے بعد حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی کے ملاحظہ سے گزاری جائے، اور بہ وقت ضرورت مہتمم صاحب بھی اس کو دیکھ لیں، پھر کتاب طبع کرائی جائے''۔

مگر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم نے پوری کتاب کو ملاحظہ کرنے سے معذرت فرمادی اور کہا کہ میرے پاس اتنا وقت نہیں، میں دوسرے کاموں میں مشغول ہوں، البتہ ضروری اور اہم مواقع ملاحظہ فرمانے کی آمادگی ظاہر فرمائی؛ چنانچہ ہم نے اہم اور ضروری مواقع حضرت کی خدمت میں پیش کیے اور آپ نے اُن کو بہ غور ملاحظہ فرمایا، مگر ٹائٹل پر نام تحریر کرنے سے منع فرمادیا، احقر نے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب دامت برکاتہم سے مشورہ کیا تو حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ: ''مجلس عاملہ کا انتظار کرو، وہ کیا فیصلہ کرتی ہے''۔ مجلس عاملہ منعقدہ: ۱۹/ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۴۲ھ مطابق: ۴/ جنوری سنہ ۲۰۲۱ء نے جو تجویز منظور فرمائی وہ یہ ہے:

''تجویز ۱۳ ضمن (۷) کے تحت طے ہوا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ہر جلد کے اہم اور ضروری مواقع پر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب نظر ڈال لیں، اور ٹائٹل پر حضرت موصوف کی ہدایت کے مطابق اُن کا نام تحریر نہ کیا جائے''۔

الغرض مذکورہ بالا وجوہات کی وجہ سے اس جلد کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی، جس کا ہمیں افسوس ہے، اللہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند کی شرور وفتن سے حفاظت فرمائیں، اور اربابِ شوریٰ واہتمام کے سایہ کو تادیر باقی رکھیں، جن کے حکم عالی سے یہ علمی کام انجام پا رہا ہے، اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری کی مغفرت فرمائیں، اور اُن کے درجات بلند فرمائیں، اور ہمیں ترتیبِ جدید کو جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین!

محمد امین پالن پوری
مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
۷/ جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۴۲ھ
مطابق ۲۱/ جنوری سنہ ۲۰۲۱ء بہ روز جمعرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسائل نماز جمعہ

جمعہ فرضِ عین ہے

سوال: (۲۲۱۵) جمعہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ (۱۳۴۳/۱۹۴۱ھ)

الجواب: جمعہ فرض عین ہے۔ کما ورد في الحدیث : الجمعة واجبة علیٰ کلّ محتلم[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۱/۵)

فرضیت جمعہ کا ثبوت قطعی ہے

سوال: (۲۲۱۶) ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ الآیة﴾ (سورۂ جمعہ، آیت:۹) یہ آیت کریمہ مطلق ہے یا مقید؛ قطعی ہے یا ظنی؟ (۱۳۳۹/۸۱۷ھ)

---

(۱) عن طارق بن شهاب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم: الجمعة حقّ واجب علیٰ کلّ مسلم في جماعة ، الحدیث رواه أبوداؤد. (مشکاة المصابیح ، ص:۱۲۱ کتاب الصّلاة ، باب وجوبها ، الفصل الثّاني)

هي(أي الجمعة) فرض عین یکفر جاحدها لثبوتها بالدّلیل القطعي کما حقّقه الکمال (الدّرّ المختار) قوله: (بالدّلیل القطعي) وهو قوله تعالیٰ:﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا، الآیة﴾ وبالسّنّة والإجماع . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵-۶، کتاب الصّلاة ، بابُ الجمعة)ظفیر

الجواب: فرضیت جمعہ کے بارے میں یہ آیت قطعی الدلالۃ ہے(۱) لیکن بہ اتفاق ائمہ مجتہدین عام اور مطلق نہیں ہے بلکہ مخصوص ومقید ہے اور مشروط ہے ساتھ شرائط کے جن کی تفصیل کتب فقہ ہدایہ درمختار وغیرہ میں درج ہے(۲) فقط واللہ اعلم (۹۷/۵)

فرضیت جمعہ کا منکر کافر ہے

سوال: (۲۲۱۷) جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دو فریق ہیں ایک تو جمعہ کو فرض بالکل نہیں مانتا، اور جمعہ کو محض شعائر اسلام سے بتاتا ہے، اور دوسرا فریق جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے، اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ ان دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہوجاوے گی یا نہیں؟ یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہیں ہوگی؟ اقتداء قوی بالضعیف ہر دو فریق کے پیچھے لازم آتی ہے یا ایک کے پیچھے؟ بینوا توجروا۔ (۲۴۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جو فریق جمعہ کو فرض نہیں مانتا وہ صریح غلطی پر ہے اور خاطی ہے۔ درمختار میں ہے: **هي فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدّليل القطعيّ كما حقّقه الكمال**(۳) یعنی جمعہ فرض عین ہے اور منکر اس کی فرضیت کا کافر ہے، کیوں کہ ثبوت جمعہ کا دلیل قطعی سے ہے جیسا کہ محقق کیا اس کو شیخ کمال الدین بن ہمام رحمہ اللہ نے، اور شامی نے ابن ہمامؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ ہم نے جمعہ کی فرضیت ثابت کرنے میں تطویل اس لیے کی کہ بعض جاہل یہ کہتے ہیں۔

---

(۱) هي (أي الجمعة) فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدّليل القطعي كما حقّقه الكمال (الدّرّ المختار) قوله: (بالدّليل القطعي) وهو قوله تعالیٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا، الآية﴾ وبالسّنّة والإجماع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵-۶، كتاب الصّلاة، بابُ الجمعة) ظفیر

(۲) ويشترط لصحّتها سبعة أشياء: الأول: المصر إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۳/۶ كتاب الصّلاة، بابُ الجمعة) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵-۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

کہ مذہب حنفیہ عدم فرضیت جمعہ کا ہے الخ[۱] دیکھئے علامہ موصوف نے اس شخص کو جو فرضیت جمعہ کا قائل نہ ہو جاہل فرمایا، اور یہ قول اس کا جو فرضیت جمعہ کا منکر ہے کہ بادشاہ اسلام نہیں ہے؛ اس لیے فرض نہیں ہے؛ یہ بھی جہالت ہے مذہب حنفیہ سے، کیوں کہ درمختار میں تصریح ہے کہ بادشاہ اسلام نہ ہونے کی صورت میں جس کو عام اہل اسلام جمعہ وغیرہ کے لیے متعین ومقرر کرلیویں کافی ہے، عبارت اس کی یہ ہے: **أمّا مع عدمهم فيجوز للضّرورة** اور شامی میں ہے: **فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة و يصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين إلخ** [۲] **(الشّامي: ۱/۷۵۴)**

الغرض جو شخص فرضیت جمعہ کا قائل نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں، اور جو شخص فرضیت جمعہ کا قائل ہے اور احتیاط الظہر پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے، اگرچہ حق یہ ہے کہ شہر اور قصبوں اور بڑے قریہ میں جمعہ ہوجاتا ہے، وہاں احتیاط الظہر کی حاجت نہیں ہے بلکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسے مواقع میں ــــ جہاں جمعہ جائز ہے ــــ احتیاط الظہر نہ پڑھیں تاکہ کسی کو عدم فرضیت جمعہ کا شبہ وخیال نہ ہوجاوے، درمختار میں صاحب بحر کا فتوی اس طرح نقل کیا ہے: **وفي البحر: وقد أفتيتُ مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنيّة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا إلخ** [۳] لیکن بایں ہمہ اگر کوئی شخص فرضیت جمعہ کا قائل ہے اور احتیاط الظہر پڑھتا ہے تو نماز اس کے پیچھے صحیح ہے۔ فقط[۴] (۵/۱۷۱-۱۷۳)

سوال: (۲۲۱۸) زید کہتا ہے کہ آیت جمعہ ظنی ہے؛ اس لیے نماز جمعہ فرض نہیں ہے، منکر فرضیت جمعہ پر کیا حکم ہے؟ (۸۰/۷۳۴۰ھ)

---

(۱) قوله: (كما حقّقه الكمال) و إنّما أكثرنا فيه نوعًا من الإكثار لما نسمع عن بعض الجهلة أنّهم ينسبون إلى مذهب الحنفيّة عدم افتراضها إلخ. (ردّ المحتار: ۳/۶، كتاب الصّلاة، بابُ الجمعة)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۴، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۴) جواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

الجواب: منکر فرضیت جمعہ کافر ہے اور آیت فرضیت جمعہ قطعی ہے، ظنیت شرائط میں ہے۔ نہ کہ اصل نمازِ جمعہ میں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۴/۵)

جمعہ کی فرضیت میں تاویل غلط ہے

سوال: (۲۲۱۹) زید کہتا ہے کہ قرآن میں ظن باقی ہے، اور نماز جمعہ سے مراد قرون اولیٰ میں صرف جہاد کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کا تھا؛ پس یہ نماز فرض نہیں ہے؟ (۸۰/۷-۱۳۴۰ھ)

الجواب: زید کا قول غلط ہے اور پہلے لکھا گیا ہے کہ فرضیتِ جمعہ کا منکر کافر ہے (۲) البتہ جمعہ امصار وقصبات وقریٰ کبیرہ میں فرض ہوتا ہے، دیہات صغیرہ میں نہیں ہے اور ادا نہیں ہوتا ہے۔ کما فصّل في كتب الفقه (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۴/۵)

جمعہ کے دن فرضِ وقت ظہر ہے اور جمعہ بدل ہے

سوال: (۲۲۲۰) جمعہ کے روز فرضِ وقت جمعہ ہے یا ظہر اور جمعہ قصر ظہر ہے یا کیا؟ (۵۲۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ فرض وقت ظہر ہے اور جمعہ بدل ہے۔ لأنّ فرض الوقت عندنا الظّهر لا الجمعة إلخ (۴) (شامي: جلد: ۱. في بحث النّية) جمعہ قصر ظہر نہیں ہے،

---

(۱) هي فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدّليل القطعي كما حقّقه الكمال وهي فرض مستقل آكد من الظّهر (الدّرّ المختار) قوله: (بالدّليل القطعي) وهو قوله تعالیٰ: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا، الآية﴾ وبالسّنّة والإجماع. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵-۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۲) سابقہ جواب میں مذکور ہے۔ ۱۲

(۳) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ، لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر إلخ، لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر. (ردّ المحتار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۴) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۹۰، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، مطلب في حضور القلب و الخشوع.

بلکہ اس اعتبار سے فرض مستقل ہے کہ اس سے ظہر ساقط ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۳۶/۵-۱۳۷)

یہ کہنا غلط ہے کہ صحابہ نے نمازِ جمعہ سے روکا ہے

سوال: (۲۲۲۱) چند لوگ جہالت سے بیان کرتے ہیں کہ نمازِ جمعہ صرف رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہے، آپ کے اصحاب نے نہیں پڑھی، بلکہ بعض صحابہ نے لوگوں کو اس نماز سے روکا ہے، ایسا کہنے والوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۳۶۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: یہ قول ان لوگوں کا غلط ہے، نمازِ جمعہ رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑھی ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی پڑھی ہے، اور فرضیت نمازِ جمعہ کی مسلمانوں پر نص قطعی سے ثابت ہے، اور شرائطِ فرضیت نمازِ جمعہ کی کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۸/۵)

عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۲۲) عید اور جمعہ اگر ایک دن میں جمع ہو جاویں تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ نہ پڑھا جاوے، اور صحیح مسلم کی روایت سے استدلال کرتے ہیں یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اور نمازِ جمعہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۹۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس حدیث کی تفتیش مسلم شریف میں کی گئی مگر پتا نہیں چلا، بے شک ابوداؤد شریف میں عبداللہ بن الزبیر کا فعل نقل کیا ہے[1] مگر ذرا غور کرنا چاہیے کہ ایک صحابی کے فعل سے نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل کو چھوڑ دینا خلاف انصاف ہے، حضرت ﷺ کے زمانے میں بھی یہ اتفاق پیش آیا مگر آپ ﷺ نے جمعہ ادا کیا، اور آپ نے گاؤں کے لوگوں کو کہہ دیا کہ تم جانا چاہو تو چلے جاؤ

(۱) عن ابن جُریج قال: قال عطاء: اجتمع یوم جمعة و یوم فطر علی عهد ابن الزّبیر فقال: عیدان اجتمعا في یوم واحد فجمعهما جمیعًا فصلّاهما رکعتین بُکرةً لم یزد علیهما حتّٰی صلّی العصر. (أبو داؤد: ۱/۱۵۳، کتاب الصّلاة، باب إذا وافق الجمعة یوم عید)

ہم جمعہ ادا کریں گے، ابوداؤد وغیرہ میں موجود ہے(۱) اور عبداللہ بن زبیر کے فعل کی علماء نے تاویل کی ہے(۲) لہٰذا جمعہ ضرور ادا کرنا چاہیے، دوسری بات یہ ہے کہ جمعہ کی نماز قرآن سے ثابت ہے، اس کو ایک فعل صحابی سے ترک کر دینا یا تخصیص کرنا عقل سلیم کا کام نہیں ہے۔ فقط (۵/۱۴۴-۱۴۵)

شرائط جمعہ میں تفریق غلط ہے

سوال: (۲۲۲۳) ایک اشتہار میں لکھا ہے شرائطِ صحتِ جمعہ چھ ہیں، ان میں چار فرض ہیں، وقت ظہر، جماعت، خطبہ، اذن عام اور دو واجب ہیں، مصر اور سلطان یہ صحیح ہے یا نہیں؟ عالمگیری کا حوالہ دیا ہے۔ (۱۳۴۳/۱۲۰۰ھ)

الجواب: شرائط جمعہ میں یہ تفریق غلط ہے کہ چار شرطیں فرض ہیں اور دو واجب، شرائط سب موقوف علیہ ہوتی ہیں، اور سب فرض ہیں، چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں کہ فرض داخلی کو رکن کہتے ہیں، اور فرض خارجی کو شرط، لہٰذا یہ تفصیل کرنا کہ بعض شرائط فرض ہیں اور بعض واجب ہیں بالکل مہمل اور غلط ہے، اور عالمگیریہ میں ایسا نہیں ہے اور کسی کتاب میں نہیں ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا(۳) فقط (۵/۱۱۹-۱۲۰)

---

(۱) عن إياس بن أبي رَمْلة الشّاميّ قال: شهدتُ معاوية بن أبي سفيان وهو يسأل زيد بن أرقم قال: أشهدتَ مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عيدين اجتمعا في يوم، قال: نعم، قال: فكيف صنع ؟ قال: صلّى العيدَ ثمّ رخّص في الجمعة فقال: من شاء أن يصلّي فليصلّ .

وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أنّه قال: قد اجتمع في يومكم هذا عيدان فمن شاء أجزأه من الجمعة و إنّا مُجمّعون. (أبوداؤد:۱/۱۵۳، كتاب الصّلاة ، باب إذا وافق الجمعة يوم عيد)

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: إعلاء السّنن: ۸/۹۲-۹۷، كتاب الصّلاة ، أبواب الجمعة ، باب إذ اجتمع العيد و الجمعة لا تسقط الجمعة به ، المطبوعة : إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ، كراتشي ، باكستان)

(۳) ويشترط لصحّتها سبعة أشياء: الأوّل: المصر إلخ ، والثّاني: السّلطان إلخ ، والثّالث: وقت الظّهر إلخ ، والرّابع : الخطبة فيه إلخ ، والخامس : كونها قبلها إلخ ، والسّادس: الجماعة إلخ ، والسّابع : الإذن العام. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار:۳/۶-۲۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

==

نمازِ جمعہ کی فرضیت مقید بالشرائط ہے

سوال: (۲۲۲۴) نماز جمعہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً ہر جگہ فرض ہے یا مقید بالشرائط؟
(۳۲/۵۲۷-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (مقید)(۱) بالشرائط ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۳۶-۱۳۷)

مصر کی تعریف میں اختلاف

سوال: (۲۲۲۵) ...... (الف) مولوی عبد الشکور صاحب اپنے رسالہ ''علم الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ مقامات معرفۂ ذیل مصر ہیں: جو مقام کسی مصر مقام سے اس قدر فاصلہ پر ہو کہ وہاں سے کوئی شخص نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مصر مقام میں جاوے اور نماز پڑھ کر دن ہی دن میں اپنے گھر واپس آجاوے تو یہ مقام بھی مصر ہے۔ (از شرح سفر السعادۃ)(۳)

(ب) وہ مقام مصر ہے کہ جہاں مرد مسلمان مکلّف اس قدر آباد ہوں کہ اس مقام کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں از بحر الرائق؛ یہ تعریف صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۹۹۲/۱۳۳۹ھ)

== الشّرط لغةً العلامة اللّازمة ، وشرعًا ما يتوقّف عليه الشّيء ولا يدخل فيه (الدّرّ المختار) اعلم أنّ المتعلّق بالشّيء إمّا أن يكون داخلاً في ماهيته فيسمّى ركنًا إلخ ، أو خارجًا عنه فإمّا أن يؤثّر فيه إلخ فيسمّى علّةً ، أو لا يؤثّر فإمّا أن يكون موصلاً إليه في الجملة كالوقت فيسمّى سببًا ، أو لا يوصل إليه فإمّا أن يتوقّف الشّيء عليه إلخ ، فيسمّى شرطًا ، أو لا يتوقّف كالأذان فيسمّى علامةً. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۶۷، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة) ظفیر

(۱) مطبوعہ فتاویٰ میں (مقید) کی جگہ ''معتبر'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ويشترط لصحّتها سبعة أشياء: الأوّل: المصر إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۶ كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) مستفاد از علم الفقہ مصنفہ: مولانا عبد الشکور فاروقی ،۲/ ۲۹۵، نماز جمعہ کا بیان/ نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرطیں، مطبوعہ: کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

الجواب: (الف) یہ حنفیہ کا مذہب مفتی بہ نہیں ہے گویا مؤلف صاحب نے بعض اقوال نقل کردیئے ہیں کہ ایسا بھی بعض کا قول ہے، اور شاید صاحب سفر السعادۃ کے نزدیک یہی راجح ہو، مگر حنفیہ کا مذہبِ معتمد یہ نہیں ہے۔ کما یظهر من کتب الفقه .

(ب) یہ تعریف مصر کی منقوض ہے۔ کما صرح به في شرح المنية [1] یہاں بھی مؤلف صاحب نے مذہب راجح کو چھوڑ کر بعض روایات کو اختیار کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۱/۵)

فناء کی تعریف میں اختلاف اور راجح قول

سوال: (۲۲۲۶) مولوی عبدالجبار مرحوم اپنے فتاوی ص:۶۱ میں جمعہ فی القری کی نسبت حنفیہ کا مذہب تحریر فرماتے ہیں، اور وہ موضع کہ مسافت میں شہر سے ۴۸ میل سے کم ہو اگر چہ وہ قریہ چھوٹا ہی ہو وہ بھی مصر کا حکم رکھتا ہے، مواہب الرحمٰن اور اس کی شرح برہان میں لکھا ہے: ویوجبها

---

(۱) والفصل في ذلك ان مكّة والمدينة مصران ، تقام بهما الجمعة مِن زمنهٖ عليه الصّلاة والسّلام إلى اليوم فكلّ موضع كان مثل أحدهما فهو مصر . (غنية المستملي: ص:۴۷۳، فصل في صلاة الجمعة)

آگے بعض لوگوں نے بڑی مسجد کے ساتھ مصر کی جو تعریف کی ہے، اس کا ردّ کرتے ہیں: فكلّ تفسير لا يصدق علىٰ أحدهما فهو غير معتبر حتّى التّعريف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما، وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد كلّ منهما يسع أهله وزيادة. (غنية المستملي: ص:۴۷۳-۴۷۴ فصل في صلاة الجمعة)

مصر کی تعریف جو صاحبِ ہدایہ نے کی اس کی صحت کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والحدّ الصّحيح ما اختاره صاحب الهداية أنّه الّذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود إلخ (حوالہ سابقہ) تحفة الفقهاء میں امام صاحبؒ سے تعریف نقل کی ہے: عن أبي حنيفة أنّه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق ، وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظّالم بحشمتهٖ وعلمهٖ أو علم غيره يرجع النّاس إليه فيما يقع من الحوادث وهٰذا هو الأصحّ . (غنية المستملي، ص:۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة) ظفیر

أبو یوسف علیٰ من کان داخلَ حدّ الإقامةِ الّذي مَن فارقهٗ یصیر مسافرًا ومن وصل إلیه یصیر مُقیمًا وهو الأصحّ [۱] اور عمدہ حاشیہ شرح وقایہ میں ہے: قال في معراج الدّرایة: إنّه أصحّ ما قیل فیه [۲] یا اس روایت کا بھی معنی ومطلب یہی ہے جو مولوی صاحب مرحوم نے تحریر کیا ہے یا کچھ اور؟ اس کا معنی مطلب واضح طور پر لکھیں۔ (۱۳۳۸/۳۲۴ھ)

الجواب: یہ روایت عند المحققین من الحنفیہ صحیح ومختار نہیں ہے، جیسا کہ شامی نے کہا: إن بعض المحقّقین أهل التّرجیح أطلق الفناء عن تقدیرہٖ بمسافة ، وکذا محرّر المذهب الإمام محمّد ، وبعضهم قدّره بها ، وجملة أقوالهم في تقدیرہٖ ثمانیة أقوال أو تسعة: غلوة ، میل ، میلان ، ثلاثة ، فرسخ ، فرسخان ، ثلاثة ، سماع الصّوت ، سماع الأذان ، والتّعریف أحسن من التّحدید إلخ [۳] اس سے معلوم ہوا کہ (نو قول جو تحدید فناء مصر میں ہیں، ان میں ۴۸ میل کا قول نہیں ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ) [۴] محققین نے تقدیر بالمسافۃ نہیں کی، اور تحدید سے تعریف عمدہ ہے، اور تعریف فناء مصر کی یہ ہے کہ جو مصالح مصر مثل دفن موتی ورکض خیل (گھوڑوں کے دوڑانے) وغیرہ کے لیے مہیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۵/۵)

فناء مصر کی تعریف

سوال: (۲۲۲۷) ایک گاؤں شہر سے ایک میل کی مسافت پر ہے، فنائے شہر سے بالکل جدا ہے،

---

(۱) مواہب الرحمٰن اور شرح برہان کی عبارت شامی میں اس طرح منقول ہے: وصحّح في مواهب الرّحمٰن قولَ أبي یوسف بوجوبها علیٰ من کان داخلَ حدّ الإقامةِ أي الّذي مَن فارقهٗ یصیر مسافرًا و إذا وصل إلیه یصیر مُقیمًا إلخ. (ردّ المحتار: ۲۵/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة مطلب في شروط وجوب الجمعة)

(۲) عمدة الرّعایة علی شرح الوقایة: ۳۱۵/۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة ، المطبوعة : دار الکتب العلمیة ، بیروت.

(۳) ردّ المحتار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة.

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

جن فقہاء نے تعریف فناء کو معتبر سمجھا ہے تو اُن کے نزدیک وہاں جمعہ واجب نہیں، مگر جنھوں نے تقدیر الفناء بالمسافۃ فرمائی ان کے قول کے مطابق وہاں جمعہ واجب ہے کیونکہ موضع مذکور ایک فرسخ کے اندر ہے، اور فرسخ پر بہتوں کا فتوی ہے، آیا اس گاؤں میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟
(۱۴۹۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تحدید بالفراسخ مطلقاً معتبر نہیں ہے بلکہ اعتبار فناء مصر میں اس کا ہے کہ وہ جگہ مصالح مصر کے لیے ہے یا نہیں، اگر مصالح مصر کے لیے نہیں ہے بلکہ جدا گانہ قریہ ہے تو اس کا حکم در بارۂ جمعہ مستقل ہے یعنی اگر وہ قریہ کبیرہ ہے جمعہ اس میں واجب و ادا ہوگا ورنہ نہیں۔ **قال في الشّامي: والتّعريف أحسن من التّحديد إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۰/۵-۸۱)

سوال: (۲۲۲۸) فناء مصر کتنے میل تک ہوتی ہے؟ (۱۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فناء مصر کے لیے میلوں کی تعداد معتبر نہیں ہے، بلکہ فناء مصر وہ ہے کہ جو مصالح مصر کے لیے اور کار ہائے مصر کے مہیّا ہو۔ **كدفن الموتٰى و ركض الخيل (الدّرّ المختار) والدّوابّ وجمع العساكر والخروج للرّمي وغير ذٰلك**[2] **(شامي)** فقط (۳۴/۵)

---

(۱) **ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .**

پوری عبارت اس طرح ہے: **أو فناؤه ...... وهو ما حوله اتّصل به ...... لأجل مصالحه كدفن الموتٰى وركض الخيل ، والمختار للفتوٰى تقديره بفرسخ ذكره الولوالجيّ (الدّرّ المختار) اعلم أنّ بعض المحقّقين أهل التّرجيح أطلق الفناء عن تقديره بمسافة ، وكذا محرّر المذهب الإمام محمّد ، وبعضهم قدّره بها ، وجملة أقوالهم في تقديره ثمانية أقوال أو تسعة: غلوة، ميل، ميلان، ثلاثة، فرسخ، فرسخان، ثلاثة ، سماع الصّوت ، سماع الأذان والتّعريف أحسن من التّحديد لأنّه لا يوجد ذٰلك في كلّ مصر ، وإنّما هو بحسب كبر المصر وصغره إلخ ، فالقول بالتّحديد بمسافة يخالف التّعريف المتّفق على ما صدق عليه بأنّه المعد لمصالح المصر إلخ. (ردّ المحتار: ۸/۳-۹، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)** ظفیر

(۲) **فالقول بالتّحديد بمسافة يخالف التّعريف المتّفق على ما صدق عليه بأنّه المعد لمصالح المصر فقد نصّ الأئمّة علٰى أنّ الفناء ما أعدّ لدفن الموتٰى وحوائج المصر كركض الخيل والدّوابّ وجمع العساكر والخروج للرّمي وغير ذلك إلخ. (ردّ المحتار: ۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)**

مصر کی صحیح تعریف کیا ہے؟

سوال: (۲۲۲۹) عندالاحناف وجوب جمعہ کے لیے مصر تو یقیناً شرط ہے لیکن چونکہ تعریف مصر میں اختلاف عظیم ہے، لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ تعریف معتبر ومفتی بہ کونسی ہے؟ اور اس کا ماخذ کیا ہے؟ مدلل بیان فرماویں وہ قریہ جس کی آبادی ۱۲۰۰ یقیناً ہے، اور پانچ مساجد بھی ہیں اور تمام حوائج اہل قریہ بھی دستیاب ہوتی ہیں، اور صاحب ہدایہ کی تعریف ہذا: **وعنه أنّهم إذا اجتمعوا في أكبر مساجد هم لم يسعهم** [۱] کا بعینہٖ مصداق ہے، اور صاحب شرح وقایہ کی عبارت ہذا: **وما لايسع أكبر مساجده أهله مصر** [۲] پر بھی انطباق ہے، علاوہ بریں چونکہ قریہ مذکورہ میں شریف اہل علم آباد ہیں ان کی وجہ سے گردونواح کے اہل دیہات برائے شرکت جمعہ جمع ہوتے ہیں اور خوب مجمع ہوجاتا ہے، لہٰذا بیان فرمائیں کہ قریہ مذکورہ میں بناء برتعریف صاحب ہدایہ وشرح وقایہ جمعہ جائز ہے یا نہ؟ ثانی شق (ناجائز ہونے کی صورت) [۳] میں دلیل اعراض عن التعریفین وماخذ قول مفتی بہ ضرور تحریر فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔ (۸۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مصر کی یہ تعریف: **وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلّفين بها منقوض** ہے [۴] صحیح یہ ہے کہ عرفًا وہ بستی شہر یا قصبہ کہلائے جانے کی مستحق ہو، اور قریہ کبیرہ جو مثل قصبہ کے ہو اور ضروریات مردماں وہاں ملتی ہوں وہ بھی بہ حکم مصر ہے۔ شامی میں ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ــــــ إلى أن قال: ــــــ وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب إلخ** [۵] **(شامي) وفي باب العيدين من الدّرّ المختار عن القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه**

---

(۱) الهداية: ۱/ ۱۶۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۲) شرح الوقاية: ۱/ ۱۹۸-۱۹۹، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۳) ''ثانی شق'' کا رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے، نیز قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی اضافہ کی ہوئی ہے؛ رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۴) غنية المستملي: ص: ۴۷۳-۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة.

(۵) ردّ المحتار: ۳/ ۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

اشتغال بما لا یصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة[1] (الدّرّ المختار) شامی میں ہے: ومثله الجمعة إلخ[1] پس معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے؛ حالانکہ تعریف مالا یسع أکبر مساجده إلخ، بہت سے قریوں پر صادق آتی ہے؛ اس لیے شامی نے اس تعریف کے ذیل میں نقل فرمایا ہے: قوله: (ما لا یسع إلخ) هذا یصدق علی کثیر من القری إلخ[2] اور اس تعریف پر یہ بھی نقض کیا گیا ہے کہ حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہو ہی[3] جاتی ہیں کیونکہ وہاں ما لا یسع صادق نہیں آتا بلکہ ان مساجد میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ وسعت ہے۔ کذا فی شرح المنیة إلخ[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۹/۵-۱۶۰)

مصر کی مفتی بہ تعریف کیا ہے؟ اور ہندوستان میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۳۰) جمعہ اور عیدین کی نماز گاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ اور مصر کی تعریف کونسی مفتی بہ ہے؟ اور مسلمان قاضی یا والی کی شرط کے متعلق کیا فتوی ہے؟ اور بلاد ہند میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہوں وہ گاؤں ہے یا شہر؟ برتقدیر جواز جمعہ احتیاط الظہر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ (۵۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: گاؤں اگر بڑا ہو مثل قصبہ کے اور اس میں بازار اور دکانیں ہوں تو اس میں عندالحنفیہ جمعہ اور عیدین کی نماز درست ہے اور فرض ہے، اور اگر چھوٹا ہے تو اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں ہے۔ کما فی الشّامي باب الجمعة: وتقع فرضًا فی القصبات والقری الکبیرة الّتي

(۱) الدّرّ المختار والرّدّ: ۴۳/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب فی الفأل والطّیرة.

(۲) ردّ المحتار: ۷/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۳) مطبوعہ فتاوی میں (ہو ہی) کی جگہ ''ہوئی'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) والفصل في ذٰلك أنّ مکّة والمدینة مصران تقام بهما الجمعة من زمنه علیه الصّلاة والسّلام إلی الیوم فکلّ موضع کان مثل أحدهما فهو مصر إلخ، حتّی التّعریف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرین کصاحب المختار، والوقایة وغیرهما وهو ما لو اجتمع أهله في أکبر مساجده لا یسعهم؛ فإنّه منقوض بهما، إذ مسجد کلّ منهما یسع أهله وزیادة إلخ. (غنیة المستملي، ص: ۴۷۳-۴۷۴، کتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

فیها أسواق ـــــ إلیٰ أن قال:ـــــ وفیما ذکرنا إشارة إلیٰ أنّه لا تجوز في الصّغیرة إلخ(۱)
اور مصر کی تعریف میں اختلاف ہے جو کہ کتب فقہ میں مذکور ہے، اس کا فیصلہ بھی شامی کی عبارت مذکورہ سے ہوگیا ہے کہ قصبہ اور بڑا قریہ شرعاً مصر ہے اور چھوٹا گاؤں مصر نہیں ہے، زیادہ تفصیل مصر کے بارے میں کتب فقہ میں ملاحظہ فرماویں، اور شامی میں یہ تصریح ہے کہ وہ بلاد جن میں کفار کا تسلط ہے ان میں جمعہ صحیح ہے، اور امام مسلمین کا نہ ہونا باعث عدم جواز جمعہ نہیں ہے، بلکہ مسلمانان اپنا امام مقرر کرلیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں۔ **کذا في الشّامي** (۲) اور جس بستی میں آٹھ ہزار گھر ہیں یا آٹھ سات ہزار آدمی آباد ہیں وہ قصبہ اور شہر ہے، اور وہاں بلاشبہ نماز جمعہ ادا ہوتی ہے، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط

(مصر کی جو تعریف شرح وقایہ وغیرہ میں نقل کی گئی ہے: **هو موضع إذا اجتمع أهله في أکبر مساجده لم یسعهم یا ما لایسع أکبر مساجده أهله مصر** (۳) یہ صحیح نہیں ہے، علامہ شامی نے صراحت کی ہے: **قوله: (ما لا یسع إلخ) هٰذا یصدق علیٰ کثیر من القری** (۴) یعنی اگر اس تعریف کو صحیح مان لیا جائے تو بہت سے چھوٹے دیہاتوں اور گاؤں پر بھی یہ تعریف صادق آئے گی، حالاں کہ ان میں جمعہ درست نہیں ہے، پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس تعریف کی بنیاد پر حرمین شریفین کی مسجد حرام اور مسجد نبوی اس تعریف سے خارج ہوجاتی ہے، کیوں کہ وہاں **ما لا یسع** (جس میں سارا شہر نہ سما سکے) صادق نہیں آتا؛ اس لیے کہ ان مسجدوں میں وہاں کے رہنے والوں سے بہت زیادہ گنجائش ہے؛ چنانچہ شرح منیہ میں ہے: **حتّی التّعریف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهو ما لو اجتمع أهله في أکبر مساجده لا یسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد کلّ منهما یسع أهله وزیادة** (۵) **(غنیة المستملي، ص:۵۱۱)**

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۸، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.
(۲) فلو الولاة کفّارًا یجوز للمسلمین إقامة الجمعة ویصیر القاضي قاضیًا بتراضي المسلمین ویجب علیهم أن یلتمسوا والیًا مسلمًا أهـ. (ردّ المحتار: ۳/۱۴، کتاب الصّلاة، باب الجمعة)
(۳) شرح الوقایة: ۱/۱۹۸-۱۹۹، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.
(۴) ردّ المحتار: ۳/۷، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.
(۵) غنیة المستملي، ص: ۴۷۳-۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة.

اس لیے متأخرین کی تعریف صحیح نہیں کہی جاسکتی، تعریف [۱] ایسی جامع ہو جو ہر طرح درست رہے۔ ظفیر)(۵/۱۶۶-۱۶۷)

قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں

سوال:(۲۲۳۱) **ما قولكم أيّها العلماء الكرام من الأحناف العظام في هٰذه المسئلة أن صلاة الجمعة واجبة على أهل القرى أم لا ؟ بيّنوا بجواب شاف وتوجروا بثواب وافٍ.** (۱۳۳۵/۹۳۷ھ)

الجواب:(جواب از بعض علماء) **الجمعة على أهل القرى ليست بواجبة لقوله عليه السّلام:"لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحٰى إلّا في مصر جامع أو مدينة عظيمة"** [۲] **في فتح القدير: "أن قوله تعالٰى: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ ليس على إطلاقه اتّفاقًا بين الأمّة إذ لا يجوز إقامتها في البراري إجماعًا، ولا في كلّ قرية عنده (الشّافعي) .... فكان خصوص المكان مرادًا فيها إجماعًا ، فقدّر (الشّافعي) القرية الخاصّة ، وقدّرنا المصرّ وهو أولٰى لحديث عليّ رضي اللّٰه عنه ، وهو لو عورض بفعل غيره كان عليّ مقدّمًا عليه فكيف ولم يتحقّق معارضة ما ذكرنا إيّاه ، ولهٰذا لم ينقل عن الصّحابة أنّهم لما فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر والجُمع إلّا في الأمصار دون القرٰى ولو كان لنُقِل ولو آحادًا"** [۳] **وأيضًا: "إنّ الجمعة فرضت على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم**

---

(۱) صاحبِ درمختار نے متأخرین کی تعریف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: **وظاهر المذهب أنّه كلّ موضع له أمير وقاض يقدر على إقامة الحدود كما حرّرناهُ فيما علّقناه على الملتقٰى (الدّرّ المختار) قوله: (وظاهر المذهب إلخ) قال في شرح المنية: والحدّ الصّحيح ما اختاره صاحب الهداية أنّه الّذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود إلخ . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۷، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)** ظفیر

(۲) **عن عليّ رضي اللّٰه عنه قال: لا جمعة لا تشريق الحديث (مصنّف ابن أبي شيبة: ۲/۵۳۶، أبواب الجمعة، باب من قال: لا جمعة لا تشريق إلّا في مصر جامع، المطبوعة: مكتبة الرّشد ، الرّياض)**

(۳) **فتح القدير: ۲/۵۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .**

وهو بمكّة قبل الهجرة كما أخرجه الطّبرانيّ عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما" [۱]فلم يكن إقامتها من أجل الكفّار ، فلمّا هاجر النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ومن هاجر معه من أصحابه إلى المدينة لبث رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في بني عمرو بن عوف بضع أربعة عشر أيّام ، ولم يصل الجمعة فهٰذا دليل على عدم الجمعة في القرى وإلّا لصلّى رسول اللّٰـه صلّى اللّٰه عليه وسلّم الجمعةَ ، ومع أنّ البخاري روي في صحيحه: "كان النّاس ينتابون (و في رواية: يتناولون) الجمعة من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار يصيبهم الغبارُ والعَرَقُ فيخرج منهم العَرَقُ الحديث" [۲]وفي القدوري: " لا تصحّ الجمعة إلّا في مصر جامع أو في مصلّى المصر ولا تجوز في القرى" [۳]وقال مولانا بحر العلوم في أركانه تحت قوله تعالىٰ: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ الآية ﴾المراد من ﴿وَذَرُوْا الْبَيْعَ﴾ أي "ويحرم البيع ويجب السّعي إلى الجمعة بعد سماع النّداء"............ " ثمّ إنّ البيع قد يطول الكلام فيه فيفوت الخطبة أوالجمعة لأنّ التّجّار لا يتركون صفقاتهم في هٰذا الزّمان فلذا منع من النّداء الأوّل" [۴] فالبيع والشّراء في المصر ظاهر. وقال أيضًا فيه:"ويكره للمريض وغيره من المعذورين أن يصلّوا الظّهر يوم الجمعة بجماعة ولا بأس بالجماعة للظّهر للقروي لأنّ الجمعة جامعة للجماعات في المصر" [۴]فعلم أنّ شرط المصر بوجوب الجمعة مشروع لأنّه جرى التّوارث من لدن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم إلى هٰذا الآن أن لا يصلّي الجمعة

---

(۱)عون المعبود شرح سنن أبي داؤد: ۳/۴۰۴، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة في القرى، المطبوعة: مكتبة سلفية ، مدينة منوّرة .

(۲) عن عائشة زوج النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم : قالت: كان النّاسُ يَنْتابُون الحديث .
(صحيح البخاري:۱/۱۲۳، كتاب الجمعة ، باب من أين تؤتى الجمعة إلخ)

(۳) مختصر القدوري،ص:۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة ،المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت.

(۴)رسائل الأركان، ص:۱۱۸،فصل في الجمعة، بيان صفة صلاة الجمعة ،المطبوعة:مكتبة دار العلوم ديوبند .

أهل البدو والقرى ، فالعمل على قول صاحب القدوري لازم على المقلّدين لأنّ قوله مطابق للمذهب الحنفي واتّبعوه ورجّحوه جمهور فقهاء المحقّقين ولم ينكره أحد من علماء الحنفيّين كما في الدّرّ المختار : "فعلينا اتّباع ما رجّحوه وما صحّحوه كما لو أفتوا في حياتهم"(۱) والحق أحقّ بالاتّباع والمقلّد الّذي يخالفه فحكمه غير جائز كما في الدّرّ المختار :"وأمّا المقلّد فلا ينفذ قضاءه بخلاف مذهبه أصلاً" (۲) فشرط المصر لصحّة الجمعة محقّق عند جمهور الحنفية بلا إنكار أحد ، لكنّ الاختلاف بينهم في تعريف المصر البتّة ، فقال الإمام الشّافعيّ : موضع فيه بنيان غير منتقلة ويكون المقيمون أربعين رجلاً من أصحاب المكلفين فإذا كان كذلك لزمت الجمعة واختلفت الرّوايات في مذهبنا ففي ظاهر الرّواية بلدة لها إمام أو قاضٍ يصلح لإقامة الحدود ، وفي فتح القدير :"وقال أبوحنيفةؒ: المصر كلّ بلدة فيها سكك و أسواق وبها رساتيق ووالٍ ينصف المظلومَ من الظّالم، وعالم يرجع إليه في الحوادث" (۳) وفي رواية عن الإمام أبي يوسف:" المصر موضع يبلغ المقيمون فيه عددًا لا يسع أكبر مساجده إيّاهم في الهداية: هو اختيار السّلجي" (۴) وبه أفتى أكثر المشائخ لما رأوا فساد أهل الزّمان والولاة، وعنه أيضًا:"كلّ موضع يسكن فيه عشرة آلاف نفر" (۵) وعنه أيضًا : " كلّ موضع له أمير و قاضٍ ينفّذ الأحكام ويقيم الحدودَ .... وهو اختيار الكرخي"كذا في الهداية(۶) وقال بعضهم:"هو أن يعيش كلّ محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يحتاج إلى حرفة أخرى" (۷) وقال بعضهم:"هوأن يكون

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار :۱/۱۶۲، مقدّمة ، مطلب في طبقات الفقهاء .
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار :۱/۱۶۳، مقدّمة ، مطلب في حكم التّقليد والرّجوع عنه .
(۳) فتح القدير :۲/۵۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .
(۴) الهداية :۱/۱۶۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة ، بتغيير يسير .
(۵) درر الحكّام شرح غرر الأحكام : ۱/۱۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، المطبوعة: مير محمّد كتب خانه ، كراتشي .
(۶) الهداية :۱/۱۶۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .
(۷) بدائع الصّنائع :۱/۵۸۴، كتاب الصّلاة ، فصل في بيان شرائط الجمعة ، بتغيير يسير .

أهـلـهٗ بـحـال لو قصَدهم عدوٌّ يمكنهم دفعُه" (١) "وقـال بـعضهم: أن يولد فيه كلّ يوم ويـمـوت فيـه إنسـان ، وقـال بـعـضهم : أن لا يعرف عدد أهله إلّا بكلفة ومشقّة " (٢) فـمـختـار أكثـر الـفـقهاء مراعاة لضرورة زماننا و المفتىٰ به عند جمهور المتأخّرين في تـعـريف المصر الرّواية المختارة للسّلجي أي ما لايسع أكبرمساجده أهله المكلّفون بها "وقـال أبو شجا ع : هٰذا أحسن ما قيل فيه ، وفي الـولوالجيّة: و هو الصّحيح" بحر (٣) وعـليـه مشـى فـي الوقاية و متن المختار وشرحه(٤) وقـدّمـه في متن الدّرر على القول الآخـر وظـاهره ترجيحه وأيّده صدر الشّريعة بقوله: "لظهور التّواني في أحكام الشّرع لاسيّما في إقامة الحدود في الأمصار" (٥) فكلّ موضع يصدق عليه التّعريف المذكور فهـو مـصـر تـجب الجمعة علىٰ أهلهٖ و إلّا فلا تجب سواء ذلك الموضع يتعارف بقرية أودونهـا غيـر المصر ، فالآن هي لاحقة في حكم الـمـصر شرعًا لا عرفًا لتطبيق تعريف الـمتـأخّرين ، وهٰذا أحسن ومالا يصدق عليه التّـعـريف المذكور فهو ليس بمصر شرعًا وعرفًا ، ففي لفظ القرية اعتباران شرعًا بحيث ترسم به وبحيث لا ترسم به: ففي الأوّل تـصـحّ الـجـمـعة ، وهي مدينة عظيمة أوقرية كبيرة ، وفي الثّاني لا تصحّ الجمعة وهي قـرية صـغيرة ومفازة ومثلها كما يدلّ عليه عبارة القهستاني:"وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق" (٦) وفي البحر: " لا تصحّ في قرية ولا مفازة لقول

---

(١) تبيـيـن الـحـقـائق شرح كنز الدّقائق : ١/٢١٧، كتـاب الـصّـلاة ، باب صلاة الجمعة ، المطبوعة : مكتبة إمداديّة ، ملتان .

(٢) جـامـع المضمرات والمشكلات في شرح القدوري للإمام يوسف بن عمر الكادري: ٢/١١١، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، شروط الجمعة ، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت

(٣) البحر الرّائق: ٢/٢٤٧، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .

(٤) الاختيار لتعليل المختار: ١/٢٤٣، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، المطبوعة: دار الرّسالة العالميّة ، دمشق .

(٥) شرح الوقاية: ١/١٩٩، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(٦) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ٣/٨، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

علیّ رضي اللّٰه عنه لاجمعة ولا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحٰی إلّا في مصر جامع أو في مدينة عظيمة ـــــ ثمّ قال : ـــــ فلا تجب على غير أهل المصر" [1] كذا في الطّحطاوي [2] فبينهما عموم وخصوص فتنبّه بالدّلائل المذكورة فرضية الجمعة مخصّصة بالإجماع فإن صلّى الجمعة أهل قرية لا يقال لها مصر شرعًا لا يسقط الظّهر عن ذمّته و إن صلّى الظّهر فرادى يعصي بكبيرة لترك الواجب أي جماعة الظّهر بأداء جماعة النّفل وهٰذا من قباحة عظيمة "فإنّ الجمعة جامعة للجماعات وفي أداء الظّهر بالجماعة تفريق الجماعة عن الجمعة (وتقليلها فيها بخلاف القرى إذ لا جمعة عليهم ولا يفضي أداء الظّهر بالجماعة إلى تفريق الجمعاعة) [3] وتقليلها فيكون ذلك اليوم في حقّهم كسائر الأيّام في جواز أداء الظّهر بالجماعة من غير كراهة [4] (مجالس الأبرار) فالقول لمن يقول مالفرق بين الجمعة والظّهر غير الخطبتين وصحّت الجمعة بلا كراهة في كلّ موضع مثل الظّهر سواء كان ذلك الموضع مصرًا أو قريةً أوغيره ، وتاركها بلا عذرفاسق وعاص ومردود وقائله ضالّ ومضلّ ليس من المقلّدين وعلى المقلّدين الاجتناب عن أقواله وأفعاله ومصاحبته . واللّٰه أعلم وعلمه أحكم .

كتبه:أبو الفيض محمّد حبيب الرّحمٰن عفي عنه .

الجواب (۲) از حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی دارالعلوم دیوبند :

بے شک قریہ صغیرہ میں عندالحنفیہ جمعہ صحیح نہیں ہے،اور قریہ صغیرہ میں جمعہ پڑھنے والے مرتکب امر مکروہ وممنوع کے ہیں اور قریہ کبیرہ اور قصبات میں جمعہ صحیح ہے۔کما في ردّ المحتار عن القهستاني : "وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال : ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّها لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر" [5]

---

(۱) البحر الرّائق:۲/۲۴۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .
(۲) حاشية الطّحطاوي على الدّرّ المختار :۱/۳۳۹، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .
(۳) قوسین والی عبارت مجالس الابرار سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲
(۴) مجالس الأبرار ومسالك الأخيار ،ص:۶۴۵-۶۴۶، شروط أداء صلاة الجمعة .
(۵) ردّ المحتار على الدّرّ المختار:۳/۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

وفي باب العيدين من الدّرّ المختار: "صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا، وفي الشّامي: قوله: (صلاة العيد) ومثله الجمعة إلخ"[1] فقط واللہ اعلم ۔ کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ

الجواب (۳) از حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند:

عبارات أصحابنا في تفسير المصر كلّها متوافقة في المعنى، وإنّما اختلفت التّعبيرات والألفاظ فاشتراط القاضي في ظاهر الرّواية بناءً على " اشتراط المصر لنفاذ القضاء في ظاهر الرّواية" أيضًا كما في التّنوير من باب القضاء[2] وتعريف المتأخّرين بأنّه لايسع أهله مبني على تعدّد المساجد هناك لكثرة الأبنية فآل إلى القرية الكبيرة، وفي العناية: زيادة ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلّفين بها حتّى يحتاجوا إلى بناء مسجد جامع[3] والحاصل أنّ تفسير المصر محوّل على العرف واللّغة، نعم في بعض عباراتهم أنّ القرية الصّغيرة مجتهد فيها عندنا، فينفذ قضاء القاضي الشّافعي بصحّتها على الحنفيّ في ضمن دعوى صحيحة لا إذا كانت فتوى لا دعوى من حاضر على حاضر.

محمد انور عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند (۵/۴۴-۴۹)

جمعہ کہاں جائز ہے؟

سوال: (۲۲۳۲) مذہب حنفیہ کے نزدیک جمعہ کہاں پر جائز ہے؟ مصر کس کو کہتے ہیں؟ اور کیا شرائط ہیں؟ مجدد الف ثانیؒ جہاں پر مدفون ہیں وہاں پر جمعہ پڑھا ہے آیا جمعہ وہاں جائز ہے یا نہیں؟ (۴۰۹/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مذہب؛ حنفیہ کا جو تمام کتب فقہ حنفیہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ جمعہ کے ادا ہونے اور واجب ہونے کے لیے مصر شرط ہے، اور مصر کہتے ہیں شہر کو، اور قصبہ اور بڑا قریہ بھی حکم شہر میں ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸/۳۲، كتاب القضاء، مطلب: يُفتي بقول الإمام على الإطلاق، ملخّصًا.

(۳) العناية مع فتح القدير: ۲/۵۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، ملخّصًا.

کذا في الشامي [۱] پس خلاصہ یہ ہے کہ چھوٹے قریہ میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں ظہر با جماعت پڑھنی چاہیے، اور بڑے قریہ اور قصبہ اور شہر یا متعلقات شہر میں جمعہ پڑھنا چاہیے، وہاں احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے، جس جگہ مزار حضرت مجدد صاحبؒ کا ہے وہ متعلق شہر سرہند کے ہے، لہٰذا وہاں جمعہ درست ہے، اگر گاؤں چھوٹا ہو اور دکانیں وغیرہ وہاں نہ ہوں تو جمعہ نہ پڑھنا چاہیے، اور اگر دکانیں اور بازار وہاں موجود ہیں تو جمعہ پڑھنا چاہیے۔

مکرر آں کہ اگر حضرت مجدد صاحبؒ نے بالتصریح و بالتخصیص موضع مذکور میں جمعہ جائز فرمایا ہے تو وہاں جمعہ پڑھنا چاہیے کیوں کہ ضرور ہے کہ اس وقت وہاں شرائط جمعہ پائی گئی ہوں گی، اب جمعہ چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم، مفتی مدرسہ (۱۷۹/۵)

مصر کی تعریف میں وارد عبارتوں کا مطلب

سوال: (۲۲۳۳) اختلفوا في تفسير المصر، قال في النّهاية: اختلفوا فيه فعن أبي حنيفةؒ هو ما يجتمع فيه مرافق أهله [۲] اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟ عن أبي حنيفة هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق [۲] ان عبارات کا مطلب تحریر فرمادیں۔

(۱۷۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جو کچھ عبارات مختلفہ مصر کی تعریف میں وارد ہیں مآل [۳] ان کا ایک ہے، وہ یہ کہ مصر بڑے شہر کو کہا جاتا ہے جس میں بازار و دکانیں ہوں اور ضروریات ملتی ہوں وغیرہ۔ فقط (۱۶۵/۵)

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق —— إلى أن قال: —— وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب إلخ. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

(۲) البناية في شرح الهداية: ۵۱/۳-۵۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، المطبوعة: دار الفكر، بيروت.

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (مآل) کی جگہ ''حال'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

قصبہ سے قریب دیہات میں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۳۴) اگر قصبہ کے نواح میں کوئی جمعہ پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۶۹ھ)

الجواب: اگر قصبہ کے حدود میں جمعہ پڑھیں تو صحیح ہے، اور جو دیہات متصل قصبہ کے ہیں ان میں جائز نہیں ہے، اور مراد حدود قصبہ سے فناء شہر ہے، جس میں قصبہ کے کاروبار ہوتے ہوں، جیسے رکض خیل (گھوڑوں کے دوڑانے) وغیرہ[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳/۵)

سوال: (۲۲۳۵) قصبہ رضا گنج کے متصل ایک موضع حسن گنج واقع ہے جس کے حدود قصبۂ مذکورہ سے علیحدہ ہیں اور مستقل موضع ہے، لیکن رضا گنج کا ڈاک خانہ ومویشی خانہ اندر حدود حسن گنج کے ہے؛ آیا باوجود علیحدہ ہونے حدود وآبادی حسن گنج کے حسن گنج کو رضا گنج کا فناء قرار دے کر جمعہ حسن گنج میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۰۹۳ھ)

الجواب: جب کہ موضع حسن گنج مستقل اور جداگانہ قریہ ہے اور وہ قریہ صغیرہ ہے تو اس میں موافق تصریحات فقہاء کے جمعہ صحیح نہیں ہے؛ جیسا کہ شامی میں تصریح ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ**[۲] وفي باب العيدين من الدّرّ المختار: **صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا، وقال في الشّامي: ومثله الجمعة إلخ**[۳] اور عبارات سوال سے ظاہر ہے کہ موضع حسن گنج فناء رضا گنج سے نہیں ہے تا کہ موضع مذکورہ میں بہ وجہ فنائے مصر ہونے کے جمعہ صحیح ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۱/۵-۱۲۲)

شہر سے قریب چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۳۶) شہر سے نصف میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا گاؤں واقع ہے اور شہر وگاؤں

---

(۱) ويشترط لصحّتها .... المصر إلخ، أو فناؤه .... وهو ماحوله اتّصل به أوّلاً ...... لأجل مصالحه كدفن الموتىٰ و ركض الخيل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۶-۸، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

(۲) ردّ المحتار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۳) الدّرّ المختار والرّدّ: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب في الفأل والطّيرة.

کے درمیان باغیچہ اور نہر اور احاطہ گھوڑوں کے رہنے کا ہے، اس چھوٹے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ مصر اور فناء مصر کی صحیح تعریف کیا ہے؟ گھوڑوں کے احاطہ کے متعلق ملازموں کے مکانات ہیں ان مکانات میں مسجد ہے؛ اس مسجد میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۸۱۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مصر کی تعریف میں اختلاف ہے، لیکن بہ ظاہر مدار عرف پر ہے، عرفاً جو شہر اور قصبہ ہو، اور آبادی اس کی زیادہ ہو، اور بازار وسکک (گلیاں) اس میں ہوں، اور ضروریات سب ملتی ہوں وہ شہر ہے[1] اور فناء مصر وہ جگہ ہے جو شہر کے متصل شہر کی ضروریات مثل رکض خیل وغیرہ کے لیے ہو[2] وہ چھوٹا گاؤں جس کا ذکر سوال میں ہے اس میں عندالحنفیہ جمعہ صحیح نہیں ہے، اور وہ احاطہ گھوڑوں کا اگر متعلق شہر ہے تو فناء مصر ہے، اور اس کے پاس جو ملازموں کے مکانات ہیں وہاں جمعہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۲/۵-۱۰۳)

بازار سے متصل گاؤں میں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۳۷) موضع چھوٹا متصل بازار ''کم تول'' کے واقع ہے اور بازار کی آبادی تین چار ہزار سے کم نہیں ہے، ضرورت کی تمام چیزیں ملتی ہیں آیا موضع مذکور فناء مصر قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قرب وجوار کے مسلمان وہاں جا کر جمعہ ادا کریں یا اپنے اپنے موضع میں پڑھیں؟ اور اہل قریہ اپنے موضع میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۵۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جب کہ وہ موضع مستقل نام سے مشہور ہے اور شہر کے اغراض کے لیے نہیں ہے تو وہ فناء مصر نہیں ہے۔ **فالقول بالتّحديد بمسافة يخالف التّعريف المتّفق على ما صدق عليه بأنّه المعد لمصالح المصر فقد نصّ الأئمّة علىٰ أنّ الفناء ما أعدّ لدفن الموتىٰ**

(۱) في التّحفة عن أبي حنيفة أنّه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظّالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع النّاس إليه فيما يقع من الحوادث وهٰذا هو الأصحّ .(ردّ المحتار: ۷/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۲) أو فناؤه .... وهو ماحوله اتّصل به أوّلاً .... لأجل مصالحه كدفن الموتىٰ وسركض الخيل .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصلاة ، باب الجمعة) ظفیر

وحوائج المصر كركض الخيل و الدّوابّ وجمع العساكر و الخروج للرّمي و غير ذلك إلخ[1] (ردّ المحتار) قرب وجوار میں جو دیہات صغیرہ ہیں وہاں کے باشندے اپنے اپنے دیہات میں ظہر پڑھیں، جمعہ پڑھنا وہاں درست نہیں ہے[2] البتہ اگر شہر میں جائیں تو وہاں جمعہ پڑھیں[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱٦۳/۵-۱٦۴)

جو گاؤں قصبہ سے جدا ہے اس میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۳۸) ایک آبادی قصبہ سیوہارہ سے سوا سو قدم آگے ہے، اور عیدگاہ اس قصبہ کی دو چند اس آبادی سے آگے ہے، لیکن چوکیدار و چوکیدارہ علیحدہ ہے؛ اس آبادی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۹۱۹ھ)

الجواب: جب کہ وہ علیحدہ گاؤں شمار ہوتا ہے اور نام بھی جدا ہے اور چوکیدارہ وغیرہ

---

(۱) ردّ المحتار: ۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر إلخ، ألا ترى أنّ في الجواهر: لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر (ردّ المحتار: ۸/۳،كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

وفي الخانية : المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النّداء. (ردّ المحتار: ۲۵/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة) *ظفیر*

(۳) عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها زوج النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم أنّها قالت: كان النّاس ينتابون الجمعة من منازلهم ومن العوالي. (سنن أبي داؤد: ۱۵۱/۱، كتاب الصّلاة ، باب من تجب عليه الجمعة)

القروي إذا دخل المصر يومها إن نوى المكث ثمة ذٰلك اليوم ، لزمته الجمعة وإن نوى الخروج من ذٰلك اليوم قبل وقتها أو بعده لا تلزمه ، لكن في النّهر: إن نوى الخروج بعده لزمته ، وإلّا لا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب)

اس کا علیحدہ ہے تو وہ فناء مصر میں شمار نہ ہوگا اور جمعہ وہاں صحیح نہیں ہے [(۱)] فقط واللہ اعلم (۱۱۳/۵)

سوال: (۲۲۳۹) ایک آبادی قصبہ سے سوقدم پر واقع ہے، وہاں کا چوکیدارہ علیحدہ ہے؛ وہاں پر جمعہ پڑھیں یا نہ؟ (۱۳۴۱/۷۸۸ھ)

الجواب: جو گاؤں قصبہ سے جدا ہے، اس میں جمعہ واجب نہیں ہے اور ادا بھی نہیں ہوتا، اگر جمعہ پڑھیں تو قصبہ میں پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

شہر سے ایک میل کے فاصلہ پر جو احاطہ ہے
اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۴۰) ایک احاطہ ۱۲ میل کا ہے اور اس سے ایک میل فاصلہ پر شہر آباد ہے تو اس احاطہ میں جمعہ درست ہے نہ؟ (۵۲۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر وہ احاطہ شہر کے فناء میں سے شمار ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے [(۲)] فقط (۱۵۵/۵)

جو قلعہ فناء مصر میں ہے اس میں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۲۴۱) ایک قلعہ جس میں پانچ سو (۵۰۰) آدمی رہتے ہیں، اور ایک دکان بھی ہے سب اشیاء نہیں مل سکتیں، اور سرکاری ہسپتال بھی ہے، ڈیڑھ میل کے قریب ایک بڑا قصبہ ہے، وہاں سب اشیاء ملتی ہیں، قصبہ کے اندر جا کر نماز جمعہ پڑھنے کا پلٹن کو حکم نہیں تو قلعہ میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۵۰۹ھ)

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ وہ قلعہ فناء قصبہ مذکورہ میں داخل ہے اور نماز جمعہ اس میں صحیح ہے، **كما في عامّة كتب الفقه من جواز الجمعة في المصر وفناء المصر** [(۲)] فقط (۸۶/۵)

---

(۱) لا تـجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر إلخ، ألا ترى أنّ في الجواهر: لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

(۲) ويشترط لصحّتها إلخ المصر إلخ أو فناؤه .... وهو ماحوله اتّصل به أوّلاً إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۶-۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

جس قلعہ میں بلا ٹکٹ کوئی نہیں جا سکتا اس میں جمعہ صحیح ہے

سوال: (۲۲۴۲) قلعہ میگزین (راولپنڈی)(۱) میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے؟ اس قلعہ میں بلا ٹکٹ کے کوئی بھی نہیں جا سکتا، نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے جو حکم ہو اس سے مطلع فرمائیں، اور جگہ کے علماء عدم جواز پر ہیں۔ (۸۸۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اقول وباللہ التوفیق: اس مسئلہ کے متعلق روایت درمختار ورد المحتار یہ ہے، (درمختار میں ہے:)(۲) والسّابع الإذن العامّ من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين ، كافي ، فلا يضرّ غلق باب القلعة لعدّو أو لعادة قديمة لأنّ الإذن العامّ مقرّر لأهله ، وغلقه لمنع العدوّ لا المصلّي ، نعم لو لم يغلق لكان أحسن، كما في مجمع الأنهر معزيًّا لشرح عيون المذاهب قال: وهذا أولٰى ممّا في البحر والمنح فليحفظ ، فلو دخل أمير حصنًا أوقصرَه وأغلق بابه وصلّى بأصحابه لم تنعقد ، ولو فتحه وأذن للنّاس بالدّخول جاز وكره إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (الإذن العامّ) أي أن يأذن للنّاس إذنًا عامًّا بأن لا يمنع أحدًا ممّن تصحّ منه الجمعة عن دخول الموضع الّذي تصلّى فيه، وهذا مراد من فسّر الإذن العامّ بالاشتهار ـــــ إلى أن قال: ـــــ واعلم أنّ هٰذا الشّرط لم يذكر في ظاهر الرّواية ، ولذا لم يذكره في الهداية ، بل هو مذكور في النّوادر ، ومشى عليه في الكنز والوقاية والنّقاية والملتقٰى وكثيرٍ من المعتبرات .... قوله: (وهذا أولٰى ممّا في البحر والمنح) ما في البحر والمنح هو ما فرّعه في المتن بقوله: فلو دخل أمير حصنًا أي أنّه أولٰى من الجزم بعدم الانعقاد. قوله: (أوقصره) ...... قلت: وينبغي أن يكون محلّ النّزاع ما إذا كانت لا تقام إلّا في محلّ واحدٍ، أمّا لو تعدّدت فلا لأنّهٗ لا يتحقّق التّفويت كما أفاده التّعليل، تأمّل. وقال قبيله: وفي الكافي التّعبير بالدّار حيث قال: والإذن العامّ وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذّن للنّاس حتّى لو اجتمعت جماعة في الجامع وأغلقوا

(۱) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲
(۲) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

الأبواب وجمّعوا لم يجز، وكذا السّلطان إذا أراد أن يصلّي بحشمة في داره فإن فتح بابها وأذن للنّاس إذنًا عامًّا جازت صلاته شهدتها العامّة أو لا، وإن لم يفتح أبواب الدّار وأغلق الأبواب وأجلس البوّابين ليمنعوا عن الدّخول لم تجز؛ لأنّ اشتراط السّلطان للتّحرّز عن تفويتها على النّاس وذا لايحصل إلّابالإذن العامّ أهـ. قلت: وينبغي أن يكون محلّ النّزاع ما إذا كانت لا تقام إلّا في محلّ واحدٍ إلخ[۱] (شامي)

پس روایت مذکورہ سے صاحبِ بصیرت کو اتنی بات معلوم ہوسکتی ہے کہ اگر قلعہ کا دروازہ بہ سبب عادت مستمرہ کے بند رہتا ہے، اور قلعہ کے اندر رہنے والوں کو شرکتِ جمعہ کی اجازت ہے تو قلعہ کے اندر جمعہ صحیح ہے، خصوصًا جب کہ عدم جواز جمعہ فی الحصن جو کہ تفویتِ جمعہ قلعہ سے باہر والوں کے لیے ہے پائی نہیں جاتی، کیونکہ قلعہ سے باہر شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہے، كما صرّح في السّوال السّابق اور حسب روایت مفتی بہا ایک شہر میں چند جگہ جمعہ درست ہے۔ كما في الدّرّ المختار وغيره: وتودّى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب وعليه الفتوىٰ[۲]

پس جب کہ علتِ عدم جواز صورت مذکورہ میں موجود نہیں ہے، اور جوازِ جمعہ کا حکم کرنے میں قلعہ کے اندر کام کرنے والوں کو بھی جمعہ کی نماز اور فضیلتِ جمعہ حاصل ہوسکتی ہے، اور اس میں یسر اور سہولت بھی ہے اور یہ مطلوب فی الدین ہے۔ كما قال تعالىٰ: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۸۵) وفي الحديث: الدّين يسرٌ أو كما قال صلّى الله عليه وسلّم[۳] تو اگر حسب تصریح درمختار وشامی قلعہ مذکورہ میں جوازِ جمعہ کا فتوی دیا جاوے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور اذن عام کے اشتراط کی روایات اس کے منافی نہیں ہیں؛ کیونکہ شرط مذکور کی

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۳-۲۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب.

(۳) عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّ الدّين يسر الحديث، رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، ص:۱۱۰، كتاب الصّلاة، باب القصد في العمل، الفصل الأوّل)

وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو جمعہ سے روکا نہ جاوے اور ان کا جمعہ فوت نہ ہو، پس جب یہ وجہ موجود نہ ہو تو پھر صحتِ جمعہ میں کیا تردُّد ہوسکتا ہے، اور اس جزئیہ سے، فلو دخل أمیر حصنًا أو قصرہ إلخ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجہِ عدمِ جواز؛ تفویتِ جمعہ عن الناس ہے کیونکہ اقامتِ جمعہ بہ موجودگی امیر کے ظاہر ہے کہ سوائے امیر کے کوئی نہ کرے گا، اور جب اس نے دروازہ بند کرلیا اور باہر سے آنے والوں کو اجازت شرکتِ جمعہ کی نہ دی تو اس صورت میں باہر والوں کا جمعہ بالکل فوت ہوگا؛ وهو المانع عن الجواز. اور جب کہ یہ خوف باقی نہ ہو اور تفویتِ جمعہ عن الناس قلعہ میں جمعہ پڑھنے کی صورت میں متصور نہ ہو تو پھر حسب تصریح علامہ شامی جوازِ جمعہ فی القلعہ میں کچھ تردد نہیں ہوسکتا۔

قلت: وينبغي أن يكون محلّ النّزاع ما إذا كانت لا تقام إلّا في محلّ واحد أمّا لو تعدّدت فلا لأنّه لا يتحقّق التّفويت كما أفاده التّعليل تأمّل[1] قوله: (لم تنعقد) يحمل على ما إذا منع النّاس فلا يضرّ إغلاقه لمنع عدّو أو لعادة كما مرّ، ط، قلت: ويؤيّده قول الكافي وأجلس البوّابين إلخ، فتأمّل[1] اور اس میں چونکہ دقتِ نظر اور غور وفکر کی ضرورت تھی؛ اس لیے تامل کا امر کیا، اور فقہاء حنفیہ یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ قوت دلیل مرجح قوی ہے، بایں ہمہ بند نہ کرنا دروازہ کا احسن ہے اور احوط ہے۔ کما مرّ عن الدّرّ المختار: نعم لو لم يغلق لكان أحسن (الدّرّ المختار) لأنّه أبعد عن الشّبهة[1] لیکن کلام جوازِ جمعہ میں ہے[2] جو کہ حسب روایات مذکورہ وتعلیل مذکور ثابت ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۴/۵-۱۰۷)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۴/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (ہے) کی جگہ ''نہیں'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) تین سال ہوئے کلکتہ سے ایک سوال اسی طرح کا آیا تھا، اور پوچھا تھا کہ کارخانوں کے اندر جہاں اذن عام نہیں ہے، جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء ناجائز کہتے ہیں، حالاں کہ عرصہ سے ہم لوگ پڑھتے آرہے تھے پھر کارخانہ میں جمعہ کے سلسلہ میں اپنی مجبوری لکھی تھی کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہیں، خاکسار نے جواز کا فتوی دیا تھا، یہاں دارالافتاء میں اور لوگوں کو تذبذب تھا اور اُن کا رجحان کھل کر ناجائز کا تھا، مگر میں نے اسی انداز دلائل سے جواز ثابت کیا تھا اور بحث وتمحیص کے بعد صدر مفتی صاحب نے بھی تصویب کی تھی، الحمد للہ کہ آج اس کی تائید حضرت مفتی العلامؒ سے میسر آئی۔ ظفیر

جس قلعہ میں آمد ورفت کی عام اجازت نہیں اس میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۴۳) ایک قلعہ میں آمد ورفت کے لیے عام اجازت نہیں ہے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس قلعہ میں جمعہ جائز نہیں ہے باہر جائز ہے جہاں عام لوگ شریک ہوسکیں۔ (۸۴۵/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اذن عام بے شک صحتِ جمعہ کے لیے شرط ہے، پس جب کہ اس قلعہ میں عام نمازیوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے تو وہاں جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ **کذا في الدّرّ المختار والشّامي وغيرهما**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۹۰-۹۱)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے جب قلعہ کے علاوہ شہر میں کسی جگہ جمعہ کی نماز نہ ہوتی ہو، اگر قلعہ کے علاوہ شہر میں کسی جگہ جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو قلعہ میں مذکورہ صورت میں نمازِ جمعہ صحیح ہوگی، جیسا کہ خود مفتی علام مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے سوال: (۲۲۴۲) کے جواب میں بہت تفصیل سے مدلل طور پر ذکر کیا ہے؛ جس کا حاصل خود اُن کے الفاظ میں یہ ہے: اوراس جزئیہ سے، **فلو دخل أمير حصنًا أو قصره إلخ** سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وجہِ عدمِ جواز؛ تفویتِ جمعہ عن الناس ہے کیونکہ اقامتِ جمعہ بہ موجودگی امیر کے ظاہر ہے کہ سوائے امیر کے کوئی نہ کرے گا، اور جب اس نے دروازہ بند کرلیا اور باہر سے آنے والوں کو اجازت شرکتِ جمعہ کی نہ دی تو اس صورت میں باہر والوں کا جمعہ بالکل فوت ہوگا؛ **وهو المانع عن الجواز.** اور جب کہ یہ خوف باقی نہ ہو اور تفویتِ جمعہ عن الناس قلعہ میں جمعہ پڑھنے کی صورت میں متصور نہ ہو تو پھر حسب تصریح علامہ شامی جوازِ جمعہ فی القلعہ میں کچھ تردد نہیں ہوسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب. نعمت اللہ اعظمی

کارخانہ کے اندر جہاں عام اجازت نہیں، جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۲۴۴) ایک کارخانہ ریل کا مقام ہوڑہ میں ــــــ مضافات ہوڑہ ــــــ ہوڑہ سے دومیل ہے، تقریبًا اسی نوے ہزار آدمی کام کرتے ہیں، وہاں کوئی مسجد نہیں، ہاں نماز کے لیے ہر شخص

---

(۱) والسّابع الإذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين إلخ، فلو دخل أمير حصنًا أو قصره وأغلق بابَه وصلّى بأصحابه لم تنعقد، ولو فتحه وأذن للنّاس بالدّخول جاز. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۳-۲۵، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

جہاں چاہتا ہے پنج گانہ نماز ادا کرتا ہے، لیکن جمعہ ایک کثیر جماعت سے جس جگہ خالی میدان پایا پڑھ لیا جاتا ہے، حکام کارخانہ سے روک ٹوک نہیں، بلکہ درخواست دے کر اذن حاصل کیا گیا ہے، ایسے مقام پر جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز نہیں اس لیے کہ اذن عام نہیں، بلکہ کارخانہ والوں کو اجازت ہے، کارخانہ والوں کو صرف ظہر کی نماز پڑھنی ہوتی ہے کیونکہ صبح سات بجے سے ساڑھے چار بجے تک کام کا وقت ہوتا ہے؛ تو اس صورت میں ظہر کی نماز وہاں ادا ہوتی ہے یا نہ؟ اور جمعہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟ (۱۸۶۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جمعہ وہاں درست ہے اور کارخانہ والوں کو اذن ہونا کافی ہے، اور کارخانہ والوں کی جماعت وہاں جمعہ کر سکتی ہے[(۱)] اور پنج گانہ نمازوں کے لیے تو کسی حاکم کے اذن کی ضرورت ہی نہیں ہے، لہٰذا ظہر وہاں ہر ایک شخص کی ادا ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۰/۵)

جو کارخانہ فناء شہر میں ہے اس میں جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۲۴۵) میں کارخانہ موٹر کمپنی میں ملازم ہوں، دوپہر کو صرف ایک گھنٹہ کی اجازت خورونوش کے لیے ملتی ہے، ایسی صورت میں جب کہ مسجد جامع بہت فاصلہ پر ہے، خورونوش اور جمعہ کی نماز سے فراغت دشوار ہے تو اگر اسی کارخانہ جائے ملازمت پر نماز جمعہ ادا کی جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟ (۶۶/۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر وہ کارخانہ موٹر کا اس شہر کے متعلقات سے ہے جس میں جامع مسجد ہے یعنی فناء شہر میں واقع ہے جیسا کہ شہر سے باہر کوٹھیاں اور کارخانہ اسی شہر کے متعلقات ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں چند آدمی مل کر نماز جمعہ اسی کارخانہ میں ادا کر سکتے ہیں؛ کیونکہ نماز جمعہ جیسا کہ شہر میں صحیح ہوتی ہے اسی طرح شہر کے متعلقات بیرون شہر میں بھی صحیح ہے[(۲)] فقط واللہ اعلم (۹۶/۵-۹۷)

---

(۱) قلت: وينبغي أن يكون محلّ النّزاع ما إذا كانت لا تقام إلّا في محلّ واحدٍ أمّا لو تعدّدت فلا، لأنّه لا يتحقّق التّفويت كما أفاده التّعليل. (ردّ المحتار: ۲۴/۳-۲۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، قبيل مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

(۲) وكما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أداؤها في فناء المصر، وهو الموضع المعد لمصالح المصر متّصلاً بالمصر. (الفتاوى الهندية: ۱۴۵/۱، كتاب الصّلاة، الباب السّادس عشر في صلاة الجمعة) ظفیر

کارخانہ کے کمرہ میں جمعہ پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۲۴۶)......(الف) ہم لوگ ملازمان کمپنی کارخانہ؛ کارخانہ کے ایک کمرہ میں نماز ادا کرتے ہیں، چونکہ جامع مسجد تقریبًا ایک میل کے فاصلہ پر ہے اور ہم لوگ نوکری کی وجہ سے وہاں نہیں جاسکتے، لہٰذا اس کمرہ میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہ؟

(ب) نماز جمعہ کے لیے مسجد شرط ہے یا نہیں؟ اور وہ کمرہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہ؟

(۲۶۸۴/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف-ب) وہ کمرہ مسجد کا حکم نہیں رکھتا اور مسجد شرعی وہ نہیں ہے؛ لیکن جمعہ اور جماعت اس میں درست ہے کیونکہ جماعت اور جمعہ کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں[1] فقط (۱۱۶/۵-۱۱۷)

احاطۂ مکان میں جو مسجد ہے اس میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۴۷) اس طرف اکثر لوگ احاطۂ مکان میں ایک چار چھ ہاتھ مربعہ مکان دیوار یا ٹٹی[2] کا بہ نام اللہ گھر یا مسجد کے بلالحاظ پابندیٔ نماز بناتے ہیں، یہ مکان ضرورةً ادھر ادھر بھی ہٹالیا جاتا ہے، اور کبھی کھود بھی ڈالتے ہیں، غرض ایسی عرفی مسجدوں میں جو بڑی سے بڑی مسجد تھی اس میں لوگوں سے جمعہ جماعت تیار کرلی، اور واعظ لوگ آئے، انہوں نے بھی ان لوگوں کے ساتھ جمعہ پڑھا اور پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں عندالاحناف جمعہ پڑھنے والے مصیب ٹھہریں گے یا خاطی؟

(۱۰۶۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر وہ بستی جس میں مکان واحاطہ مذکورہ ومسجد مذکور واقع ہے؛ شہر یا قصبہ ہے

---

(۱) ويشترط لصحّتها سبعة أشياء؛ الأوّل: المصر إلخ. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۶/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ان میں مسجد کو شرائط میں شمار نہیں کیا گیا ہے، واللہ اعلم۔ ظفیر

والمسجد الجامع ليس بشرط ولهٰذا أجمعوا علىٰ جوازها بالمصلّى في فناء المصر. (غنية المستملي: ص:۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة)

(۲) ٹٹی: بانس وغیرہ کا بنا ہوا چھپر۔ (فیروز اللغات)

جس میں عندالحنفیہ جمعہ واجب وادا ہوتا ہے، اور بہ وقت نماز جمعہ دروازہ احاطہ کا کھلا ہوا ہے اوراذن عام ہے تو صحتِ صلاۃِ جمعہ میں کچھ شبہ وتردد نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۹۷-۹۸)

فناء مصر میں جو باغ یا جنگل ہے اس میں نمازِ جمعہ درست ہے

سوال: (۲۲۴۸) جنگل یا باغ میں تین آدمی جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۳۶۰/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر وہ جنگل میدان یا باغ شہر کے متعلق اور متصل ہو کہ فناء مصر میں داخل ہو تو جمعہ وہاں ہوسکتا ہے (۲) اور امام صاحب کے نزدیک امام کے سوا تین مقتدی جمعہ کے لیے ہونا ضروری ہیں (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۶۰)

سوال: (۲۲۴۹) شہر کے کھیت وغیرہ میں تین اشخاص کی موجودگی میں جمعہ جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۳/۶۶۸ھ)

الجواب: شہر سے متصل باہر جنگل میں اگر جمعہ کی نماز پڑھیں اور امام کے سواء تین مقتدی ہوں تو عندالحنفیہ جمعہ صحیح ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۲۳-۱۲۴)

جنگل میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۵۰) ایک جنگلی مقام پر اپنے اپنے کام کے ذریعہ سے تقریبًا پچیس {۲۵}

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار: ۳/ ۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) والسّابع: الإذن العام. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۲) وكما يجوز أداء الجمعة في المصر يجوز أداؤها في فناء المصر. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۴۵، كتاب الصّلاة ، الباب السّادس عشر في صلاة الجمعة) ظفیر

(۳) قال في الدّرّ المختار: والسّادس: الجماعة وأقلّها ثلاثة رجال ولو غيّر الثّلاثة الّذين حضروا الخطبة سوى الإمام. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في قول الخطيب: قال الله تعالىٰ: أعوذ بالله إلخ)

(۴) ويشترط لصحّتها إلخ المصر إلخ أو فناؤه .... وهو ما حوله. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۶-۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

تیس {۳۰} مسلمان کم از کم چھ ماہ کے مستقل قیام کے لیے مجتمع ہیں، درآنحالانکہ اس مقام پر نہ تو کوئی آبادی سابق تھی اور نہ مسجد، ان مذکورہ بالا مسلمانوں نے جو قریب قریب کل شہری ہیں ایک پھونس کے چھپر کو نامزد کرکے نماز جمعہ کا باقاعدہ بندوبست کیا، جس میں مذکورہ بالا تعداد سے زیادہ اور کبھی اس سے کچھ کم کئی جمعہ تک لوگ شریک ہوتے رہے، اور ناواقف مسلمانوں کو ارکان نماز وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی تھی، کل کے جمعہ میں ایک نوآمدہ شخص یہ کہہ کر نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوا کہ یہاں جمعہ ناجائز ہے یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۹۳۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: واقعی موافق روایات کتب فقہ کے اس موقع پر نماز جمعہ صحیح نہیں ہے، نماز جمعہ کی صحت اور وجوب کے لیے مصر یعنی شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ یعنی بڑا گاؤں شرط ہے، پس ایسے موقع پر نماز ظہر باجماعت بجائے جمعہ کے پڑھا کریں، اور اسی میں تلقین وتعلیم مسائل شرعیہ کرتے رہیں، درمختار اور شامی میں ہے کہ قریہ صغیرہ میں نماز عیدین وجمعہ مکروہ تحریمی ہے (۱) اور جہاں بالکل آبادی بھی نہ ہو، اور وہ جگہ کسی بڑی آبادی کے قریب نہ ہو وہاں بہ اتفاق جمعہ صحیح نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۷-۵۸)

گاؤں اور جنگل میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۵۱) دس بیس آدمی کہیں سفر کر رہے ہیں لیکن سفر شرعی نہیں ہے، یا دس بارہ کوس پر کوئی بارات جارہی ہے تو راستے میں ان لوگوں کو جمعہ پڑھنا چاہیے یا گاؤں میں جاکر مسجد ہی میں پڑھیں جس میں جمعہ نہ ہوتا ہو؟ (۹۶۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: گاؤں اور جنگل میں جمعہ درست نہیں ہے، جمعہ اسی جگہ صحیح ہوتا ہے جس جگہ شرطِ صحتِ جمعہ پائی جاوے، یعنی وہ بستی شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ ہو۔ کما في الشّامي: وتقع فرضًا في القصبات و القرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ ، و فيما ذكرنا إشارة إلى أنّه

---

(۱) صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين)

(۲) ولا الجمعة بعرفات في قولهم جميعًا لأنّها فضاءٌ. (الهداية: ۱/۱۶۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة) ظفیر

لا تجوز في الصّغيرة إلخ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۱)

جنگل میں جمعہ کب جائز ہے؟

سوال: (۲۲۵۲) دس پانچ آدمی مل کر دس بارہ کوس کے فاصلہ پر کسی کام کو گئے اور اس عرصے میں جمعہ کا دن آ گیا وہاں پر ان کو جمعہ پڑھنا چاہیے یا نہ؟ (۴۴۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز جمعہ کے وجوب و ادا کے لیے مصر یا فناء مصر شرط ہے یعنی شہر یا قصبہ یا بڑے قریہ میں جمعہ ہوسکتا ہے، چھوٹے گاؤں اور جنگل میں جہاں کچھ آبادی نہ ہو جمعہ نہیں ہوتا، البتہ جو جنگل قریب شہر یا قصبہ سے ہو کہ وہ فناء مصر میں داخل ہو اس میں جمعہ ہوسکتا ہے (۲) فقط (۵/۱۵۱)

گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں اگر چہ گاؤں میں شہر کی اذان کی آواز آتی ہو

سوال: (۲۲۵۳) ایک گاؤں شہر سے ایک میل سوا میل کے فاصلے پر ہے اذان کی آواز آتی ہے، گاؤں والوں پر شہر میں آ کر جمعہ پڑھنا فرض ہے یا نہ؟ (۱۱۷۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جمعہ گاؤں والوں پر فرض نہیں ہے، اگر چہ وہ گاؤں شہر کے قریب ہو اور اذان کی آواز بھی آتی ہو (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۶۰)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) ويشترط لصحّتها............المصر إلخ أو فناؤه. (الدّرّ المختار: ۳/۶-۸، كتاب الصّلاة باب الجمعة)

وتقع (الجمعة) فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) ومن كان مقيمًا بموضع بينه وبين المصر فرجة من المزارع والمراعي نحو القلع ببخارًا ، لا جمعة على أهل ذلك الموضع وإن كان النّداء يبلغهم . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۵، كتاب الصّلاة ، الباب السّادس عشر في صلاة الجمعة) ظفیر

جمعہ کے لیے سلطان کی اجازت کب ضروری ہے؟

سوال: (۲۲۵۴)...... (الف) جمعہ کے لیے شرط سلطان جو اصحاب متون لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مذہب ہے یا نہ؟

(ب) امام صاحب سے کوئی تصریح ہے کہ جہاں شرط سلطان نہ ہو وہاں بھی جمعہ پڑھو اور ظہر چھوڑ دو۔

(ج) متاخرین کے قول پر عمل کرنے والا امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا مقلد رہے گا یا نہیں؟
(۵۲۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ہو تو اس کا اذن ضروری ہے، اور اگر نہ ہو تو جس کو امام مقرر کرلیا جاوے وہ امام جمعہ ہوسکتا ہے، اور جمعہ صحیح ہے (۱)

(ب) بعد اس کے کہ فقہاء کسی امر کو مفتی بہ مذہب میں قرار دیں تو ہمیں اس کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ امام صاحب سے یہ قول صراحۃً منقول ہے یا نہیں؟ **وأمّا نحن فعلينا اتّباع ما رجّحوه وصحّحوه إلخ (الدّرّ المختار) قال في الشّامي : قوله: (وأمّا نحن) يعني أهل الطّبقة السّابعة ، وهٰذا مع السّوال والجواب مأخوذ من تصحيح الشّيخ قاسم، قوله: (كما لو أفتوا في حياتهم) أي كما نتبعهم لو كانوا أحياءً وأفتونا بذلك فإنّه لا يسعنا مخالفتهم إلخ** (۲) اور معراج الدرایہ میں مبسوط سے منقول ہے۔ **فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليًا مسلمًا انتهٰى** (۳) **وفي الدّرّ المختار: ونصب العامّة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر، أمّا مع عدمهم فيجوز للضّرورة** (۳) **(الدّرّ المختار)**

---

(۱) والثّاني: السّلطان ...... أو مأمورهٗ بإقامتها (الدّرّ المختار: ۳/۹، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) وأما في بلاد عليها ولاةٌ كفّارٌ فيجوز للمسلمين إقامةُ الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين ويجب عليهم طلبُ والٍ مسلمٍ اهـ . (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۶/۲۱۶، كتاب الجهاد ، قبيل باب العشر و الخراج والجزية) ظفير

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۱۶۶، مقدّمة ، مطلب في طبقات الفقهاء .

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۴، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(ج) مقلد ضرور رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۳۷-۱۳۸)

جمعہ کے لیے کتنے نمازیوں کی موجودگی ضروری ہے؟

سوال: (۲۲۵۵) جمعہ کی نماز ایک مسجد میں دوازدہ ماہ (بارہ مہینے) دو بجے ہوتی ہے، اور اکثر کثیر تعداد میں نمازی ہوتے ہیں؛ لیکن گزشتہ جمعہ میں نماز کا وقت ہوگیا، اور نمازی مع امام کے چار تھے، ایسی حالت میں جمعہ کی نماز شروع کردینی چاہیے یا کوئی خاص تعداد ہے کہ جس کا انتظار جمعہ کے لیے کرنا چاہیے، یعنی چار آدمیوں کی موجودگی میں خطیب خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑا ہوجاوے یا نہیں؟ یا سات آدمیوں کا لازمی طور پر انتظار کرنا چاہیے؟ (۹۲۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: جمعہ کی جماعت کے لیے تین مقتدی کا ہونا ضروری ہے، پس اگر صرف تین آدمی علاوہ امام کے موجود ہوں تو امام خطبہ شروع کردیوے اور نماز جمعہ کی ادا کرے نماز جمعہ صحیح ہوگی۔ قال في الدّرّ المختار: والسّادس: الجماعة وأقلّها ثلاثة رجال ولو غير الثّلاثة الّذين حضروا الخطبة سوى الإمام إلخ[1] (الدّرّ المختار وكذا في الشّامي) فقط (۵/ ۹۱)

نمبردار؛ قاضی کے قائم مقام ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۵۶) نمبرداران وچوکیداران واامامان مساجد کا ہونا شرط مصر یا سلطان کے پائے جانے میں کافی ہے یا نہیں؟ یعنی امیر یا قاضی جو حدود مصر میں ملحوظ ہیں ان کی بجائے نمبردار یا پیش امام ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ (۵۲۷/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: محض یہ امور کافی نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ بستی؛ شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ مثل قصبہ کے ہو کہ اس میں بازار ودکانیں ہوں اور ضروریات سب ملتی ہوں۔ كما صرح به في الشّامي وغيره[2] فقط واللہ اعلم (۵/ ۱۳۷-۱۳۸)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۲۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

بڑی آبادی میں مسلمان کم ہوں پھر بھی جمعہ فرض ہے

سوال: (۲۲۵۷) جہاں ہم لوگ رہتے ہیں اس ملک کا نام بسوٹھولینڈ (Basutoland) ہے، اور اس ملک کے باشندے کرسٹان (عیسائی) ہیں، مسلمان صرف ساٹھ آدمی ہیں، اور جنگل میں ایک مسجد بنائی ہے تو یہاں پر جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے یا نہیں؟ جمعہ میں دس بارہ آدمی ہوتے ہیں۔ (۱۶۷۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جب کہ وہ بستی بڑی ہے اور بہ منزلہ شہر یا قصبہ کے ہے اگر چہ آبادی مسلمانوں کی نہ ہو تو وہاں جمعہ وعیدین کی نماز صحیح ہے اور فرض ہے اور ادا ہو جاتی ہے، اگر چہ جماعت جمعہ وغیرہ میں دس بارہ آدمی ہوں اس میں کچھ حرج نہیں ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر جمعہ کی نماز میں امام کے سوائے تین آدمی بھی ہوں تو جمعہ ہو جاتا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ جگہ جہاں جمعہ وغیرہ پڑھا جاوے بڑی بستی ہو یا اس کے متعلقات میں سے ہو کیونکہ بڑی بستی کے جنگل میں بھی نماز جمعہ وعیدین صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۹/۵)

آبادی کے بڑے ہونے میں جملہ اقوام کی مردشماری کا اعتبار ہوتا ہے

سوال: (۲۲۵۸) قریہ سرسول (ضلع کانپور) شہر سے سترہ (۱۷) میل کے فاصلہ پر ہے، اور مسلمانان کی مردم شماری معہ مرد وزن ۳۰۰ کی ہے، اس قریہ میں مسجد بھی ہے، نماز جمعہ وعیدین ہمیشہ سے ہوتی ہے، مدرسہ سرکاری وڈاک خانہ بھی ہے، ہفتہ میں دو بازار ہوتے ہیں، دس بیس دکانیں بھی ہیں، اور بارہ قریہ اس قریہ کے متعلق ہیں؛ جن کی مردم شماری ۳۰۰۰ کی ہے، اور خاص قریہ کی مردم شماری ہر قوم ۱۵۰۰ کی ہے؛ جمعہ درست ہے یا نہیں؟ (۴۶۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قریہ کے بڑے چھوٹے ہونے میں جملہ اقوام کی مردم شماری کا اعتبار ہوتا ہے جس قریہ کی مردم شماری بہ اعتبار جملہ اقوام کے کثیر ہے وہ قریہ کبیرہ ہے (اور قریہ کبیرہ میں)[2]

---
(۱) حوالہ سابقہ۔
(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے؛ جیسا کہ شامی میں اس کی تصریح ہے، پس اگر وہ قریہ بڑا شمار ہوتا ہے تو حسب تصریح فقہاء اس میں جمعہ وعیدین کی نماز درست ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۲/۵)

قریہ کبیرہ کی آبادی سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۲۲۵۹) قریہ کبیرہ چار ہزار آدمی کی آبادی کو لکھا ہے مراد خانہ شماری ہے یا مردم شماری ہے؟ (۲۱۴۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مراد مردم شماری ہے، یعنی سب آدمی رہنے والے اس گاؤں کے چھوٹے بڑے مرد عورت ہندو مسلمان تین چار ہزار ہوں، پس جو ایسا گاؤں ہوگا وہ بڑا گاؤں ہے، اور بڑے گاؤں میں فقہاء نے جمعہ فرض لکھا ہے۔ کما في الشّامي : وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرة إلخ[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۹/۵)

چھوٹے گاؤں میں مصلحت کی وجہ سے بھی جمعہ قائم کرنا درست نہیں

سوال: (۲۲۶۰) ایک گاؤں میں جماعت احمدی کا سخت زور تھا، بندہ نے وہاں اشاعتِ اسلام کی، ایک برس میں وہ تمام اہل گاؤں راہ راست پر آئے، سوائے سات آٹھ آدمیوں کے کہ وہ اس راہِ بد پر پختہ ہیں اور مسجد میں ہمارا دخل ہوگیا ہے، ان کو جگہ نہیں دیتے چونکہ گاؤں مذکور چھوٹا ہے، شرائط جمعہ کی نہیں پائی جاتیں، صرف مقابل کے دور کرنے کو اگر چند عرصہ مصلحتاً جمعہ پڑھا جاوے تو شرعًا کیا حکم ہے؟ اور آپ کوئی جائز طریقہ تحریر فرماویں جس سے ان کی سمجھ میں آجاوے؟ (۱۸۹۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: چھوٹے گاؤں میں حنفیہ کے مذہب میں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور جمعہ ادا نہیں ہوتا؛ بلکہ مکروہ ہوتا ہے[۳] تو کسی کی رعایت کی وجہ سے فعل مکروہ کو اختیار کرنا

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرة الّتي فیها أسواق . (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۳) صلاة العید في القری تکره تحریمًا أي لأنّه اشتغال بما لا یصحّ (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۴۳/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین) ظفیر

اور جماعت فرض ظہر کو ترک کرنا لائق نہیں ہے؛ پس ان لوگوں کو دوسرے طریق سے سمجھا دیجیے، اور کبھی کبھی مجمع کر کے یا بہ روز جمعہ مجمع کر کے ظہر کی نماز پڑھ کر ان کو بہ طریق وعظ سمجھا دیا کیجیے، اور مسائل بتلا دیجیے۔ فقط (۹۵/۵-۹۶)

سوال: (۲۲۶۱) ایک بستی میں لوگ جمعہ کا شوق رکھتے ہیں مگر مذہب امام اعظمؒ کی وجہ سے نماز ظہر ہی مثل دیگر ایام کے فرض عین تصور کر کے باجماعت ادا کرتے ہیں، اب تردُّد یہ ہو رہا ہے کہ آٹھویں دن لوگ جمعہ کے خیال سے جمع ہو جاتے ہیں اور مسائل وغیرہ سے مستفیض ہوتے ہیں، آیا اگر اس لحاظ و مفاد دینی کو مدنظر رکھ کر جمعہ ادا کریں تو ظہر ذمہ سے ساقط ہو جاوے گی؟ اس موضع کی آبادی چار سو کی ہے اور اس کے متصل دوسرا قریہ ہے جس کی آبادی دو ہزار کی ہے۔

(۱۷۵۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حنفیہ کو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرنی چاہیے، اپنے امام کے مذہب کے موافق قریہ صغیرہ میں جمعہ نہ پڑھنا چاہیے؛ ظہر باجماعت ادا کرنی چاہیے، اور وہ قریہ جس میں چار سو آدمی آباد ہیں قریہ صغیرہ ہے، اور دوسری بستی جو اس کے قریب ہے جس میں دو ہزار آدمی آباد ہیں اس کی وجہ سے وہ قریہ صغیرہ قریہ کبیرہ نہ ہوگا۔ شامی جلد اوّل باب الجمعہ میں ہے: **وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض و منبر و خطيب كما في المضمرات إلخ** (۱)
(ردّ المحتار: ۵۳۷/۱) فقط (۱۶۵/۵)

مولانا نانوتویؒ کا نمازِ جمعہ دیہات میں ادا کرنا

سوال: (۲۲۶۲) اکثر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا مولوی محمد قاسمؒ وحضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے نمازِ جمعہ دیہات میں ادا کی ہے؛ اگر یہ بات خلاف ہوتی تو وہ کیوں کرتے؟

(۴۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اصل یہ ہے کہ فقہ کی معتبر کتابوں مثل ہدایہ وشرح وقایہ ودرمختار وشامی سے یہ ثابت ہے کہ ادائے جمعہ اور وجوب جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، اور شامی میں نقل فرمایا ہے کہ قصبہ اور

(۱) ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے کیوں کہ وہ بھی حکم میں شہر اور مصر کے ہے [۱] اور درمختار اور شامی میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ چھوٹے قریہ میں جمعہ درست نہیں ہے، اور اس میں کراہت تحریمیہ ہے [۲] پس حضرت حاجی شاہ محمد امداد اللہ صاحب قدس سرہ یا حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے اگر دیہات میں جمعہ پڑھا ہوگا تو وہ بڑا گاؤں ہوگا، اور حضرت مولانا گنگوہی خلیفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ اپنے پیر اور پیر بھائی کے حالات سے زیادہ واقف تھے ان کا فتویٰ آپ نے دیکھا اور سنا ہوگا کہ کیسے تشدد سے چھوٹے دیہات میں جمعہ کو منع فرماتے تھے، اور اس بارے میں کتاب بھی لکھی ہے اگر بالفرض اختلاف علماء بھی اس میں تسلیم کیا جاوے تو پھر بھی احتیاط ترک جمعہ فی القری میں ہے کیوں کہ مکروہ امر سے بچنا سنت اور مستحب کے کرنے سے مقدم ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۷/۵)

چھوٹی آبادی میں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۶۳) درقریہ ہندواڑہ کل نود مکان ازقوم زمین داران واقع است درچنیں قریہ جمعہ ممنوع است یانہ؟ (۱۳۳۴/۳۳-۱۰۴۴ھ)

الجواب: درشامی ازقہستانی آوردہ: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاضٍ ومنبر وخطيب إلخ [۳] ازیں عبارت واضح گردیدہ کہ درقریہ مذکورہ کہ کل نود مکان درآں است جمعہ ادانمی شود کہ ایں چنیں قریہ؛ قریہ صغیرہ است نہ قریہ کبیرہ ونہ قصبہ هٰذا ما عليه المحقّقون. فقط (۱۶۱/۵)

ترجمہ سوال: (۲۲۶۳) قریہ ہندواڑہ میں کل نوّے (۹۰) مکان زمین دار لوگوں کے ہیں؛ اس جیسے قریہ میں جمعہ ممنوع ہے یانہ؟

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۲) صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة. (الدّرّ المختار والرّدّ: ۴۳/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب في الفأل والطّيرة)

(۳) ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

الجواب: شامی میں قہستانی سے منقول ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة إلــخ**، اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ مذکورہ قریہ میں جس میں کل نوّے (۹۰) مکان ہیں جمعہ ادا نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ اس جیسا قریہ؛ قریہ صغیرہ ہے نہ قریہ کبیرہ اور نہ قصبہ۔ فقط

صوبۂ بنگال کے دیہاتوں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۶۴) ماقولکم رحمہم اللہ دریں مسئلہ کہ فی الحال در صوبہ بنگال جم غفیر در دیہات نماز جمعہ ادا می کنند، صرف بایں وجہ کہ از ایام ماضیہ ہر خاص و عام نماز جمعہ بایں چنیں قریہ ادا کردہ می آیند، وگروہ از علماء حنفیہ آں دیار می گویند کہ نزد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گرچہ در دیہات نماز جمعہ روا نیست مگر بایں مسئلہ بہ تقلید امام شافعی در قریہ نماز جمعہ می گذاریم، پس قول اوشاں چہ گونہ است؟ ونماز جمعہ ہر خاص و عام وگروہ موصوفان از علماء کرام ادا شود یا نہ؟ بر مسلک حنفیہ جوابے مدلل تحریر فرمایند۔ بینوا وتوجرو (۶۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جمعہ بہ اتفاق حنفیہ مخصوص بہ مصر است در قری جائز نیست **كذا في الهداية: لا تصحّ الجمعة إلّا في مصر جامع أو في مصلّى المصر ولا تجوز في القرى**[(۱)] ومنقول از امام ابوحنیفہ در بیان مصر ایں ست کہ بازار وکوچہا وحاکم نافذ کنندہ حدود داشتہ باشد **كذا في المواهب للطرابلسي**[(۲)] مگر چوں تسلط کفار غالب شد وحاکم اسلام مفقود شد، پس تحقق شرط حاکم نافذ کنندہ مفقود شد، پس اگر قری مسئول عنہا بازار وکوچہا می دارند، پس بہ موجب روایت مذکورہ جمعہ واعیاد آنجا بہ وجود شرائط دیگر آنہاں بلا شبہ رواست والا فلا **لما في الشّمنّي: فلا تؤدّى في مفازة ولا قرية لما روى البيهقيّ في المعرفة و عبد الرّزّاق وابن أبي شيبة في مصنّفيهما عن عليّ رضي الله عنه أنّه قال: لاجمعة و لا تشريق و لا صلاة فطرٍ و لا أضحى إلّا في مصر جامع أو مدينة، ولأنّه كان لمدينة النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قرى كثيرة ولم ينقل أنّه عليه السّلام**

---

(۱) الهداية: ۱/۱۶۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۲) والمصر كلّ بلدة فيها سكك وأسواق ولها رساتيق، ووال ينصف المظلومَ من ظالمه. (مواهب الرّحمٰن: ق: ۲۰/أ، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)

أمرنا بإقامة الجمعة فيها انتهى (۱) وظاہر است کسانیکہ نماز جمعہ در دیہات بہ تقلید شافعیہ اداء می کنند در نماز پنج گانہ وشرائط تعداد ودیگر مسائل بر مسلک شافعیہ عمل نمی کند، ایں را تلفیق می گویند وتلفیق نزد فقہاء باطل است (۲) پس قول بعض علماء حنفیہ در بارۂ جواز صلاۃ جمعہ در دیہات بہ تقلید شافعی ہرگز صحیح و درست نیست، ونماز جمعہ اوشاں نہ نزد حنفیہ صحیح می شود ونہ نزد شافعیہ، پس گناہ ترک نماز ظہر وقیام جمعہ بہ صورت عدم جواز او بروئے لازم می آید۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۵/۵-۱۵۶)

ترجمہ سوال: (۲۲۶۴) کیا فرماتے ہیں آپ حضرات رحمہم اللہ اس مسئلہ کے بارے میں کہ فی الحال صوبہ بنگال میں ایک بڑی جماعت دیہات میں نماز جمعہ ادا کرتی ہے؛ صرف اس وجہ سے کہ پچھلے زمانے سے ہر خاص وعام اس جیسے دیہات میں نماز جمعہ ادا کرتے آئے ہیں، اور اس دیار کے حنفی علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگرچہ دیہات میں نماز جمعہ جائز نہیں ہے مگر ہم اس مسئلے میں امام شافعی کی تقلید کرتے ہوئے دیہات میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، پس ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور ہر خاص وعام اور جماعت علماء کرام کی نماز جمعہ ادا ہوجائے گی یا نہ؟ مسلک حنفیہ کے مطابق مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: نماز جمعہ بہ اتفاق حنفیہ مصر کے ساتھ مخصوص ہے، دیہات میں جائز نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے: **لا تصحّ الجمعة إلاّ في مصر جامع إلخ** اور مصر کے متعلق امام ابوحنیفہؒ سے منقول یہ ہے کہ بازار اور گلیاں اور حدود نافذ کرنے والا حکمراں موجود ہو، **كذا في المواهب للطّرابلسي** مگر جب کفار کا تسلط غالب ہوگیا اور اسلامی حکمراں کا فقدان ہوگیا تو نافذ کرنے والے حاکم کی شرط کا تحقق مفقود ہوگیا، پس اگر مسئول عنہا دیہاتوں میں بازار اور گلیاں ہوں تو روایت مذکورہ کے بہ موجب ان جگہوں میں دیگر شرائط کے پائے جانے کے وقت جمعہ اور عیدین وہاں بلاشبہ

---

(۱) كمال الدّراية في شرح النّقاية ،ق:۹۸/ب، كتاب الصّلاة، باب شرط لوجوب الجمعة.

(۲) متى عمل عبادة أو معاملة ملفّقة أخذًا لها من كلّ مذهب قولاً لا يقول به صاحب المذهب الآخر، فقد خرج عن المذاهب الأربعة، واخترع له مذهبًا خامسًا فعبادته باطلة ومعاملته غير صحيحة وهو متلاعب في الدّين،وغير عامل بمذهب من مذاهب المجتهدين. (خلاصة التحقيق في بيان حكم التّقليد و التّلفيق لعبد الغني النّابلسى، ص:۱۸، المقصد السّادس في بيان حكم التّلفيق ، المطبوعة: مكتبة الحقيقة، استنبول)

جائز ہیں ورنہ نہیں؛لما في الشمّي : فلا تؤدّى في مفازة ولا قرية إلخ. اورظاہر ہے کہ جولوگ شوافع کی تقلید میں نماز جمعہ دیہات میں ادا کرتے ہیں (اور) نماز پنج گانہ اور تعداد کی شرائط وغیرہ مسائل میں شوافع کے مسلک پر عمل نہیں کرتے اس کو تلفیق کہتے ہیں،اور تلفیق فقہاء کے نزدیک باطل ہے لہٰذا کسی حنفی عالم کا امام شافعی کی تقلید کرتے ہوئے دیہات میں نماز جمعہ کے جواز کا قائل ہونا ہرگز صحیح اور درست نہیں،اوران کی نماز جمعہ نہ حنفیہ کے نزدیک صحیح ہوگی اور نہ شوافع کے نزدیک، پس نماز ظہر کو ترک کرنے اور عدم جواز کی صورت میں جمعہ کو قائم کرنے کا گناہ ان پر لازم آئے گا۔فقط واللہ اعلم

اتحادِ منصفی کی وجہ سے سب دیہات ایک بستی نہیں ہوسکتے

سوال:(۲۲۶۵) اس مسئلہ میں کہ ضلع ارکان میں ایک محکمہ ہے، جانب غربی وجنوبی میں دریائے عظیم ہے،اور شرقی وشمالی جانب میں پہاڑ بلند ہے،اور تمام بستیاں اس طرح واقع ہیں کہ ہر ایک بستی ایک دوسرے سے جدا جدا ہے، باہم بستیوں میں کوس، ڈیڑھ کوس، پون کوس، نصف کوس کا فاصلہ ہے،اور کہیں باغات کا فاصلہ ہے، ہرایک بستی میں مردم شماری دو ہزار ڈیڑھ ہزار اس سے کم و بیش ہوتی ہے،اوراس محکمہ کے بعض حصوں میں بازار، منصفی،تھانہ، ڈاک خانہ، ومدرسہ عربیہ،اسکول سرکاری ہوتے ہیں،مگر بازار دائمی نہیں ہے،اب گزارش یہ ہے کہ اتحاد منصفی کی وجہ سے کل محکمہ متحد کہلاسکتا ہے یا نہ؟ برتقدیر اتحاد محکمہ کے کل بستی اور حصہ خاص میں جمعہ جائز ہوگا یا نہ؟ اگر جائز نہ ہوتو کیوں نہ ہو صاحب درمختار نے جو مصر کی تعریف کی ہے یقیناً وہ تعریف صادق آتی ہے، اگر اس تعریف کو تسلیم نہ کیا جاوے تو شامی وغیرہ میں جو مصر کی تعریف کی ہے کیوں قابل تسلیم ہو؟ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جواز جمعہ پر حنفی بہ وجہ ضرورت فتوی دے سکتا ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔
(۵۷۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: أقول وبالله التوفيق : مذہب حنفیہ در بارۂ جمعہ یہ ہے کہ مصر یعنی شہر میں واجب وادا ہوتا ہے،قریہ (صغیرہ) میں نہیں،اور قصبہ اور بڑا قریہ جس میں بازار ودکانیں وغیرہ ہوں وہ بھی بہ حکم مصر ہے، وہاں بھی جمعہ درست ہے۔ كما صرّح بهِ الشّامي [۱] پس جدا جدا بستیاں جن کے

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

درمیان میں فاصلۂ باغات وغیرہ ہے، اور نام ان کے جدا جدا ہیں وہ سب قریہ صغیرہ ہیں، ان میں جمعہ درست نہیں، اور اتحادِ منصفی کی وجہ سے سب قریہ ایک بستی نہیں ہو سکتے، البتہ جو جگہ اور بستی ایسی ہو کہ اس میں آبادی دو چار ہزار آدمیوں کی ہے، اور اس میں بازار و دکانیں ہیں اور عرفاً وہ شہر یا قصبہ یا بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے اس میں جمعہ صحیح ہے، صاحب درمختار کی تعریف: ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلّفين بها[1] بے شک اوسع ہے، اور اس کی نسبت شامی نے یہ بھی لکھا ہے: هٰذا يصدق على كثير من القرى [2] مگر یہ تعریف ظاہر الروایہ کے خلاف ہے، اور یہ مخدوش ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے قریہ پر بھی کبھی صادق آسکتی ہے، اور بڑے سے بڑا شہر بھی کبھی اس سے مانع ہو جاتا ہے، جیسا کہ صاحب شرح منیہ نے فرمایا کہ حرمین پر یہ تعریف صادق نہیں آتی کہ وہاں لا يسع کا اطلاق نہیں آسکتا ہے کہ ہمیشہ مسجدیں خالی وفارغ رہتی ہیں [3] بہر حال بایں ہمہ جس جگہ یہ تعریف درمختار کی صادق آجاوے اور بر بناء فتوی بہت سے فقہاء کے اس جگہ جمعہ کر لیا جاوے گنجائش ہے۔ كما في الدّرّ المختار: عليه فتوى أكثر الفقهاء [4] فقط واللہ اعلم [5] (۱۷۴/۵-۱۷۵)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی

سوال: (۲۲۶۶) قریہ میں عند الحنفیہ جمعہ جائز ہے یا نہ؟ اور گاؤں میں جمعہ پڑھنے سے ظہر ذمہ سے ساقط ہو جاوے گا یا نہ؟ (۱۱۶۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في ردّ المحتار: وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) ردّ المحتار: ۷/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۳) حتّى التّعريف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما، وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد كلّ منهما يسع أهله وزيادة، ولم يعلم أن مكّة و مدينة ـــ إلى أن قال: ـــ فلا يعتبر هٰذا التّعريف (غنية المستملي، ص: ۴۷۳-۴۷۴، باب الجمعة)

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۷/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۵) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

لیس فیها قاض ومنبر إلخ ، والظّاهر أنّه أرید به الکراهة لکراهة النّفل بالجماعة ألا تری أنّ في الجواهر : لو صلّوا في القری لزمهم أداء الظّهر إلخ[1](شامي: ص: ۵۳۷، باب الجمعة) وفي باب العیدین من الدّرّ المختار: وفي القنیة: صلاة العید في القری تکره تحریمًا أي لأنّه اشتغال بما لا یصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة ، قوله: (صلاة العید) ومثله الجمعة إلخ [2](شامی)ان عبارات سے واضح ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہے اور اداءنہیں ہوتا، اور اگر پڑھیں تو ظہر ساقط نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۳/۵)

سوال: (۲۲۶۷) اگر کوئی شخص گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرے تو اس کے ذمہ سے ظہر ساقط ہوجائے گی یانہیں؟ اور ایسا کرنے والا گنہ گار ہوگا یانہیں؟ (۴۵۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چھوٹے گاؤں میں نمازِ جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی، اور ایسا کرنا درمختار میں مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۱/۵-۱۵۲)

سوال: (۲۲۶۸) ایسی بستی جہاں کوئی تعریف مصر کی صادق نہ آتی ہو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک جمعہ پڑھنا مسقط ظہر ہے یانہیں؟ (۵۲۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۷/۵)

چھوٹے گاؤں میں جمعہ مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۲۲۶۹) بہ صورت عدم جواز اگر کوئی شخص نہ مانے اور پڑھ لے تو کیا حرج واقع ہوگا؟ (۳۵/۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جس قریہ صغیرہ میں کہ جمعہ صحیح نہیں ہے وہاں جمعہ کو مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ کذا في الدّرّ المختار والشّامي [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۵/۵)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۴۳/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین .

(۳) صلاة العید في القری تکره تحریمًا أي لأنّه اشتغال بما لا یصحّ (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة .(الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین)ظفیر

بنگال میں جہاں آبادیاں ملی ہوئی ہیں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۷۰) بہ ملک بنگال موضعات متصل واقع اند، واز قدیم الایام دراں مواضع جمعہ نمی خوانند اکنوں بعض ملایان بنگال گویند کہ دریں دیار بلاشک جمعہ جائز است، مردماں منتظر فتوی ہستند۔ (۱۳۳۴-۳۳/۶۷۵ھ)

الجواب: درقریہ صغیرہ عندالحنفیہ جمعہ واجب نیست وادا نمی شود۔ کما في ردّ المحتار المعروف بالشّامي : وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاضٍ ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظّاهر أنّه أريد به الكراهة لكراهة النّفل بالجماعة ألا ترى أن في الجواهر: لوصلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر إلخ [1] (ص:۵۳۷) وفي باب العيدين من الدّرّ المختار: وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا. قال في الشّامي: قوله: (صلاة العيد إلخ) ومثله الجمعة [2] وازیں روایات معلوم شد کہ درقری صغیرہ جمعہ صحیح نیست وادائے ظہر لازم است، وجمعہ ادا کردن درقریہ مکروہ تحریمی است، ودیہات بنگال چنانچہ حال آنہا معلوم شدہ قری صغیرہ است، بہ ہیچ وجہ جمعہ درآنہا صحیح نیست۔ فقط (۱۵۶/۵-۱۵۷)

ترجمہ سوال: (۲۲۷۰) ملک بنگال میں متصل آبادیاں ہیں، اور قدیم زمانے سے ان جگہوں میں نماز جمعہ نہیں پڑھتے ؛ اب بنگال کے بعض مولوی حضرات کہتے ہیں کہ ان جگہوں میں بلاشبہ جمعہ جائز ہے، لوگ فتویٰ کے منتظر ہیں۔

الجواب: حنفیہ کے نزدیک قریہ صغیرہ میں جمعہ واجب نہیں ہے، اور ادا نہیں ہوتا: کما في ردّ المحتار: وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ ان روایات سے معلوم ہوا کہ چھوٹے دیہاتوں میں جمعہ صحیح نہیں ہے، اور ظہر کی ادائیگی لازم ہے، اور دیہات میں جمعہ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور بنگال کے دیہات جیسا کہ ان کا حال معلوم ہوا چھوٹے دیہات ہیں، کسی بھی وجہ سے جمعہ وہاں صحیح نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين .

جو دیہات باہم ملے ہوئے ہیں ان میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۷۱) اکثر مسلمان ایں دیار بہ قری سکونت می دارند، ودر ہر قریہ دوسہ ہزار مردماں می باشند مگر در ہر مسجد جامع زائد از بست وبست وپنج حاضر نمی شوند چہ؟ دریں دیار مسجد جامع در یک قریہ متعدد است، درچنیں قریہ نماز جمعہ گذاردن باید یانہ؟ احتیاطاً ظہر خوانم یانہ؟ اکثر قریہ ہا متصل است، اگر بہ نام فرق نہ گشتے یک قریہ گفتہ می شد، درچنیں حال ایں چنیں قری متصل را یک موضع شمارم یا متعدد؟ (۱۷۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

ترجمہ سوال: (۲۲۷۱) اس دیار کے اکثر مسلمان گاؤوں میں رہتے ہیں، اور ہر گاؤں میں دو تین ہزار لوگ ہیں، مگر ہر جامع مسجد میں بیس اور پچیس سے زائد حاضر نہیں ہوتے؛ کیا حکم ہے؟ اس دیار میں ہر گاؤں میں متعدد جامع مسجد ہیں، اس جیسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنا چاہیے یا نہ؟ میں احتیاطاً ظہر پڑھ لوں یا نہ؟ اکثر گاؤں باہم متصل ہیں، اگر نام سے فرق نہ کیا جائے تو ایک ہی گاؤں کہلائیں گے، ایسی صورت حال میں ان جیسے متصل گاؤوں کو ایک جگہ شمار کروں یا متعدد؟

الجواب: اگر قریہ کبیرہ ہو تو نماز جمعہ اس میں درست ہے، شامی میں قہستانی سے منقول ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق**[1] (۷۴۸/۱) اور احتیاط الظہر وہاں جائز نہیں ہے، اور اگر قریہ صغیرہ ہے تو جمعہ وہاں نہ پڑھیں ظہر باجماعت ادا کریں، نام کے بدلنے سے قریہ علیحدہ ہو جاتا ہے۔ فقط، کتبہ رشید احمد بلند شہری۔ الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ (۱۷۷/۵-۱۷۸)

جمعہ فی القریٰ کے سلسلے میں مذہب شافعی کو اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۲۲۷۲) آج کل جمعہ فی القریٰ کے جواز وعدم جواز میں علماء احناف کی رائیں مختلف ہیں بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ جمعہ دیہات میں پڑھنا چاہیے، اور بعضے جمعہ فی القریٰ کے منافی ہیں، اور مصر کی تعریف امر مختلف معلوم ہوتا ہے، فریق اول جو جواز جمعہ فی القریٰ کے قائل ہیں

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

تعریف مصر کی یوں کرتے ہیں کہ وہ موضع جس میں دو ہزار کی آبادی ہو اس کو ہم مصر کہہ سکتے ہیں، دوسرے وہ موضع جس کے باشندگان وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں نہ سما سکیں۔ فریق دوئم کہتے ہیں کہ مصر وہ جگہ ہے جس میں بازار وغیرہ ہو، ضروریات ملتی ہوں، یہ شرائط تو حسب مذہب امام اعظمؒ ہیں اور مفقود ہیں، لہٰذا وہ موضع جہاں صفت فریق اوّل نہ پائی جاتی ہو وہاں کے لوگ بہ مذہب ائمہ ثلاثہ عمل کریں تو جائز ہوگا یا نہیں، کیونکہ آج کل بہت سے مسئلوں میں امام شافعیؒ کی تقلید کا حکم بغرض رفع فتنہ دیا جاتا ہے جیسا کہ مسئلۂ مفقود میں، اس مسئلہ میں عمل درآمد بہ مسلک فریق اوّل کیا جاوے جیسا کہ قریہ ہند میں جاری ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور جس جگہ یہ شرائط مفقود ہیں وہ لوگ از روئے مذہب شافعیؒ نماز جمعہ ادا کرلیں تو جائز ہے یا نہ؟ (۸۵۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: دیہات دو قسم کے ہوتے ہیں قریہ کبیرہ اور قریہ صغیرہ، قریہ کبیرہ کو بہ حکم قصبہ وشہر قرار دے کر فقہاء نے اس میں وجوب جمعہ کا فتوی دیا ہے۔ **كما في الشّامي: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ** [1] (۱/ ۵۳۷) اور قریہ صغیرہ میں بہ اتفاق فقہاء حنفیہ جمعہ صحیح نہیں ہے۔ **كما في الشّامي: وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ** [1] **وفي باب العيدين من الدّرّ المختار: وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة. وفي الشّامي: قوله: (صلاة العيد) ومثله الجمعة إلخ** [2] باقی رہا یہ کہ جس قریہ میں دو ہزار آدمی آباد ہوں اور وہاں دکانیں بھی ہوں تو اگر اس کو قریہ کبیرہ قرار دیا جاوے تو مستبعد نہیں ہے، تین چار ہزار آدمی آباد ہوں تو اس کے قریہ کبیرہ ہونے میں شبہ نہیں معلوم ہوتا، اکبر مساجد میں وہاں کے مکلفین کے نہ سمانے کی تعریف ضعیف ہے جیسا کہ شارح منیہ نے اس کو بیان فرمایا ہے کہ یہ تعریف خود حرمین شریفین کی مسجدوں پر صادق نہیں آتی کما ہو ظاہر، اور حنفیہ کو بہ مذہب دیگر ائمہ اس مسئلہ میں عمل کرنے کی فقہاء نے اجازت نہیں دی، اور ہم لوگ پابند ہیں اس امر کے کہ جس جگہ اور جس مسئلہ میں ہمارے فقہاء نے فتوی غیر کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جاوے گا ورنہ نہیں، زوجہ مفقود الخبر کے بارے

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.**

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.**

میں فقہاء حنفیہ نے فتوی امام مالکؒ کے مذہب پر دے دیا ہے اس پر عمل کیا جاوے گا، اسی طرح جس مسئلہ میں تصریح فقہاء کی ہے وہاں عمل کر سکتے ہیں اور جس جگہ تصریح ان حضرات کی نہیں ہے وہاں عمل نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ اعلم (۵/۴۳-۴۴)

سوال: (۲۲۷۳) قہستانی کی عبارت: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق** [1] سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ قریہ صغیرہ میں عندالحنفیہ درست نہیں ہے، اور قریہ کبیرہ تعریف مصر کے تحت میں واقع ہے، لہٰذا ملتجی ہوں کہ قریہ صغیرہ وکبیرہ کی تفصیلی تعریف بہ دلائل بیان فرمائیں، اور **ما لا يسع إلخ** یہ مصر کی اجمالی تعریف ہے، اور قریہ کبیرہ کے لیے کس قدر مکلفین ہونے چاہئیں، اور جیسا کہ مفقود کے بارے میں احناف نے ضرورۃً امام مالک علیہ الرحمہ کے مذہب پر فتوی دیا ہے، جمعہ کے بارے میں مذہب شافعی کو اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۱۱۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قہستانی کی عبارت مذکورہ فی السوال جس موقع پر شامی میں منقول ہے اس کے بعد یہ عبارت بھی منقول ومذکور ہے: **وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب كما في المضمرات، والظّاهر أنّه أريد به الكراهة لكراهة النّفل بالجماعة ألا ترى أنّ في الجواهر: لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر إلخ** [1] **(شامي: ۱/۵۳۷. باب الجمعة)** اور درمختار باب العیدین میں ہے: **وفي القنية صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة إلخ.** شامی میں ہے: **قوله: (صلاة العيد) ومثله الجمعة** [2] **(شامي: ۱/۵۵۵)**

ان عبارات سے واضح ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ درست نہیں ہے، اور قریہ کبیرہ میں صحیح ہے، اور قریہ کبیرہ کی تعریف کچھ نہ کرنا اور قصبات کے ساتھ اس کو بیان کرنا اس طرف مشیر ہے کہ مدار اس کا عرف پر ہے، اور اہل عرف قریہ کبیرہ وصغیرہ کے فرق کو جانتے ہیں، اور یہ کہ قریۂ کبیرہ مثل قصبہ کے ہونا چاہیے؛ اس لیے یہاں کے علماء محققین نے یہ فرمایا ہے کہ جو قریہ بہ اعتبار آبادی کے قریب قصبہ صغیرہ کے ہو اس میں جمعہ صحیح ہوگا، اور قصبہ صغیرہ میں ان اطراف میں تین چار ہزار آدمی ہوتے ہیں،

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.**

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.**

یا کم وبیش، اور تعریف **ما لا یسع إلخ** [۱] درحقیقت حد حقیقی مصر کی نہیں ہے، ورنہ منقوض ہونا اس کا ظاہر ہے کہ وہ چھوٹے سے چھوٹے قریہ پر صادق آتی ہے، اور بعض اوقات بڑے سے بڑے شہر پر صادق نہیں آتی، جیسا کہ خود حرمین شریفین کی مساجد پر صادق نہیں آتی، کیوں کہ مسجد حرام تمام اہل مکہ سے بلکہ باہر والوں کو ملا کر بھی کبھی نہیں بھرتی اور وسعت اس میں باقی رہتی ہے۔ **کما هو مشاهد**، اور یہ نقض اس تعریف پر شارح منیہ نے بھی بیان فرمایا ہے [۲] معلوم ہوا کہ یہ تعریف حقیقی مصر کی نہیں ہے، بلکہ علامت مصر کی بہ اعتبار غالب کے ہے، کیوں کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں مردم شماری بہت زیادہ ہوتی ہے، غالبًا ایسا ہوتا ہے کہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں بھی وہاں کے تمام مکلفین نہیں سما سکتے، پس محقق ہوا کہ تعریف مذکور عام تعریف نہیں ہے، رہا یہ کہ اس مسئلہ میں امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب پر عمل کر کے ان کی قیود کے موافق قریہ میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بندہ نے اس کی تصریح کلام فقہاء سے نہیں دیکھی اور عمل کرنا دوسرے امام کے مذہب پر اسی جگہ ہم لوگوں کے لیے صحیح ہوسکتا ہے کہ ہمارے فقہاء نے تصریح فرمائی ہو۔ فقط

نوٹ: الجواب صواب، اور بعض عبارات فتاوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ عند الحنفیہ مجتہد فیہ نہیں؛ البتہ کسی دعوی میں بعد تو فرِ شرائطِ دعوی کے مجتہد فیہ ہے نہ فتوی اور دیانت میں۔

محمد انور عفا اللہ عنہ (۵/۵۰-۵۲)

سوال: (۲۲۷۴) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے جس میں ۴۰ نمازی ہوں؛ ایسے گاؤں میں حنفیہ کو امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: حنفیہ کو اس صورت میں امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ حنفیہ نے

---

(۱) شرح الوقاية: ۱/۱۹۸-۱۹۹، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) فكلّ تفسير لا يصدق على أحدهما فهو غير معتبر حتّى التّعريف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما، وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد كلّ منهما يسع أهله وزيادة. (غنية المستملي، ص: ۴۷۳-۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة)

اس کی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین کی جائز نہیں ہے بلکہ درمختار وشامی میں قنیۃ سے نقل کیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے[۱] فقط (۵/۹۸-۹۹)

جمعہ فی القری کے سلسلے میں حضرت نانوتویؒ کی عبارت کا مطلب

سوال: (۲۲۷۵) حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ قیام صلاۃ جمعہ فی القری کو جائز ہونے کا محقق ومصدق ارشاد فرماتے ہیں؛ ملاحظہ ہو: ''واگر کسے در دیہی جمعہ قائم کند دست وگریبانش نہ زنند کہ اوّل ایں شرط مصر بودن ظنی بود الخ'' (اگر کوئی شخص دیہات میں جمعہ قائم کرے تو اس کا دست وگریبان نہ پکڑیں کیوں کہ اوّلاً یہ شہر ہونے کی شرط ظنی ہے) حالانکہ یہ جمہور کے خلاف ہے تطبیق کی کیا صورت ہے؟ (۸۸۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب معلوم ومعروف ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کے لیے مصر شرط ہے، اور تحقیق اس کی اور دلائل قویہ اوثق العری واحسن القری میں موجود ہیں ان کتابوں کو دیکھا جاوے، باقی حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ کا یہ فرمانا دست وگریبانش نہ زنند الخ، اس وجہ سے ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ مابین الائمہ مختلف فیہا ہے اور دلائل ظنیہ پر مبنی ہے؛ اس لیے جمعہ فی القری قائم کرنے والے سے لڑائی جھگڑا اور طعن وتشنیع نہ کریں کہ فروعی اختلافات میں محققین کا یہی مسلک ہوتا ہے کہ نزاع وجدال اس میں مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۶۰-۱۶۱)

پچاس آدمیوں کی آبادی والے قریہ میں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۷۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کا قول حجۃ اللہ البالغہ میں قابل عمل ہے یا نہ؟ وہ یہ کہ جس قریہ میں پچاس آدمی مرد مسلم ہوں اس میں نماز جمعہ درست ہے۔ (۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ حنفیہ کا مذہب نہیں ہے حنفیہ کو اپنے مذہب کے فقہ کی کتابوں کے موافق عمل کرنا چاہیے، حضرات محققین کے کلام سے حجت نہ لانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۴-۵۵)

---

(۱) صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیر

جس گاؤں کی آبادی سوا سو گھر کی ہو اُس میں جمعہ وعید درست نہیں

سوال: (۲۲۷۷) جس گاؤں میں سوا سو گھر ہوں وہاں جمعہ اور عید ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ (۱۳۳۵/۶۱ھ)

الجواب: وہ گاؤں چھوٹا ہے، اس میں جمعہ وعید درست نہیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳/۵)

تین چار سو آبادی والے گاؤں میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۷۸) ہمارے گاؤں میں تخمیناً تین چار سو آدمی بستے ہیں، اور ضروریات وغیرہ کچھ نہیں ملتی، ایسے گاؤں میں عندالحنفیہ نماز جمعہ وعیدین واجب اور ادا ہوتی ہے یا نہ؟ اور قولِ اکبر مساجد کی حد؛ ناقص وغیر صحیح ومزیف (باطل) ومنقوض عندالمحققین ہے یا نہ؟ (۱۳۳۵/۲۹۹ھ)

الجواب: ایسے گاؤں میں موافق مذہب حنفیہ نماز جمعہ وعیدین صحیح نہیں ہے۔ کما في الشّامي: وفیما ذکرنا إشارة إلی أنّه لا تجوز في الصّغیرة الّتي لیس فیها قاضٍ إلخ ، وقال قبیلهٗ : وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرة الّتي فیها أسواق إلخ [۲] (ردّ المحتار ، جلداوّل) اور اکبر مساجد کی عدم وسعت کے تعریف منقوض ومزیف (باطل) ہے۔ کما قال في شرح المنیة: فکلّ تفسیر لا یصدق علی أحدهما فهو غیر معتبر حتّی التّعریف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما ، وهو ما لو اجتمع أهله في أکبر مساجده لا یسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد کلّ منهما یسع أهلهٗ و زیادة ـــــ إلی أن قال: ـــــ فلا یعتبر هٰذا التّعریف [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵/۵)

---

(۱) وفیما ذکرنا إشارة إلی أنّه لا تجوز في الصّغیرة الّتي لیس فیها قاض و منبر و خطیب . (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

(۲) ردّ المحتار علی الدّر المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۳) غنیة المستملي ، ص:۴۷۳-۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة .

گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۷۹) جمعہ گاؤں میں جائز ہے یا نہیں؟ شرائط جواز وغیر جواز کیا ہیں؟ جس گاؤں میں عید ہوتی ہو وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ جمعہ اور عید کی شرطوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟ جس گاؤں کی آبادی ساڑھے چار سو کے قریب ہو اور مالیت لاکھ کے قریب ہو اور کل مذہب کے باشندے ہوں مگر مسلمان زیادہ ہوں، خرچ خوانگی کی چیزیں سب مل سکتی ہوں ایسے گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ آیت وحدیث کے مطابق واضح فرماویں مصر کا حل، اور مصر کتنی آبادی کو کہتے ہیں؟ مصر کی شرطیں کیا ہیں؟ مفصل تحریر فرماویں؟ (۱/ ۳۶۷/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: چھوٹے گاؤں میں جس کی آبادی ایک دو ہزار آدمیوں کی بھی نہ ہو عندالحنفیہ جمعہ جائز نہیں ہے، اور جمعہ کی ادا اور وجوب کے لیے عندالحنفیہ مصر شرط ہے، اور مصر کہتے ہیں شہر اور قصبہ کو جہاں بازار اور کوچہ اور ہر قسم کی دکانیں ہوں، اور بڑے قریہ کو بھی حکم مصر کا دیا گیا ہے، مگر صورت مسئولہ میں جس گاؤں کا ذکر ہے کہ اس میں صرف ساڑھے چار سو آدمی کی آبادی ہے وہ چھوٹا گاؤں ہے؛ اس میں جمعہ درست نہیں، اور جس گاؤں میں جمعہ درست نہیں وہاں عیدین بھی درست نہیں، شرائطِ وجوب وادا جمعہ وعیدین کے ایک ہیں کچھ فرق نہیں۔ **هٰكذا في الدّرّ المختار وغيره**(۱)

پس وہاں عید کی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیے اور نہ جمعہ پڑھنا چاہیے، ظہر کی نماز باجماعت پڑھنی چاہیے، یہی مذہب ہے حنفیہ کا جیسا کہ جملہ کتب فقہ میں مذکور ہے۔ فقط (۵/۱۷۳-۱۷۴)(۲)

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق —— إلىٰ إن قال:—— وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة (ردّ المحتار على الدّر المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين)

(۲) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیے گئے ہیں۔ ۱۲

گاؤں میں حنفیوں کا اہل حدیث کے ساتھ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۸۰) ہمارے گاؤں میں تین مسجدیں ہیں: دو میں حنفی، ایک میں اہل حدیث، اہل حدیث کی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے حنفی لوگ جمعہ نہیں پڑھتے، پس حنفیوں کو اہل حدیث کے ساتھ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۱۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر وہ گاؤں بڑا ہے کہ اس میں بازار وغیرہ ہے جس کی وجہ سے وہ قصبہ سا معلوم ہوتا ہے تو عندالحنفیہ بھی وہاں جمعہ صحیح ہے[1] اور چند جگہ بھی جمعہ جائز ہے، پس اگر وہ بستی ایسی ہے کہ جمعہ اس میں عندالحنفیہ صحیح ہے تو حنفیوں کو لازم ہے کہ اپنی مسجد میں علاحدہ جمعہ پڑھیں غیر مقلدوں کے ساتھ شریک نہ ہوں، اور اگر وہ گاؤں چھوٹا ہے تو اس میں جمعہ حنفیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، وہاں جمعہ نہ پڑھیں نہ اپنی مسجد میں نہ غیر مقلدوں کے ساتھ۔ شامی میں لکھا ہے کہ قصبہ اور بڑے قریہ میں جس میں بازار اور دکانیں ہوں جمعہ ادا ہوتا ہے اور چھوٹے قریہ میں ادا نہیں ہوتا[1] فقط (۵۶/۵-۵۷)

جس قریہ کی آبادی بارہ سو ہے اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۸۱) یہاں ایک موضع سریا ہے جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے، اس میں سے مسلمان قریب بارہ سو کے نہیں ہیں، بلکہ کل مسلمان آٹھ سو نو سو ہوں گے، اور یہاں نہ کوئی بازار ہے نہ ڈاک خانہ، نہ کچہری، بلکہ ہر وقت ہر قسم کی ضرورتیں بھی یہاں پوری نہیں ہوسکتی ہیں، ہاں چھ، سات معمولی معمولی دکانیں ہیں، ایک دکان کپڑے کی ہے، اس میں محض معمولی کچھ کپڑے

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق —— إلىٰ إن قال:—— وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين)

مارکین وململ وغیرہ ملتا ہے، اس دکان میں مال قریب پچاس روپیہ کے ملتا ہے، اور ایک دکان حلوائی کی ہے، اور یہاں صرف ایک ہی مسجد ہے جس میں جمعہ کے روز ساٹھ، ستر نمازی جمع ہوجاتے ہیں، اور اس موضع میں مدرسہ بھی ہے جس میں اسّی پچاسی طالب علم بھی رہتے ہیں تو اس وقت موضع سمریا میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ یہاں برابر پہلے سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے؛ اب کس طرح ترک کردیں؟!(۲۰۰۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ موضع مذکور جس کی آبادی قریب بارہ سو کے ہے قریہ کبیرہ نہیں ہے جس کو فقہاء نے بہ حکم قصبہ لکھا ہے بلکہ قریہ صغیرہ ہے، لہٰذا حسب قواعد فقہیہ وتصریح فقہاء موضع سمریا میں ظہر باجماعت ہونی چاہیے، جمعہ پڑھنا اس میں صحیح نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار شامی میں ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلٰى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۷/۵-۱۶۸)

قریہ کبیرہ میں جمعہ فرض ہے

سوال: (۲۲۸۲) ایک بڑا گاؤں جس کی آبادی ۱۲۵۴ آدمیوں کی ہے اور مدرسہ اور مسجدیں بھی ہیں، اور اس علاقہ کے گردونواح کے لوگ اس کو قدیم سے بڑا گاؤں سمجھتے ہیں، اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱/۱۷۳۷ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: علامہ شامی علیہ الرحمہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ قریہ کبیرہ میں جمعہ فرض ہے۔ اور ادا ہوجاتا ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ**[1] اس عبارت سے فرق مابین القریہ الکبیرہ والصغیرہ ظاہر ہوگیا، کہ قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے، اور صغیرہ میں نہیں ہوتا، اور عرف میں جس کو قریہ کبیرہ سمجھیں وہ قریہ کبیرہ ہے، اور جس کو قریہ صغیرہ سمجھیں وہ قریہ صغیرہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۳/۵-۵۴)

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.**

جوازِ جمعہ کے لیے کتنی آبادی ہونی چاہیے؟

سوال: (۲۲۸۳) جس گاؤں میں احناف کے نزدیک جمعہ جائز ہے تو اس میں کم از کم کتنی آبادی ہونی چاہیے؟ (۷۷۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: تین چار ہزار آدمی کی آبادی ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۵/۵)

جہاں ضروریات کی تمام اشیاء ملتی ہوں وہاں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۲۸۴) موضع فخن پور جس کی کل آبادی تیرہ سو کی ہے ضروریات کی کل اشیاء مل جاتی ہیں، دو مسجدیں ہیں اس موضع میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۸۰۴/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس موضع میں جب کہ وہ قریہ کبیرہ کی حد میں آتا ہو اور دکانیں اور بازار اس میں ہے؛ جمعہ پڑھنا صحیح معلوم ہوتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۶/۵)

پانچ سو یا ڈیڑھ ہزار آبادی میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۸۵) ایک گاؤں میں پانچ سو کی آبادی ہے یہاں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے گاؤں میں ڈیڑھ ہزار کی آبادی ہو اس میں بھی جمعہ درست ہے یا نہیں؟ ان ہر دو گاؤں کے درمیان ایک بزرگ کی خانقاہ ہے، اس میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ کس قدر آبادی کے لحاظ سے جمعہ درست ہوتا ہے؟ (۴۹۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن

---

(۱) فقہاء نے مردم شماری کی کوئی تعداد بیان نہیں کی ہے، بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ شہر یا بڑی آبادی ہو، جہاں ضروریات سے متعلق چیزیں ملتی ہوں۔ وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) آبادی کا اندازہ بعد میں لگایا گیا ہے، صرف آبادی کا اندازہ تین چار ہزار لکھا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے والے جواب میں موجود ہے، اور شہریت بھی ہو تو اس وقت آبادی بارہ تیرہ سو بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاضٍ إلخ [(۱)]
(شامي، جلد أوّل، باب الجمعة) اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ عندالحنفیہ بڑے گاؤں میں جمعہ ہوتا ہے، جو مثل قصبہ کے ہو اور اس میں بازار و دکانیں ہوں، اور چھوٹے قریہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا، پس اس قاعدہ فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں گاؤں میں جمعہ صحیح نہیں ہے، اور درمیان میں جو مزار بزرگ کا ہے، وہاں بھی جمعہ درست نہیں ہے، مکرر واضح ہو کہ قصبہ کی آبادی کم از کم چار پانچ ہزار آدمی کی ہوتی ہے، پس جو گاؤں ایسا بڑا ہوگا اس میں جمعہ صحیح ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹/۵-۴۰)

تیرہ سو کی آبادی جس میں بازار ہو جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۲۸۶) بندہ جس جگہ اب تعینات ہوا ہے وہ پہلے کوئی گاؤں یا شہر نہیں تھا، بلکہ بہ وجہ ریل کے اسٹیشن کے کہ یہاں گودام ہے، اور گاڑیاں ریل کی تین طرف کی یہاں آتی جاتی بدلتی ہیں، بیس بائیس سال سے اسٹیشن کے سامنے سڑک لاہور تا پشاور کے اوپر دکانات آباد ہوئی تھیں، پھر یہاں منڈی اس قسم کی ہوگئی کہ دور دور یہاں سے سوداگری کا مال مثل گھی چاول گندم وغیرہ جاتا ہے، اب اس جگہ مکانات تمام پختہ بن گئے، اور آبادی بھی ۱۳۰۰ کی ہوگئی، تمام قسم کی ضروریات یہاں سے مل سکتی ہیں، اور تھانہ و مدرسہ سرکاری بھی موجود ہے، اور آبادی روز بہ روز بڑھتی جاتی ہے جمعہ میں پچیس تیس آدمی ہو جاتے ہیں؛ جمعہ یہاں پڑھا جاوے یا نہ؟ (۴۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جمعہ اس بستی میں جس کا ذکر سوال میں ہے واجب ہے اور ادا ہو جاتا ہے، پس وہاں جمعہ پڑھنا چاہیے [(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۳/۵)

سوال: (۲۲۸۷) ایک موضع کی آبادی بارہ سو، تیرہ سو کی ہے، اور اکثر دکانیں بھی ہیں، اور ضروریات بھی دستیاب ہوتی ہیں، اور ہمیشہ سے یہاں جمعہ و عیدین ہوتے ہیں، اس قریہ میں جمعہ اور عیدین کا کیا حکم ہے؟ (۶۷۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قریہ مذکورہ بڑا قریہ ہے اس میں جمعہ واجب و ادا ہو جاتا ہے۔ شامی میں ہے: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق، قال أبو القاسم: هٰذا بلا خلاف إذا أذن الوالي أو القاضي ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة إلخ [(۱)] فقط واللہ اعلم (۱۴۳/۵)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

ڈیڑھ ہزار کی آبادی میں جہاں ہفتہ میں بازار لگتا ہے جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۲۸۸) جس کسی بستی میں تقریبًا مسلمان و ہندو کل ڈیڑھ ہزار (۱۵۰۰) ہوں اور تین مسجدیں اور پختہ عمارتیں بھی ہوں، اور ہفتہ میں بازار بھی لگتا ہو اور دس پانچ معمولی دکانیں بھی ہوں اور اکثر اشیاء مثل غلہ و کپڑا اور دوا وغیرہ مل سکتی ہوں تو ایسے قریہ میں نماز جمعہ ادا ہوسکتی ہے یانہیں؟ (۲۰۱۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مدار جمعہ کے وجوب وعدم وجوب کا قریہ کا بڑا چھوٹا ہونا فقہاء نے لکھا ہے، اور قریہ کبیرہ وہ ہے جو مثل قصبہ کے ہو کہ آبادی اس کی تین چار ہزار ہو اور بازار ہو، پس قریہ مذکورہ بہ اعتبار آبادی قریہ کبیرہ معلوم نہیں ہوتا؛ لہٰذا ضرور ہے کہ وہاں ظہر باجماعت پڑھیں (۱) فقط (۱۶۹/۵)

دو ہزار کی آبادی میں جہاں ضرورت کی

چیزیں دستیاب ہیں نمازِ جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۲۸۹) موضع پل ہری (بارہ بنکی) میں چھیالیس گھر مسلمانوں کے ہیں، سو مکان سے زیادہ ہندو کے ہیں، تخمینًا دو ہزار کی آبادی ہے، ہفتہ میں دو مرتبہ بازار لگتا ہے، تین دکان دار مستقل ضرورت کی چیزیں ہمیشہ فروخت کرتے ہیں، دو مساجد ایک عیدگاہ ہے، اس موضع میں جمعہ کی نسبت کیا حکم ہے، جمعہ ادا کریں یا ظہر؟ اکثر جمعہ کے بعد ظہر پڑھ لیا کرتے ہیں۔

(۹۷۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب جمعہ کے بارے میں یہ ہے کہ قریہ صغیرہ میں جمعہ صحیح نہیں ہے اور قریہ کبیرہ اور قصبہ میں جمعہ واجب وادا ہوتا ہے۔ **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ** (۱) اور موضع مذکور فی السوال بہ ظاہر بڑا قریہ ہے، وہاں جمعہ صحیح ہو جاوے گا احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۸/۵-۵۹)

وضاحت: آبادی کی مردم شماری کی بنیاد پر کئی سوالات آئے ہیں، اور ہر ایک کے جواب میں

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة.

مفتی علام قدس سرہٗ نے اس کا لحاظ رکھا ہے کہ وہ آبادی وہاں کے لوگوں کی نظر میں قصبہ یا بڑی آبادی کے طور پر مشہور ہے یا نہیں؟ پھر اس میں شہریت کی بو پائی جاتی ہے یا نہیں؟ اگر یہ دونوں باتیں موجود ہوں تو جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

جہاں تحصیل دار ہو اور دو ہزار آبادی ہو، جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۲۹۰) جس شہر میں تحصیل دار وغیرہ رہتے ہوں اور اس کی مردم شماری دو ہزار یا اُس کے قریب ہو، اس کو مصر کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے نواح میں جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۶۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بڑے قریہ اور قصبہ میں جمعہ واجب الاداء ہے، پس شہر مذکور قریہ کبیرہ میں داخل معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس میں اور اس کے فناء میں جمعہ درست ہے[(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴/۵)

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۹۱) موضع کھیڑہ میں دو مسجد ہیں اور موضع ڈنڈولی اور کھیڑہ میں ایک گاڑی (؟) کا فاصلہ ہے، موضع ڈنڈولی میں مسجد نہیں ہے، ڈنڈولی کے مسلمان کھیڑہ کی مساجد میں نماز کو آتے ہیں مردم شماری دونوں جگہ کی دو ہزار کی ہے تو عند الحنفیہ وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۳۵۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر وہ دونوں گاؤں عرف میں ایک ہیں اور ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے، اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ کما في الشّامي، **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ**[(۱)] فقط (۵۶/۵)

سوال: (۲۲۹۲) موضع پلواڑہ (مضافات میرٹھ) میں دو ہزار آدمی ہیں اور موضع محمد پور میں جو پلواڑہ کے ملحق ہے ایک ہزار آدمی ہیں، اور کپڑے کی وعطار کی دکان دونوں جگہ ہے اس صورت میں دونوں جگہ جمعہ ہوسکتا ہے یا ایک جگہ؟ (۲۶۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

الجواب: معلوم ہوتا ہے کہ موضع پلواڑہ بڑا گاؤں ہے، محمد پورا ایسا نہیں ہے، پس اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف پلواڑہ میں جمعہ پڑھ لیا کریں، البتہ یہ دونوں گاؤں ایک ہی سمجھے جاتے ہیں تو دونوں جگہ جمعہ صحیح ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۵/۵)

دو ہزار آٹھ سو کی آبادی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۹۳) موضع رابدھنہ میں دو ہزار آٹھ سو آدمی ہیں، اور یہاں پر پیٹھ لگتی ہے (مگر خفیف سی لگتی ہے) [۲] یعنی کل چیزیں تو فروخت نہیں ہوتیں، ہاں نمک مرچ ترکاری بکتی ہے، سولہ (۱۶) دکانیں نمک، مرچ، گڑ، چاول والوں کی کہیں کہیں آباد ہیں، ایک جگہ پر مثل بازار کے نہیں، چار مسجدیں اس جگہ ہیں، اور دو مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے؛ اب فرمایئے کہ یہ قصبہ کا حکم رکھتا ہے یا گاؤں کا؟ اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدوں کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۲۰۱۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: آپ کی تحریر سے معلوم ہوا کہ موضع رابدھنہ میں قریب تین ہزار آدمیوں کے آباد ہیں، بندہ کے خیال میں وہ بڑا قریہ ہے، اور شامی میں لکھا ہے کہ بڑے قریہ میں جمعہ واجب وادا ہوتا ہے: عبارت اس کی یہ ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ** [۱] اگرچہ موضع مذکور میں بازار نہیں ہے، مگر بہ اعتبار آبادی کے اس کو ملحق بالقصبہ کر سکتے ہیں، اور حنفیوں کی نماز غیر مقلدوں کے پیچھے ہوجاتی ہے مگر احتیاط بہتر ہے، فی الواقع جہاں تک ہو سکے ان لوگوں کو امام نہ بنایا جاوے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۸/۵)

پہلے شہر تھا اور اب دو ڈیڑھ ہزار آبادی ہے اس میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۹۴) جو جگہ پہلے شہر ہو اور اب آبادی کم ہو کر دو ڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہیں؛

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ومخالف كشافعيّ لكن في وتر البحر، إن تيقّن المراعاة لم يكره أو عدمها لم يصحّ وإن شكّ كره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۸-۲۵۹، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في إمامة الأمرد) ظفیر

اس میں جمعہ جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو موجودہ حالت کے لحاظ سے یا قدیمہ حالت کے؟
(۴۷۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قریہ کبیرہ جس میں بازار ہوں وہ مثل قصبہ کے ہوتا ہے، اور مصریت کی شان اس میں پائی جاتی ہے، پس جو بستی پہلے بڑا شہر ہوا اور اب اس میں دو ڈیڑھ ہزار آدمی رہ گئے ہوں اور بازار و دکانیں وغیرہ اس میں ہوں؛ اس میں جمعہ واجب ہے، وہ درحقیقت مصر ہے اس میں جمعہ ہونے میں کچھ تردد معلوم نہیں ہوتا، اور قریہ کبیرہ کی علامت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ مثل قصبہ کے معلوم ہوتا ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴/۵)

پہلے شہر تھا اُجڑ کر چار سو آبادی رہ گئی تو وہاں جمعہ جائز نہیں

سوال: (۲۲۹۵) بستی شیخ پورہ جو کسی زمانے میں بڑا بھاری شہر تھا، سکھوں نے اس کو لوٹا اور تباہ کیا، جس کی موجودہ حالت یہ ہے کہ کل ساڑھے چار سو آدمی آباد ہیں، دو دکانیں پرچون کی ہیں نہ کوئی بازار ہے اور نہ کوئی ضروری شئے ملتی ہے، زمین دار مسلمان ہیں، دریا کے قرب و جوار کے باعث کئی گاؤں کے مردہ وہاں پھکنے آتے ہیں، آیا ایسی جگہ شرعاً جمعہ جائز ہے یا نہ؟ کسی جگہ کا زمانہ سابق میں شہر ہونا اور دوسری جگہ کے مردوں کا وہاں آ کر پھکنا یا دفن ہونا شرائط جواز جمعہ میں سے ہے یا نہیں؟ شرائط جمعہ مثلاً سلطان یا نائب سلطان وغیرہ ہندوستان میں مفقود ہیں، لہٰذا ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ جائز نہ ہونا چاہیے؟ (۵۱۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فی الحال جب کہ آبادی موضع شیخ پورہ کی کل ساڑھے چار سو آدمیوں کی ہے یا فرض کرو اس سے کچھ زیادہ ہو اور بازار وغیرہ وہاں نہیں ہے نہ ضروری اشیاء وہاں ملتی ہیں تو وہ موضع یقیناً قریہ صغیرہ ہے جس میں فقہاء نے جمعہ پڑھنا ناجائز اور مکروہ تحریمی لکھا ہے، شامی میں ہے: **وفي ما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض إلخ** [2] اور درمختار باب العیدین میں ہے منقول قنیہ سے: **صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا إلخ**، شامی میں ہے:

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔
(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

ومثلہ الجمعۃ (۱) کسی زمانہ سابقہ میں موضع مذکور کا شہر یا قصبہ ہونا یا قرب وجوار کے مردہ کفار ومسلمین کے وہاں آکر پھکنا یا دفن ہونا علامت اس موضع کے شہر ہونے یا جمعہ کے جائز ہونے کی نہیں ہے، یہ محض کسی کا غلط بیان ہے کہ دوسرے دیہات قرب وجوار کے مردوں کا وہاں دفن ہونا یا پھکنا دلیلِ جوازِ جمعہ ہے اس کی کچھ اصل شریعت میں نہیں ہے، اور سوال میں یہ لکھنا کہ ''ہندوستان میں شرائط جمعہ میں سے سلطان یا نائب سلطان وغیرہ مفقود ہیں؛ اس لیے ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ درست نہ ہونا چاہیے'' یہ غلط ہے، اور کتب فقہ کی عبارات وتصریحات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے، یہ شرط وہاں ہے کہ بادشاہ اسلام کا ہو تو وہ خود امام جمعہ ہونا چاہیے یا اس کا نائب اور ماذون، اور جس جگہ بادشاہ اسلام کا نہ ہو وہاں تراضیِ مسلمین سے جس کو امام جمعہ مقرر کرلیں وہ امام جمعہ ہو جاتا ہے، اور نماز جمعہ وہاں واجب وادا ہوتی ہے، درمختار میں ہے: **ونصب العامّة الخطيبَ غير معتبر مع وجود من ذكر أمّا مع عدمهم فيجوز للضّرورة، وقال في الشّامي: فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين إلخ** (۲) (۵/۴۰-۴۱)

دو ہزار سے زیادہ آبادی میں جمعہ کب درست ہے؟

سوال: (۲۲۹۶) قصبہ سلیم پور بستی متصل قصبہ سہنس پور قریب ایک میل جس میں جمعہ واجب ہے اور اس کے متصل گڑھی ہے کہ ہر دو بستیان کے درمیان ایک باغ ہے، اور پانچ وقت اذان کی آواز آتی ہے، اور دونوں جگہ کی مردم شماری چار ہزار پانچ سو کی ہے، سلیم پور کی مردم شماری دو ہزار تین سو ہے، اور گڑھی کی دو ہزار دو سو ہے، سلیم پور میں غدر سے پہلے تحصیل تھی اور مردم شماری بھی قریب سات ہزار کی تھی، لیکن حوادث وانقلاب کی وجہ سے آبادی کم ہوگئی ہے، تاہم ہر قسم کی ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، لہٰذا جمعہ وعیدین واجب ہیں یا نہیں؟ (۴۶۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: سلیم پور اب بھی قریہ کبیرہ ہے اور قریہ کبیرہ میں جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے، **كما صرّح به الشّامي** (۲) پس سلیم پور میں جمعہ پڑھنا چاہیے، اور اسی طرح گڑھی میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے۔ فقط (۵/۱۵۲-۱۵۳)

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۴، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب.

ڈھائی ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۹۷) موضع راکھیڑہ میں مسلمانوں کی آبادی ڈھائی ہزار کی ہے، چار مسجدیں ہیں اور بزازوں وعطاروں کی بہت دکانیں ہیں اور ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا کیا؟ (۱۳۰۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ظاہراً وہ بڑا گاؤں ہے اور بڑے قریہ میں جمعہ عند الحنفیہ واجب وادا ہوتا ہے۔ کما في الشّامي : وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۳/۵)

جس قصبہ کی مردم شماری پچیس سو ہو، اس میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۲۹۸) ایک جگہ جس کی آبادی زمانہ غدر سے پہلے آٹھ نو ہزار تھی، اور ایک صوبہ دار بھی رہتا تھا، تحصیل بھی تھی، بعد غدر تحصیل بھی موقوف ہوگئی اور صوبہ دار کا رہنا بھی موقوف ہوگیا، اور رفتہ رفتہ حوادثات زمانہ سے پچیس سو آدمی رہ گئے ہیں، اور اشیاء ضروری معمولی اب بھی بہم پہنچتی ہیں، اور گیارہ مسجدیں وہاں پر موجود ہیں، اور ہفتہ میں ایک روز بازار بھی لگتا ہے اور جامع مسجد تیار ہو رہی ہے؛ اس صورت میں وہاں پر جمعہ ہوجائے گا یا نہیں؟ (۴۴۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس بستی میں جس کا ذکر سوال میں ہے جمعہ واجب الاداء ہوتا ہے، وہاں جمعہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ درحقیقت وہ آبادی قصبہ ہے، اگرچہ حوادثاتِ زمانہ سے آبادی اب کم ہوگئی ہے، اور قریہ کبیرہ کے برابر اب بھی[2] وہاں آبادی موجود ہے، شامی میں ہے کہ قصبات اور قریہ کبیرہ میں عند الحنفیہ جمعہ ادا ہوتا ہے بناءً علیہ اسی آبادی میں جمعہ پڑھنا چاہیے[3] فقط واللہ اعلم (۱۵۰/۵)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) مطبوعہ فتاوی اور رجسٹر نقول فتاوی میں 'وہاں' سے پہلے 'ہے' تھا، لیکن یہاں اس کے غیر ضروری ہونے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہے۔۱۲

(۳) حوالہ: سابقہ جواب میں آچکا ہے۔

تین ہزار کی آبادی میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۲۹۹) موضع سوجڑو ضلع مظفرنگر میں تقریبًا تین ہزار مردم شاری یا کچھ کم ہے، اور بازار بھی اس موضع میں نہیں ہے، اور کوئی سودہ وغیرہ کپڑا یا غلہ یا دوا بھی کچھ نہیں ملتی، اور موضع کا شہر سے فصل کوس سوا کوس کا ہے، ایسے دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۶۰/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں تصریح کی ہے کہ قصبہ اور بڑے قریہ میں جمعہ صحیح ہے، عبارت اس کی یہ ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرۃ الّتي فیھا أسواق ـــــ إلٰی أن قال:ـــــ وفیما ذکرناہ إشارۃ إلٰی أنّه لا تجوز في الصّغیرۃ إلخ** [1] پس قریہ مذکورہ بہ ظاہر قریہ کبیرہ ہے کہ آبادی اس کی تین ہزار کے قریب ہے، لہٰذا جمعہ پڑھنا اس میں واجب ہے اور صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۶/۵)

سوال: (۲۳۰۰) ایک مقام پر مسلمانوں کی آبادی اتنی ہے کہ وہ جب وہاں کی مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو سب نہیں آسکتے، کل آبادی میں دوسو پچاس مکانات ہیں جن میں پچانوے (۹۵) گھر مسلمانوں کے ہیں اور ستّر (۷۰) دکان ہیں جن میں کپڑے برتن مٹھائیاں وضروری اشیاء میسر ہوسکتی ہیں؛ آیا اس آبادی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۲۲۰۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ جمعہ قصبات اور بڑے قریہ میں جس میں بازار ہوادا ہوتا ہے، پس اگر آبادی اس قریہ کی مثل چھوٹے قصبہ کے مثلاً تین چار ہزار آدمیوں کی ہے، اور اس میں بازار بھی ہے تو جمعہ وہاں واجب وادا ہوتا ہے ورنہ نہیں، اور **ما لا یسع أکبر مساجدہ أھله المکلّفین بھا إلخ** [2] یہ تعریف حقیقی اور کلی نہیں ہے کہ جس جگہ یہ تعریف پائی جاوے وہاں جمعہ واجب ہوجاوے۔ **وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرۃ الّتي فیھا أسواق ـــــ إلٰی أن قال: ـــــ وفیما ذکرنا إشارۃ إلٰی أنّه لا تجوز في الصّغیرۃ إلخ** [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۳/۵)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعۃ.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعۃ.

(۳) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعۃ.

سوال: (۲۳۰۱) دو گاؤں کے درمیان ایک کوس کا فاصلہ ہے، اور پہلے گاؤں کی آبادی تین ہزار کی ہے، اور دوسرے گاؤں میں تین مسجدیں ہیں اور جمعہ بھی ہوتا ہے، پہلے گاؤں اور دوسرے گاؤں میں جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: پہلا گاؤں بڑا ہے اس میں جمعہ فرض ہے، اور دوسرا گاؤں بھی اگر ایسا ہی بڑا ہے تو وہاں بھی فرض ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۶/۵)

بڑی آبادی میں جمعہ واجب الاداء ہے

سوال: (۲۳۰۲) ایک قریہ عظیمہ بڑا جس میں تین ہزار دوسو آدمی آباد ہیں، اور چند دکانیں بھی وہاں موجود ہیں، پس موافق مذہب حنفیہ کے اور فقہ کی کتابوں کے وہاں جمعہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (۱۰۸۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسے قریہ میں جمعہ عندالحنفیہ صحیح ہے، اور واجب واداہوتا ہے؛ کیونکہ وہ قریہ کبیرہ ہے اور قریہ کبیرہ میں موافق تصریح شامی کے جمعہ صحیح ہوتا ہے۔ **کما في ردّ المحتار: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۷/۵-۷۸)

قصبہ میں جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۳۰۳) ضلع ہزارہ میں ایک موضع موسوم بہ شنکباری ہے جس میں چار مسجد ہیں اور بازار، تقریبًا اسّی (۸۰) دکانیں ہیں، اور تھانہ ڈاک خانہ وغیرہ معمولی محکمات بھی ہیں، بڑے بڑے حکام کے اترنے کی جگہ ہے، اور یہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے، ایک صاحب موضع مذکور میں نماز جمعہ ادا کرنے سے مانع ہیں؛ ایسے قریہ میں نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۰۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قصبات اور قریہ کبیرہ میں نماز جمعہ فرض ہے اور ادا ہوتی ہے، اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ چھوٹے قریہ میں بہ اتفاق علماء حنفیہ جمعہ نہیں ہوتا، بلکہ چھوٹے قریہ میں جمعہ پڑھنا گویا نفل کو جماعت کثیرہ کے ساتھ بہ تداعی ادا کرنا ہے جو بہ اتفاق فقہاء مکروہ ہے

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .**

اور قریہ کا چھوٹا بڑا ہونا مشاہدہ سے اور کثرت وقلت آبادی سے معلوم ہوتا ہے جس قریہ میں تین چار ہزار آدمی آباد ہوں گے ظاہراً وہ قریہ کبیرہ بہ حکم قصبہ ہوسکتا ہے، اور اس سے کم آبادی ہو تو وہ قریہ صغیرہ کہلائے گا؛ شامی میں قہستانی سے منقول ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــ إلى أن قال: ـــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب إلخ** [1] **(شامي، باب الجمعة) وفي باب العيدين من الدّرّ المختار: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ، قال في الشّامي: قوله: (صلاة العيد) ومثله الجمعة** [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۶۱-۱۶۲)

چار ہزار کی آبادی میں جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۳۰۴) جس کی آبادی ۴۰۰۰ آدمیوں کی ہو، اور ایک میل کے فاصلہ پر اسٹیشن ہے، اور اس کی وجہ سے بازار بھی قائم ہوگیا ہے تھانہ اور مدرسہ بھی ہے، اور بازار کی آبادی ۳۰۰۰ کی ہوگئی ہے، مجموعہ آبادی موضع اور اسٹیشن و بازار کی ۷۰۰۰ ہے، اس صورت میں اس موضع میں جمعہ وعیدین پڑھ سکتے ہیں یا نہ؟ (۱۰۲۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسی بستی میں نماز جمعہ وعیدین واجب ہے اور ادا ہوجاتی ہے کیونکہ شامی میں تصریح کی ہے کہ قصبہ اور بڑے قریہ میں جمعہ فرض ہوتا ہے [3] اور یہ ظاہر ہے کہ بستی مذکورہ بڑا قریہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۶۱)

دو متصل گاؤں ایک بستی کے حکم میں نہیں

سوال: (۲۳۰۵) ضلع کمرلہ میں ایک بڑی بستی ہے جس کے دو حصے ہیں، اور ہر حصہ علیحدہ نام سے مشہور ہے، اور دونوں باہم متصل ہیں، اور دونوں میں بجز راستے کے کوئی حد فاصل نہیں ہے،

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.**

(۲) **ردّ المحتار و الدّرّ المختار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.**

(۳) حوالہ؛ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔

اور دونوں بستیوں کی آبادی مجموعی طور پر چار پانچ ہزار آدمی ہے، اور ان میں عالم، مفتی، مولوی وسرکاری ملازم شریف و رذیل ہر قسم کے آدمی رہتے ہیں، اور باہم مکانات بھی ایسے متصل ہیں کہ بلا دقت پیدل جا سکتے ہیں، اور اس میں گلی و کوچہ وصدر راستے بھی ہیں، اور احکام شرع کا اجراء بھی ماتحتٔ گورنمنٹ رہ کر ہوتا ہے، اور کھانے پہننے کی اشیاء بھی ہر وقت ملتی ہیں، اور اس بستی کے قریب پاؤ میل پر ایک بڑا بازار ہے، اس میں بھی ہر وقت ہر قسم کی ضروریات ملتی ہیں، اور اس بازار میں سرکاری پولیس تھانہ، قاضی خانہ، شفاخانہ، ڈاک خانہ اور اسٹیشن جہاز وغیرہ سب موجود ہیں، اور ان دونوں بستیوں میں علاوہ اور مساجد کے سات مسجدیں ایسی ہیں کہ ان میں جمعہ ہوتا ہے، اور جمعہ کے وقت ہر مسجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے، اور بستی ہذا میں جمعہ قدیم سے ہوتا ہے، ایک مولوی صاحب بستی ہذا کے یہ کہتے ہیں کہ اس بستی میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا تو تحریر فرماویں کہ بستی ہذا میں جمعہ درست ہے یا نہ؟ بحوالہ کتب رقم فرماویں؟ (۱۵۸/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے کہ جمعہ کی صحت وعدم صحت کا مدار استجماعِ شرائط وعدم پر ہے، پس صورت مسئولہ میں جب کہ دو گاؤں علیحدہ علیحدہ نام کے ساتھ مشہور وموسوم ہیں، اور انفرادی طور پر کسی ایک میں صحت جمعہ کی صلاحیت نہیں، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ دونوں کو ایک فرض کر کے لزومِ جمعہ کا حکم لگایا جاوے، کیوں کہ اس میں کوئی خفاء نہیں کہ حضرات فقہاء نے دو مستقل بستیوں میں جمعہ کے صحیح ہونے اور نہ ہونے کا مدار فصل اور عدم فصل پر نہیں رکھا، بلکہ حقیقی مدار ہر ایک بستی کی صلاحیت وعدم صلاحیت پر ہے؛ یعنی اگر ہر بستی میں صحت جمعہ کے شرائط پائے جاتے ہیں تو جمعہ صحیح ہے ورنہ نہیں، حقیقت میں یہ بڑی اصولی غلطی ہے کہ صرف جمعہ کے شوق میں دو مستقل آبادیوں کو ایک بنانے میں پیمائش شروع ہو جاتی ہے، بات یہی ہے کہ جب کہ یہ دو گاؤں مستقل ناموں کے ساتھ موسوم ہیں تو پھر احکام شرعیہ میں بھی ان کے استقلال کو پیش نظر رکھا جائے گا، البتہ اگر واقعی یہ دو بستیاں نہیں بلکہ محلے ہیں اور ان دونوں محلوں کا بہ حیثیت مجموعی کوئی دوسرا نام ہے تو پھر یہ صرف راستوں کا فاصلہ بھی صحتِ جمعہ کے لیے مخل نہیں؛ لیکن اگر ایسا نہیں اور بہ ظاہر نہیں ہے تو یقیناً ایسی بستیوں میں جمعہ صحیح نہیں، فرضیت جمعہ کے حامیوں کو اس پر بے محل اور غیر شرعی اصرار کی ضرورت نہیں۔ کتبہ: عتیق الرحمٰن عثمانی

الجواب: (از حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب) اصل یہ ہے کہ عندالحنفیہ جمعہ وعیدین کی نماز شہر یا قریہ ایسے بڑے میں فرض اور صحیح ہوتی ہے جس میں بازار ہو، یا قصبہ میں صحیح ہوتی ہے اور اس بڑے قریہ میں ضروریات کی اشیاء مل سکتی ہوں۔ **قال في ردّ المحتار نقلاً عن القهستاني : وتقع فرضًا في القصبات و القرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ ، و فيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ** [1] **وفي الدّرّ المختار : صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا إلخ ومثله الجمعة** [2] **(شامي)** پس جب کہ ہر بستی ہر دو مذکور بستیوں میں سے ایسی بڑی نہیں ہے کہ اس میں شرطِ صحتِ جمعہ پائی جاوے تو دونوں بستیوں کو ایک سمجھ کر جمعہ صحیح نہ ہوگا، پس جواب مذکور صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: عزیز الرحمٰن مفتی دارالعلوم دیوبند (۵/۱۲۴-۱۲۵)

کالا پانی میں جمعہ جائز ہے

سوال: (۲۳۰۶) ...... (الف) میں آج کل بہ سلسلۂ ملازمت اس مقام میں ہوں جو ہندوستان میں کالا پانی کہا جاتا ہے، یہاں تقریبًا ۱۲ ہزار قیدی اور دو ہزار آزاد ہیں، کل تعداد آزاد مسلمانان کی پانچ سو سے کم ہے، یہاں بازار ہے، کل اشیاء ضروری خوردنی و پوشیدنی میسر آتی ہیں؛ آیا یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

(ب) یہاں کی بعض مساجد میں امام قیدی ہیں کیا آزاد لوگوں کی نماز ان کے پیچھے درست ہے یا نہیں؟ (۱۸۷۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) نماز جمعہ مقام مذکور میں جائز ہے وہاں نماز جمعہ ادا کرنا چاہیے [3]۔

(ب) اور امام قیدی کے پیچھے غیر قیدی کی نماز صحیح ہے [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۴-۹۵)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين .

(۳) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

(۴) وشرط لافتراضها ...... إقامة بمصر إلخ ، وعدم حبس إلخ إن اختار العزيمة وصلّاها وهو مكلّف إلخ ، وقعت فرضًا عن الوقت إلخ، ويصلح للإمامة فيها من صلح لغيرها فجازت لمسافر وعبد ومريض إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵-۲۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

قیدی پر جمعہ فرض نہیں

سوال: (۲۳۰۷) مذہب اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی وجہ سے خالصۃً للہ مسلم کی اسیری داخلِ جہاد ہے یا نہیں؟ اور کیا نمازِ جمعہ جیل میں بھی فرض ہوگی؟ اگر نہیں تو جمعہ پڑھنے سے ظہر ساقط ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۸۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے کوشش کرنا اور اس پر اسیر ہونا داخل ثواب ہے، اور خلافت اسلامیہ کے لیے کوشش کرنا ایک قسم کا جہاد ہے، اور قیدی و اسیر پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن اگر موقع جمعہ میں شامل ہونے کا اس کو مل جاوے تو نماز ظہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاتی ہے، اور جمعہ کی فرضیت کے لیے اور جمعہ کے فرض ہونے کی شرائط میں سے ہے عاقل و بالغ ہونا، اور تندرست و آزاد ہونا اور بینا ہونا اور قید میں نہ ہونا وغیرہ، پس اگر کوئی شخص اسیر ہے اور جمعہ سے روکا جاتا ہے تو اس پر جمعہ فرض نہیں ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۸/۵)

امیر اگر کسی آبادی کو مصر بنادے تو وہاں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۳۰۸) ربذہ گاؤں تھا یا کیا؟ یہاں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا جمعہ پڑھنا، خلیفۂ ثالث اور اکثر جلیل القدر صحابہ کا اس پر نکیر نہ فرمانا ثابت ہے یا نہیں؟ (۲۹۲۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ربذہ کے متعلق شرح منیہ میں منقول ہے: **وعن محمدؒ أن كلّ موضع مصّره الإمام فهو مصر حتّٰی أنّه لو بعث إلٰی قرية نائبًا لإقامة الحدود والقصاص تصير مصرًا ، فإذا عزله تلحق بالقرى ، و وجه ذلك ما صحّ أنّه كان لعثمان عبد أسود أميرٌ علي الرّبذة يصلّي خلفه أبوذرؓ وعشرة من الصّحابة الجمعة و غيرها ذكره ابن حزم في المحلّى** [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۱/۵)

---

(۱) **وشرط لافتراضها تسعة تختصّ بها إقامة بمصر إلخ، وصحّة إلخ، وحرية إلخ، و ذكورة إلخ ، ووجود بصر إلخ، وعدم حبس إلخ ، إن اختار العزيمة وصلّاها وهو مكلّف بالغ عاقل وقعت فرضًا عن الوقت . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/۲۵-۲۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)** ظفیر

(۲) **غنية المستملي**، ص: ۴۷۴، **فصل في صلاة الجمعة .**

چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۳۰۹) جس گاؤں میں تین چار صد آدمی علاوہ عورت و بچہ آباد ہوں، اور چار پانچ دکانیں ہوں وہاں نماز جمعہ ادا کرنی چاہیے یا ظہر با جماعت؟ (۱۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس پر قصبہ وشہر کی تعریف صادق نہیں آتی، اور گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، لہٰذا وہاں ظہر با جماعت ادا کرے ترک ظہر وہاں حرام اور معصیت ہے۔ کذا في الدّرّ المختار [۱] فقط (۵/۷۸)

سوال: (۲۳۱۰) گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہ؟ اور حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لا جمعة و لا تشريق إلخ اس پر عمل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (۹۰۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: چھوٹے گاؤں میں جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حدیث پر عمل کرنا عند الحنفیہ لازم ہے [۲] مصر؛ شرطِ وجوب واداءِ جمعہ ہے [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۵)

سوال: (۲۳۱۱) درقریہ صغیرہ نماز جمعہ جائز است یا نہ؟ ودرآں جا کہ سلطان یا نائب سلطان نباشد جمعہ روا است یا نہ؟ وتعریف قریہ بیاں فرمایند؟ (۳۹۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: درقریہ صغیرہ بہ مذہب امام ابوحنیفہؒ اقامت جمعہ درست نیست، وتحقیق وتفصیل آں بہ کتب فقہ وغیرہ مبسوط است، ازآں جادریابند ودرقریہ کبیرہ کہ اسواق وکوچہا درآں باشند جمعہ ادا می شود

(۱) صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّر المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیر

(۲) فلا تؤدّى في مفازة ولا قرية لما روى البيهقيّ في المعرفة وعبد الرّزّاق وابن أبي شيبة في مصنّفيهما عن عليّ أنّه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا صلاة فطرٍ ولا أضحى إلّا في مصر جامع أو مدينة، ولأنّه كان لمدينة النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قرى كثيرة ولم ينقل أنّه عليه السّلام أمرنا بإقامة الجمعة فيها انتهى. (كمال الدّراية في شرح النّقاية، ق: ۹۸/ب كتاب الصّلاة، باب شرط لوجوب الجمعة)

(۳) ويشترط لصحّتها سبعة أشياء: الأوّل: المصر. (الدّرّ المختار على الدّرّ المختار: ۳/۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

کما صرّح بہٖ الشّامي [1] ودر تعریف مصر ہماں قول معتبر است کہ اسواق وکوچہا درآں باشند، وعادۃً مقام حکام باشد، ودر حقیقت تعریف شہر وقریہ حاجت بیاں نہ دارد، آں چہ عرفًا آں را شہر نامند شہر است، وآں چہ آں را قریہ دانند قریہ است، واما ایں قدر است کہ قصبہ وقریۂ کبیرہ ہم حکم مصر دارد واقامت جمعہ دراں جائز است، اگر سلطان یا نائب سلطان نباشد درامصار جمعہ واجب است۔ کما صرّح بہ الشّامي [1] درآں جا مسلمین امامے را معین ومقرر سازند، ایں ہم کافی است، شامی، جلد: اوّل باب جمعہ را باید دید، ودر امصار وقصبات وقری کبیرہ کہ اقامت جمعہ درآنہا واجب است، حاجت احتیاط الظہر نیست، وصاحب درمختار از بحر فتوی عدم جواز احتیاط الظہر نقل فرمودہ است ہماں احوط است [2] فقط واللہ اعلم مفتی مدرسہ (۱۷۴/۵)

ترجمہ سوال: (۲۳۱۱) چھوٹے گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہ؟ اور جہاں سلطان یا نائب سلطان نہ ہو نماز جمعہ جائز ہے یا نہ؟ اور قریہ کی تعریف بیان فرمائیں۔

الجواب: چھوٹے گاؤں میں امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق جمعہ قائم کرنا جائز نہیں ہے، اوراس کی تفصیل وتحقیق کتب فقہ وغیرہ میں مبسوط ہے، وہاں سے حاصل کرلیں، اور قریہ کبیرہ میں کہ جہاں بازار اور گلیاں ہوں جمعہ ادا ہوجاتا ہے، کما صرّح بہٖ الشّامي، اور مصر کی تعریف میں وہی قول معتبر ہے کہ جہاں بازار اور گلیاں ہوں، اور عادۃً حکام کا مقام ہو، اور درحقیقت شہر اور قریہ کی تعریف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جس کو عرفًا شہر نام دیں شہر ہے، اور جس کو گاؤں سمجھیں گاؤں ہے، بہرحال بات اس قدر ہے کہ قصبہ وقریہ کبیرہ بھی مصر کا حکم رکھتے ہیں، اوران میں اقامت جمعہ جائز ہے، اگر سلطان یا نائب سلطان نہ ہو تب بھی شہروں میں جمعہ واجب ہے، کما صرّح بہٖ الشّامي، ان جگہوں میں مسلمان کسی امام کو متعین ومقرر کردیں یہ بھی کافی ہے، شامی، جلد اوّل،

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرۃ الّتي فیها أسواق ــــ إلی أن قال: ــــ وفیما ذکرنا إشارۃ إلی أنّه لا تجوز في الصّغیرۃ الّتي لیس فیها قاض ومنبر وخطیب إلخ (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة)

(۲) وفي البحر: وقد أفتیتُ مرارًا بعدم صلاۃ الأربع بعدها بنیّة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة وهو الاحتیاط في زماننا إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة)

باب جمعہ کو دیکھنا چاہیے، اور شہروں، قصبات اور بڑے دیہاتوں میں جہاں اقامتِ جمعہ واجب ہے احتیاط الظہر (پڑھنے) کی حاجت نہیں ہے، اور صاحب درمختار نے بحر سے احتیاط الظہر کے عدم جواز کا فتویٰ نقل کیا ہے، وہی احوط ہے۔ فقط واللہ اعلم مفتی مدرسہ

ہندوستان میں جمعہ پڑھنے کی دلیل

سوال: (۲۳۱۲) جمعہ کے متعلق مصر کی تعریفیں جو فقہاءؒ نے بیان فرمائی ہیں، ان میں سے کس کے مطابق ہندوستان میں جمعہ فرض ہے؟ یہاں جس جگہ جمعہ پڑھتے ہیں بعد میں ظہر احتیاطی پڑھتے ہیں؟ (۱۳۴۳/۲۳۲۹ھ)

الجواب: ہندوستان میں جمعہ پڑھنے کی وجہ اور وجوب کی دلیل فقہاء کی وہ عبارتیں ہیں جو فرضیت جمعہ فی بلا دالحرب میں (نص)[1] ہیں۔ **في الشّامي : فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين إلخ**[2] **وفيه قبيله: وبهٰذا ظهر جهل من يقول لا تصحّ الجمعة في أيّام الفتنة مع أنّها تصحّ في البلاد الّتي استولٰى عليها الكفّار إلخ**[3] **وعبارة القهستاني: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ —— إلٰى أن قال: —— وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ**[4] (شامی) پس معلوم ہوا کہ بناء وجوب (وعدم وجوب)[5] وصحت وعدم صحت جمعہ بڑا ہونا اور چھوٹا ہونا آبادی کا ہے، اور جس کو عرف میں شہر اور قصبہ کہتے ہیں وہی مصر ہے، اور تعریفیں سب لوازمات شہر کی بیان میں ہیں کہ عرفاً شہر میں یہ امور لازم ہوتے ہیں، اصل بنیاد شہریت پر ہے، اور جب کہ قصبات اور قری کبیرہ اور شہروں میں جمعہ بلا شبہ و بلا تردد صحیح ہے تو بہ موجب روایت بحر:

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (نص) کی جگہ ''صریح'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **ردّ المحتار: ۱۴/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في جواز استنابة الخطيب.**

(۳) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۷-۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .**

(۴) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .**

(۵) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

وفي البحر: وقد أفتيتُ مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنيّة آخر ظهر خوفَ اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا إلخ[1] احتیاط الظہر پڑھنا خلاف احتیاط ہے۔ فقط (۱۲۲/۵-۱۲۳)

ہندوستان کے شہروں میں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۳۱۳) بعض شخصوں نے لوگوں کو نماز جمعہ سے روک رکھا ہے، کہتے ہیں کہ شرائط جمعہ ہندوستان میں پائی نہیں جاتیں؛ اس لیے نہ شہر میں جمعہ ہوسکتا ہے اور نہ قصبہ میں، کیا یہ ان کا کہنا درست ہے؟ (۲۵۶/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: قصبہ اور شہر اور قریۂ کبیرہ میں بلا (ارتیاب)[2] جمعہ واجب وادا ہوجاتا ہے، مانعین ومنکرین جمعہ غلطی پر ہیں، اور تارکِ فرض ہیں۔ قال في ردّ المحتار: وتقع فرضًا في القصبات والقرىٰ الكبيرة الّتي فيها أسواق إلخ، وفيه قبيله: وبهٰذا ظهر جهل من يقول لا تصحّ الجمعة في أيّام الفتنة مع أنّها تصحّ في البلاد الّتي استولى عليها الكفّار كما سنذكره إلخ[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴/۵)

سوال: (۲۳۱۴) ہندوستان میں جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ (۳۷۵/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: ہندوستان کے شہروں اور قصبوں اور بڑے قریوں میں جمعہ صحیح ہے اور چھوٹے قریہ میں درست نہیں ہے[3] كما مرّ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸/۵)

بادشاہِ اسلام نہ ہونے کی صورت میں بھی جمعہ ہوجاتا ہے

سوال: (۲۳۱۵) جس جگہ بادشاہ اسلام نہ ہو وہاں جمعہ نہیں ہوتا یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۶۶۳/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.
(۲) مطبوعہ فتاوی میں (ارتیاب) کی جگہ ''ارتباب'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔ ۱۲
(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۷-۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

الجواب: یہ غلط خیال ہے کہ جہاں بادشاہ اسلام نہیں وہاں جمعہ نہیں ہوتا بلکہ جمعہ ہو جاتا ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۶/۵)

ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے پھر بھی جمعہ فرض ہے

سوال: (۲۳۱۶) اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جاوے تو جمعہ فرض ہے یا نہیں؟ اور بادشاہ مسلم ہونے کی شرط کا کیا جواب ہوگا؟ (۱۳۳۸/۴۴۴ھ)

الجواب: جمعہ پھر بھی فرض ہے اور بادشاہ مسلمان کا ہونا اس کے لیے شرط نہیں ہے، شامی میں ہے: **فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين إلخ**[۲] (ص: ۵۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۸۵-۸۶)

ملک کفار میں جمعہ کے احکام اور اس کے متعلق سوالات

سوال: (۲۳۱۷) اوّلاً تحریر حالِ ملک ٹرانسوال (۳) کرتا ہوں کہ اسئلۂ ذیل کے جواب میں سہولت ہو، یہاں پر حکومت کفّار ہے، اور یہاں کے باشندے بھی کفار ہیں، ہاں کچھ لوگ مسلمان

(۱) والسّلطان (إلى قوله) والإطلاق مشعر بأنّ الإسلام ليس بشرط وهٰذا إذا أمكن استيذانه وإلّا فالسّلطان ليس بشرط فلو اجتمعوا على رجل وصلّوا جاز (جامع الرّموز: ۱/ ۱۱۶، كتاب الصّلاة، فصل: شرط لوجوب الجمعة، المطبوعة: مطبع نول كشور، لكهنو)

مع أنّها تصحّ (الجمعة) في البلاد الّتي استولى عليها الكفّار كما سنذكره (ردّ المحتار على الدّر المختار: ۳/ ۷-۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

فلو الولاة كفّارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيًا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليًا مسلمًا. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۱۴، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب) ظفیر

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۱۴، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب)

(۳) ٹرانسوال (Transvaal): جنوبی افریقہ کا ایک صوبہ ہے۔

شافعی المذہب بھی ہیں، باقی مسلمان انڈیا کے تاجر وغیرہ ہیں، مگر مجموعہ مسلمان کفار کی نسبت بہت کم ہیں گاؤں کا تو میں ذکر نہیں کرتا، مگر اس ملک کے شہروں میں تخمیناً مفصلہ ذیل تعداد مسلمانوں کی ہوگی، کسی جگہ دس بیس، کسی جگہ تیس چالیس، کسی جگہ اسّی، سو، سوائے ایک شہر کے، میرے خیال کے موافق کہیں چار سو پانچ سو کا مجمع نہ ہوگا، مساجد کا یہ حال ہے کہ کہیں تو کرایہ پر مکان لیا ہوا ہے، اس میں نماز جمعہ وعید ادا کی جاتی ہے، اور کسی جگہ ایک مسجد ہے مگر بہ وجہ قلت وہ بھی نہیں بھرتی، البتہ ایک جگہ میں تین مسجدیں ہیں، اور مسلمانوں کی جماعت بڑی ہے تخمیناً پانچ سو سے کم نہ ہوگی، نماز جمعہ وعید سب جگہ ادا کی جاتی ہے، عید کے موقع پر جو مسلمان گاؤں میں رہتے ہیں شریک نماز ہوکر تعداد بڑا دیتے ہیں، میرے علم میں یہاں کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوئی، اور حکام کی طرف سے کوئی حکم شرعی یہاں جاری نہیں، مگر نماز جمعہ وعید کو منع نہیں کرتے جس جگہ کے واسطے یہ تحریر کی جاتی ہے وہ بھی یہاں شہروں میں سے ایک شہر ہے اور ایک مسجد بھی ہے تعداد مسلمانوں کی ساٹھ ستر سے زیادہ نہ ہوگی، سوالات ذیل کے جواب درکار ہیں:

الف) جمعہ کے ادا کے لیے شہر شرط ہے یا نہیں؟

ب) شہر کس کو کہتے ہیں؟ اکبر مساجد کی تعریف روایت مذہب ہے یا نہیں؟

ج) جب قدرتِ اجرائے حدود شرط ہے اور بالفعل ضرور نہیں تو توانی کی وجہ سے تعریف مذکور کو اختیار کرنا اور ظاہر مذہب کو ترک کرنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟

د) علماء حنفیہ کے اختلاف کی وجہ سے احتیاطی تجویز ہوئی، مگر جہاں حنفی مذہب کے موافق تحقُّق مشروط نہ ہو، اور دیگر مذاہب کے موافق تحقق ہے، وہاں کیوں جائز نہیں؟ خروج عن الاختلاف کی علت دونوں جگہ موجود ہے، یعنی وہاں بھی جمعہ اور احتیاطی پڑھ لینا چاہیے؟

ھ) کلّ موضع له أمير وقاض إلخ (۱) سے استدلال عدمِ جواز جمعہ پر دارالحرب میں ہوسکتا ہے یا نہیں؟

و) کیفیت مذکور کی رو سے کہاں جمعہ جائز ہے اور کہاں نہیں؟

ز) جہاں جائز نہیں ان کو منع کیا جائے یا نہ؟ اور ان کی ظہر کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۷، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة.

ح) جہاں بادشاہ مسلمان نہ ہو وہاں جمعہ کا کیا حکم ہے، اور حکومت کفار میں جمعہ کیوں کر جائز ہے؟

ط) یہ ملک دار الحرب ہے یا نہ؟

ی) دار الحرب کی کیا تعریف ہے؟ اور کس طور سے دار الحرب دار الاسلام بنتا ہے؟ اور دار الاسلام دار الحرب؟

ک) جہاں شروط جمعہ نہ پائی جاویں وہاں عید کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر جائز نہیں تو پڑھنے سے کیا خرابی ہے؟ اگر اپنے مذہب کے طور پر واجب نہیں تو دوسرے مذہب مثل شافعیؒ کے مذہب پر تو واجب ہے، اور خروج عن الاختلاف ہو جائے گا؟

ل) ہماری جگہ شہر گنی جاتی ہے ایک مسجد بھی ہے، وہاں کے مصلی (نمازی) اس کو بھر نہیں سکتے، یہاں جمعہ کا کیا حکم ہے؟ (۱۵۵۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال في ردّ المحتار:

۱) مع أنّها تصحّ في البلاد الّتي استولی علیها الکفّار کما سنذکره[۱] (۱/۵۳۷)

۲) وفي (۱/۵۴۱) فلو الولاة کفّارًا یجوز للمسلمین إقامة الجمعة ویصیر القاضي قاضیًا بتراضي المسلمین إلخ[۲]

۳) وفیه أیضًا: وتقع فرضًا في القصبات والقری الکبیرة الّتي فیها أسواق إلخ[۳]

۴) وفیما ذکرنا إشارة إلی أنّه لا تجوز في الصّغیرة الّتی لیس فیها قاضي ومنبر إلخ[۳]

۵) وفي الدّرّ المختار، باب العیدین: تجب صلاتهما في الأصحّ علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدّمة سوی الخطبة فإنّها سنّة بعدها، وفي القنیة: صلاة العید في القری تکره تحریمًا أي لأنّه اشتغال بما لایصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة إلخ، قوله: (صلاة العید) ومثله الجمعة إلخ[۴] (شامی) روایت ثالثہ ورابعہ ردالمحتار سے واضح ہے کہ شہر

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۷-۸، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۱۴، کتاب الصّلاة، باب العیدین.

(۳) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۸، کتاب الصّلاة، باب العیدین.

(۴) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۲-۴۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین.

اور قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا ہوجاتا ہے، اور امر عرف پر مفوض ہے، اور اہلِ عرف کو معلوم ہے کہ شہر کون سا ہے اور قصبہ کیا ہے، اور قریہ کبیرہ وصغیرہ میں کیا تمیز ہے اور فرق ہے۔

اور روایت خامسہ درمختار وشامی سے یہ معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں عیدین اور جمعہ مکروہ تحریمی ہے کہ اس میں ترکِ جماعتِ فرضِ ظہر اور ارتکابِ جماعتِ نفل لازم آتا ہے، اور روایت اولیٰ وثانیہ سے معلوم ہوا کہ جن بلاد پر کفار مسلط ہیں وہاں بلاتردد جمعہ لازم ہے، مسلمان اپنی جماعت میں سے کسی کو امام جمعہ بنادیویں؛ جمعہ ادا وصحیح ہوجاوے گا، احتیاط الظہر کے بارے میں صاحب درمختار نے صاحب بحر کا یہ فتویٰ نقل فرمایا ہے: وفي البحر: وقد أفتيتُ مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنيّة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضيّة الجمعة، وهو الاحتياط في زماننا، وأمّا من لا يخاف عليه مفسدة منها فالأولٰى أن تكون في بيته خفيةً إلخ (۱) اب سوالات کا جواب نمبروار بالاجمال تحریر ہے۔

الف) جمعہ کے وجوب وادا کے لیے مصر شرط ہے، شہر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ سب بہ حکم مصر ہیں۔

ب-ج) شہر عرفًا ظاہر ہے اور فقہاء کا جو کچھ اُس میں ارشاد اور تفصیل ہے وہ بھی کتب فقہ میں موجود ہے، اکبر مساجد کی تعریف کو شرح منیہ میں مزیف کہا ہے (۲)

د) جب کہ اپنے مذہب کے موافق جمعہ فی القریٰ مثلاً مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ روایت خامسہ میں مذکور ہوا تو احتیاط الظہر مع ادائے جمعہ اس کی مکافات کب کرسکتی ہے؟! وہاں تو ظہر کو جماعت سے پڑھنا چاہیے، اور جمعہ کو ترک کرنا چاہیے ورنہ ارتکاب مکروہ تحریمی کا لازم آوے گا۔

ھ-ی) بلاد کفار میں جمعہ کا صحیح ہونا روایت: ۱-۲ سے واضح ہوگیا، پس جن بلاد پر کفار مسلط ہیں

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) كما قال في شرح المنية: فكلّ تفسير لا يصدّق على أحدهما فهو غير معتبر حتّٰى التّعريف الّذي اختاره جماعة من المتأخّرين كصاحب المختار والوقاية وغيرهما، وهو ما لو اجتمع أهله في أكبر مساجده لا يسعهم فإنّه منقوض بهما إذ مسجد كلّ منهما يسع أهلهٗ و زيادة ـــــ إلى أن قال: ـــــ فلا يعتبر هٰذا التّعريف. (غنية المستملي، ص: ۴۷۳-۴۷۴، فصل في صلاة الجمعة)

ان میں جو بڑے شہر اور قصبات اور بڑے قریہ ہیں وہاں بہ موجب روایت: ۳ جمعہ بلا شبہ و بلا تردد درست ہے، احتیاط الظہر کی حاجت نہیں، اور جو قریہ صغیرہ ہیں وہاں جمعہ صحیح نہیں، وہاں ظہر با جماعت پڑھنی چاہیے، الغرض بلاد کفار ہونے کی وجہ سے مسئلہ جمعہ میں کوئی فرق نہیں آتا، جیسے بلاد اسلام میں شہر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ ادا ہوتا ہے، اور قریہ صغیرہ میں نہیں ہوتا، ایسے ہی بلاد کفار میں بھی یہی تفصیل ہے، رسالہ ''اوثق العری'' در بارۂ جمعہ مؤلفہ حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ مرسل ہے، اس سے جملہ مطالبِ متعلقہ جمعہ واضح ہو جاویں گے۔

ک) جمعہ و عیدین کی شرائط سوائے خطبہ کے متحد ہیں کما مر، پس جہاں عیدین کی نماز صحیح نہیں وہاں جمعہ کی نماز بھی صحیح نہیں، اور جہاں جمعہ کی نماز صحیح نہیں وہاں عیدین کی نماز صحیح نہیں۔ **كما مرّ في الرّواية الخامسة .**

ل) جو بلدہ شہر گنا جاتا ہے وہاں بلا شبہ جمعہ صحیح ہے اور شہر ہونا آبادی کی کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر چہ کفار آباد ہوں اور مسلمان قلیل ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۶۲/۵-۶۵)

جہاں گائے کی قربانی نہ ہوتی ہو وہاں بھی نماز جمعہ و عید درست ہے

سوال: (۲۳۱۸) ریاست نیپال میں جہاں گائے کی قربانی مہاراجہ کے حکم سے بند ہے نمازِ جمعہ و عیدین ہو سکتی ہے یا نہ؟ (۶۱۹/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز جمعہ و عیدین وہاں صحیح ہے اور ادا ہو جاتی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۸/۵)

شرائط جمعہ نہ پائے جانے کی وجہ سے جمعہ کی نماز توڑوانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۳۱۹) جامع مسجد میں بہ روز جمعہ جماعت جمعہ کی ہو رہی تھی، ایک مولوی صاحب نے وہاں آ کر تمام نمازیوں کو بہ آواز بلند کہا کہ فوراً اے حنفیو! جمعہ کی نماز سے نیت توڑ دو؛ ورنہ

---

(۱) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

کافر ہو جاؤ گے؛ کیونکہ یہاں نماز جمعہ جائز نہیں ہے، اس کا پڑھنا گناہ کبیرہ ہے، آیا کس کس مقام پر کن شرائط سے نماز جمعہ جائز ہے؟ اور کہاں ناجائز ہے؟ اگر کسی مقام پر کلیۃً شرائط جمعہ موجود نہ ہوں وہاں جمعہ پڑھنے سے گناہ اور کفر تو عائد نہیں ہوتا؟ اور وہ مولوی صاحب نماز تڑوانے کے مجاز تھے یا نہ؟ اگر نہیں تھے تو ان کو کیا گناہ ہوا؟ (۱۳۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب جمعہ کے بارے میں یہ ہے کہ شہر اور قصبہ اور بڑے قریہ میں جس میں دو چار ہزار آدمی آباد ہوں اور ضروری اشیاء کی دکانیں وہاں ہوں، جمعہ واجب ہے اور ادا ہوتا ہے، البتہ چھوٹے قریہ میں جمعہ صحیح نہیں ہوتا، اس میں جمعہ پڑھنا مکروہ تحریمی لکھا ہے[1] لیکن کفر وہ بھی نہیں ہے، پس اگر وہ بستی جس میں جمعہ ہو رہا تھا قصبہ یا بڑا قریہ تھا تو جمعہ اس میں واجب تھا اور صحیح تھا تڑوانا جمعہ کا وہاں حرام تھا، وہ مولوی صاحب غلطی پر تھے، جنہوں نے جمعہ تڑوایا توبہ کریں، اور اگر وہ چھوٹا گاؤں تھا تو بے شک جمعہ پڑھنا وہاں مکروہ تحریمی تھا تو تڑوانا جمعہ کا اچھا ہوا، پس یہ سوال میں لکھنا چاہیے تھا کہ وہ جگہ جہاں کا یہ قصہ ہے کیسی بستی ہے چھوٹی یا بڑی، اور آبادی وہاں کس قدر ہے، اور بازار اور دکانیں ہیں یا نہیں، ردّ المحتار معروف بہ شامی باب الجمعۃ میں ہے: **وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة إلخ**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۷۸-۷۹)

چھوٹے قریہ میں جمعہ وعیدین پڑھنے سے لوگ گنہ گار ہوتے ہیں

سوال: (۲۳۲۰) جس بستی میں تخمیناً دو ہزار آدمی آباد ہوں وہاں جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ اور جس جگہ شرعاً جمعہ وعیدین جائز نہیں وہاں جمعہ وعیدین پڑھنے سے وہ لوگ گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ جمعہ وعیدین کی ادائیگی کے لیے کتنی مردم شماری ہونی چاہیے؟ فقہاء یہ شرط کہاں سے لگاتے ہیں کہ جمعہ وعیدین کے لیے تین آدمیوں کا ہونا ماسوائے امام کے شرط ہے، حالانکہ جمعہ اور عیدین کے واسطے

---

(۱) صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا (الدّرّ المختار) ومثله الجمعة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیر

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

جماعت شرط ہے، اور جماعت کے لیے دو آدمی کافی ہیں، نیل الاوطار میں ہے: **وأمّا الإثنان فبانضمام أحدهما إلى الآخر يحصل الاجتماع، وقد أطلق الشّارع اسم الجماعة عليهما فقال: الإثنان فما فوقهما جماعة** [۱] اس حدیث کا کیا جواب ہے؟ (۱۳۳۵/۳۰۹ھ)

الجواب: **قال في ردّ المحتار المعروف بالشّامي: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلى أن قال: ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلىٰ أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاضٍ إلخ** [۲] (**شامي، باب الجمعة**) ان عبارات سے ظاہر ہے کہ جمعہ قصبات اور بڑے قریہ میں ادا ہوتا ہے جس میں بازار ہوں، اور چھوٹے قریہ میں ادا نہیں ہوتا، اور درمختار باب العیدین میں ہے: **وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة، قوله: (صلاة العيد) و مثله الجمعة** [۳]
اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ قریہ صغیرہ میں جس میں شرائط جمعہ نہیں پائی جاتیں، اگر نماز عیدین اور جمعہ ادا کی جاوے گی تو وہ لوگ گنہ گار ہوں گے، باقی یہ کہ دو ہزار آبادی جس بستی میں ہو وہ قریہ کبیرہ ہے یا نہیں؛ سو ظاہر یہ ہے کہ وہ قریہ کبیرہ ہے، اگر اس میں بازار و دکانیں ہوں تو جمعہ وہاں ادا ہوگا ورنہ نہیں، آدمیوں کی تعداد صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے، بلکہ عرفًا جس کو قریہ کبیرہ سمجھیں وہ قریہ کبیرہ ہے، اور جس کو قریہ صغیرہ سمجھیں وہ قریہ صغیرہ ہے، اور درمختار میں ہے: **والسّادس: الجماعة وأقلّها ثلاثة رجال إلخ سوى الإمام بالنّصّ لأنّه لابدّ من الذّاكر وهو الخطيب وثلاثة سواه بنصّ: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾** [۴] اس عبارت سے جماعت جمعہ میں سوائے امام کے تین کا ہونا نص سے ثابت کیا ہے؛ یعنی آیت: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ جمعہ، آیت: ۹) سے،

---

(۱) نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار: ۲۷۷/۳، كتاب الصّلاة، أبواب الجمعة، باب انعقاد الجمعة بأربعين و إقامتها في القرى، المطبوعة: دار الحديث، قاهرة.
(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۸/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.
(۳) الدّر المختار و ردّ المحتار: ۴۳/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين.
(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۳/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالىٰ: أعوذ بالله من الشّيطان الرّجيم.

اور جیسا کہ نیل الاوطار میں ہے یہ مذہب صاحبین کا ہے[۱] امام صاحب نے نص قرآن کی وجہ سے احتیاطاً تین ہونا شرط کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷-۳۸)

سوال: (۲۳۲۱) ایک گاؤں میں باوجود عدم جواز جمعہ اکثر لوگ اس وجہ سے جمعہ پڑھتے ہیں کہ ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے، اس صورت میں جمعہ کے حامی شرعًا ماخوذ ہیں یا نہیں؟ (۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جس گاؤں میں بہ وجہ اس کے چھوٹا ہونے کے عندالحنفیہ (جمعہ)[۲] درست نہیں ہے، اس میں کسی خیال سے بھی جمعہ نہ پڑھنا چاہیے (ظہر باجماعت پڑھنا چاہیے)[۲] کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسی جگہ جمعہ پڑھنے سے گنہ گار ہوتے ہیں اور ظہر کی جماعت کے ترک کا گناہ بھی ان پر ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۶)

شہری کاشت کاروں کا جمعہ ترک کرنا درست نہیں

سوال: (۲۳۲۲) اگر کاشت کاران وغیرہ آبادی سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر قُلبہ رانی[۴] وچاہ سے آب پاشی کرتے ہیں، اور نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے، اور کہتے ہیں کہ جنگل سے آبادی میں آنے اور نماز جمعہ میں شریک ہونے سے ہمارا کام بند ہوجاتا ہے یہ عذر ان کا معتبر ہے یا نہیں؟ (۱۴۲۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ عذر ترک جمعہ کا شہر کے رہنے والوں کاشت کاران وغیرہ کو جو اسی شہر میں

---

(۱) الثّالث: إثنان مع الإمام عند أبويوسف ومحمّد .... الرّابع : ثلاثة معه عند أبي حنيفة (نيل الأوطار شرح منتقى الأخبار: ۳/۲۷۵-۲۷۶، كتاب الصّلاة ، أبواب الجمعة ، باب انعقاد الجمعة بأربعين و إقامتها في القرى، المطبوعة: دار الحديث قاهرة)

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وفيما ذكرنا إشارة إلٰى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر و خطيب إلخ ، والظّاهر أنّه أريد به الكراهة لكراهة النّفل بالجماعة ، ألا ترى أنّ في الجواهر : لو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر. (ردّ المحتار: ۳/۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفير

(۴) قلبہ رانی: ہل چلانا، زمین جوتنا۔ (فیروز اللغات)

جنگل میں کارِ زراعت میں مشغول ہیں نہیں ہوسکتا(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۹)

نوکری کی وجہ سے ترک جمعہ درست نہیں

سوال: (۲۳۲۳) ملازم پوسٹ آفس اگر تنہا ہے اور وہ بلا کسی کی سپردگی کے آفس چھوڑ کر نہیں جاسکتا تو وہ جمعہ کس طرح پڑھے یا ظہر ادا کرے؟ (۱۵۶۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جمعہ کا چھوڑنا نوکری کی مجبوری کی وجہ سے جائز نہیں ہے(۲) باقی اگر جمعہ نہ پڑھ سکے تو پھر اس کو ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۳۱)

ترک جمعہ پر وعیدِ شدید

سوال: (۲۳۲۴) اگر کوئی شخص ڈاک خانہ کا ملازم ہو اور وہ بہ وجہ ملازمت جمعہ نہ پڑھ سکتا ہو تو اس موقع پر جمعہ ترک کرنے سے کچھ گناہ تو نہیں ہوگا اگرچہ مسجد بالکل قریب ہو؟ (۱۰۷۴/۱۳۳۸ھ)

(۱) بأن وجوبها مختصّ بأهل المصر ، والخارج عن هٰذا الحدّ ليس أهله أهـ ، قلت : وهو ظاهر المتون ، وفي المعراج : أنّه أصحّ ما قيل. (ردّ المحتار : ۳/۲۵، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)

والأصحّ وجوبها علىٰ مكاتب ومبعّض وأجير و يسقط من الأجر بحسابه لو بعيدًا وإلّا لا .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/۲۶،كتاب الصّلاة، باب الجمعة)ظفير

(۲)هي فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدّليل القطعي كما حقّقه الكمال (الدّرّ المختار) قوله: (بالدّليل القطعيّ) وهو قوله تعالىٰ:﴿يٰٓـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا ﴾(الجمعة:۹) وبالسّنّة وبالإجماع إلخ ، قول القدوري: ومن صلّى الظّهر يوم الجمعة في منزله و لا عذر له كره و جازت صلاته . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۳/۵-۶، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)ظفير

(۳) وحرم لمن لا عذر له صلاة الظّهر قبلها أمّا بعدها فلا يكره ...... في يومها بمصر لكونه سببًا لتفويت الجمعة وهو حرام. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/۲۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)ظفير

الجواب: ایسی حالت میں کہ جمعہ فرض ہو جمعہ کا ترک کرنا سخت گناہ ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اور ترک جمعہ پر حدیثوں میں وعید شدید وارد ہوئی ہے، ایک حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں چاہیے کہ وہ ترک جمعہ سے باز آویں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلین میں سے ہو جاویں گے [(۱)] پس حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے کہ شہر اور قصبہ میں رہتے ہوئے جمعہ ترک نہ ہو اور اگر کبھی اتفاق سے بہ مجبوری ترک ہو گیا تو ظہر کی نماز ادا کر لینی چاہیے اور ترک جمعہ سے توبہ کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۲/۵)

وجوب جمعہ کے باوجود جمعہ چھوڑنا حرام ہے

سوال: (۲۳۲۵) جس بستی میں اسّی ہزار لوگ بستے ہوں اور چار پانچ بازار موجود ہوں اشیاء ضروریہ ملتی ہیں، مگر وہاں کوئی قصداً جمعہ ترک کرے تو وہ فاسق ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۸۹ھ)

الجواب: اگر وہ بستی ایسی ہے کہ اس میں اسّی ہزار آدمی آباد ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ایک بہت بڑا شہر ہے کیونکہ اس قدر آبادی بڑے بڑے شہروں میں ہوتی ہے، پس وہاں جمعہ کے فرض ہونے میں کچھ تردد نہیں ہے [(۲)] اور جمعہ کا چھوڑنا وہاں حرام ہے، لہٰذا تارکِ جمعہ اس جگہ فاسق ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۱۷-۱۱۸)

ترکِ جمعہ پر وارد ہونے والی وعید کا مصداق

سوال: (۲۳۲۶) گاؤں کے امام جمعہ کے دن دوسرے قصبہ یا شہر وغیرہ میں جمعہ پڑھنے کے واسطے چلے جاتے ہیں تو امام کو اپنے گاؤں میں جماعت ظہر کرانی بہتر ہے یا دوسری جگہ جا کر جمعہ پڑھنا؟

---

(۱) عن ابن عمر وأبي هريرة رضي الله عنهما أنّهما قالا: سمعنا رسولَ الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: على أعواد منبره لينتهينّ أقوام عن ودعهم الجمعات أوليختمنّ الله على قلوبهم ثمّ ليكوننّ من الغافلين ، رواه مسلم. (مشكاة، ص:۱۲۱، كتاب الصّلاة ، باب وجوبها (الجمعة)، الفصل الأوّل) ظفیر

(۲) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق. الهداية: ۱/۱۵۴، باب الجمعة .(ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

دینیات کی کتابوں میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جس نے تین یا چار جمعہ ترک کیے؛ گویا اس نے اسلام کو پیٹھ دی اس کا کیا مطلب ہے؟ (۱۳۸۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ جو حدیث شریف میں وعید ترکِ جمعہ پر آئی ہے(۱) اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جس جگہ جمعہ فرض ہو، اور پھر کوئی شخص بلا عذر جس پر کہ جمعہ فرض ہے جمعہ ترک کرے، تو اس کے لیے یہ وعید ہے، اور قریہ صغیرہ جہاں جمعہ فرض نہیں ہے اور جمعہ وہاں ادا نہیں ہوتا وہاں یہ وعید اور یہ حکم نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے یہ حکم ہے کہ ان کو گاؤں میں ظہر با جماعت پڑھنی چاہیے؛ لیکن اگر کوئی شخص قصبہ یا شہر میں جا کر جمعہ پڑھے تو یہ بہت ثواب کی بات ہے، اور جو شخص قصبہ و شہر میں نہ جاوے وہ گاؤں میں ظہر کی نماز پڑھے اس کو اس قصبہ وغیرہ میں جا کر جمعہ نہ پڑھنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۲/۵-۹۳)

گاؤں والوں کا شہر جا کر جمعہ ادا کرنا کارِ ثواب ہے مگر ضروری نہیں

سوال: (۲۳۲۷) آیا حدیث شریف میں یہ حکم آیا ہے کہ گاؤں والے اتنی دور جا کر جمعہ پڑھیں کہ شام تک گھر لوٹ آویں ورنہ گنہ گار ہوں گے، ہم لوگ کاشت کار ہیں ہم کو کبھی فرصت ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی ہے ہم گنہ گار ہیں یا نہیں؟ (۲۳۰۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: گاؤں والوں کو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنا ضروری نہیں ہے، چاہے شہر کتنا ہی نزدیک ہو، ہاں اگر بہ سہولت کوئی شخص جا سکے تو شہر میں جمعہ جا کر پڑھنا ثواب کا کام ہے، اور اگر نہ جاوے تو کچھ گناہ نہیں ہے؛ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مدینہ طیبہ کے قرب وجوار میں جو دیہات تھے

---

(۱) عن سعيد بن أبي الحسن قال سمعت ابن عبّاس يقول: من ترك أربع جمع متواليات من غير عذر فقد نبذ الإسلام من وراء ظهره............ وقد قيل عن عوف في هذا: من ترك الجمعة ثلاثًا متواليات الحديث. (شعب الإيمان للبيهقي: ۴/۴۱۹، باب في الصّلاة، فضل الجمعة، المطبوعة: مكتبة الرّشد، رياض)

(۲) ومن لا تجب عليهم الجمعة مِن أهل القرى والبوادي لهم أن يصلّوا الظّهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۵، كتاب الصّلاة، الباب السّادس عشر في صلاة الجمعة) ظفير

وہاں سب لوگ ہمیشہ مسجد نبوی میں جمعہ پڑھنے نہ آتے تھے[۱] بلکہ کبھی کوئی اور کبھی کوئی آتا تھا، یعنی جس کو فرصت ہوئی اور دل چاہا وہ آجاتا تھا، اور جس کو موقع نہ ملا وہ نہ آتا تھا، پس اب بھی یہی حکم ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۶/۵)

سوال: (۲۳۲۸) ایک شخص بوجہ عدم جواز جمعہ فی القری نماز جمعہ پڑھنے کے لیے چار میل کی مسافت طے کرکے ایک قصبہ میں جمعہ پڑھتے ہیں؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۳۳/۱-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ اچھا ہے کہ جمعہ دوسرے قصبہ میں جا کر ادا کریں اس میں ثواب ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دیہات کے لوگ مدینہ شریف میں جمعہ پڑھنے آتے تھے[۲] فقط واللہ اعلم (۱۴۶/۵-۱۴۷)

گاؤں والے جمعہ ادا کرنے کے لیے شہر نہ آئیں تو گنہ گار نہ ہوں گے

سوال: (۲۳۲۹) دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ آویں تو آثم ہوں گے یا نہیں؟ (۱۵۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شہر کے قرب وجوار کے دیہات والوں کو جمعہ کے لیے شہر میں آنا ضروری نہیں ہے اور نہ آنے سے وہ آثم نہیں ہوں گے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۴/۵)

---

(۱) عن عائشة زوج النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم : أنّها قالت: كان النّاسُ يَنْتابُون الجمعةَ مِن منازلهم و من العوالي. (أبوداؤد، ص:۱۵۱، كتاب الصّلاة ، باب من تجب عليه الجمعة)

(۲) ومن لا تجب عليهم الجمعة مِن أهل القرى والبوادي لهم أن يصلّوا الظّهر بجماعة يوم الجمعة بأذان وإقامة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۵، كتاب الصّلاة، الباب السّادس عشر في صلاة الجمعة) ظفیر

(۳) وشرط لا فتراضها (أي الجمعة) ...... إقامة بمصر (الدّرّ المختار) قوله: (إقامة) خرج به المسافر وقوله: (بمصر) أخرج الإقامة في غيره إلّا ما استثنٰى بقوله فإن كان يسمع النّداء إلخ ، ثمّ ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلّا على من يسكن المصر أو ما يتّصل به فلا تجب على أهل السّواد ولو قريبًا وهٰذا أصحّ ما قيل فيه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۵ كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قباء میں قیام اور نمازِ جمعہ کی بحث

سوال: (۲۳۳۰) جناب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ میں تحریر فرماتے ہیں: ''اوّل نزول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قباء میں ہوا، اور وہاں چودہ روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت فرمائی — الیٰ قولہ الشریف — مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں اقامت جمعہ نہ فرمائی''[(۱)] (الیٰ آخر عبارتہ الشریفۃ) قباء میں اقامت جمعہ نہ فرمانے کی کوئی وجہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر نہیں فرمائی اور نہ احسن القری میں کچھ توضیح فرمائی۔ اب مخالفین غیر مقلدین کہتے ہیں: تاریخ خمیس، شرح مواہب لدنیہ وتفسیر طبری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ اقامتِ قباء میں جمعہ پڑھا ہے نہ پڑھنا کسی کتاب میں نہیں ہے۔ **وطال لسانهم على مولانا**، ہجرت کے وقت قباء میں آپ کا جمعہ نہ پڑھنے کی دلیل مع صفحہ وسطر تحریر فرمائیں۔ (۲۲۶۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ بالکل غلط ہے کہ قباء میں آپ کی اقامت جمعہ نہ فرمانے کی کوئی دلیل مولانا علیہ الرحمۃ نے تحریر نہیں فرمائی، اور نہ صاحب احسن القری نے کچھ توضیح کی، مولانا مرحوم نے خود بھی اوثق العری میں بخاری صفحہ: ۱۲۲، جلد اوّل کی حدیث اس کی دلیل میں نقل فرمائی ہے[(۱)] اور صاحب احسن القری نے بھی اس کی توضیح کی ہے، دیکھو احسن القری: صفحہ: ۹ ''مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قباء میں اقامت جمعہ نہ فرمائی، اور نہ اہل قباء کو امر اقامت جمعہ فرمایا، نہ اس پر سرزنش کی کہ مدینہ میں برابر جمعہ ہوتا ہے تم نے اب تک جمعہ کیوں قائم نہیں کیا، حالانکہ قباء اور دیگر عوالی میں مسلمان بہ کثرت موجود تھے مگر کسی وقت میں وہاں جمعہ نہیں پڑھا گیا؛ چنانچہ بخاری (صفحہ: ۱۲۲ جلد اوّل) وغیرہ کتب حدیث میں روایت ہے: **عن ابن عبّاس رضي الله عنهما قال إنّ أوّل جمعة جُمّعت في الإسلام بعد جمعة جُمّعت في مسجد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بالمدينة لجمعة جُمّعت بجواثا قرية من قرى البحرين** [(۲)] اس روایت صحیحہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عوالی

---

(۱) اوثق العری، ص: ۲۱-۲۳۔ مطبوعہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔

(۲) سنن أبي داؤد: ۱/۱۵۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة في القرى، و صحيح البخاري، ۱/۱۲۲، كتاب الجمعة، باب الجمعة في القرى و المدن.

ومنازل میں جمعہ نہیں ہوتا تھا، ورنہ جواثی میں اوّلیت جمعہ جو روایت مذکور میں ہے غلط ہوجائے گی''۔ (انتہی قولہ الشریف)(۱) اور یہ اپنی عبارت میں صاحب احسن القری نے اوثق العری ہی کی عبارت کا خلاصہ کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ روایت صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں ہوا ہے وہ مقام جواثی میں ہوا ہے، پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے قباء میں اس سے پہلے اقامت جمعہ فرمائی ہے، اور اس بخاری وابوداؤد کی روایت صحیحہ صریحہ بڑھ کر کون سی دلیل چاہیے جس کے متعلق اہل حدیث کہتے ہیں کہ مولانا نے کوئی دلیل بیان نہیں کی، باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ تفسیر طبری اور تاریخ الخمیس اور شرح مواہب لدنیہ میں آپ کا قباء میں اقامت جمعہ فرمانا مروی ہے تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ ان کو شرمانا چاہیے کہ صحیح بخاری کی روایت کا مقابلہ تاریخ الخمیس وغیرہ کتب سیر سے کرتے ہیں، کہاں بخاری کی روایت اور کہاں سیر کی غیر معتمد روایتیں؟! اگر بالفرض تمام کتب سیر متفق ہوکر بھی اُس کا خلاف کرتیں تب بھی مسلمان کے لیے ضروری تھا کہ بخاری کی حدیث کے مقابلے میں اُن کی کوئی پرواہ نہ کی جائے چہ جائیکہ سیر وتاریخ کی کتابیں بھی متفق ہوکر روایت بخاری کی ہم نوا ہیں، سب کی سب اس کی تصریح کرتی ہیں کہ آپ نے قباء میں اقامت جمعہ نہیں فرمائی، بلکہ وہاں سے چودھویں روز روانہ ہوکر مدینہ کی آبادی کے قریب بنی سالم میں آکر اقامت جمعہ فرمائی ہے، دیکھو فتح الباری، سیرۃ ابن ہشام، تاریخ طبری (۲) وغیرہ، باقی رہا ان کا تین کتابوں تفسیر طبری اور تاریخ الخمیس اور شرح مداہب لدنیہ سے اقامت جمعہ فی القباء کا نقل کرنا، سو تینوں کے متعلق مفصل عرض ہے:

---

(۱) احسن القری، ص: ۲۰۔ مطبوعہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔

(۲) قوله: (ثمّ ركب راحلته) وقع عند ابنإسحاق و ابن عائذ أنّه ركب من قُباء يوم الجمعة فأدركته الجمعة في بني سالم بن عوف إلخ. (فتح الباري: ۷/۲۴۵، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وأصحابه إلى المدينة، المطبوعة: دارالمعرفة، بيروت)

والسّيرة النّبويّة لابن هشام: ۱/۴۹۴، خروجه صلّى اللّٰه عليه وسلّم من قُباء و سفره إلى المدينة، المطبوعة: مطبع مصطفى البابي الحلبي، مصر.

وتاريخ الرّسل والملوك المعروف به تاريخ الطّبري: ۲/۳۹۴، ذكر ما كان من أمور المذكورة في أوّل سنة من الهجرة، المطبوعة: دار المعارف، مصر.

ا) تفسیر طبری میں تو نزول قباء کے واقعہ ہی سے تعرض نہیں کیا، اور اگر کسی کو دعوی ہے صفحہ تحریر کرے، پھر نہ معلوم کیسے تفسیر طبری پر یہ بہتان باندھا ہے، البتہ تاریخ طبری میں آپ کے قباء میں تشریف لے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے، لیکن اس میں بجائے اس کے کہ قباء میں اقامت جمعہ منقول ہوتی صراحۃً اس سے انکار مروی ہے، دیکھو تاریخ طبری، جلد ثانی، صفحہ: ۲۵۵، سن ایک ہجری کے حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: **فمن ذٰلك تجميعه صلّى اللّٰه عليه وسلّم بأصحابه الجمعة في اليوم الّذي ارتحل فيه من قباء، وذٰلك أن ارتحاله عنها كان يوم الجمعة عامدًا إلى المدينة، فادركته الصّلاةُ صلاةُ الجمعة في بني سالم بن عوف ببطن وادٍ لهم قد اتّخذ اليوم في ذٰلك الموضع مسجدًا فيما بلغني، وكانت هذه الجمعة أوّل جمعة جمّعها رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في الإسلام إلخ** [(۱)] اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے چودہویں روز قباء سے روانہ ہوکر اقامت جمعہ بنی سالم میں فرمائی ہے، اور یہی جمعہ آپ کا پہلا جمعہ ہوا ہے، الحاصل تفسیر طبری میں تو اس کا نام نہیں، اور تاریخ طبری میں ہے تو ان کے بالکل خلاف اور ہمارے بالکل موافق۔

۲) شرح مواہب لدینہ معروف بہ زرقانی میں بے شک ایک ضعیف سی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے مدتِ اقامتِ قباء میں اقامتِ جمعہ فرمائی ہے جس کی تضعیف خود زرقانی کے قول سے مترشح ہوتی ہے کیونکہ کہتا ہے: **قيل: كان يصلّي الجمعة في مسجد قباء مدّة إقامته** [(۲)] لفظ قیل خود تضعیف کی طرف اشارہ ہے، سو اس کا جواب حضرت مولانا مدظلہ العالی نے احسن القری میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے، دیکھو: احسن القری، صفحہ: ۸۸، فرماتے ہیں: ''خیر ان خرافات وفضولیات سے قطع نظر کرکے یہ عرض کرتا ہوں کہ عبارت زرقانی: **قيل: كان يصلّي الجمعة إلخ** اوّل تو کسی طرح قابل استناد اور لائق اعتبار نہیں حتی کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قائل کون ہے، اس کا تو

---

(۱) ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعًا لأنّها فضاء. (تاريخ الطّبري: ۲/۳۹۴، قبيل خطبة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في أوّل جمعة جمّعها بالمدينة)

(۲) شرح الزّرقاني على المواهب: ۲/۱۵۷، باب هجرة المصطفى وأصحابه إلى المدينة، قصّة سراقة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

موقع کیا ہے کہ قائل کیسا ہے معتبر یا غیر معتبر، علیٰ ہذا القیاس سند کا نشان بھی نہیں، اس کا تو ذکر کیا ہے کہ سند متصل ہے یا منقطع، صحیح ہے یا ضعیف، معتبر ہے یا غیر معتبر، دوسرے یہ قول شاذ جمیع روایات معتبرہ اور اتفاق اہل سیر کے جس کو مجیب خود نقل فرما رہے ہیں صریح مخالف و معارض ہے، جملہ روایات میں یہی مذکور ہے کہ بہ وقت ہجرت آپ ﷺ نے جمعہ بنی سالم یعنی حرۂ بنی بیاضہ میں پڑھا حتی کہ اہل تفسیر و اہل سیر جو روایات حدیث نقل فرماتے ہیں ان میں صراحت کے ساتھ منقول ہے:

فمرّ على بني سالم فصلّى فيهم الجمعة (بني سالم وهو) .... أوّل جمعة صلاّها رسول الله صلّى الله عليه وسلّم(۱) الیٰ قولہ الشریف"(۲)

۳) اس کے سواء، ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ حسب ارشاد اکابر اور تصریحات معتدہ یہ امر محقق ہے کہ عوالی میں کبھی جمعہ نہیں ہوا، اور ہمارے ہر دو مجیب بھی اس کو تسلیم فرماتے ہیں، اب اسی قول شاذ ومجہول کی وجہ سے یہ قصہ بھی بالکل گاؤ خورد (ضائع) ہو جائے گا اور ان تمام تصریحات کے مخالف اب یہ کہنا پڑے گا کہ عوالی میں بے شک جمعہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۶۸-۷۱)

عرفات میں آنحضرت ﷺ کے جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ

سوال: (۲۳۳۱) مولوی محمد اسماعیل اہل حدیث کہتا ہے کہ بہ مقام عرفات حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے بہ وجہ خطبۂ حج پڑھنے کے جمعہ ادا نہیں کیا، اور فتح الدین حنفی کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرفات میں بہ باعث جنگل ہونے کے جمعہ ادا نہیں فرمایا، دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ (۱۰۱۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فتح الدین حنفی کا قول صحیح ہے۔ **کما صرّح به الفقهاء**(۳) فقط واللہ اعلم (۵/۵۹)

---

(۱) **دلائل النّبوّة للبيهقي: ۲/۵۰۰، أبواب المبعث، باب من استقبل صلّى الله عليه وسلّم وصاحبه إلخ، المطبوعة: دار الرّيان للتّراث، قاهرة.**

(۲) احسن القری، ص: ۱۱۳-۱۱۴۔ مطبوعہ شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔

(۳) **ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعًا لأنّها فضاء. (الهداية: ۱/۱۶۸، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)** ظفیر

جمعہ میں اذانِ ثانی کا ثبوت

سوال: (۲۳۳۲) اذان دوم جو خطیب کے روبہ رو مسجد میں کہی جاتی ہے اس کی کیا سند ہے؟ ابوداؤد سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ اذان دروازہ مسجد پر ہوتی تھی (۱)

(۱۳۴۲/۲۷۳۱ھ)

الجواب: ہدایہ میں ہے: وإذا صعد الإمامُ المنبرَ جلس وأذّن المؤذّنون بين يدي المنبر بذلك جرى التّوارث (۲) عن السّائب بن يزيد قال: كان النّداءُ يومَ الجمعة أوّلُه إذا جلس الإمامُ على المنبر على عهد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم وأبي بكر وعمر فلمّا كان عثمان وكثُر النّاسُ زاد النّداءَ الثّالثَ على الزّوراء، رواه البخاري (۳) اور دروازہ مسجد میں ہونے سے مراد قریب دروازہ کے بھی ہوسکتی ہے، جو کہ منافی مسجد میں ہونے کے اور سامنے منبر کے ہونے کے نہیں ہے۔ وتحقيقه في المطوّلات. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۱۷-۱۱۸)

جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا اور دعائے ماثورہ پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۲۳۳۳) بعد اذان خطبۂ جمعہ دعا پڑھنا اور جواب اذان دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۵/۸۳۷ھ)

الجواب: اذانِ خطبہ کا جواب دینا اور دعائے وسیلہ پڑھنا فقہاء نے مکروہ لکھا ہے:

---

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۳۴۰) کے پہلے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

(۲) الهداية: ۱/ ۱۷۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۳) مشكاة المصابيح، ص: ۱۲۳، كتاب الصّلاة، باب الخطبة والصّلاة، الفصل الأوّل.

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی لکھتے ہیں: وفي رواية البخاري: النّداء الثّاني وزاد ابن ماجة على دارٍ في السّوق يقال له الزّوراء وسُمّيت ثالثًا لأنّ الإقامة تسمّى أذانًا، فتح القدير. (حاشية الهداية: ۱/ ۱۷۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، رقم الحاشية: ۱)

في الدّرّ المختار : قال : و ینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۳)

سوال: (۲۳۳۴) اذانِ خطبہ کا جواب دینا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟ (۱۶۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت اور اس کے بعد دعا ہاتھ اٹھا کر ممنوع ہے۔ کما في الدّرّ المختار[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۳)

سوال: (۲۳۳۵) یہاں کے مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ خطبہ کی اذان کا جواب دیتے ہیں اور بعد ختم اذان کے دعا پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۹۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ بھی جائز نہیں ہے۔ کذا في الدّرّ المختار : (وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب[1] (۱/۳۷۱) ظفیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۷۶-۱۷۷)

جمعہ کی اذان ثانی کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے

سوال: (۲۳۳۶) اذان ثانی جمعہ کے بعد دعا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۷۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اذان ثانی جمعہ کی اجابت اور اس کے بعد دعا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ لقوله علیه السّلام: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام ، کذا في الهدایة[3] وفي الدّرّ المختار : وینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۹)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۴، کتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد .

وفي الشّامي : وإجابة الأذان حینئذ مکروهة. (ردّ المحتار: ۳/۳۴، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حکم المرقي بین یدي الخطیب)

(۲) حوالہ؛ سابقہ جواب میں آچکا ہے۔۱۲

(۳) الهدایة: ۱/۱۷۱، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجمعة .

سوال: (۲۳۳۷) جمعہ کے روز بعد اذان ثانی مناجات کرنا کیسا ہے؟ (۳۲/۹۴۵-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مکروہ ہے اور ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے: **و ینبغي أن لا یجیب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بین یدي الخطیب ؛ باب الأذان** [۱] **وفي الشّامي : و إجابة الأذان حینئذ مکروهة** [۲] اور حدیث شریف میں ہے: **إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا کلام إلخ** [۳] پس معلوم ہوا کہ بعد اذان ثانی جمعہ دعا اور مناجات زبان سے نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۵/۵)

جمعہ کی اذان ثانی میں بایاں پاؤں آگے بڑھانا اور بدن کو شمال کی طرف پھیرنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۳۳۸) اذان ثانی جمعہ کے وقت جس وقت **حيّ علی الصّلاة** کہے بایاں پیر آگے کو بڑھا کر کل بدن جانب شمال پھیر دینا اسی طرح **حيّ علی الفلاح** کے وقت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴۶۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کا کچھ ثبوت احادیث وفقہ سے نہیں ہے [۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۴/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶۴/۲، کتاب الصّلا ة ، باب الأذان ، مطلب في کراهة تکرار الجماعة في المسجد .

(۲) ردّ المحتار: ۳۴/۳، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حکم المرقي بین یدي الخطیب .

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱/۳-۳۲، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة .

(۴) لہٰذا اس رسم سے بچنا ضروری ہے، اذان میں منہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ **و یستقبل بهما (أي الأذان والإقامة) القبلة ولو ترك الاستقبال جاز ویکره .... وإذا انتهٰی إلی الصّلاة والفلاح حوّل وجههٗ یمینًا وشمالاً وقدماه مکانهما. (الفتاوی الهندیة: ۵۶/۱، کتاب الصّلاة الباب الثّاني في الأذان ، الفصل الثّالث في کلمات الأذان إلخ)** اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ بایاں پاؤں آگے بڑھانا اور بدن کو پھیرنا خلافِ سنت ہے۔ ظفیر

اذان ثانی منبر کے سامنے مسجد میں کہنا سنت ہے

سوال: (۲۳۳۹) اذان ثانی جمعہ عندالمنبر ہونی چاہیے یا علی باب المسجد یا خارج عن المسجد؟ اگر عندالمنبر ہونی چاہیے تو اس کی کیا سند ہے؟ حدیث ابوداؤد سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ اذان دروازۂ مسجد پر ہوتی تھی (۱) اور مولانا عبدالحیؒ صاحب نے اپنے فتاوی کے ص: ۱۹۴ میں نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ اذان ثانی خارج عن المسجد ہونی چاہیے؟ (۲) بینوا توجروا (۹۶۶/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی حنفیہ کے نزدیک مسجد میں منبر کے پاس ہونا سنت ہے، اور یہی متوارث ہے زمانۂ رسول اللہ ﷺ اور زمانۂ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جیسا کہ شراح ہدایہ نے اس کو پوری طرح ثابت اور محقق کیا ہے (۳) اور حدیثِ ابوداؤد کی تاویل اور جواب حنفیہ کی طرف سے مفصل شائع ہو چکا ہے، بہت سے رسائل اور فتاوی میں اس کو مفصل لکھا گیا ہے، آپ ان رسائل اور فتاوی مطبوعہ کو منگا کر دیکھیں (۴) بندہ کو ان کے نقل کرنے کی فرصت نہیں ہے، حنفیوں کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ تمام کتب فقہ معتبرہ میں اس اذان کو منبر کے پاس

---

(۱) اس حدیث شریف کی تخریج اگلے سوال کے پہلے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

(۲) مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحیؒ قدیم: ۲/ ۱۵-۱۶، کتاب ما یتعلّق بالجمعة، در بحث اذان دوم بہ روز جمعہ، مطبوعہ: مطبع یوسفی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۵ھ۔

(۳) (وأذّن المؤذّنون بين يدي المنبر) هٰذا هو الأذان الأصلي الّذي كان في زمان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وأبي بكر وعمر رضي اللّٰه عنهم من بعده، ثمّ حدث الأذان الآخر: وهو الأذان الأوّل في عهد عثمان رضي اللّٰه عنه كما ذكرنا (بذٰلك) أي بالأذان بين يدي المنبر بعد الأذان الأوّل على المنارة (جرى التّوارث) من زمن عثمان بن عفّان إلٰى يومنا هذا (البناية للعيني: ۳/ ۱۰۵-۱۰۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، المطبوعة: دار الفكر بيروت)

(۴) تنشيط الآذان في تحقيق محلّ الأذان، مؤلفہ: مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری۔

خطیب کے سامنے ہونے کو لکھا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۹-۵۰)

سوال: (۲۳۴۰) اذان ثانی جمعہ منبر کے قریب مسجد میں ہونا افضل ہے یا مسجد سے باہر دروازۂ مسجد پر؟ اور سنن ابی داؤد کے لفظ **علی باب المسجد** (۲) سے کیا مراد ہے؟ (۸۱۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اذان ثانی جمعہ منبر کے سامنے مسجد میں مسنون ہے (۲) اور تفصیل اس کی اور تاویل حدیث ابوداؤد کی رسائل میں جو اس بارے میں شائع ہوئے ہیں موجود ہے ان کو دیکھ لیا جائے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۵۸)

جمعہ کی دوسری اذان خطیب کے سامنے کہنا سنت ہے

سوال: (۲۳۴۱) تمام مساجد میں جو بہ روز جمعہ قبل خطبہ اذان دوم دی جاتی ہے سو یہ عندالمحدثین مکروہ معلوم ہوتی ہے، کتاب المدخل میں بڑی شد و مد سے اسے مکروہ لکھا ہے (۴) اور ہیچ مداں نے بھی فقہاء کے قول پر خاص ممبر کے قریب بالتصریح لکھا نہیں پایا، بین یدی کا لفظ لکھا ہوا ہے اس کا مطلب سامنے مسجد کے مینار یا مسجد کے احاطے میں اذان دی جائے تو کیا حرج ہے؟

(۲۱۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: کتب فقہ میں اس بارے میں یہ ارقام فرماتے ہیں: **ویؤذّن ثانیًا بین یدیه أي**

---

(۱) ویؤذّن ثانیًا بین یدیه أي الخطیب إلخ ، إذا جلس علی المنبر (الدّرّ المختار) قوله: (ویؤذّن ثانیًا بین یدیه) أي علی سبیل السّنّیة کما یظهر من کلامهم. (الدّرّ المختار و الرّدّ : ۳/۳۶، کتاب الصّلاۃ ، باب الجمعة ، مطلب في حکم المرقی بین یدي الخطیب) ظفیر

(۲) عن السّائب بن یزید قال : کان یؤذّن بین یدي رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم إذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد الحدیث . (أبو داؤد: ۱/۱۵۵، کتاب الصّلاۃ ، باب النّداء یوم الجمعة)

(۳) تنشیط الآذان في تحقیق محلّ الأذان، مؤلفہ: مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری۔

(۴) قال علماؤنا رحمة اللّٰه علیهم : وسنّة النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم أولٰی أن تتّبع ، فقد بان أن فعل ذلك في المسجد بین یدي الخطیب بدعة إلخ . (المدخل لابن امیر الحاجّ: ۲/۲۰۸، البدع الّتي أحدثت في المساجد ، المطبوعة: مکتبة دار التّراث ، قاهرة)

الخطیب (الدرّ المختار) شامی میں ہے: قوله: (ویوذّن ثانیًا بین یدیه) أي علی سبیل السّنّیّة کما یظهر من کلامه [۱] پس جب کہ فقہاء حنفیہ خطیب کے سامنے اذان کہنے کو سنت فرماتے ہیں تو غیر اہل مذہب کی تحریر کی وجہ سے اس میں تذبذب کرنا درست نہیں ہے، اور بین یدی کا لفظ حقیقۃً اسی وقت صادق آتا ہے کہ امام کے سامنے مؤذن اذان کہے۔ وهٰذا هو التّوارث [۲]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۱/۵)

اذانِ ثانی مسجد کے اندر درست ہے

سوال: (۲۳۴۲) جمعہ میں اذان ثانی یعنی اذان خطبہ کہاں پر ہونی چاہیے؟ ایک عالم صاحب یہاں پر تشریف لائے اور انہوں نے جمعہ کی ثانی اذان کا منبر کے نزدیک ہونا ناجائز ٹھہرایا، اور یہ فرمایا کہ اذان ثانی قریب دروازہ مسجد یعنی صحن مسجد کے کنارہ پر خطیب کے سامنے ہونی چاہیے؛ یہ صحیح ہے یا کیا؟ (۱۶۱۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: جمعہ کی اذان ثانی مسجد میں بین یدی الخطیب ہونی معروف ومسنون ہے، ہمیشہ سے اسی پر عمل درآمد علماء وفقہاء کا رہا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے، پس اس اذان کو مسجد میں منع کہنا صحیح نہیں ہے؛ چنانچہ تحقیق اس کی بہت سے رسالوں اور فتووں میں کی گئی ہے، ہدایہ درمختار وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے [۳] اس کو دیکھ لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۱/۵-۸۲)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقی بین یدي الخطیب.

(۲) و إذا صعد الإمام المنبر جلس وأذّن المؤذّنون بین یدي المنبر بذلك جری التّوراث (الهداية: ۱/۱۷۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)

(۳) وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذّن المؤذّنون بین یدي المنبر بذلك جری التّوراث (الهداية: ۱/۱۷۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)

ویؤذّن ثانیًا بین یدیه أي الخطیب (الدّرّ المختار) أي علیٰ سبیل السّنّیّة کما یظهر من کلامهم رملي. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۶، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقی بین یدي الخطیب) ظفیر

جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد میں کہنا مکروہ نہیں

سوال: (۲۳۴۳) جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر کہنے کا کیا حکم ہے؛ کیا مکروہ ہے؟ بریلی کے فتویٰ میں اس کی ممانعت کی گئی ہے، اور حدیث ابی داؤد سے استدلال کیا گیا ہے (۱)

(۶۰۵/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بریلی کے اس فتوی کے متعدد جوابات شائع ہو چکے ہیں، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے مفصل جواب طبع ہو کر شائع ہوا ہے وہاں سے طلب کر کے اس کو دیکھ لیں (۲) تحقیق یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ مسجد میں ہونا مکروہ نہیں ہے، اور عبارت کتب فقہ لا یؤذّن في المسجد (۳) اذان ثانی یوم جمعہ کے بارے میں نہیں ہے، نیز غرض اس عبارت سے یہ ہے کہ اذان نماز پنج گانہ میں غرض اعلام ہے، اس لیے بلند جگہ منارہ وغیرہ اس کے لیے مسنون ہیں، اور مراد اس عبارت سے یہ ہے کہ اذان پنج گانہ مسجد میں اس طرح کہنا کہ اس میں اعلام نہ ہو مثلاً اندر کے درجۂ مسجد میں اذان کہنا خلاف سنت ہے، بہر حال اذان جمعہ اس میں داخل نہیں ہے۔ لتصریح الفقهاء بخلافه (۴) اور حدیث ابوداؤد (۵) خارج عن المسجد ہونے میں نص نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ علی قرب باب المسجد مراد لیا جاوے اور اس کے ثبوت میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۹/۵-۱۴۰)

---

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) تنشيط الآذان في تحقيق محلّ الأذان، مؤلفہ: مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری۔

(۳) البحر الرّائق: ۱/۱۴۴، كتاب الصّلاة، باب الأذان.

(۴) ويؤذّن ثانيًا بين يديه أي الخطيب ـــــ إلى قوله ـــــ إذا جلس على المنبر. قوله: (ويؤذّن ثانيًا بين يديه) أي على سبيل السّنيّة كما يظهر من كلامهم. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب)

(۵) اس حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۳۴۰) کے پہلے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔۱۲

اذانِ ثانی خطیب کے سامنے مسجد میں کہنا سنت ہے

سوال: (۲۳۴۴) تمام بلاد ہند میں اذان ثانی جمعہ مسجد کے اندر قریب منبر ہوا کرتی ہے، عرب کے متعلق علم نہیں، قاضی خان میں اذان داخل مسجد کو مکروہ لکھا ہے (۱) اور اندرون مسجد اذان کہنے کا ثبوت صریح الفاظ میں کہیں نظر نہیں آتا؛ اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۱۴۲۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ويؤذّن ثانيًا بين يديه إلخ** (۲) **وهكذا في الهداية** (۳) **وغيرها من كتب الفقه** اس پر علامہ شامی نے لکھا ہے: **قوله: (ويؤذّن ثانيًا بين يديه) أي على سبيل السّنّيّة** (۴) پس معلوم ہوا کہ سنت اذان ثانی جمعہ میں یہ ہے کہ خطیب کے سامنے منبر کے قریب مسجد میں ہو، اور یہی عام بلاد عرب وعجم میں سلفًا وخلفًا معمول بہ ہے، **وما رأى المسلمون حسنًا فهو عند الله حسن** (۵) اور اذان اوّل جمعہ اور اذان صلوات خمسہ کو جو مسجد سے باہر کہنا مستحب لکھا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ مسجد میں اذان کہنا مکروہ ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو؛ تا کہ آواز دور تک پہنچے اور کراہت کلماتِ اذان کی مسجد میں کوئی وجہ نہیں ہوسکتی؛

---

(۱) وينبغي أن يؤذّن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذّن في المسجد (الفتاوى الخانية مع الهندية: ۱/۷۸، كتاب الصّلاة، مسائل الأذان)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب.

(۳) الهداية: ۱/۱۷۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۴) ردّ المحتار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى إلخ.

(۵) عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: إنّ الله نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمّدٍ صلّى الله عليه وسلّم خير قلوب العباد، فاصطفاه لنفسه، فابتعثه برسالته، ثمّ نظر في قلوب العباد بعد قلب محمّد، فوجد قلوب أصحابه خير قلوب العباد، فجعلهم وزراءَ نبيه، يقاتلون على دينه، فما رأى المسلمون حسنًا، فهو عند الله حسن، وما رأوا سيّئًا، فهو عند الله سيّء. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۶/۸۴، رقم الحديث: ۳۶۰۰، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت)

کیوں کہ جوکلمات اذان کے ہیں وہ سب اقامت میں مع شئے زائد ہیں، پس جب کہ اقامت کسی کے نزدیک مسجد میں مکروہ نہیں ہے تو اذان کیسے مکروہ ہوسکتی ہے، اور نیز اذان کے کلمات ذکراللہ ہے، اور مساجد نماز اور ذکراللہ کے لیے بنائی گئی ہیں، کما ورد في الحديث [(۱)] پس اذان خطبہ میں چوں کہ صرف اعلام حاضرین مقصود ہوتا ہے کیونکہ اعلام عام تو پہلی اذان سے ہو چکا ہے، لہٰذا اس کا بین یدی الخطیب مسجد میں ہونا انسب اوراحب ہے، اور شامی کی تصریح سے اس کا سنت ہونا معلوم ہوا اور متبادر بين يديه سے یہی ہے کہ خطیب کے سامنے اوراس سے قریب ہو۔ فقط واللہ اعلم (۵/۱۲۰-۱۲۱)

حدیث: لا صلاة ولا كلام میں کلام سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۲۳۴۵) حدیث: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام اس کلام سے مراد مطلق کلام ہے یا کلام دنیاوی، فقہاء کی عبارات سے کلام دنیاوی مراد معلوم ہوتی ہے کہ خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام دنیاوی منع ہے؛ تسبیح اذکار وغیرہ منع نہیں، اب اس بناء پر خطبہ کی اذان کا جواب دینا یا دعائے وسیلہ پڑھنا جائز ہوگا؛ چنانچہ بعض عبارات سے صاف ظاہر ہے: وأمّا الكلام فإنّما يكره منه قبل شروع الخطبة الدّنيويّ لا الدّينيّ كالأذكار والتّسبيح بعد الشّروع فيها يكره مطلقًا هٰذا هو الأصحّ، كما في النّهاية وغيره، فلا تكره إجابة الأذان الّذي يؤذّن بين يدي الخطيب، وقد ثبت ذٰلك من فعل معاوية رضي الله عنه في صحيح البخاريّ ولا دعاء الوسيلة المأثور بعد ذلك الأذان، هٰذا عند أبي حنيفة، وعندهما: لا بأس بالكلام أي الدّنيويّ إذا خرج الإمام قبل أن يشرع في الخطبة، وإذا نزل قبل أن يكبّر لأنّ الكراهة للإخلال بالاستماع ولا استماع هٰهنا بخلاف الصّلاة فإنّها قد تمتدّ، كذا في الهداية [(۲)] اس میں قول مفتی بہ

(۱) عن أنس بن مالك وهو عمّ إسحاق قال: بينما نحن في المسجد مع رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إذ جاء أعرابيّ فقام يبول في المسجد..................فقال له: إنّ هذه المساجد لا تصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنّما هي لذكرِ الله والصّلاةِ وقراءةِ القرآن الحديث. (الصّحيح لمسلم: ۱/۱۳۸، كتاب الطّهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النّجاسات إذا حصلت في المسجد إلخ)

(۲) عمدة الرّعاية على شرح الوقاية: ۲/۳۳۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت، و حاشية شرح الوقاية: ۱/۲۰۲، رقم الحاشية: ۱۰۔

اور صحیح کیا ہے؟ جائز ہے یا مکروہ؟ (۶۱۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حدیث: **إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام** [(۱)] میں ہمارے حضرات کا مسلک کلام کو عام رکھنا ہے جیسا کہ اطلاق حدیث سے ظاہر ہے، اور صلاۃ کے ساتھ اس کا منضم فرمانا اور بھی اس کا مؤید ہے، اور خلاف صاحبین کا قبل شروع فی الخطبۃ میں مشہور ہے، اور امام صاحب کے نزدیک بھی بعض فقہاء نے کلام دینی کو بعد خروج امام قبل خطبہ جائز نقل کیا ہے؛ لیکن مذہب مشہور امام صاحب کا یہی ہے کہ بعد خروج امام کلام مطلقاً ممنوع ہے، خواہ دینی ہو یا دنیاوی اور نصوص فقہاء بہت سی اس پر دال ہیں کہ امام صاحب کلام کو عام لیتے ہیں، پس اگر بعض فقہاء نے قبل خطبہ کلام دینی کو جائز رکھا ہے اور اس کو اصح فرمایا ہے جیسا کہ عنایہ ونہایہ سے منقول ہے [(۲)] تو انہوں نے مذہب صاحبین رحمہما اللہ کو اختیار فرمایا ہے، باقی مذہب امام اعظمؒ کا یہی ہے کہ کلام مطلقاً مکروہ ہے، اور اجابت اذان بین یدی الخطیب مکروہ ہے، مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے جو تخطیہ صاحب درمختار کا کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اور آپ نے جو عبارت مولانا موصوف کی نقل فرمائی ہے اور اس کے اخیر میں **کذا في الهداية؛** ہدایہ کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ حوالہ بجنسہا صحیح نہیں ہے۔ **كما لا يخفى على من طالع الهداية** [(۳)] اب احقر بعض وہ (عبارات) [(۴)] لکھتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا خلاف مطلق کلام میں ہے؛ دنیاوی ہو یا دینی، اور امام صاحب مطلق کلام کو بعد خروج امام منع فرماتے ہیں، اور نیز یہ کہ اجابت اذان ثانی جمعہ مکروہ ہے، درمختار باب الجمعہ میں ہے:

---

(۱) تنوير الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۲) (وإذا خرج الإمام يوم الجمعة) يعني لأجل الخطبة (ترك النّاس الصّلاة والكلام حتّى يفرغ من خطبته) يريد به ما سوى التّسبيح و نحوه على الأصحّ. (العناية شرح الهداية مع فتح القدير: ۲/۶۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)

(۳) وقالا: لا بأس بالكلام إذا خرج الإمام قبل أن يخطب، وإذا نزل قبل أن يكبّر لأنّ الكراهة للإخلال بفرض الاستماع، ولا استماع هنا بخلاف الصّلاة لأنّها قد تمتدّ إلخ. (الهداية مع فتح القدير: ۱/۱۷۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة)

(۴) مطبوعہ فتاویٰ میں (عبارات) کی جگہ ''طہارات'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔ ۱۲

وقالا: لا بأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها وإذا جلس عند الثّاني ، والخلاف في كلام يتعلّق بالآخرة ، أمّا غيره فيكره إجماعًا ، و علٰى هذا فالتّرقية المتعارفة في زماننا تكره عنده لا عندهما ، و أمّا ما يفعله المؤذّنون حال الخطبة من التّرضي و نحوه فمكروه اتّفاقًا، وتمامه في البحر، والعجب أنّ المرقي ينهي عن الأمر بالمعروف بمقتضى حديثه، ثمّ يقول: أنصتوا رحمكم اللّٰه، قلت: إلاّ أن يحمل علٰى قولهما فتنبّه (الدّرّ المختار) قوله: (إلاّ أن يحمل علٰى قولهما) لأنّه يقول ذلك قبل الخطبة، وهما يحملان قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : والإمام يخطب على الشّروع فيها حقيقةً فحينئذٍ لا يكون المرقي مخالفًا لحديثه بقوله بعده: أنصتوا. أمّا على قول الإمام من حمل قوله: يخطب على الخروج للخطبة بقرينة ما روي إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام؛ فيكون مخالفًا لحديثه الّذي يرويه ويكره إلخ(۱)(ردّ المحتار للشّامي)

وفي الشّامي أيضًا قبيله : والظّاهر أن مثل ذلك يقال أيضًا في تلقين المرقي الأذان للمؤذّن ، والظّاهر أنّ الكراهة على المؤذّن دون المرقي لأنّ سنّة الأذان الّذي بين يدي الخطيب تحصل بأذان المرقي فيكون المؤذّن مجيبًا لأذان المرقي و إجابة الأذان حينئذٍ مكروهة إلخ(۱)

شامی کے اس قول وإجابة الأذان حينئذٍ مكروهة إلخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کراہت حنفیہ کے نزدیک ایسی مسلم ہے اور معروف ہے کہ اس میں کسی کو کچھ تامل اور خلاف نہیں ہے، پس اس سے صحت اس قولِ صاحب درمختار کی جو باب الاذان میں ہے واضح ہوتی ہے: وينبغي أن لا يجيب بلسانه اتّفاقًا في الأذان بين يدي الخطيب (۲) البتہ اتفاقًا کے لفظ سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ کراہت امام صاحب کے قاعدہ کے موافق ہے، نہ صاحبین کے قول کے موافق، مگر جواب اس کا اوّل تو یہ ہے کہ غرض صاحب درمختار کی یہ ہے کہ مشائخ نے بالاتفاق اس بارے میں قول امام صاحب کو

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۳-۳۵، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۴، كتاب الصّلاة ، باب الأذان ، مطلب في كراهة تكرار الجماعة في المسجد .

اختیار فرمایا ہے، اور بالاتفاق فتوی کراہتِ اجابتِ اذانِ ثانیٔ جمعہ کا دیا ہے، ثانیًا یہ کہ اگر چہ قاعدہ صاحبین کا اس کے جواز کو مقتضی ہو مگر ان سے تصریح اس کے جواز کی منقول نہیں ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کراہت منقول ہو، اور اسی قول صاحبِ درمختار کو اس بارے میں حجت سمجھا جاوے (کہ ظاہر ہے)[1] هم أعلم بمذهب الأصحاب اس صورت میں اتفاقًا کے معنی امام صاحب اور صاحبین کے اتفاق کے ہوں گے، اور جب کہ ایسا بڑا شخص اس اتفاق کو نقل فرماتا ہے تو ہم کو ـــــ محض اس بناء پر کہ صاحبین کا مذہب اس کو مقتضی نہیں ـــــ انکار شایان نہیں ہے، احقر کہتا ہے کہ مقتضا قول صاحبین بھی اس اجابت کی کراہت کو ہے، کیوں کہ آخر کلمۂ اذان کی اجابت بعد ختم اذان کے ہے جو وقت شروع فی الخطبہ کا ہے، نیز اجابت کے ساتھ دعاء وسیلہ بھی ہوتی ہے جو بعد اذان اور اجابتِ اذان کے ہے، اور وہ وقت شروع فی الخطبہ کا ہے، اور وہ بہ اتفاق وقت کراہت کلام دینی اور دنیاوی کا ہے، اور اس میں یہ بحث کرنا کہ امام بھی اجابت کرے گا اور دعا وسیلہ پڑھے گا تو شروع فی الخطبہ نہ ہوا جو صاحبین کے نزدیک اجابت کو مکروہ کہا جاوے محل تأمل ہے، کیوں کہ اذان کے ختم ہونے کے بعد خطبہ کا شروع ہونا متوارث ہے، اور دعوی امام کی اجابت کا کرنا خود فرع ثبوتِ (اجابت)[2] کی ہے حالانکہ تصریح فقہاء کی اس کے خلاف ہے، الحاصل تخطیہ درمختار کے قول کا عجب در عجب ہے، علامہ شامی کی تصریح سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کراہتِ اجابتِ اذان بین یدی الخطیب ایک مسلم امر ہے؛ جیسا کہ سیاق عبارت سے واضح ہے، آخر میں یہ عرض ہے کہ بہ صورت اختلاف احوط بھی یہی ہے کہ اجابت کو ترک کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۰-۱۴۳)

خطبۂ جمعہ سننا واجب ہے

سوال: (۲۳۴۶)...... (الف) جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے یا واجب؟ زید خطبہ سننے نہیں پایا اور نماز جمعہ میں شامل ہوا؟

---

(۱) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(ب) اسی طرح جواب اذان کا دینا واجب ہے؛ زید نے جواب اذان کا نہیں دیا تو اب کیا کرنا چاہیے؟ (۱۳۴۵/۲۵۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-ب) خطبہ جمعہ کا فرض ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ضرور ہونا چاہیے اور سننا خطبہ کا ان لوگوں پر واجب ہے جو کہ خطبہ کے وقت حاضر ہوں [1] پس اگر کوئی شخص خطبہ کے ختم ہونے کے بعد آیا اور جماعتِ جمعہ میں شامل ہو گیا؛ اس کی نماز ہوگئی، اور خطبہ میں نہ حاضر ہونے اور نہ سننے کی وجہ سے جو قصور ہوا اور تاخیر آنے میں ہوئی اس سے استغفار اور توبہ کرے اور آئندہ کو احتیاط رکھے۔

اور اذان کا جواب دینا صحیح قول پر مستحب ہے، اور جو لوگ قائل بہ وجوب ہیں، ان کے قول کے موافق ترک اجابت سے جو گناہ ہوا اس کے لیے توبہ واستغفار کرے۔ فقط (۱۲۸/۵)

وضاحت: اس جواب میں عام اذانوں کا حکم بیان کیا گیا ہے، کیوں کہ سوال میں مطلق اذان کے بارے میں پوچھا گیا ہے، جمعہ کی اذان ثانی کی اجابت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اس لیے ترک اجابت سے کوئی گناہ نہیں ہوگا، شامی میں ہے: وإجابة الأذان حينئذ مكروهة (ردّ المحتار: ۳۴/۳ كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب) محمد امین پالن پوری

جمعہ کی نماز فرض ہے اور خطبہ سننا واجب ہے

سوال: (۲۳۴۷) دو رکعت جمعہ فرض ہے یا کیا؟ اور خطبہ اولیٰ وثانی فرض ہیں یا کیا؟ اور سننا واجب ہے یا نہ؟ اور خطبہ کے وقت باتیں کرنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۹۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جمعہ دو رکعت فرض ہے [2] اور خطبہ مطلقاً فرض ہے [3] اور دو ہونا خطبہ کا

(۱) وكلّ ما حرم في الصّلاة حرم فيها أي في الخطبة إلخ ، بل يجب عليه أن يستمع ويسكت إلخ وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲/۳-۳۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

(۲) هي فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدّليل القطعيّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) ويشترط لصحّتها إلخ ، الخطبة فيه . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳-۱۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

یعنی دوخطبے پڑھنا سنت ہے[۱] اور تمام خطبہ کا سننا فرض ہے[۲] خطبہ پڑھنے کی حالت میں باتیں کرنا اور نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ **إذا خرج الإمام فلا صلاۃ و لا کلام**[۳] فقط (۱۵۸/۵)

ہر ماہ کے خطبہ کا علیحدہ ہونا ضروری نہیں

سوال: (۲۳۴۸) خطبہ ہر ماہ علیحدہ بودن ضروری است یانہ؟ (۳۲/۵۴۵-۱۳۳۳ھ)

الجواب: خطبہ ہر ماہ علیحدہ بودن ضرور نیست[۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۹/۵)

ترجمہ سوال: (۲۳۴۸) ہر ماہ کے خطبہ کا علیحدہ ہونا ضروری ہے یانہ؟

الجواب: ہر ماہ کے خطبہ کا علیحدہ ہونا ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خطبہ منبر پر پڑھنا سنت ہے

سوال: (۲۳۴۹) بہ وجہ ازدحام اور مجمع کے اگر اصلی منبر پر خطبہ جمعہ کا نہ پڑھا جاوے بلکہ لکڑی کے منبر یا مکبرہ[۵] پر امام خطبہ جمعہ اور عیدین کا پڑھے تو جائز بلا کراہت ہے یا نہیں؟

(۲۹۰۳/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) ویسنّ خطبتان ...... بجلسة بینهما. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹/۳، کتاب الصّلاۃ باب الجمعة) ظفیر

(۲) یجب علیه أن یستمع (الدّرّ المختار) حیث قال: إذ الاستماع فرض کما في المحیط أو واجب إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲/۳، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱/۳-۳۲، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة.

(۴) فلأنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یخطب بسورۃ ق کما روت أمّ هشام أخذت ق والقرآن المجید من في رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقرأ بها کلّ جمعة، رواه مسلم. قال شرّاح الحدیث کان سورۃ ق في مدّۃ کانت أمّ هشام حاضرۃ ولم یکن دائمًا، و المراد في الحدیث بالخطبة أوّل آیاتها إلخ. (رسائل الأرکان، ص:۱۱۶، فصل في الجمعة، بیان صفة صلاۃ الجمعة، المطبوعة: مکتبة دار العلوم دیوبند)

(۵) مَکْبَرۃ: جائے تکبیر جہاں مکبّر کھڑا ہوکر تکبیرات کہتا ہے۔

الجواب: شامی میں قول درمختار **إذا جلس على المنبر إلخ** کی شرح میں لکھا ہے: **ومن السّنّة أن يخطب عليه اقتداءً به صلّى الله عليه وسلّم، بحر، وأن يكون على يسار المحراب إلخ** (۱) اس سے معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ جو منبر عادۃً یسار محراب پر ہوتا ہے، اسی پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھے، اگر مکبرہ وغیرہ پر پڑھے گا تو خلاف سنت ہوگا، اور ہجوم کی رعایت کہاں تک ہوسکتی ہے؟ کیونکہ سب کا سننا دشوار ہے۔ فقط (۵/۱۱۴)

سوال: (۲۳۵۰)......(الف) خطبہ منبر پر پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

(ب) اگر ضروری ہے تو خلاف کرنے سے خطبہ یا نماز میں کچھ نقصان آوے گا یا نہیں؟

(ج) اور خلاف کرنے والے پر کچھ اعتراض ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(د) آنحضرت ﷺ نے مسجد نبوی میں منبر بن جانے کے بعد کبھی منبر سے علیحدہ خطبہ پڑھا ہے یا نہیں؟ (۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف-د) خطبہ منبر پر پڑھنا سنت ہے فرض اور واجب نہیں ہے، اگر بلا کسی عذر کے خطیب نے نیچے کھڑا ہوکر خطبہ پڑھا تو اس نے خلافِ سنت کیا، اور ترکِ سنت کی وجہ سے مستحقِ ملامت ہوگا۔ **كما قال في الدّرّ المختار: وحكمها (أيّ السّنّة) ما يؤجر على فعله ويلام على تركه إلخ** (۲) اور خطبہ ونماز صحیح ہوگئی، اور اگر کسی عذر کی وجہ سے خطبہ منبر پر نہ پڑھا اور نیچے کھڑے ہوکر پڑھا تو اس پر کچھ ملامت بھی نہیں ہے۔ **كما قال في ردّ المحتار: وفي التّحرير: أن تاركها يستوجب التّضليل واللّوم أهـ، والمراد التّرك بلا عذر على سبيل الإصرار إلخ** (۲) **(شامي: ۱/۷۱) ومن السّنّة أن يخطب عليه اقتداءً به صلّى الله عليه وسلّم، بحر، وأن يكون على يسار المحراب؛ قهستاني، ومنبره صلّى الله عليه وسلّم كان ثلاث درج إلخ** (۳)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۱۹۷، كتاب الطّهارة، مطلب في السّنّة وتعريفها.

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب.

(ردّ المحتار: ۱/۵۵۲)(اور منبر بننے کے بعد آنحضرت ﷺ منبر پر ہی خطبہ پڑھتے تھے اس کا خلاف ثابت نہیں ہے)[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۲۶-۱۲۷)

خطیب منبر کے جس درجہ پر کھڑا ہو کر چاہے خطبہ دے سکتا ہے

سوال: (۲۳۵۱) خطیب منبر کے کون سے زینہ پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے، کسی درجہ پر کھڑے ہونے میں کسی کی بے ادبی ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۴۵۲ھ)

الجواب: اس میں شرعًا کچھ تحدید نہیں ہے، جون سے درجہ پر کھڑا ہو جاوے جائز ہے، اور سنت صعود علی المنبر ادا ہو جاوے گی؛ شامی میں ہے: **ومن السّنّة أن يخطب عليه اقتداءً به صلّى الله عليه وسلّم إلخ، وبحث بعضهم أنّ ما اعتيد الآن من النّزول في الخطبة الثّانية إلى درجة سفلى ثمّ العود بدعة قبيحة شنيعة إلخ** [۲] پس اس سے زیادہ اس میں کچھ قید شرعًا نہیں ہے، دوسرے یا تیسرے جس درجہ پر کھڑا ہو جائے درست ہے، اور اس میں کچھ سوئے ادبی کسی کی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۱۶)

اللّٰهمّ اعزّ الإسلام إلخ پڑھتے وقت منبر سے اترنا اور اللّٰهمّ انصر إلخ پڑھتے وقت منبر پر چڑھنا بے اصل ہے

سوال: (۲۳۵۲) اللّٰهمّ اعزّ الإسلام إلخ پڑھتے وقت منبر سے اترنا اور اللّٰهمّ انصر إلخ پڑھتے وقت منبر پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۷-۴۶/۱۴۷۶ھ)

الجواب: اس عمل کی کچھ اصل نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۳۱)

---

(۱) قوسین کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۳۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب.**

بہ وقتِ خطبہ کسی قسم کا ذکر نہ کرنا چاہیے

سوال: (۲۳۵۳) بہ وقت خطبہ کسی قسم کا ذکر جائز ہے یا خاموش رہنا چاہیے؟

(۴۹۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: خطبہ پڑھنے کی حالت میں خاموش ہوکر سننا چاہیے کسی قسم کا ذکر وتسبیح ونماز وغیرہ اس وقت نہ چاہیے۔ **هٰكذا في كتب الفقه**[1] فقط واللہ اعلم (۱۵۴/۵-۱۵۵)

خطبہ میں جہاں آنحضرت ﷺ کا نام آئے خطیب کا درود پڑھنا جائز ہے

سوال: (۲۳۵۴)......(الف) بہ روز جمعہ قبل خطبۂ عربی؛ وعظ کہنا اور قبل وعظ بہ آواز بلند مع سامعین درود شریف پڑھنا علی الدوام کیسا ہے؟

(ب) خطبہ میں جہاں محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی آوے تو خطیب کا آنحضرت ﷺ کے نام کے بعد **صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کہنا کیسا ہے؟ (۲۰۷۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) خطبہ کے اندر وعظ اردو میں کہنا یا ترجمہ خطبہ کا اردو میں کرنا مکروہ ہے، اسی طرح اس موقع پر التزام جہر درود شریف کا کرنا ثابت نہیں ہے، مسنون طریقہ یہ ہے کہ جس وقت

---

(۱) **إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان وإلّا فقيامه للصّعود .... فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها (الدّرّ المختار) قوله: (فلا صلاة) شمل السّنّة وتحيّة المسجد إلخ ، قوله: (ولا كلام) أي من جنس كلام النّاس، أمّا التّسبيح ونحوه فلا يكره وهو الأصحّ كما في النّهاية والعناية ، وذكر الزّيلعيّ : أنّ الأحوط الإنصات ، ومحلّ الخلاف قبل الشّروع ، أمّا بعده فالكلام مكروه تحريمًا بأقسامه كما في البدائع...... وقال البقاليّ: في مختصره: وإذا شرع في الدّعاء لا يجوز للقوم رفع اليدين ولا تأمين باللّسان جهرًا، فإن فعلوا ذٰلك أثموا، وقيل: أساءوا ولا أثم عليهم، والصّحيح هو الأوّل وعليه الفتوى. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۱/۳-۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)** ظفیر

خطیب منبر پر جاوے مؤذن اذان کہے، اور اذان کے ختم ہونے پر خطیب خطبہ عربی کا شروع کردے اور خطبہ میں سوائے عربی زبان کے اردو وفارسی نظم ونثر نہ پڑھے (۱) فقط

(ب) خطبہ میں جہاں نام آنحضرت ﷺ کا آوے خطیب درود شریف پڑھے اور سامعین دل دل میں درود شریف پڑھیں حکم شرعی یہ ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۶۶-۶۷)

جمعہ کے دن عربی خطبہ سے پہلے وعظ کہنا اور وعظ سے پہلے تمام لوگوں کا بلند آواز سے علی الدوام درود پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۵۵) ایک مولوی صاحب جمعہ کے وقت مسجد میں سنتوں سے فارغ ہوکر منبر پر بیٹھ جاتے ہیں، اور خود درود شریف اونچے سے پڑھتے ہیں اور سامعین بھی پڑھتے ہیں، پھر کھڑے ہوکر وعظ کہتے ہیں، پھر مؤذن اذان دیتا ہے، اور مولوی صاحب عربی میں خطبہ پڑھتے ہیں، اور جماعت ہوتی ہے، سوال صرف یہ ہے کہ وعظ سے پہلے جو درود شریف تقریبًا گیارہ دفعہ پڑھا جاتا ہے وہ کیسا ہے؟ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ یہ منع ہے؛ لیکن میرے نزدیک امتناع کی کوئی بات نہیں، آپ فرمائیے کہ کیسا ہے؟ میرا پہلا کارڈ بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ پہلا یہی سوال ہے یا وہ جو آپ نے جواب دیا ہے؟ (۲۱۱۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: پہلے جو کچھ لکھا گیا تھا (۳) وہ اس بناء پر تھا کہ اکثر لوگ خطبہ میں وعظ کا طرز کرلیتے ہیں

---

(۱) **فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغير العربيّة خلاف السّنّة المتوارثة من النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم والصّحابة رضي اللّه عنهم فيكون مكروهًا تحريمًا وكذا قراءة الأشعار الفارسيّة والهنديّة فيها. (عمدة الرّعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲)** ظفیر

(۲) **والصّواب أنّه يصلّي على النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم عند سماع اسمه في نفسه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة)** ظفیر

(۳) تفصیل سابقہ سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور خطبہ کا ترجمہ وغیرہ نثر ونظم میں پڑھتے ہیں یہ مکروہ ہے، باقی جو بات آپ نے دریافت کی ہے کہ خطبہ سے پہلے اور اذان بین یدی الخطیب سے بھی پہلے وعظ کہا جاوے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور وعظ شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھنے میں بھی دراصل کچھ حرج نہیں ہے؛ لیکن امام اور سامعین کا علی الدوام بالجہر درود شریف پڑھنا اور اس کا التزام کرنا قواعد شرعیہ کی رو سے مکروہ اور بدعت ہے؛ اس لیے کہ امر غیر لازم کو لازم کر لینا یا اس کے ساتھ معاملہ لازم کا سا کرنا جس سے دیکھنے والوں اور سننے والوں کو اس وقت خاص میں اس کا التزام ضروری معلوم ہو جائز نہیں ہے (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۶۷-۶۸)

خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود پڑھنا اور دونوں خطبوں کے درمیان دعا مانگنا

سوال: (۲۳۵۶)......(الف) خطبہ میں جب نام نامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آوے تو سامعین درود پڑھیں یا نہیں؟ خفیہ پڑھیں یا جہر سے یا قطعی نہ پڑھیں؟

(ب) ایک خطبہ پڑھ کر کے جب امام بیٹھے تو اس وقت مقتدی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگیں یا دل میں یا قطعی نہ مانگیں؟ (۲۰۸/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: (الف) درمختار میں لکھا ہے: **والصّواب أنّه يصلّي على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عند سماع اسمه في نفسه (۲) وقال في الشّامي: وكذلك إذا ذُكر النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم لا يجوز أن يصلّوا عليه بالجهر بل بالقلب و عليه الفتوى إلخ (۳)**

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه تعالٰى عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۷، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة، الفصل الأوّل)

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۳۲، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام جس وقت خطبہ میں سنے دل میں درود شریف پڑھے جہراً نہ پڑھے اور زبان سے بھی نہ پڑھے دل دل میں خیال کر لیوے۔ فقط

(ب) جس وقت خطیب جلسہ درمیانی کرے اس وقت سامعین کچھ دعا زبان سے نہ مانگیں اگر مانگیں دل میں مانگیں۔ شامی کی عبارت سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اگر دعا مانگے تو دل سے مانگے، زبان سے نہیں، لیکن شرح منیہ میں ہے: **إذا قرء الإمام: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الآية﴾ فعن أبي حنيفة ومحمّد أنّه ينصت، وعن أبي يوسف أنّه يصلّي سرًّا وبه أخذ بعض المشائخ** (۱) اس سے معلوم ہوا کہ طرفین کا مسلک یہ ہے کہ خاموش رہے، اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ آہستہ درود پڑھے، اور شامی معراج سے نقل کرتے ہیں کہ قلب سے دعا مانگے جس کا ماحصل سکوت ہی ہے (۲) اس لیے کہ سرًّا میں ادائے لفظ زبان سے ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی آہستہ زبان سے بھی درود پڑھ لے تو اس پر نکیر نہیں کی جاسکتی کہ امام ابو یوسفؒ اور بعض مشائخ اس کی اجازت دیتے ہیں؛ لیکن موضع اختلاف کی رعایت رکھتے ہوئے سکوت ہی بہتر (۳) ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۷۰-۱۷۱)

سوال: (۲۳۵۷)...... (الف) فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۸۸، مصطفائی: **إذا قال الخطيب في الخطبة: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ الآية﴾ يصلّي على النّبيّ عليه الصّلاة والسّلام في نفسه** (۴)

(ب) ہدایہ: ۱/ ۱۰۱، مجتبائی: **إلاّ أن يقرأ الخطيب قوله تعالى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ الآية﴾ فيصلّي السّامع في نفسه (أي سرًّا)** (۵) مفتی بہ اور اصح قول کیا ہے؛ آیا خطیب

---

(۱) غنية المستملي، ص: ۴۸۲، فصل في صلاة الجمعة، المبحث الثّاني في صفتها.

(۲) قال في المعراج: فيسنّ الدّعاء بقلبه لا بلسانه لأنّه مأمور بالسّكوت (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/ ۳۹، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في ساعة الإجابة يوم الجمعة)

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (بہتر) کی جگہ "ترجیح" تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) الفتاوى الخانية مع الهندية: ۱/۱۸۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۵) الهداية: ۱/ ۱۲۱، كتاب الصّلاة، قبيل باب الإمامة.

یہ آیت پڑھے تو درود شریف آہستہ پڑھا جائے یا دل میں اور آہستہ پڑھنا زبان سے جائز ہے یانہیں؟ (۱۳۴۵/۲۴۴ھ)

الجواب: (الف - ب) زبان سے نہ پڑھا جاوے دل میں پڑھا جاوے یہی حق ہے، اور جملہ عبارات کا یہی مفاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۷/۵)

خطبہ کے وقت دعائیں اور درود نہ زور سے پڑھیں نہ آہستہ

سوال: (۲۳۵۸)......(الف) خطبہ میں آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيْ الآية﴾ سن کر مقتدی درود شریف پڑھتے ہیں، اور حضرت ابوبکر صدیق کا نام سن کر رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ زور سے یا آہستہ پکارنا اور اللّٰهمّ أيّد الإسلام إلخ اور دیگر ادعیہ سن کر آمین جلی و خفی کہنا جائز ہے یانہیں؟

(ب) اور سرخ رومال ریشمی ہو یا غیر ریشمی دستار باندھ کر نماز پڑھنا یا پڑھانا جائز ہے یانہیں؟ (۱۳۳۸/۵۲ھ)

الجواب: (الف) فقہاء نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت خطیب آیت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِي الآية﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۵۶) پڑھے تو سامعین اپنے دل میں درود شریف پڑھیں، زبان سے اور آواز سے نہ پڑھیں، شامی میں ہے: وكذلك إذا ذُكر النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم لا يجوز أن يصلّوا عليه بالجهر بل بالقلب وعليه الفتوى إلخ (۱) اور درمختار میں ہے: والصّواب أنّه يصلّي على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم عند سماع اسمه في نفسه إلخ (۲) پس سوائے درود شریف بہ کیفیت مذکورہ کے اور کچھ پڑھنا سامعین کو نہ چاہیے، نہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ زور سے کہیں، اور نہ آمین جہر سے اور زبان سے کہیں، اگر دل میں کہہ لیں بلا زبان کے تو کچھ حرج نہیں ہے۔

(۱) ردّ المحتار: ۳۲/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۳/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(ب) اور ریشمی دستار رومال سے نماز پڑھنا یا پڑھانا مکروہ ہے[1] فقط واللہ اعلم (۸۴/۵)

سوال: (۲۳۵۹) یہاں کے مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ خطبہ میں جب امام آیت: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا الآیة﴾ (سورۂ احزاب، آیت: ۵۶) پڑھتا ہے تو سب مقتدی درود شریف زور سے پڑھتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہ؟ (۹۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے بلکہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اس وقت درود شریف دل سے پڑھے نہ زبان سے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۷۶/۵)

اذانِ جمعہ کے پہلے الصّلاة والسّلام إلخ پکارنا درست نہیں

سوال: (۲۳۶۰) اذان جمعہ سے پہلے کانوں پر ہاتھ رکھ کر الصّلاة والسّلام علیك یا رسول اللّٰه الصّلاة والسّلام علیك یا آدم صفي اللّٰه بہ آواز بلند پکارنا اور ضروری جاننا اس کا کیسا ہے؟ (۲۴۶۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس کی کچھ اصل شریعت میں نہیں ہے، پس التزام کرنا اس کا اور ضروری جاننا حسب قواعد فقہ ناجائز ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۳/۵)

بہ وقتِ خطبہ چندہ کرنا درست نہیں

سوال: (۲۳۶۱) خطبہ کے وقت ٹین کا ڈبہ لے کر مسجد کے مصارف کے لیے پیسہ جمع کرنا اور ٹین کے ڈبہ کی آواز سے نمازیوں کا خیال منتشر ہوتا ہے یہ شرعًا کیسا ہے؟ (۱۵۵۹/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) لأنّ الصّلاة في الحریر مکروهة للرّجال. (غمز عیون البصائر علی الأشباه والنّظائر: ۴۳۴/۱، الفنّ الثّاني في الفوائد، کتاب الصّلاة) ظفیر

(۲) وکذلك إذا ذُکر النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم لا یجوز أن یصلّوا علیه بالجهر بل بالقلب وعلیه الفتوی، رملي. (ردّ المحتار: ۳۲/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۳) عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ، متّفق علیه. (مشکاة المصابیح، ص:۲۷، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسّنّة، الفصل الأوّل)

الجواب: خطبہ کے وقت جب کہ نماز اور درود شریف پڑھنے کی بھی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے تو اس وقت چندہ جمع کرنا اور ڈبہ لیے پھرنا اور نمازیوں کو مشغول کرنا بہ درجہ اولیٰ ممنوع ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۲۱)

خطبۂ جمعہ فرض ہے یا سنت؟

سوال: (۲۳۶۲) خطبہ جمعہ فرض ہے یا سنت؟ (۴۹۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: خطبہ میں فرض مطلق ذکر ہے[۲] یہاں تک کہ اگر بہ قدر الحمد للّٰہ یا سبحان اللّٰہ کہہ لیا فرض خطبہ ادا ہو جاوے گا مگر سنت یوں ہے کہ دو خطبے ہوں۔ کذا في الدّر المختار وغیرہ: و کفت تحمیدة أو تهلیلة أو تسبیحة للخطبة المفروضة مع الکراهة إلخ، ویسنّ خطبتان إلخ[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۵۴)

سوال: (۲۳۶۳)...... (الف) نماز جمعہ میں خطبہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟

(ب) اور خطبہ میں غلطی ہو جانے سے نماز میں تو کچھ نقص نہیں ہوتا؟ (۱۳۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف-ب) جمعہ میں خطبہ فرض ہے[۴] اور خطبہ کی غلطی ہو جانے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۰۳-۱۰۴)

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان زبان سے دعا نہ کریں

سوال: (۲۳۶۴) جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان سامعین کی دعا کا حکم؟[۵] (۱۱۷۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) إذا خرج الإمام إلخ فلا صلاة ولا کلام إلی تمامها إلخ . (تنویر الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)

(۲) خطبہ ادائے جمعہ کی صحت کی شرط ہے۔ و یشترط لصحّتها سبعة أشیاء : الأوّل : المصر إلخ والرّابع : الخطبة فیه. (الدّرّ المختار مع الرّدّ : ۳/۶-۱۸، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/۱۹، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۴) حوالہ؛ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔

(۵) اس سوال کی عبارت کی اصلاح کی گئی ہے۔۱۲

الجواب: زبان سے نہ کریں اگر دعا کریں دل میں کرلیں[1] فقط واللہ اعلم (۵/۵۹-۶۰)

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست نہیں

سوال: (۲۳۶۵) دونوں خطبہ جمعہ کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے یا نہیں؟
(۷۰۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: دونوں خطبوں کے درمیان اگر دعا مانگے دل سے مانگے زبان سے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس حالت میں درست نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۵۷)

سوال: (۲۳۶۶) ما قولكم دام فضلكم في الدّعاء برفع اليدين في الجلسة الخفيفة بين الخطبتين ليوم الجمعة هل له ثبوت عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فالاتّباع في فعله أم الاتّباع في تركه ، وعلى الثّاني فهل يكره فعله لعدم ثبوته منه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أو يجوز بلا كراهة وعلى الأوّل هل هو يكره تنزيهًا أو تحريمًا أفيدونا بالنّقل الصّريح كما هو طريق الفتوى؟ (۱۰۸۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نفس الدّعاء مع قطع النّظر عن رفع اليدين في هذه الجلسة ممّا لم يثبت عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كما صرّح به المحدّث الدّهلوي في شرح سفر السّعادة وشرح المشكاة حيث قال: آنحضرت ﷺ درمیان دوخطبہ بہ نششتے وخاموش بودے ودعا از آنحضرت ﷺ دریں وقت بہ ثبوت نرسیدہ[2] قال في غاية الأوطار: طحاوی فرماتے ہیں کہ

---

(۱) إذا خرج الإمام إلخ فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها إلخ . (تنوير الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة)

(۲) وآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیان ہر دوخطبہ لحظہ بہ نشستے ، چنانچہ درحدیث جابر بن سمرہ آمدہ: و خاموش بودے، ودعا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریں وقت بہ صحت نرسیدہ است (شرح سفر السّعادۃ، مصنفہ: مولانا عبدالحق دہلوی، ص: ۲۱۰، فصل درخطبہ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مطبوعہ: منشی نول کشور، لکھنؤ)

وأشعة اللّمعات شرح المشكاة: ۱/۶۲۷، كتاب الصّلاة ، باب الخطبة والصّلاة ، الفصل الأوّل ، المطبوعة: منشی نول کشور، لکھنؤ.

اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں (۱) مولانا عبدالحیؒ صاحبؒ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نفس دعا منقول نہیں؛ چہ جائیکہ رفع الیدین اھ۔ فالاتّباع في ترکہٖ (۲) غایۃ الاوطار شرح درمختار میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا بھی درمیان خطبتین کے دعا کے واسطے غیر مشروع ہے، اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا درمیان خطبتین کے دعا کے واسطے حرام ہے (۳) فعلم من هٰذه النّقول أنّ الدّعاء برفع اليدين في الجلسة المذكورة غير مشروع ومكروه تحريمًا وعلينا اتّباع ما صرّحوا به كما لو أفتونا في حياتهم ، ولعلّ الأصل في ذٰلك ما رواه التّرمذي في صحيحهٖ : حدّثنا أحمد بن منيع حدّثنا هشيم حدّثنا حصين قال : سمعت عمّارة بن رويبة و بشر بن مروان يخطب فرفع يديه في الدّعاء ، فقال عمارة: قبّح اللّٰه هاتين اليدين القصيرتين لقد رأيت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وما يزيد على أن يقول هٰكذا ، وأشار هشيم بالسّبّابة ، قال أبو عيسٰى : هذا حديث حسن صحيح (۴) قال

(۱) مستفاد از غاية الأوطار: ۱/۴۱۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۲) سوال: دعا در نشستن میان خطبتین خواہ بہ رفع یدین باشد خواہ بغیر آں، خواہ بہ قلب خواہ بہ زبان؛ جائز است یا نہ؟ جواب: اگر دعا بین الخطبتین بہ قلب باشد و زبان را حرکت نشود مباح است، ملا علی قاری در شرح مشکاۃ می آرد: كيف يدعو حالَ الخطبةِ وهو مأمورٌ بالإنصات؟ فأجاب: ليس من شرط الدّعاء التّلفّظُ به ، بل استحضارُهٗ لِقلبه كافٍ . انتہی ، وهكذا في الحموي شرح الأشباه، واگر دعا بہ تلفظ از زبان باشد اعم از یں کہ با رفع یدین باشد یا بلا رفع یدین بین الخطبتین ممنوع است فقط، ایں قدر از حدیث ثابت است کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم جلسہ فرمودے میان دو خطبہ، وآں جلسہ زائد از لحظہ نبودے و دریں جلسہ از آں سرور صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم دعا بہ ثبوت نرسیدہ، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی در شرح سفر السّعادۃ می گوید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم دریں جلسہ خاموش بودے، وحرفے دریں زمان بر زبان وحی ترجمان نراندے، و دعا از آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم دریں جلسہ بہ ثبوت نرسیدہ، انتہی (مجموعۂ فتاوی مولانا عبدالحی متوفی، سن ۱۲۶۴ھ، قدیم ۳/۶۶، کتاب الخطبہ، دعا در جلسہ میان خطبہ، مطبوعہ: مطبع اسلام، سنہ ۱۳۰۰ھ)

(۳) مستفاد از غاية الأوطار: ۱/۴۱۸، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة .

(۴) جامع التّرمذي: ۱/۱۱۴-۱۱۵، كتاب الصّلاة ، أبواب الجمعة، باب ماجاء فى كراهية رفع الأيدي على المنبر .

أبـو الـطّيّـب فـي شـرح هـذا الـحديث: وإشارته صلّى الله عليه وسلّم لعلّها كانت وقت التّشهّـد أي التّوجّه ، والله تعالىٰ أعلم (۱) وقـال النّوويّ فيه: إنّ السّنة أن لا يرفع اليدَ في الـخـطبة ، وهو قول مالك وأصحابنا وغيرهم، وحكى القاضي عن بعض السّلف وبعض الـمـالـكيّة إبـاحتَـه ؛ لأنّ الـنّبـيّ صـلّـى الـلّه عليه وسلّم رفع يديه في خطبة الجمعة حين استسقىٰ وأجـاب الأوّلون بأنّ هٰذا الرّفع كان لعارض (۲) وفـي التّـحرير المختار لردّ الـمـحتار علىٰ قولهٖ: قلت: قد صرّح به في الدّرر أيضًا من كتاب صفة الصّلاة بعد كلام: إنّ تـرك السّنّة المؤكّدة قريب من الحرام وإن تاركها يستوجب التّضليل واللّوم اهـ (۳) فـكـمـا أنّ بشـربـن مـروان ارتكب أمرًا مكروهًا تحريمًا حتّٰى التحق اللوم والدّعاء عليه بـقـولـه قبّح الله هاتين اليدين القصيرتين بسبب إتيانه فعلاً في الخطبة لم يفعله صلّى الله عـليه وسلّم وترك السّنّة النّبوية ،كذلك من يرفع يديه في الجلسة الخفيفة بين الخطبتين لـلـدّعـا ليستحقّ أن يدعى عليه، ويقال في حقّه قبّح الله هاتين اليدين أهـ . لأنّه صلّى الله عـليه وسلّم لم يفعله فهو تاركٌ للسّنّة النّبويّة (ومخالفٌ للجادة المروية)(۴) ومرتكبُ أمر مكروه تحريمًا إذ لا لوم على الفعل المباح والمكروه تنزيهًا الّذي مرجعه إلىٰ خلاف الأولىٰ.فقط(۵/۱۸۱-۱۸۲)

ترجمہ سوال:(۲۳۶۶) کیا فرماتے ہیں آپ حضرات دام فضلکم جمعہ میں دوخطبوں کے درمیان جلسۂ خفیفہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے سلسلے میں، کیا آپ ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟

---

(۱) یہ عبارت ہمیں نہیں ملی۔۱۲

(۲) شرح النّووي على مسلم :۱/ ۲۸۷، كتاب الجمعة .

(۳) یہ کتاب اور حوالہ ہمیں نہیں ملا،البتہ یہ عبارت شامی میں اس طرح ہے: لـكـن فـي التّـلويح: ترك السّـنّة المؤكّدة قريب من الحرام يستحقّ حرمان الشّفاعة، لقوله عليه الصّلاة والسّلام: مـن ترك سنّتي لم ينل شفاعتي أهـ.وفي التّحرير: أن تاركها يستوجب التّضليل واللّوم أهـ (ردّ المحتار على الدّرّ المختار :۱/ ۱۹۷، كتاب الطّهارة ، مطلب في السّنّة وتعريفها)

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

اور کیا اتباع اس کے کرنے میں ہے یا چھوڑنے میں؟ اور دوسری صورت میں کیا اس کا کرنا مکروہ ہے اس وجہ سے کہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں یا بلا کراہت جائز ہے؟ اور پہلی صورت میں کیا وہ مکروہ تنزیہی ہے یا مکروہ تحریمی؟ ہمیں واضح تفصیل سے بہرہ ور فرمائیں جیسا کہ فتویٰ کا طریق ہے۔

خلاصہ جواب: رفع یدین سے قطع نظر کرتے ہوئے اس جلسہ میں نفس دعا اُن امور میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں، جیسا کہ محدث دہلویؒ نے شرح سفر السعادۃ اور شرح مشکاۃ میں اس کی صراحت فرمائی ہے کہ: آنحضرت ﷺ دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے اور خاموش رہتے، اور اس وقت میں آنحضرت ﷺ سے دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا اور غایۃ الاوطار میں ہے: ''طحاوی فرماتے ہیں کہ اس جلسہ میں کوئی دعا آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں'' اور مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ ''اس وقت میں نفس دعا منقول نہیں؛ چہ جائیکہ رفع الیدین اھ فالاتّباع في تركه'' نیز غایۃ الاوطار شرح درمختار میں ہے کہ ''ہاتھ اٹھانا بھی درمیان خطبتین کے دعا کے واسطے غیر مشروع ہے'' اور جامع الخطیب میں ہے کہ ''ہاتھ اٹھانا درمیان خطبتین کے دعا کے واسطے حرام ہے''۔ پس ان سب عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جلسہ مذکورہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا غیر مشروع اور مکروہ تحریمی ہے۔

خطبۂ جمعہ کے شروع میں تعوذ وتسمیہ آہستہ پڑھے

سوال: (۲۳۶۷) خطبہ جمعہ یا عیدین کے افتتاح میں بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا سراً؟ (۳۲/۵۰۸-۱۳۳۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: و یبدء بالتّعوّذ سرًّا [1] شامی میں ہے: أي قبل الخطبة الأولی بالتّعوّذ سرًّا ثمّ بحمد اللّٰه و الثّناء علیه إلخ [1] جہر بسم اللہ کا ثابت نہیں ہے، لہٰذا جہراً بسم اللّٰہ نہ پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۶/۵)

سوال: (۲۳۶۸) خطبۂ جمعہ کے شروع میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ جہر سے پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ (۹۰۲/۱۳۳۵ھ)

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۰/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطیب: قال اللّٰه تعالیٰ: أعوذ باللّٰه من الشّیطان الرّجیم.

الجواب: خطبہ کے شروع میں اعوذ اور بسم اللہ جہر سے نہ کہے[1] فقط واللہ اعلم (۴۴/۵)

سوال: (۲۳۶۹) خطبہ جمعہ یا عید کے شروع میں بسم اللہ بہ آواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟

(۱۳۴۱/۱۶۶۴ھ)

الجواب: کسی خطبہ سے پہلے بسم اللہ بہ جہر نہ پڑھے، بلکہ آہستہ پڑھے، عند الحنفیہ یہی سنت ہے، اور جہر کرنا خلافِ سنت ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۲/۵)

سوال: (۲۳۷۰) جمعہ کے روز خطبہ کے اوّل بہ آواز بلند اعوذ اور بسم اللہ منبر پر پڑھنا کیسا ہے؟ (۹۸۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: خطبہ سے پہلے جہراً اعوذ اور بسم اللہ نہ پڑھے، یہ منقول اور معمول نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: ویبدء بالتّعوّذ سرًّا إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۶/۵)

بہ وقت خطبہ تعوذ وتسمیہ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟

سوال: (۲۳۷۱) خطبہ کے شروع میں اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟

(۷۰۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جہراً اعوذ باللہ و بسم اللہ کا پڑھنا اس جگہ ثابت نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ: عزیز الرحمٰن (۱۷۹/۵)

خطبہ کی جگہ قرآن کا رکوع پڑھنا کافی ہے

سوال: (۲۳۷۲) اگر بجائے خطبہ کے کوئی قرآن شریف کا رکوع پڑھ دیا جاوے تو جمعہ درست ہے یا نہیں؟ (۲۷۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درّمختار میں ہے: وکفت تحمیدة أو تهليلة أو تسبيحة إلخ[2] یعنی خطبہ

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲۰/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالىٰ: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب، قبيل مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالىٰ: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم.

کے لیے کافی ہے ایک دفعہ الحمد للہ پڑھنا یا لآ إلٰہ إلاّ اللّٰہ پڑھنا، یا سبحان اللّٰہ پڑھنا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا رکوع پڑھنے سے خطبہ فرض ادا ہو جاتا ہے، لیکن اس پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے، سنت یہ ہے کہ دو خطبے پڑھے جاویں۔ ویسنّ خطبتان [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵/۵)

جمعہ میں خطبہ مختصر ہونا چاہیے اور قراءت مسنون

سوال: (۲۳۷۳) قراءت طویل ہونی چاہیے یا خطبہ؟ (۱۳۳۸/۹۸۱ھ)

الجواب: خطبہ مختصر ہونا چاہیے اور قراءت موافق سنت کے ہونی چاہیے جیسے سورۂ سبّح اسم ربّك الأعلیٰ وغیرہ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۲/۵)

خطبہ طویل اور سورتیں مختصر پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۷۴) نماز جمعہ سے پہلے ایک شخص نے خطبہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ پڑھا، اور پہلی رکعت میں بعد سورۃ الحمد کے سورۂ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ پڑھی اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد وَالْعٰدِیٰتِ پڑھی، ایک شخص کہتا ہے کہ اس میں دو کراہت ہوئی: اوّل یہ کہ خطبہ طویل پڑھا اور سورتیں مختصر دوسری کراہت یہ ہوئی کہ پہلی رکعت میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ پڑھی جو چھوٹی سورت ہے اور دوسری میں وَالْعٰدِیٰتِ پڑھی جو طویل ہے؛ کیا اس کا بیان درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۷۰۸ھ)

الجواب: في الحدیث: إنَّ طُولَ صلاةِ الرّجل وقِصَرَ خطبتهٖ مَئِنَّةٌ من فقههٖ، فأطیلوا الصّلاةَ وأقصروا الخطبةَ، وإنّ من البیان سحرًا، رواہ مسلم [3] (مشکاۃ) وفي الدّرّ المختار:

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب، قبیل مطلب في قول الخطیب: قال اللّٰہ تعالیٰ: أعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم.

(۲) ویسنّ خطبتان خفیفتان وتکرہ زیادتهما علیٰ قدر سورة من طوال المفصّل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، قبیل مطلب في قول الخطیب: قال اللّٰہ تعالیٰ: أعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم) ظفیر

(۳) مشکاة المصابیح، ص: ۱۲۳، کتاب الصّلاة، باب الخطبة والصّلاة، الفصل الأوّل.

ویسنّ خطبتان خفیفتان وتکره زیادتهما علی قدر سورة من طوال المفصّل. في الشّامي: عبارة القهستاني : و زیادة التّطویل مکروهة انتهٰی (۱) وفي الدّرّ المختار : و إطالة الثّانية علی الأولٰی یکره تنزیهًا إجماعًا إن بثلاث آیات إن تقاربت طولاً وقصرًا وإلاّ اعتبر الحروف والکلمات ، واعتبر الحلبيّ فحشَ الطّول لا عددَ الآیات (۲) ان جملہ روایات کے مجموعہ سے واضح ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں کراہت نہیں ہوئی کیونکہ اگر چہ سورۂ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ کی آیات سورۂ وَالْعٰدِیٰتِ کی آیات سے کم ہیں وہ پانچ یا چھ ہیں، اور وَالْعٰدِیٰتِ کی آیات گیارہ ہیں؛ لیکن طولاً وقصراً برابر ہیں، سورۂ قدر کی آیات بہ اعتبار حروف کے زیادہ بڑی ہیں سورۂ وَالْعٰدِیٰتِ کی آیات سے، اور خطبہ میں بھی تطویل قدر مسنون سے زیادہ نہیں ہوئی، لہٰذا کچھ کراہت کسی وجہ سے نہیں ہوئی۔ فقط واللہ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

خطبہ یاد نہ ہو تو نمازِ جمعہ پڑھی جائے یا ظہر؟

سوال: (۲۳۷۵) اگر کسی مسجد میں خطبہ موجود نہ ہو اور نہ زبانی یاد ہو تو بغیر خطبہ نماز جمعہ پڑھی جاوے یا نماز ظہر پڑھی جاوے؟ (۱۳۳۷/۱۶۳۹ھ)

الجواب: خطبہ جو فرض ہے وہ ایک دفعہ سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر کہنے سے بھی ادا ہو جاتا ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بہ قدر تین آیت یا بہ قدر تشہد سے خطبہ ادا ہو جاتا ہے، پس اگر خطبۂ معروفہ یاد نہ ہو تو قدر مذکور پر اکتفاء کر کے جمعہ کی نماز ادا کی جائے (۳) اور جس جگہ

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۹/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة ، قبیل مطلب في قول الخطیب: قال اللّٰه تعالٰی: أعوذ باللّٰه من الشّیطان الرّجیم .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۳۳/۲، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب: السّنّة تکون سنّة عین و سنّة کفایة .

(۳) الشّرط الرّابع الخطبة وعلیه الجمهور إلخ ورکنها مطلق ذکر اللّٰه تعالٰی بنیّتها عند أبي حنیفة رحمه اللّٰه وعندهما ذکر طویل یسمّٰی خطبة إلخ، وسنّتها کونها خطبتین بجلسة بینهما تشتمل کلّ منهما علی الحمد والتّشهّد والصّلاة علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم، والأولٰی تلاوة آیة وعلی الوعظ أیضًا (غنیة المستملي، ص: ۴۷۸، فصل في صلاة الجمعة) ظفیر

جمعہ واجب ہے، یعنی شہر اور قصبہ اور قریہ کبیرہ میں جمعہ چھوڑا نہ جائے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۲/۵)

دوسرے خطبہ میں کیا پڑھنا چاہیے؟

سوال: (۲۳۷۶) خطبہ نماز جمعہ میں بعد جلسہ استراحت درمیانی کس قدر خطبہ پڑھنا چاہیے؟ اور اس میں کیا کیا مضامین ہوں؟ کیا صرف چند کلمات حمد اور ایک آیت قرآنی سے خطبہ ثانیہ پورا ہوجائے گا؟ اور کیا نعت حضور سرور عالم ﷺ و دُرود شریف و ذکر خلفاء کبار و اہل بیت کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و دعا مؤمنین کے ترک سے کچھ نقصان واقع نہ ہوگا۔ (۱۶۵۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ خطبہ اولیٰ میں اللہ کی حمد وثنا اور شہادتین اور درود شریف اور وعظ نصیحت وغیرہ کے مضامین ہونے چاہئیں، پھر لکھا ہے والثّانية كالأولٰى یعنی دوسرا خطبہ بھی مانند پہلے خطبہ کے ہے یعنی وہی امور اس میں بھی ہونے چاہئیں، لیکن بجائے وعظ وتذکیر کے دعا مسلمانوں کے لیے کی جاوے اور ذکر خلفاء راشدین وغیرہم کا بھی مستحب ہے (۲) فقط واللہ اعلم (۹۳/۵-۹۴)

خلفاءِ راشدین وآل اطہار کا ذکر خطبہ میں مستحب ہے

سوال: (۲۳۷۷) ایک شخص امام جمعہ خطبہ اولی میں حمد وثنائے ذات باری وخطبہ آخر میں آیاتِ قرآنی اور درود شریف پڑھے، ذکر آل اطہار اور صحابہ کبار نہیں کرتا، ایسی حالت میں نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ (۱۶۳۳/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) اعلم أنّ صلاة الجمعة فرض عين علٰى كلّ من استكمل شرائط وجوبها. (غنية المستملي، ص:۴۷۱، فصل في صلاة الجمعة) ظفیر

(۲) ويسنّ خطبتان خفيفتان إلخ ، ويندب ذكر الخلفاء الرّاشدين والعمَّين (الدّرّ المختار) قوله: (ويبدأ) أي قبل الخطبة الأولٰى بالتّعوّذ سرًّا ثمّ بحمد اللّٰه تعالٰى والثّناء عليه والشّهادتين ، والصّلاة على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم والعظة والتّذكير والقراءة ، قال في التّجنيس والثّانية كالأولٰى إلّا أنّه يدعو للمسلمين مكان الوعظ. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۳/۱۹-۲۰، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في قول الخطيب : قال اللّٰه تعالٰى: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم) ظفیر

الجواب: ذکر خلفاء راشدین وآل اطہار خطبہ میں مستحب ہے، اس کے ترک سے خطبہ تو ادا ہوجاتا ہے لیکن ترک مستحب لازم آتا ہے، بہتر یہ ہے کہ ذکر خلفاء راشدین اور آل اطہار بھی کرے۔ **قال في الدّرّ المختار: ويندب ذكر الخلفاء الرّاشدين والعمّين إلخ**[1] فقط (۵/۵۳)

خطبہ میں سلطان المعظم کا نام لینا درست ہے

سوال: (۲۳۷۸) سلطان المعظم کا نام لے کر خطبۂ جمعہ وعیدین میں اصلاح وترقی ونصرت علی الاعداء کی دعا کرنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۷۳۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ويندب ذكر الخلفاء الرّاشدين والعمّين لا الدّعاء للسّلطان، وجوّزه القهستانيّ ويكره تحريمًا وصفه بما ليس فيه إلخ**، اور شامی میں ہے: **بل لا مانع من استحبابه فيها كما يدعي لعموم المسلمين فإنّ في صلاحه صلاح العالم إلخ**[2] اس سے معلوم ہوا کہ دعائے مذکورہ جائز بلکہ مستحب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۴)

سوال: (۲۳۷۹) ایک امام مسجد خطبۂ ثانی جمعہ میں خلیفہ کا نام نہیں لیتا، ہمارے ساتھ ناحق جھگڑا کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس وقت کوئی خلیفہ نہیں ہے، اس صورت میں جو حکم شرعًا ہو، اس سے مطلع فرمائیں؟ (۶۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: خلیفۃ المسلمین یعنی سلطان المعظم کا نام خطبہ میں لینا چاہیے، اور ان کے لیے دعا نصرت وفتح کرنی چاہیے، یہ عین اسلامی خدمت ہے اور تمام عساکر اسلامیہ کے لیے فتح ونصرت کی دعا کرنی چاہیے، اور مسلمانوں کو حضرت سلطان المعظم کو اپنا خلیفہ سمجھنا ضروری ہے[3] اور یہ کہنا کہ اس وقت کوئی خلیفہ نہیں ہے غلط ہے، ایسی باتیں مسلمانوں کو کہنا اور افعال خلاف اسلام کرنا

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰-۲۱، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالٰى: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم.**

(۳) **أمّا ما اعتيد في زماننا من الدّعاء للسّلاطين العثمانيّة أيّدهم اللّٰه تعالٰى كسلطان البرّين والبحرين وخادم الحرمين الشّريفين فلا مانع منه. (ردّ المحتار: ۳/۲۱، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالٰى: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم)** ظفیر

اور کفار ونصاریٰ سے اختلاط وموالات رکھنا حرام ہے، اور ترکِ موالات ضروری اور لازمی اور فرض مذہبی ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۳/۵)

خطبہ جمعہ وعیدین میں مصطفیٰ کمال پاشا اور امیر امان اللہ کے لیے دعا کرنا درست ہے

سوال: (۲۳۸۰) خطبۂ جمعہ یا عیدین میں امیر کابل اور کمال پاشا وغیرہ کا نام لے کر دعا کرنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۱/۱۶۶۳ھ)

الجواب: خطبہ میں سلطان المعظم اور مصطفیٰ کمال پاشا وامیر امان اللہ صاحب کے لیے دعائیہ کلمات کہنا اور نام لینا درست اور مستحب ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۳/۵)

کسی ریاست کے فاسق رئیس کے لیے جمعہ کے خطبہ میں دعا کرنا درست نہیں

سوال: (۲۳۸۱) کسی ریاست کا رئیس جو صوم وصلاۃ واحکام شریعت کا پابند نہ ہو وہ بہ روز جمعہ خطبہ میں بجائے نام خلیفۃ المسلمین کے اپنا نام پڑھوائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۸۵۴ھ)

---

(۱) یہ ۱۳۴۰ھ کی بات ہے، اس زمانے میں خلیفۃ المسلمین ٹرکی میں تھے، اب یہ ۱۳۸۱ھ ہے۔ اب خلیفۃ المسلمین باقی نہ رہے۔ سلطان عبدالحمیدؒ کے بعد پھر کوئی ان کی جگہ خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے نہ بیٹھا، اس لیے ہمارے اس دور میں کسی کے نام لینے کی ضرورت نہیں، البتہ جب کبھی کوئی خلیفۃ المسلمین منتخب کرلیا جائے گا اس کا نام خطبہ میں لیا جاسکے گا۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) ويندب ذكر الخلفاء الرّاشدين والعمَّين لا الدّعاء للسّلطان، وجوّزه القهستاني ويكره تحريمًا وصفه بما ليس فيه (الدّرّ المختار) قوله: (وجوّزه القهستاني إلخ) عبارته : ثمّ يدعو لسلطان الزّمان بالعدل والإحسان متجنّبًا في مدحه عمّا قالوا إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۲۰-۲۱، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال اللّٰه تعالىٰ: أعوذ باللّٰه من الشّيطان الرّجيم) ظفير

الجواب: خطبہ میں سلطانِ اسلام وخلیفۃ المسلمین کے لیے دعا کرنا فقہاء نے لکھا ہے، اور یہ طریق جوسوال میں درج ہے کہ رئیس کے لیے دعا کرنا یہ جائز نہیں ہے[۱] باقی نماز وخطبہ ہوجاتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۰۹-۱۱۰)

رمضان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں الوداع یا رمضان پڑھنا جائز نہیں

سوال: (۲۳۸۲) رمضان شریف میں آخری جمعہ کو ایسا خطبہ پڑھنا جس میں الفاظ الفراق یا الوداع یا شهر رمضان جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۵۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسا خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے، علماء نے اس سے منع فرمایا ہے، اور اس کو شعار روافض کا لکھا ہے[۲] فقط واللہ اعلم (۵/۹۶)

سوال: (۲۳۸۳) خطبہ جمعۂ اخیرۂ رمضان المقدس جو کلمات حسرت وافسوس الــــوداع الوداع اور الفراق الفراق پر مشتمل ہے؛ یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۶۷۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ثابت نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۰)

سوال: (۲۳۸۴) رمضان شریف کے اخیر جمعہ میں الوداع پڑھنا خطبہ میں کیسا ہے؟ (۱۶۳۲/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: خطبۃ الوداع اخیر رمضان المبارک میں ثابت نہیں ہے، اور پڑھنا اس کا مناسب نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۳)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) ومن الأمور المحدثة ماذاع في أكثر بلاد الهند والدّكن وغيرهما من تسميّة خطبة الجمعة الأخيرة بخطبة الوداع ، وتضمينها جملاً دالّة على التّحسّر بذهاب ذلك الشّهر، فيدرجون فيها جملًا دالّة على فضائل ذلك الشّهر، ويقولون بعد جملة أو جملتين: الوداع والوداع ، أو الفراق والفراق لشهر رمضان، أو الوداع والوداع يا شهر رمضان ، ونحو ذلك من الألفاظ الدّالّة على ذلك . (مجموعة رسائل اللكنوي(ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعة رمضان)۲/۳۶۹، المطبوعة: إدارة القرآن والعلوم الإسلاميّة ،كراتشي)

دروازہ میں کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۳۸۵) اگر خطیب دروازۂ مسجد میں کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے کہ مقتدی اور سامعین امام کی پشت کی طرف بھی ہوں تو جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۶/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ خلاف سنت ہے حکم یہ ہے کہ بہ وقت خطبہ مقتدیان خطیب کے سامنے ہوں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۹/۵)

منبر کو دیوارِ قبلہ سے ہٹا کر رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۸۶) یہاں پر نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی غرض سے اور آواز دور پہنچانے کی غرض سے ممبر دیوار قبلہ سے ہٹا کر رکھا جاتا ہے جس صورت میں بعض صفوف خطیب کے پس پشت ہوجاتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۸۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: سنت یہ ہے کہ بہ روز جمعہ منبر محراب کے پاس ہو اور خطیب اس پر کھڑا ہوکر خطبہ پڑھے اور مقتدیان اس کے سامنے ہوں۔ کما في البدائع : و من السّنّة أن يستقبل النّاس بوجهه ويستدبر القبلة انتهى (۲) پس بہ وجہ ضرورت سنانے لوگوں کے اس سنت کو ترک نہ کرنا چاہیے کہ سب کا سننا ضروری نہیں ہے، اور کثرتِ نمازیان کی صورت میں سب کو سنانا دشوار ہے۔ فقط واللہ اعلم (۱۰۰/۵-۱۰۱)

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يخطب خطبتين كان يجلس إذا صعد المنبر، الحديث. وعن عبد الله مسعود رضي الله عنه قال كان النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم إذا استوى على المنبر استقبلناه بوجوهنا، رواه التّرمذيّ. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۲۴، كتاب الصّلاة ، باب الخطبة و الصّلاة ، الفصل الثّاني) ظفیر

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲۰/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في قول الخطيب : قال اللّه تعالىٰ : أعوذ باللّه من الشّيطان الرّجيم .

إذا جلس على المنبر (الدّرّ المختار) ومن السّنّة أن يخطب عليه اقتداء به صلّى الله عليه وسلّم، بحر، وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني. (الدّرّ المختار والرّدّ: ۳۶/۳ كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب) ظفیر

کسی کی تعظیم کی غرض سے خطبہ بند کرنا درست نہیں

سوال: (۲۳۸۷) امام نے بہ حالت خطبہ خطبہ بند کر کے کسی کی تعظیم کی اور اس کو ممبر پر چڑھا دیا، پھر خطبۂ ما بقي ادا نہیں کیا نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۶۹۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز ہوگئی (۱) مگر آئندہ ایسا کرنا نہ چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۴)

خطبہ قطع کر کے گرتے ہوئے کو اٹھانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۸۸) آنحضرت ﷺ نے خطبہ کی حالت میں حضرت حسن وحضرت (۲) حسین رضی اللہ عنہما کو گرتے دیکھ کر خطبہ قطع کر کے ان کو اٹھایا اب ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱۳۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ خصوصیت ہے آنحضرت ﷺ کی، یا یہ کہ ایسی حالت ہو کہ اندیشہ ہے بچہ کے چوٹ لگنے کا تو ایسی حالت میں اب بھی خطیب کو ایسا کرنا درست ہے؛ جیسا کہ درمختار میں بعض مواقع میں نماز کے قطع کر دینے کا حکم ہے۔ **ويجب القطع لنحو إنجاء غريق أوحريق إلخ** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۵)

---

(۱) كفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة ، وقالا : لا بدّ من ذكر طويل إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۹، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۲) مطبوعہ فتاوی اور رجسٹر نقول فتاوی میں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے پہلے (حضرت) کی جگہ ''امام'' تھا؛ ہم نے اس کو بدلا ہے۔۱۲

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۴۰، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، قبيل مطلب: قطع الصّلاة يكون حرامًا ومباحًا ومستحبًّا و واجبًا)

ويباح قطعها لنحو قتل حيّة (إلى قوله) ويجب لإغاثة ملهوف وغريق وحريق إلخ . (الدّرّ المختارمع ردّ المحتار: ۲/ ۳۶۸-۳۶۹، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، قبيل مطلب في أحكام المسجد)

بہ وقتِ خطبۂ جمعہ پنکھے سے ہوا کرنا اور ننگے سر بیٹھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۸۹) بہ وقت خطبۂ جمعہ پنکھا ہلانا اور ننگے سر بیٹھنا درست ہے یا نہ؟
(۲۳۸۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ اچھا نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۲/۵)

سوال: (۲۳۹۰) خطبۂ جمعہ کے وقت سامعین کو چارزانوں بیٹھنا یا پنکھے سے ہوا کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۶۴۰ھ)

الجواب: ایسا کرنا اچھا نہیں ہے[۲] خطبہ کے وقت سوائے سننے خطبہ کے اور کسی کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۳/۵)

سوال: (۲۳۹۱) جمعہ کا خطبہ شروع ہوجانے کے بعد پنکھا کرنا جائز ہے یا نہیں؟
(۱۳۳۳-۳۲/۱۵۷ھ)

الجواب: خطبہ کی حالت میں چپ چاپ ساکت رہنا اور سننا خطبہ کا ضروری ہے، حدیث شریف میں وارد ہے: **من مسَّ الحصى فقد لغا**[۳] کہ جس نے کنکریوں کو ہاتھ لگا دیا اس نے بھی لغو کیا اور ثواب سے محروم رہا، پس حالت خطبہ میں پنکھا کرنا اسی وجہ سے منع لکھا گیا ہے، اور درمختار میں ہے: **وكلّ ما حرم في الصّلاة حرم فيها**[۴] اور جو چیز حرام ہے نماز میں حرام ہے خطبہ میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۴/۵)

---

(۱) وكلّ ما حرم في الصّلاة حرم فيها أي في الخطبة ، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيحًا أو ردّ سلام أو أمر بمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت بلا فرق بين قريب وبعيد (الدّرّ المختار) ظاهره أنّه يكره الاشتغال بما يفوت السّماع وإن لم يكن كلامًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۲/۳-۳۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفير

(۲) یعنی پنکھے سے ہوا کرنا اچھا نہیں، مگر چارزانوں بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ محمد امین پالن پوری

(۳) مشكاة المصابيح ، ص:۱۲۲، كتاب الصّلاة ، باب التّنظيف والتّبكير ، الفصل الأوّل .

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة .

خطبہ کی حالت میں امام کو پیسے دینا درست نہیں

سوال: (۲۳۹۲) جب امام خطبہ پڑھتا ہے تو بعض آدمی ممبر پر امام کے لیے دوآنہ یا چارآنہ یا روپیہ وغیرہ پھینکتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اور امام کو اس کا لینا جائز ہے یا کیا؟ (۴۸۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: خطبہ کی حالت میں یہ فعل ناجائز ہے، اور روکنا ان لوگوں کو اس حرکت سے لازم ہے[1] باقی امام کے حق میں اس کا لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۵/۵)

مؤذن کا خطیب کو بعض جملے پڑھ کر عصا دینا درست نہیں

سوال: (۲۳۹۳) علاقہ مدراس کی چند بستیوں میں یہ عادت مستمرہ ہے کہ مؤذن بہ روز جمعہ قبل از خطبہ ہاتھ میں عصا پکڑے ہوئے یہ الفاظ پڑھتا ہے: **الجمعة عيد للفقراء والمساكين، قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم: إذا صعد الخطيبُ المنبرَ فلا صلاة ولا كلام ولغى إلخ،** بعد اس کے مؤذن خطیب کے ہاتھ میں عصا پکڑواتا ہے، اس کو بعض علماء منع کرتے ہیں، اور بدعت سیئہ کہتے ہیں، اور بعض جائز ومستحب کہتے ہیں۔ بینوا توجروا (۳۰۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس کے متعلق علامہ شامی نے آخر میں یہ لکھا ہے: **أقول: كون ذلك متعارفًا لا يقتضي جوازه عند الإمام القائل بحرمة الكلام ولو أمرًا بمعروف أو ردّ سلام استدلالاً بما مرّ، ولا عبرة بالعرف الحادث إذا خالف النّصّ إلخ**[2] اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت ارجح ہے، پس قول مانعین صواب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶/۵)

خطیب کا بہ وقت خطبہ عصا لینا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۹۴) خطیب کو جمعہ کے وقت لاٹھی لینا کیسا ہے؟ بعض مکروہ کہتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ سنت ہے، جواب بہ حوالہ کتاب ہونا چاہیے۔ (۱۷۸۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں آچکا ہے۔
(۲) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳۴/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب.**

الجواب: درمختار میں ہے خلاصہ سے: **و یکرہ أن یتّکي علیٰ قوسٍ أو عصا إلخ** [۱] اور شامی میں ہے: حدیث سے تکیہ لگانا عصا یا قوس پر ثابت ہے، اور قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے کہ لینا عصا کا سنت ہے [۲] پس شاید تطبیق کی یہ صورت ہو کہ ضرورت ہو تو لاٹھی ہاتھ میں رکھ لے کچھ حرج نہیں ہے، اور اگر ضرورت نہ ہو تو نہ لیوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۶۵-۶۶)

خطبہ کے وقت عصا لینا مکروہ نہیں

سوال: (۲۳۹۵) خطیب کو بہ وقت خطبہ پڑھنے کے عصا لینا مسنون ہے یا مکروہ؟ درمختار میں مکروہ لکھتے ہیں، حدیث شریف سے سنت ہونا معلوم ہوتا ہے؛ تطبیق کی کیا صورت ہے؟
(۶۱۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں خلاصہ سے **کراھة اتّکاء علی القوس أو العصا** [۳] نقل کی ہے؛ لیکن حلبہ میں اس کو بہ وجہ مخالفت حدیث رد کر دیا ہے، اور قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے: **إن أخذ العصا سنّة کالقیام** [۳] پس شامی وغیرہ کی تحقیق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اخذِ عصا کو مکروہ نہ کہنا چاہیے، اور تطبیق کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے جو علامہ مجد الدین فیروز آبادی سے سوال میں منقول ہے کہ منبر بننے سے پہلے عصا کا لینا ثابت ہے، پھر بعد منبر بننے کے متروک ہو گیا [۴] بعض فقہاء نے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۸، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة، قبیل مطلب إذا شرّك في عبادته فالعبرة للأغلب.

(۲) قوله: (وفي الخلاصة) استشکله في الحلبة: بأنّه في روایة أبي داوٗد أنّه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قام: أي في الخطبة متوکّئًا علی عصا أو قوس، أھـ. ونقل القهستاني عن عید المحیط: أنّ أخذ العصا سنّة کالقیام. (ردّ المحتار: ۳/۳۸، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعة، قبیل مطلب إذا شرّك في عبادته إلخ) ظفیر

(۳) حوالے کی تخریج سابقہ حاشیہ میں آچکی ہے۔

(۴) رجسٹر میں اسی طرح ہے، غالباً سوال نقل کرنے میں اختصار کیا گیا ہے۔

علامہ مجد الدین کی اصل عبارت یہ ہے: **ولم یکن یأخذ السّیف والحربة بیده، بل کان یعتمد علی القوس أو العصا، وھذا قبل اتّخاذ المنبر، وأمّا بعد اتّخاذ المنبر فلم یحفظ أنّهٗ اعتمد علی العصا، ولا علی القوس ولا علی غیر ذٰلك إلخ. (سفر السّعادة، ص:۹۵، باب في صلاۃ الرّسول فصل في الخطبة النّبویّة في یوم الجمعة، المطبوعة: مرکز الکتاب للنّشر، قاھرة)** محمد امین

اسی بناء پر مکروہ کہا ہوگا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۸/۵)

خطبہ کے وقت عصا لینا سنت غیر مؤکدہ ہے

سوال: (۲۳۹۶) جب بعد بن جانے منبر کے لاٹھی پر سہارا دے کر خطبہ پڑھنا منقول نہیں تو یہ سنت کیوں ہے؟ (۲۹/۱۷۱-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جب آنحضرت ﷺ نے لاٹھی پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا تو سنت ہوگیا، کسی چیز کے سنت ہونے کے لیے مواظبت شرط نہیں، اور جس سنت پر ہمیشگی ہو وہ سنت مؤکدہ ہو جاتی ہے۔ فقط کتبہ: رشید احمد[۲] الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ (۱۷۸/۵)

جمعہ کے خطبہ سے پہلے وعظ درست ہے

سوال: (۲۳۹۷) گاؤں میں جامع مسجد میں قبل نماز جمعہ وعظ کہنا مکروہ ہے یا نہ؟ اور وأن لا يتحلّق النّاس يوم الجمعة قبل الصّلاة في المسجد[۳] کا کیا مطلب ہے؟ (۱۱۰۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر وقت میں گنجائش ہے اور کچھ ضرورت ہے تو قبل نماز جمعہ وعظ کہنا مکروہ نہیں ہے، اور اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ نماز جمعہ سے پہلے مسجد میں نمازی حلقہ باندھ کر نہ بیٹھیں

(۱) امداد الفتاویٰ میں ہے: ''اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ (خطبہ کے وقت عصا لینا) فی نفسہ سنت ہے، مگر غیر مؤکدہ، اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے''۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۶۸۱-۶۸۲، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ والعیدین، عصا گرفتن بوقت خطبہ، مطبوعہ: زکریا، دیوبند) محمد امین پالن پوری

(۲) ''کتبہ: رشید احمد'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاویٰ ہیں، رجسٹر نقول فتاویٰ سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاویٰ پر ہیں کوئی ناقل فتاویٰ ہے''۔

(۳) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه قال: نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : عن تناشد الأشعار في المسجد وعن البيع والاشتراء فيه وأن يتحلّق النّاس يوم الجمعة، الحديث رواه أبوداؤد والتّرمذيّ. (مشكاة المصابيح، ص:٧٠، كتاب الصّلاة، باب المساجد ومواضع الصّلاة، الفصل الثّاني)

(بلکہ صف باندھ کر متوجہ الی القبلہ بیٹھیں)(۱) اور جس وقت خطبہ شروع ہو اس وقت خطبہ سنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۹۸/۵)

سوال: (۲۳۹۸) کیا جمعہ کی جماعت سے پہلے وعظ درست ہے؟ (۹۸۱/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر کوئی ضروری مسئلہ بتلانا ہے یا کوئی ضرورت شرعی ہے تو نماز اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے بیان کر دینا درست ہے، مگر خطبہ کے درمیان میں نہ کہے کہ خطبہ تمام عربی میں ہونا سنت ہے۔ (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

جمعہ کے دن سنت کی ادائیگی کے وقت وعظ کہنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۳۹۹) ایک مولوی صاحب قبل از نماز جمعہ بہ وقت ادائیگی سنت وعظ فرمایا کرتے ہیں جس سے سنت پڑھنے والوں کو دقت ہوتی ہے، ایسی حالت میں سنت ادا کریں یا وعظ سنیں؟ (۳۲/۷۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایسے وقت میں کہ نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو اور بعض لوگ سنتوں سے رہ جاویں وعظ کہنا ہی نہ چاہیے کیوں کہ فقہاء یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر یا تلاوت قرآن بالجہر سے اگر نمازیوں کی نماز میں کچھ خلل واقع ہو تو اس طرح ذکر اللہ وغیرہ نہ کرنا چاہیے (۲) **فما ظنّکم بالوعظ ؟!** الغرض اوّل تو ایسے وقت میں واعظ کو وعظ ہی نہ کہنا چاہیے اور اگر وہ وعظ کو نہ چھوڑے تو سنت قبل جمعہ کو جو کہ سنت مؤکدہ ہیں نہ چھوڑیں ضرور پڑھیں (۳) فقط واللہ اعلم (۱۵۷/۵-۱۵۸)

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ویکرہ .... ورفع صوت بذکر (الدّرّ المختار) أجمع العلماء سلفًا وخلفًا علی استحباب ذکر الجماعة في المساجد وغیرها إلاّ أن یشوّش جهرهم علی نائم أومصلّ أو قاريء إلخ. (الشّامي: ۳۷۵/۲-۳۷۷، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة و ما یکره فیها مطلب في رفع الصّوت بالذّکر)

(۳) وسنّ مؤکّدًا أربع قبل الظّهر وأربع قبل الجمعة (الدّرّ المختار) ولهٰذا کانت السّنّة المؤکّدة قریبة من الواجب في لحوق الإثم .... ویستوجب تارکها التّضلیل واللّوم . (الدّر المختار وردّ المحتار: ۳۹۲/۲، کتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل) ظفیر

جمعہ کے خطبہ میں اردو فارسی پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۲۴۰۰) خطبۂ جمعہ میں قرآن شریف کا وعظ جائز ہے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ کا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا معمول تھا؟ (۳۲۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: خطبۂ جمعہ میں وعظ کہنا (صحابہ)[1] رضوان اللہ علیہم اجمعین کا دستور اور طریق نہ تھا، یعنی سوائے عربی زبان کے خطبہ میں دوسری زبان داخل نہیں ہوئی، لہٰذا اردو فارسی پڑھنا خطبہ میں مکروہ ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸/۵)

اردو زبان میں خطبہ مکروہ ہے

سوال: (۲۴۰۱) ایک دو دفعہ جناب کو در بارۂ اردو نظم وغیرہ خطبہ تکلیف دی، مگر اس طرف کسی نے توجہ نہیں کی، خاص اشخاص سے کہا گیا انہوں نے فرمایا کہ بڑے بڑے عالم خود کرتے ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حدیث نبوی یقرء القرآن ویذکر النّاس ہے[3] اور مظاہر حق ترجمہ مشکاۃ میں اس کے ترجمہ اور تشریح میں صاف لکھا ہے کہ غیر عربی زبان میں نصیحت خطبہ میں درست ہے، اور عیدین کے خطبہ میں حکم ہے کہ احکام قربانی اور عید الفطر سمجھائے جائیں[4] اور یہ بغیر ملک کی زبان کے ممکن نہیں۔ (۱۶۲۴/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) لایشترط کونها بالعربیة فلو خطب بالفارسیّة أو بغیرها جاز کذا قالوا، والمراد بالجواز هو الجواز في حقّ الصّلاة بمعنی أنّه یکفي لأداء الشّرطیّة ، وتصحّ بها الصّلاة لا الجواز بمعنی الإباحة المطلقة فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغیر العربیّة خلاف السّنّة المتوارثة من النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم والصّحابة رضي اللّٰه عنهم فیکون مکروهًا تحریمًا إلخ. (عمدة الرّعایة علی هامش شرح الوقایة:۱/۲۰۰،کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، رقم الحاشیة:۲)

(۳) عن جابر بن سمرة رضي اللّٰه عنه قال: کانت للنّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم خطبتان، یجلس بینهما یقرأ القرآن ویُذکّر النّاس، الحدیث، رواه مسلم (مشکاة المصابیح، ص:۱۲۳ کتاب الصّلاة ، باب الخطبة و الصّلاة ، الفصل الأوّل)

(۴) مظاہر حق میں اس حدیث کی تشریح میں یہ عبارت نہیں ہے۔۱۲

الجواب: خطبہ چونکہ سوائے عربی زبان کے اور کسی زبان میں سلف سے ثابت نہیں ہوا، اس لیے غیر زبان عربی کو اس میں محققین نے مکروہ و بدعت کہا ہے، اور عید الفطر و عید الاضحیٰ میں چونکہ احکام عیدین بتلانے مقصود ہوتے ہیں تو وہ خارج عن الخطبۃ سمجھے جاتے ہیں گویا خطبہ عربی کا علیحدہ ہو گیا، اور یہ احکام خطبہ سے علیحدہ بتلائے جاتے ہیں، اور خطبۂ جمعہ کے اندر حیثیت نماز کی بھی ملحوظ ہوتی ہے، اور نماز میں ترجمہ قرآن شریف کا صحیح اور معتبر مذہب اور راجح قول کے موافق درست نہیں ہے، اور قول ضعیف و مرجوح کا اعتبار نہیں ہے، بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے مختلف فیہ امر میں احتیاط کی جاوے، اور غیر عربی کو ترک کیا جاوے، باقی جیسا کوئی کرے اس کی رائے ہے، دوسروں پر حجت نہیں ہے[1] (نماز ہر دو صورت درست ہوگی۔ ظفیر) (۵/۵۲-۵۳)

بنگلہ زبان میں خطبہ مکروہ ہے

سوال: (۲۴۰۲) بعض مسلمان حاکموں کی طرف سے بنگلہ زبان میں خطبہ شائع ہوا ہے جس کو کہیں بہ زور حکومت دباؤ ڈال کر جاری کر رہے ہیں، اور کبھی خطیب کو ہٹا کر خود امام بن جاتے ہیں تو ایسی صورت میں خلاف سنت ہونے کے سوا مصالح دینیہ کے لحاظ سے کیا خرابی ہوگی؟

(۸۸۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اگر تمام خطبہ بنگلہ زبان میں ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، صاحبینؒ کی روایت میں بلا عجز عن العربی خطبہ صحیح نہ ہوگا، اور جب کہ خطبہ صحیح نہ ہوگا تو نماز جمعہ نہ ہوگی کیوں کہ خطبہ شرائطِ نماز جمعہ میں سے ہے، اور اگر اصل خطبہ عربی میں رہے اور اس کو پڑھ کر بنگلہ میں ترجمہ

---

(۱) لا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسيّة أو بغيرها جاز كذا قالوا، والمراد بالجواز هو الجواز في حقّ الصّلاة بمعنى أنّه يكفي لأداء الشّرطيّة، وتصحّ بها الصّلاة لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغير العربيّة خلاف السّنّة المتوارثة من النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم والصّحابة رضي الله عنهم فيكون مكروهًا تحريمًا إلخ. (عمدة الرّعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲)

کیا جاوے تو یہ بھی خلاف سنت اور مکروہ ہے۔ کما حققہ الشّیخ ولي اللّٰہ الدّھلويّ في المسوّی والمصفّی شرح الموطّا (۱) درمختار میں ہے: وشرطا عجزہ وعلٰی ھذا الخلاف الخطبة وجمیع أذکار الصّلاة، وفي ردّ المحتار: وعلٰی ھذا الخلاف لو سبّح بالفارسیّة في الصّلاة أو دعا إلخ أي یصحّ عندہ لکن سیأتي کراھة الدّعاء بالأعجمیّة إلخ (۲) (۱/ ۳۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۱۸-۱۱۹)

خطبہ میں بہ قدر ضرورت عربی پڑھ کر اردو میں وعظ کہنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۴۰۳) خطبۂ جمعہ عربی میں مختصر پڑھ کر اردو یا اور کسی ملکی زبان میں وعظ کہنا کیسا ہے؟ اکثر علماء حنفی وعظ خطبہ میں کہتے ہیں؟ (۸۸۱/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: خطبہ تمام عربی میں ہونا سنت ہے، اور یہ امر کہ کچھ خطبہ عربی کا پڑھ کر پھر اردو میں بہ طریق وعظ خطبہ کے اندر کچھ کہنا خلاف سنت اور بدعت ہے، سلف سے ایسا ثابت نہیں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ نے مصفّٰی شرح موطا میں لکھا ہے (۳) کہ صحابہؓ باوجودیکہ بلادِ عجم میں تشریف لے گئے مگر خطبہ سوائے عربی زبان کے اور کسی زبان میں مخاطبین کے سمجھانے کے لیے نہیں پڑھا، پس عمل مستمر صحابہ رضی اللہ عنہم کا دلیل ہے اس کی کہ تمام خطبہ عربی میں ہونا چاہیے۔ فقط (۵/ ۷۷)

خطبہ کا ترجمہ ساتھ ساتھ پڑھ کر سنانا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۴۰۴) کیا عربی خطبہ کا ترجمہ ساتھ ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۹۸۱/ ۱۳۳۸ھ)

---

(۱) وعربی بودن نیز بہ جہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند الخ (مصفی ومسوی: ۱/ ۱۵۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبع فاروقی دہلی)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۶۱-۱۶۲، کتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب الفارسیة خمس لغات.

(۳) وعربی بودن نیز بہ جہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند الخ (مصفی ومسوی: ۱/ ۱۵۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبع فاروقی دہلی)

الجواب: جائز نہیں بلکہ مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ فقط (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

غیر عربی خطبہ میں اختلاف

سوال: (۲۴۰۵)......(الف) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ بعد نماز صبح **الصّلاة والسّلام عليك يا رسول الله** مل کر پڑھنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ ذکر ہے، اور بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مجھ پر صبح کو بہت درود بھیجو زور سے۔

(ب) بعد سنت ونفل بھی جمع ہوکر دعا مانگنا اس طرف مروج ہے، جناب نے التزام مالا یلزم اس کو آگے فرمایا ہے[1]

(ج) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خطبہ میں آیت یا حدیث کے معنی بیان کرنا اور لوگوں کو سمجھانا درست ہے، جناب والا کے فتاوی بھی ان کو دکھلائے، مگر وہ فرماتے ہیں کہ مسوی مصفی شرح موطا حدیث کی کتاب ہے، ہم کو کسی فقہ کی کتاب کا حوالہ چاہیے، شامی وغیرہ میں جواز لکھتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بلاد عجم میں اور صحابہؓ کا کہاں کہاں پڑھا گیا، اور خطبہ میں نماز کی شان نہیں ہے، شامی جلد اوّل صفحہ: ۳۵۷ میں بہ حوالہ درمختار درج ہے: **وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصّلاة**[2] اور خطبہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بتمامہ ہر زبان میں جائز ہے (بغیر عجز) **خلافًا لصاحبيه، وقال الشّامي: بل سيأتي ما يفيد الاتّفاق على أنّ العجز غير شرط**[2] اس کا مطلب کیا ہے؟ اور عجم میں خطبہ کون سا پڑھا گیا ہے اور کہاں؟ (۱۵۳۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف-ب) اس کی کچھ اصل نہیں ہے کہ مجھ پر درود بھیجو صبح کو زور سے الخ، اور اس طرح کے جہر کو بہ ہیئت اجتماعیہ علماء وفقہاء نے منع لکھا ہے، باقی ایسے امور میں اسی قدر ہوسکتا ہے کہ خود شریک نہ ہو اور علاحدہ اپنا درود وظیفہ پڑھے، دوسرے لوگ جو عادی اس فعل کے ہیں وہ رک نہیں سکتے کیونکہ ان کو بھی گنجائش بعض روایات سے نکل آتی ہے، مگر وہ روایات خود **لا بأس** وغیرہ

---

(۱) سوال میں (الف اور ب) کی عبارت اور ان کے جواب رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۶۱/۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب الفارسية خمس لغات.**

الفاظ کے ساتھ ہوتی ہیں جو کراہت کی طرف مشیر ہیں، بہر حال ایسی اختلافی حالت میں احوط مسلک ہمارے حضرات کا ہے کہ اس میں شبہ سے بھی احتراز ہے، اور یہی حال ہے مسئلہ نمبر (ب) و (ج) کا کہ اس میں بھی ہمارے حضرات کا مسلک احوط ہے کہ وہ دعا ایک دفعہ ہی مانگتے ہیں، نوافل وسنن کے بعد دوبارہ دعا مانگنا بعض روایات سے ممنوع ہے، پس ایسے مختلف فیہ امر میں بھی احوط یہ ہے کہ شبہ کو چھوڑا جاوے، حدیث شریف میں ہے: دع مـا يريبك إلٰى ما لا يريبك (۱) یعنی جس میں شک ہو، اس کو چھوڑ واور بلا شبہ امر کو اختیار کرو۔

(ج) خطبہ کے ترجمہ میں بھی یہی بات ہے کہ اگر ترجمہ نہ کیا جاوے تو اس میں بالاتفاق کچھ شبہ نہیں اور ترجمہ کرنے میں اختلاف ظاہر ہے، ہم لوگ فقہاء کے کلام سے کراہت سمجھتے ہیں، اور خلاف عمل صحابہ کو بدعت جانتے ہیں آج کل کے بعض لوگ اس کو نہیں مانتے، اور عبارت: وعلٰى هٰذا الخلاف الخطبة إلخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلاف صحت وعدم صحت میں ہے، کراہت وعدم کراہت میں نہیں ہے، چنانچہ شامی میں صحت کی تصریح کر کے کراہت کی تصریح کردی۔ وعلٰى هٰذا لخلاف لـو سبّح بالفارسية في الصّلاة أودعا أوأثنٰى على اللّٰه تعالٰى ـــــ إلى أن قال: ـــــ أي يصحّ عنده لكن سيأتي كراهة الدّعاء بالأعجميّة (۲) (صفحہ: ۳۲۵، جلد اوّل) اور اس دوسرے موقع پر صاف کہہ دیا: والظّاهر أنّ الصّحّة عنده لا تنفي الكراهة إلخ (۳) (صفحہ: ۳۵۰، جلد اوّل في شرح قوله: (ودعا بالعربية) الغرض اگر غور کیا جاوے اور تجسس کیا جاوے گا تو کلام فقہاء سے کراہت ترجمہ اردو و فارسی کی ثابت ہو جاوے گی، اور اگر نہ ہو تو ہمارے لیے

---

(۱) عن أبي الحوراء السعدي قال: قلتُ لحسن بن علي رضي اللّٰه عنهما: ما حفظتَ من رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم؟ قال: حفظتُ من رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: دع مايريبك إلى مالايريبك، فإن الصدق طمانينة وإن الكذب ريبة. (جامع الترمذي: ۲/۷۸، أبواب الزهد عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم، باب منه)

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۱۶۲، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب الفارسية خمس لغات.

(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۲۰۷، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في الدّعاء بغير العربية.

حضرت شاہ ولی اللہ کا لکھ دینا بھی کافی ہے، کوئی اگر نہ مانے تو وہ جانے، مگر یہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ خطبہ عربی میں بلا ترجمہ بلا شبہ و بلا اختلاف جائز بلا کراہت ہے، اور ترجمہ کرنے میں شبہ کراہت کا ان کو بھی رہے گا، جو کہ راجح عدمِ کراہت کو جانتے ہیں، بہر حال خطبہ کی صحت میں تو کچھ تامل نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۶۰-۶۲)

غیر عربی خطبہ کے بارے میں امام اعظمؒ کے قول کی وضاحت

سوال: (۲۴۰۶) امام اعظم جو بلا عذر زبان عربی کے سواء دوسری زبان میں خطبہ پڑھنے کو جائز فرماتے ہیں، یہ حدیث کے مخالف ہے؛ اس سے کیا مراد ہے؟ (۱۳۳۸/۶۷۸ھ)

الجواب: امام صاحب کی مراد ادا مع الکراہۃ ہے۔ کما صرّح به الفقهاء[1] فقط (۵/۹۰)

اردو نظم و نثر میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۲۴۰۷) خلاصۂ سوال یہ ہے کہ ہندستان میں سامعین عمومًا چونکہ عربی زبان نہیں سمجھتے؛ اس لیے خطبۂ جمعہ اردو میں پڑھنا چاہیے اور نثر کی نسبت نظم زیادہ مؤثر ہوتی ہے؛ اس لیے نظم زیادہ مناسب ہے، شرعًا یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۵۳۴ھ)

الجواب: جمعہ کا خطبہ نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے، اس کے خاص خاص احکامات، خاص خاص لوازمات اور مخصوص شرطیں ہیں، وہ عام وعظوں اور تقریروں کی طرح سے نہیں کہ ہر زبان میں جس طریق سے چاہے کہہ دیا جائے، اس کی خصوصیت کے متعلق شریعت کے قطعی اعلانات موجود ہیں، حضرات فقہاء کا فیصلہ ہے کہ جو افعال و حرکات بہ حالت نماز ممنوع ہیں خطبہ میں بھی حرام ہیں، سامعین خطبہ کے لیے اس وقت کھانا پینا بولنا یہاں تک کہ سلام کا جواب دینا اور ذکر و تسبیح پڑھنا بھی جائز نہیں۔ وكلّ ما حرم في الصّلاة حرم فيها أي في الخطبة ، خلاصة وغيرها،

(۱) والظّاهر أنّ الصّحّة عنده لا تنفي الكراهة. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲/۲۰۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في الدّعاء بغير العربية)

فیحرم أکل و شرب و کلام ولو تسبیحًا أو ردّ سلام إلخ[۱] اس طرح کی قیودات بتارہی ہیں کہ خطبہ کی مجلس صرف وعظ وتذکیر کی مجلس نہیں بلکہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے نماز کی طرح ہے، پس یہ نہیں ہوسکتا کہ شرط صلاۃ کسی محدث طریقے غیرعربی زبان سے ادا کی جائے۔ حجاز کے مخاطب عربی تھے اس لیے خطبہ ہی سے وعظ وتذکیر کا کام بھی لیا جاتا تھا، لیکن غیرعرب اگر عربی نہیں سمجھ سکتے تو ان کی خاطر خطبہ کی شرعی زبان نہیں چھوڑی جاسکتی، وعظ ونصیحت اور تفہیم؛ خطبہ کے سواء دوسرے وقتوں میں بھی ہوسکتی ہے، صحابۂ کرامؓ کا بلادعجم میں بہ کثرت ورود ہوا؛ مگر کسی ایک واقعہ سے بھی یہ ثابت نہیں کہ ان عجمیوں کی خاطر جمعہ کے خطبہ کی زبان بدلی گئی ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اسی حقیقت کو سمجھ کر فرمارہے ہیں: ''وعربی بودن نیز بہ جہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند''[۲] (مصفّٰی ومسوّیٰ شرح مؤطا مالکؒ) اسی خصوصیت کے سلسلے میں خطبہ کا اختصار بھی ہے، مختلف احادیث میں بہ صراحت موجود ہے کہ جہاں تک بھی ہو خطبہ کو مختصر کرنا چاہیے[۳] اگر موجودہ وسعت نظم ونثر کو قبول کرلیا جائے تو اس شرطِ صلاۃ کی حقیقت ایک دوگھنٹہ کی گرم مجلسی کے سواء کچھ بھی نہ رہے گی، لہٰذا جمعہ کا خطبہ خالص عربی اور مختصر اور جامع الفاظ میں ہونا چاہیے، اردو یا کسی دوسری زبان میں اگر کچھ کہنا ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد کہے، نماز اور خطبہ کے درمیان کوئی تقریر یا لیکچر فصل کا باعث اور سنت کے خلاف ہے۔ فقط (۵/ ۱۲۸-۱۳۰)

سوال: (۲۴۰۸) خطبہ میں نظم یا نثر زبان غیرعربی میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ با دلائل تحریر فرمائیں۔ (۱۳/ ۳۲-۳۳/ ۱۳۳۳ھ)

الجواب: چونکہ مقصود خطبہ سے ذکر اللہ ہے نہ کہ وعظ بلکہ یہ ضمنی شئے ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ اگر فقط خطبہ میں ذکر اللہ ہو اور پند وغیرہ کا ذکر نہ ہو تو بھی جائز ہے۔

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۳۲، کتاب الصّلاۃ، باب الجمعۃ، مطلب في شروط وجوب الجمعۃ.**

(۲) مصفی ومسوی: ۱/ ۱۵۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبع فاروقی دہلی۔

(۳) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۳۷۴) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ولنا أنّ الخطبة ذكر والمحدث والجنب لا يمنعان إلخ (۱) (مبسوط) وقال صاحب الهداية: فإن اقتصر على ذكر الله جاز عند أبي حنيفة (۲) وفي بعض كتب الفقه: وصحّ الاقتصار في الخطبة على ذكر خالص لله تعالىٰ عند أبي حنيفة (۳)

ان عبارات سے مضمون بالا کا ثبوت ہوتا ہے، پس جب خطبہ اصل میں محض ذکر کا نام ہے تو اس کی ضرورت نہیں رہی کہ خطیب بعض سامعین کی وجہ سے قرآن اور رسول اور جنت کی زبان کو چھوڑ کر اردو، انگریزی، جاپانی، فارسی، پشتو زبانوں میں خطبہ پڑھے، سلف صالحین، صحابہ اور تابعین اور ائمہ کا تعامل باوجودیکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ملک فارس میں تشریف فرما ہوئے، مگر فارسی میں خطبہ نہ پڑھا بلکہ عربی میں پڑھا۔ **كما نقله الشّاه ولي الله الدّهلويؒ** (۴) دلالت کرتا ہے کہ خطبہ عربی میں ہونا چاہیے، اور غیر عربی میں مثلاً اردو وغیرہ میں جائز مگر خلاف سنتِ رسول اللہ ﷺ وتعامل صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدینؒ ہے۔ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ میں باب الجمعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ اردو نظم ونثر میں جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے (۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۳/۵-۱۴۴)

---

(۱) المبسوط للسّرخسي: ۲/۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، المطبوعة: دار المعرفة، بيروت.

(۲) الهداية: ۱/۱۶۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.

(۳) وصحّ الاقتصار في الخطبة على ذكر خالص لله تعالىٰ ...... لكن مع الكراهة لترك السّنّة عند الإمام. (حاشية الطّحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۵۱۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

(۴) وعربی بودن نیز بہ جہت عمل مستمر مسلمین در مشارق ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند الخ۔ (مصفی ومسوی: ۱/۱۵۳، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجمعۃ، مطبع فاروقی دہلی)

(۵) لايشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسيّة أو بغيرها جاز كذا قالوا، والمراد بالجواز هو الجواز في حقّ الصّلاة بمعنى أنّه يكفي لأداء الشّرطيّة، وتصحّ بها الصّلاة لا الجواز بمعنى الإباحة المطلقة فإنّه لا شكّ في أنّ الخطبة بغير العربيّة خلاف السّنّة المتوارثة من النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم والصّحابة رضي الله عنهم فيكون مكروهًا تحريمًا وكذا قراءة الأشعار الفارسيّة والهنديّة فيها إلخ. (عمدة الرّعاية على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، رقم الحاشية: ۲)

شہر اور قصبات میں احتیاط الظہر نہ پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۴۰۹) بلاد وقصبات میں جمعہ کے بعد احتیاط الظہر ضرور پڑھنی چاہیے؟
(۱۳۳۵/۵۱۶ھ)

الجواب: بلاد وقصبات میں چونکہ جمعہ بلاشبہ وبلاتردد ہوجاتا ہے، لہٰذا جمعہ کے بعد احتیاط الظہر نہ پڑھنی چاہیے جیسا کہ درمختار میں صاحب بحر کا فتویٰ نقل فرمایا ہے: **وفي البحر: وقد افتيتُ مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنيّة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱/۵)

سوال: (۲۴۱۰) ہندوستان میں بعد ادائے جمعہ احتیاط الظہر ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۳۷۵ھ)

الجواب: احتیاط الظہر نہیں ہے شہروں وغیرہ میں؛ اس لیے کہ وہاں جمعہ صحیح ہے[1] اور قریہ صغیرہ میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، وہاں نماز ظہر باجماعت پڑھنی چاہیے۔ فقط (۳۸/۵-۳۹)

سوال: (۲۴۱۱) ...... (الف) اگر کوئی حنفی بوجہ تعدد جمعہ یا اشتباہ فی المصر کے؛ بعد جمعہ ظہر پڑھ لے تو کیا وہ مذہب سے خارج ہوجاتا ہے؟

(ب) کسی فقہ کی معتبر کتاب میں بہ وقت اشتباہ فی المصر بھی؛ ظہر بعد جمعہ پڑھنا منع لکھا ہے؟
(۱۳۳۲-۳۳/۵۲۷ھ)

الجواب: (الف) مذہب سے خارج نہیں ہوتا۔

(ب) جب کوئی جگہ مفتی بہ قول کے موافق محل جمعہ قرار پا گئی تو پھر وہاں ظہر بعد جمعہ پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تعدد جمعہ کے خلاف کی وجہ سے کوئی شخص ظہر احتیاطی پڑھے، اور جب یہ منع تو وہ بھی منع ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۷/۵-۱۳۹)

احتیاط الظہر کے بارے میں حضرت تھانوی کی رائے

سوال: (۲۴۱۲) احتیاط الظہر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی گوہر، صفحہ: ۱۰۳ میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

مسئلہ: ''بعضے لوگ جمعہ کے بعد ظہر احتیاطی پڑھا کرتے ہیں؛ چوں کہ عوام کا اعتقاد اس سے بہت بگڑ گیا ہے، ان کو مطلقاً منع کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی ذی علم موقع شبہ میں پڑھنا چاہے تو اپنے پڑھنے کی کسی کو اطلاع نہ کرے؟''[۱] (۱۰۷۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مسئلہ در بارۂ احتیاط الظہر یہی ہے جو کہ مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی گوہر میں لکھا ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۰/۵)

جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوگیا وہ لوگ ظہر کی جماعت نہ کریں

سوال: (۲۴۱۳) چند اشخاص صلاۃ جمعہ میں شریک نہیں ہوسکے اس مسجد میں صلاۃ وقتی کی جماعت کرسکتے ہیں یا نہیں؟ (۶۶۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنّهم يصلّون الظّهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة إلخ ، وفي الشّامي: قال في الولوالجية: ولا يصلّي يوم الجمعة جماعة بمصر إلخ**[۳] (شامی) پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں کا جمعہ فوت ہوجاوے وہ لوگ ظہر کی جماعت نہ کریں تنہا تنہا پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۲/۵)

سوال: (۲۴۱۴) اگر چند آدمی جماعت جمعہ نہ پاویں تو ظہر باجماعت پڑھیں یا علاحدہ علاحدہ؟ (۱۹۴۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: علاحدہ علاحدہ ظہر پڑھیں، جماعت سے نہ پڑھیں۔ **كذا في الدّرّ المختار والشّامي**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۲/۵)

---

(۱) اختری بہشتی گوہر یعنی بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ، ص: ۸۴، مسئلہ نمبر: ۶، نماز کے مسائل ...... مسئلہ کی عبارت اختری بہشتی زیور کے مطابق کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **نعم إن أدّى إلى مفسدة لا تفعل جهارًا والكلام عند عدمها، ولهٰذا قال المقدسي: نحن لا نأمُرُ بذٰلك أمثالَ هٰذه العوام بل نَدُلّ عليه الخواص. (الشّامي: ۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في نيّة آخر ظهر بعد الجمعة)**

(۳) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۰/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في شروط وجوب الجمعة.**

قعدہ میں شریک ہونے والا جمعہ پڑھے ظہر نہ پڑھے

سوال: (۲۴۱۵) جمعہ کے آخری قعدہ میں دو نمازی شریک ہوئے، بعد سلام انہوں نے دو رکعت جمعہ کی پڑھ لی؛ یہ صحیح ہے یا ان کو ظہر پڑھنی چاہیے تھی؟ (۱۳۳۹/۱۰۳۹ھ)

الجواب: صحیح یہی ہے کہ جو لوگ جمعہ کی نماز کے تشہد میں شریک ہوں وہ جمعہ کی نماز ہی پوری کریں ظہر نہ پڑھیں؛ پس نماز ان لوگوں کی صحیح ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۳/۵)

سوال: (۲۴۱۶) ایک شخص نماز جمعہ کے قعدہ میں شامل ہوا تو کیا نماز جمعہ ادا ہوئی یا کیا؟ (۱۳۳۵/۶۷۶ھ)

الجواب: نماز جمعہ ادا ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲/۵)

جمعہ میں جو شخص لاحق ومسبوق ہو وہ نماز کس طرح پوری کرے؟

سوال: (۲۴۱۷) ایک شخص جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں شامل ہوا اس کا وضو ٹوٹ گیا وہ وضو کرنے گیا، واپس آیا تو امام نے سلام پھیر دیا وہ اپنی نماز کس طرح پوری کرے؟ (۱۳۴۰/۲۷۱۷ھ)

الجواب: وہ شخص واپس آکر ایک رکعت باقی ماندہ جمعہ کی پوری کر کے قعدہ کر کے سلام پھیر دے، نماز جمعہ اس کی ادا ہو جاوے گی۔ كذا في الدرّ المختار والشامي. فقط (۱۳۳/۵)

استدراک: اس جواب میں تسامح ہے، صحیح جواب یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں جب وہ شخص وضو کر کے آئے تو پہلے دوسری رکعت لاحق کی طرح بلاقراءت پوری کر کے قعدہ کرے، پھر کھڑے ہو کر باقی ماندہ رکعت مسبوق کی طرح قراءت کے ساتھ پڑھے، پھر قعدہ کر کے سلام پھیر دے، کیوں کہ یہ لاحق بھی ہے اور مسبوق بھی، درمختار میں ہے: **واللاّحقَ: من فاتته الرّكعاتُ كلُّها أو بعضُها، لكن بعد اقتدائه بعذرٍ كغفلةٍ و زحمةٍ وسبْقِ حدثٍ إلخ.**

---

(۱) ومن أدركها في تشهّد أو سجود سهو على القول به فيها يتمّها جمعة إلخ، كما يتمّ في سالعيد إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۰-۳۱، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

اورشامی میں ہے: وهٰذا بيان للقسم الرّابع وهو المسبوق اللّاحق ، وحكمه أنّه يصلّى إذا استيقظ مثلاً ما نام فيه ، ثمّ يتابع الإمام فيما أدرك ، ثمّ يقضي ما فاته أهـ . بيانه............ أنّه لو سبق بركعة من ذوات الأربع ونام في ركعتين يصلّي أوّلاً ما نام فيه ثمّ ما أدركه مع الإمام ثمّ ما سبق به فيصلّي ركعة ممّا نام فيه مع الإمام ويقعد متابعة له ، لأنّها ثانية إمامه ثمّ يصلّي الأخرى ، ممّا نام فيه ، ويقعد لأنّها ثانيته ثمّ يصلّي الّتي انتبه فيها و يقعد متابعة لإمامه لأنّها رابعة وكلّ ذلك بغير قراء ة لأنّه مقتد ثمّ يصلّي الرّكعة الّتي سبق بها بقراء ة الفاتحة وسورة ، والأصل أنّ اللّاحق يصلّي على ترتيب صلاة الإمام ، والمسبوق يقضي ما سبق به بعد فراغ الإمام. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۹۷-۲۹۸، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في أحكام المسبوق والمدرك واللّاحق)

محمد امین پالن پوری

سعی الی الجمعہ فوت نہ ہوتو بیع درست ہے

سوال: (۲۴۱۸)......(الف) آج کل نماز جمعہ کے لیے دواذان ہوتی ہیں، ایک پہلے دوسری خطبہ کے شروع سے پہلے تو کس اذان کے بعد بیع ناجائز ہے؟

(ب) اذان جمعہ ہونے کے بعد ایک شخص نے لوٹے مسجد کے لیے خریدے، کمہار لوٹوں کا ٹوکرہ لے کر مسجد کے پاس آیا تھا، اس پر ایک گروہ نے کہا کہ اذان کے بعد بیع حرام ہے، اس لیے اس کے لوٹے خریدنا ایک حرام فعل کا نتیجہ ہے، دوسرے گروہ نے کہا کہ شان نزول پر غور کرنے سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ اذان سن کر لوگ کاروبار چھوڑ کر مسجد میں آجاویں چونکہ وہ شخص مسجد میں آگیا، اوراس نے ایک ضروری کام مسجد کے لیے کیا؛ اس لیے اس میں کچھ نقصان نہیں ہے، کونسا گروہ حق پر ہے؟[1] (۳۸۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: (الف-ب) قال في الدّرّ المختار: ووجب سعي إليها وترك البيع ولو مع السّعي ، وفي المسجد أعظم وزرًا بالأذان الأوّل في الأصحّ ، وفي الشّامي: قلت:

(۱) سوال وجواب میں (ب) کی عبارت اوراس کا جواب رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔۱۲

وسیذکر الشّارح في آخر البیع الفاسد أنّه لا بأس به (أي بالبیع) لتعلیل النّهي بالإخلال بالسّعي فإذا انتفی انتفی إلخ (۱) عبارات مذکورہ سے دونوں باتوں کا جواب معلوم ہوگیا کہ اذان اوّل سے ہی سعی الی الجمعہ واجب ہو جاتی ہے، اور بیع ممنوع ہو جاتی ہے اور یہ کہ جب سعی الی الجمعہ فوت نہ ہو تو بیع درست ہے، پس مسئلہ ثانیہ میں قول فریق ثانی حق پر ہے۔ فقط واللہ اعلم (۵/۳۹)

جمعہ کے دن اذانِ اوّل سے پہلے اور نمازِ جمعہ کے بعد کاروبار درست ہے

سوال: (۲۴۱۹) جمعہ کے دن مسلمان سوداگروں اور دکان داروں کو دکان کھولنا چاہیے یا نہیں؟ (اور جو لوگ مسلمان مثل نداف (دُھنیا) وغیرہ پیشہ ور ہیں، ان کو بہ روز جمعہ اپنا پیشہ کرنا چاہیے یا نہیں؟) (۲) اگر دکان داروں اور پیشہ وروں کو اپنے کام کرنے کی اجازت ہے تو کس وقت سے کس وقت تک؟ (۴۲/۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جمعہ کے روز جملہ کاروبار خرید وفروخت وغیرہ اذان اوّل تک جائز ہے، اور اس کے بعد مکروہ تحریمی ہے، تنویر الابصار میں ہے: **وکرہ ...... البیع عند الأذان الأوّل** (۳) پس اذان کے ہوتے ہی جملہ کاروبار ترک کر کے جمعہ کے لیے حاضر ہونا چاہیے (۴) اذان اوّل سے پہلے اہل پیشہ اپنا پیشہ اور دکان داران خرید وفروخت کریں تو اس میں شرعًا کچھ ممانعت نہیں ہے۔ (اسی طرح

---

(۱) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۵، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقي بین یدي الخطیب.**

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۷/۲۲۵، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب: أحکام نقصان المبیع فاسدًا.**

(۴) **ووجب سعي إلیها وترك البیع إلخ، بالأذان الأوّل في الأصحّ، وإن لم یکن في زمن الرّسول بل في زمن عثمان، وأفاد في البحر صحّة إطلاق الحرمة علی المکروہ تحریمًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۵-۳۶، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حکم المرقي بین یدي الخطیب)** ظفیر

نمازِ جمعہ سے فراغت کے بعد بھی بیع وشراء میں لگ سکتے ہیں۔ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ جمعہ، آیت: ۱۰) ظفیر) (۵/۷۶-۷۷)

زوال کے بعد جمعہ کو جلد ادا کرنا مستحب ہے

سوال: (۲۴۲۰) انجمن اسلامیہ انبالہ کے زیر اہتمام ایک جامع مسجد ہے جس میں انجمن کی طرف سے ایک امام مقرر ہیں، چند مرتبہ ان سے کہا گیا کہ بہ نظر استحباب نماز جمعہ میں جلدی نہ کی جاوے اور بہ موجب احکام حنفیہ کافی انتظار کے بعد نماز جمعہ ادا کی جاوے؛ آیا امام کا جمعہ کو جلدی پڑھنا کیسا ہے؟ (۶۳۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک موافق قول جمہور جمعہ میں ابراد یعنی تاخیر مشروع نہیں ہے بلکہ جمعہ کو بعد زوال کے جلد پڑھنا بہتر ہے۔ قال في الشّامي: لکن جزم في الأشباه من فن الأحکام أنّه لا یسنّ لها الإبراد إلخ [۱] پس معلوم ہوا کہ امام کا یہ فعل کہ جمعہ کو جلد پڑھتے ہیں موافق شریعت کے ہے، لہٰذا انجمن وغیرہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ امام کو تعجیل جمعہ سے منع کریں۔ فقط (۵/۴۱-۴۲)

سوال: (۲۴۲۱) بہ موجب عقائدِ حنفیہ آج کل جمعہ کے لیے مستحب وقت کیا ہے؟ (۶۶۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حنفیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ جمعہ میں تعجیل مستحب ہے، ابراد یعنی تاخیر جو کہ ظہر کی نماز میں موسم گرما میں مستحب ہے وہ جمعہ میں نہیں ہے بلکہ جمعہ کو جلد ادا کرنا مستحب ہے، اور احادیث سے بھی جمعہ کی تعجیل ہی ثابت ہوتی ہے [۲] پس زوال کے بعد مثلاً ساڑھے بارہ بجے اذان جمعہ ہونی چاہیے، پھر دس پندرہ منٹ بعد خطبہ اور اس کے بعد نماز ہونی چاہیے، مثلاً ایک بجے تک یہ سب کام

(۱) ردّ المحتار: ۲/۲۴، کتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها.

(۲) عن أنس بن مالك رضي اللّٰه عنه أنّ رسول الله صلّی الله علیه وسلّم کان یصلّي الجمعة حین تمیل الشّمس.

و عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: کنّا نبکّر بالجمعة و نقیل بعد الجمعة. (البخاري، ۱/۱۲۳-۱۲۴، کتاب الجمعة، باب وقت الجمعة إذا زالت الشّمس)

ہوجاویں یا کسی قدر کم وبیش ہو۔ قال في ردّ المحتار: لکن جزم في الأشباه من فنّ الأحکام أنّه لا یسنّ لها الإبراد إلخ، ثمّ قال: وقال الجمهور: لیس (أي الإبراد) بمشروع لأنّها تقام بجمع عظیم فتأخیرها مفض إلی الحرج[1] (الشّامي: ۱/۲۴۵) پس ایسے امور میں امام کو اوقات مستحبہ کی رعایت کرنی چاہیے، متولی کی ہدایات پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، اور متولی کو ہدایات دینے کی حاجت بھی نہیں ہے جو اوقات نمازوں کے مستحب ہیں امام خود ان کی رعایت رکھے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۲)

جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے

سوال: (۲۴۲۲) درمختار میں منقول ہے کہ نماز جمعہ کے وقت سے کسی کو آگاہی نہیں، علماء کا اتفاق اس بات پر ہو چکا ہے کہ بہ وقت ظہر نماز جمعہ ادا کی جائے، نماز جمعہ کا وقت کونسا ہے؟ (۳۳/۴۴۸-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار کی عبارت یہ ہے: وجمعةٍ کظهر أصلاً واستحبابًا[2] اس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے[3] سائل نے جو یہ لکھا ہے کہ درمختار میں لکھا ہے کہ نماز جمعہ کے وقت سے کسی کو آگاہی نہیں ہے الخ یہ بالکل غلط ہے؛ درمختار میں کہیں ایسا نہیں ہے۔ فقط (۵/۱۵۰-۱۵۱)

ملازم جو جامع مسجد نہیں جاسکتے نزدیک والی مسجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۲۴۲۳) اکثر لوگ ملازم ہیں جامع مسجد تک نہیں پہنچ سکتے، نزدیک کی مسجد میں فراہم ہو سکتے ہیں؛ ایسے لوگوں کے واسطے کیا ارشاد ہے؟ (۲۵۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۲۴، کتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۴، کتاب الصّلاة، مطلب في طلوع الشّمس من مغربها.

(۳) والثّالث وقت الظّهر فتبطل الجمعة بخروجه مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۸، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في نیّة آخر ظهر بعد صلاة الجمعة) ظفیر

الجواب: ایسے لوگ قریب کی مسجد میں جمعہ پڑھ لیں، الغرض جمعہ ایک شہر وبستی (۱) میں چند جگہ جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اگر کچھ دقت نہ ہو تو ایک جگہ پڑھیں (۲) فقط (۵/۱۳۴-۱۳۵)

جامع مسجد کے بجائے محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۲۴) بعض لوگ جامع مسجد کو چھوڑ کر محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں کیا حکم ہے؟ (۱۰۵۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ایک شہر میں جمعہ چند جگہ بھی صحیح مذہب کے موافق صحیح ہے۔ **كذا في الدّرّ المختار وغيره** (۳) لیکن بلاوجہ جامع مسجد کو چھوڑنا اچھا نہیں ہے، البتہ اگر کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہے تو خیر ورنہ حتی الوسع جمعہ ایک جگہ جامع مسجد میں ہونا اچھا ہے اور موجبِ ثواب عظیم ہے۔ فقط واللہ اعلم (۵/۱۶۲-۱۶۳)

دو مسجدیں جو قریب قریب ہیں ان دونوں میں نمازِ جمعہ درست ہے

سوال: (۲۴۲۵) دو مسجدیں متصل اور قریب قریب واقع ہیں آیا دونوں میں جمعہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۰۶۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: دونوں میں نماز جمعہ صحیح ہے۔ **كذا في الدّرّ المختار** (۳) فقط واللہ اعلم (۵/۵۰)

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (بستی) کی جگہ ''قصبہ'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) **ولأجل أنّ الجمعة جامعة للجماعات قال الإمام أبويوسف: لايجوز تعدّد الجمع في مصر واحد ـــــ إلى قوله: ـــــ وقال الإمام محمّد: ورواه عن الإمام أبي حنيفة وهذه الرّواية هي المختارة و عليه الفتوى أنّه يجوز تعدّد الجمعة مطلقًا إلخ. (رسائل الأركان ص:۱۱۸، فصل في الجمعة ، بيان صفة صلاة الجمعة ، المطبوعة:مكتبة دار العلوم ديوبند)**

(۳) **وتؤدّى (أي الجمعة) في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب وعليه الفتوى (الدّرّ المختار) لأنّ جواز التّعدّد وإن كان أرجح وأقوى دليلاً لكن فيه شبهة قويّة لأنّ خلافه مرويّ عن أبي حنيفة أيضًا واختاره الطحاويّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۵- ۱۶، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)** ظفیر

جامع مسجد میں گنجائش نہ رہے تو عیدگاہ میں جمعہ کی نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۴۲۶) کثرت نمازیان سے مسجد جامع میں اس قدر وسعت نہیں ہے جو کل نمازیان کے لیے کافی ہو سکے، ایسی حالت میں اگر عیدگاہ میں نماز جمعہ پڑھی جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟
(۱۴۲۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: بہ صورت موجودہ نماز عیدگاہ میں درست ہے، اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ ایک شہر میں چند مسجدوں میں جمعہ صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۰/۵)

جامع مسجد میں تمام نمازی نہیں آسکتے تو کیا کرنا چاہیے؟

سوال: (۲۴۲۷) جامع مسجد میں تمام آدمی نہیں آسکتے، کیا کرنا چاہیے؟ (۳۲/۲۵۹-۱۳۳۳ھ)
الجواب: اگر ایک مسجد میں سب نمازی جمعہ کے نہ آسکیں دوسری مسجد میں جمعہ کر لیں[1] فقط
(۱۳۴/۵-۱۳۵)

بہ یک وقت کئی مسجدوں میں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۴۲۸) شہر کی جامع مسجد میں جس وقت نماز جمعہ ہوتی ہے ٹھیک اسی وقت دیگر مساجد میں نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۶۰۵/۱۳۳۹ھ)
الجواب: مفتی بہ مذہب کے موافق دوسری مساجد میں بھی جمعہ اس وقت صحیح ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۰۰/۵)

ایک شہر میں چند جگہ جمعہ درست ہے

سوال: (۲۴۲۹) ایک شہر کی جامع مسجد میں ایک عالم صاحب امام اور حافظ قرآن موجود ہیں،

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

زید ایک حافظ کولڑکوں کی تعلیم کے لیے مقرر کرے، اور مسجد سے علیحدہ ہوکر اوراہل برادری کو علیحدہ کر کے حافظ مذکور کے پیچھے دوسری مسجد میں جو ایک فاحشہ کی بنوائی ہوئی ہے جمعہ وتراویح کراوے، اور جامع مسجد کی جماعت سے کہے کہ تم کو اس مسجد میں آنا چاہیے اس مسئلے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵۴۲/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حنفیہ کا صحیح ومفتی بہ مذہب یہ ہے کہ ایک شہر میں چند جگہ جمعہ صحیح ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وتؤدّی في مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقًا علی المذهب وعلیه الفتوی (۱) اور یہ بھی حکم شرعی ہے کہ جو مسجد قائم ہوگئی اور وقف ہوگئی اس کا آباد کرنا اور آباد رکھنا مسلمانوں کو لازم ہے (۲) اور یہ بھی مسلم ہے کہ مال غیر طیب مسجد میں لگانا مکروہ ہے (۳) لیکن اس کا گناہ مال غیر طیب لگانے والے پر ہوگا، اس سے اس مسجد کی مسجدیت باطل نہ ہوگی؛ پس ایسی صورت کرنی چاہیے کہ مال غیر طیب جو اس مسجد میں لگایا گیا ہے، اس کا معاوضہ حلال آمدنی سے اس مال غیر طیب لگانے والے کو دے دیا جاوے؛ تاکہ وہ مسجد مال غیر طیب سے پاک ہوجاوے اور جو مسجد مسلمانوں کی بناء کردہ ہے اس کو مسجد ضرار نہ کہنا چاہیے کیونکہ مسجد ضرار منافقین کفار کی بنائی ہوئی تھی، اور نیت ان کی خراب تھی مسلمانوں کی طرف حسن ظنی کرنا چاہیے اور بدظنی نہ کرنی چاہیے۔ قال اللّٰه تعالٰی: ﴿یٰٓـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ (سورۂ حجرات، آیت:۱۲): ترجمہ: اے ایمان والو! بچو بہت سے گمانوں سے بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔ وقال علیه الصّلاة والسّلام:

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) لو لم یکن لمسجد منزله مؤذّن فإنّه یذهب إلیه ویؤذّن فیه ویصلّي ولو کان وحده لأنّ له حقًّا علیه فیؤدّیه. (ردّ المحتار: ۳۷۵/۲، کتاب الصّلاة ،باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها، مطلب في أفضل المساجد) ظفیر

(۳) قال تاج الشّریعة: أمّا لو أنفق في ذٰلك مالًا خبیثًا أو مالاً سببه الخبیث والطّیّب فیکره لأنّ اللّٰه تعالٰی لا یقبل إلّا الطّیّب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (ردّ المحتار: ۳۷۳/۲، کتاب الصّلاة ، باب ما یفسد الصّلاة وما یکره فیها ، مطلب : کلمة لا بأس دلیل علی أنّ المستحبّ غیره لأنّ البأس الشّدّة) ظفیر

فإنّ الظّنّ أکذب الحدیث (۱) ترجمہ: بے شک بدگمانی جھوٹی بات ہے۔ **وقال صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: إنّما الأعمال بالنّیّات ولکلّ امرء ما نوی الحدیث** (۲) ترجمہ: مدار اعمال کا نیت پر ہے اور ہر ایک شخص کے لیے وہ ہے جو اس نے نیت کی، پس اگر دونوں مسجدوں میں جمعہ ہو تو دونوں جگہ صحیح ہے، کسی پر طعن اور بدظنی نہ کرنی چاہیے، اور مسلمانوں کو باہم اتفاق سے رہنا چاہیے، اور جماعت پنج وقتہ تو دونوں مسجدوں میں کرنا ضروری ہے، کیونکہ کسی مسجد کو غیر آباد رکھنا نہ چاہیے، اور جماعت تراویح بھی دونوں مسجدوں میں ادا کرنا عمدہ ہے، لیکن یہ برا ہے کہ دوسری مسجد کے نمازیوں کو اس غرض سے توڑا جاوے کہ پہلی مسجد ویران ہو جاوے، ہاں یہ کہا جا سکتا ہے مسلمانوں سے کہ دونوں مسجدوں کو آباد رکھو، کچھ یہاں نماز پڑھو اور کچھ وہاں، الغرض اتفاق اور اتحاد محمود ہے، اور اختلاف و افتراق قبیح و مذموم ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا﴾** (سورۂ نساء، آیت: ۱۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۸۶-۸۷)

سوال: (۲۴۳۰)......(الف) چند جگہ بستی میں جمعہ ہونے سے ثواب میں تو کچھ کمی نہیں آتی؟

(ب) اکیلے امرد کو جماعت میں شریک کرنے سے نقصان تو نہیں آتا؟

(ج) تعلیم خداوندی میں تقیید مثل آج کل مدارس کے درست ہے یا نہیں؟

(د) مدرسین پر جرمانوں کا قاعدہ قانون سے مدلل مشرح فرمائے، مدرسین کو ماہواری لینا درست ہے یا نہیں؟

(ھ) متعصب عالم کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۳۵۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) ایک شہر میں چند جگہ جمعہ درست ہے، اس سے ثوابِ جمعہ میں کچھ کمی نہیں آتی۔ درمختار میں ہے: **وتؤدّی في مصر واحد بمواضع کثیرۃ مطلقًا علی المذهب**

---

(۱) قال أبو هریرۃ رضي اللّٰہ عنه یأثر عن النّبيّ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم قال: إیّاکم والظّنّ، فإنّ الظّنّ أکذب الحدیث. (صحیح البخاري: ۲/۷۷۲، کتاب النّکاح، باب لایخطب علی خطبة أخیه حتّی ینکح أو یدع)

(۲) صحیح البخاري: ۱/۲، باب کیف کان بدؤ الوحي إلی رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إلخ.

وعليه الفتوى إلخ[1] (الدّرّ المختار)

(ب) امرد کا جماعت میں شریک ہونا درست ہے، اور امرد اگر نابالغ ہو اور تنہا ہو تو اس کو بھی شریک جماعت کرلینا جائز ہے۔ كذا في الشّامي[2]

(ج) دینی مدارس میں اگر انتظام و پابندی اوقات وغیرہ مثل انگریزی مدارس کے کیا جاوے کچھ حرج نہیں ہے۔

(د) جرمانہ مالی شریعت میں درست نہیں ہے، البتہ مدرسین وملازمین کی تنخواہ حسب قاعدہ وضع ہوسکتی ہے، اور مدرسین کو عیدی وغیرہ لینا اطفال سے حسب عرف درست ہے۔

(ھ) عالم کے پیچھے نماز افضل ہے، اور عالم کو دین میں متعصب ہونا ہی چاہیے، تعصب کے معنی پختگی فی الدین کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۱۴۸-۱۴۹)

ایک ہی شہر کی تین مسجدوں میں جمعہ درست ہے

سوال: (۲۴۳۱)...... (الف) ایک شہر میں تین مسجدیں ہیں ایک ایک میل کے فاصلہ پر، اور تینوں میں جمعہ ہوتا ہے صحیح ہے یا نہیں؟

(ب) جامع مسجد مختصر تھی اس وجہ سے اس کو شہید کراکر جامع مسجد وسیع تیار کرائی ہے، اکثر کہتے ہیں کہ جمعہ ایک مسجد میں ہو اور اکثر کہتے ہیں کہ تینوں مسجدوں میں جمعہ ہونا چاہیے اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ (۲۵۹/ ۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) جمعہ ہر جگہ درست ہے تینوں مسجدوں میں جمعہ ہوجاتا ہے[3]

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

(۲) ويصفّ إلخ، الرّجال إلخ، ثمّ الصّبيان ظاهره تعدّدهم فلو واحدًا دخل الصّفّ (الدّرّ المختار) وكذا لو كان المقتدي رجلاً وصبيًّا يصفّهما خلفه لحديث أنس إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۲۶۵-۲۷۰، كتاب الصّلاة، باب الإمامة) ظفیر

(۳) وتؤدّى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة)

شامی میں ہے: قوله: (دفعًا للحرج) أي لأنّ في إلزام اتّحاد الموضع حرجًا بيّنًا لاستدعائه تطويلَ المسافة إلخ. (ردّ المحتار: ۳/ ۱۵، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(ب) بہتر یہ ہے کہ جمعہ ایک جگہ جامع مسجد یعنی بڑی مسجد میں ہو۔ فقط واللہ اعلم (۱۳۴/۵)

عداوت کی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۳۲) چند مقتدیان جہال بر امام مسجد کہ عالم است عداوتے دنیاوی گرفتہ بجائے او بغیر اذنش منشی دیگر کہ از علم دین چنداں خبردار نیست مقرر کردہ نماز عیدین ادا می نمایند؛ امامتش شرعًا چہ حکم دارد؟ وبوجہ فساد دُنیاوی در مسجدِ دیگر جمعہ ونماز پنج گانہ خواندن چہ حکم دارد؟ (۱۳۳۵/۱۷۳۸ھ)

الجواب: در کتب فقہ مسطور است: **والأحق بالإمامة .... الأعلم بأحكام الصّلاة** [1] پس باوجود موجود بودن عالم بہ مسائل نماز دیگرے را کہ نہ چناں باشد امام مقرر کردن ترک فضیلت است وتعدد در جمعہ در مصر واحد جائز است، پس اگر آں بلدہ کہ دراں بازار است مصر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ است کہ حکم مصر دارد، نماز جمعہ وعیدین دراں ادا می شود، وتعدد جمعہ ہم روا است، نماز جمعہ در ہر دو مسجد ادا می شود، اما نفسانیت در بارہ نماز قبیح است، ضد ونفسانیت را بہ گذارند وخالصاً للہ نماز در ہر دو مسجد ادا کنند۔ **والله تعالىٰ الموفّق والمعين وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۴/۵)

ترجمہ سوال: (۲۴۳۲) چند جاہل مقتدی امام مسجد سے جو کہ عالم ہے کسی دُنیاوی دشمنی کی بناء پر اس کی اجازت کے بغیر اس کی جگہ کسی دوسرے منشی کو جو کہ علم دین سے ذرا بھی واقف نہیں ہے؛ مقرر کرکے نماز عیدین ادا کرتے ہیں، اس کی امامت کا شرعا کیا حکم ہے؟ اور دُنیاوی فساد کے پیش نظر دوسری مسجد میں جمعہ اور پنج گانہ نمازیں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتب فقہ میں لکھا ہے: **والأحق بالإمامة الأعلم .... بأحكام الصّلاة،** لہٰذا مسائل نماز سے واقف شخص کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو جو کہ ایسا نہ ہو امام مقرر کرنا ترک فضیلت ہے، اور تعدد جمعہ ایک مصر میں جائز ہے، پس اگر وہ جگہ جس میں بازار ہے شہر یا قصبہ یا قریہ کبیرہ ہے جو کہ مصر کا حکم رکھتی ہے تو اس میں جمعہ وعیدین کی نماز ادا ہوجائے گی، اور تعدد جمعہ بھی

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۱/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد.

جائز ہے، نماز جمعہ دونوں مسجد میں ادا ہو جائے گی، نماز کے سلسلے میں نفسانیت قبیح ہے، ضد اور نفسانیت کو پس پشت ڈال کر خالص اللہ کے لیے دونوں مسجد میں نماز ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

چند مسجدوں میں باری باری جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۳۳) ہمارے قصبے میں تین مسجد ہیں، اور ہر سہ مساجد میں نماز جمعہ علاحدہ ہوتی تھی، اب چند ماہ سے لوگوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ایک جمعہ کی نماز قدیم مسجد میں اور آئندہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں ہو؛ چنانچہ باری باری سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ (۵۰۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جمعہ ہر یک مسجد میں صحیح ہے، اور یہ صورت جو سوال میں درج ہے کہ ایک دفعہ جمعہ ایک مسجد میں ہو، اور دوسرا جمعہ دوسری مسجد میں، اور تیسرا جمعہ تیسری مسجد میں، یہ بھی دراصل درست ہے اور نماز جمعہ صحیح ہوتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ جو مسجد ان میں سے بڑی ہو، اور یا قدیم ہو اس میں جمعہ قائم کیا جاوے اور اس کو جامع مسجد قرار دیا جاوے کیونکہ یہ صورت تناوب کی جو سوال میں درج ہے پسندیدہ نہیں ہے، اور اس میں بوئے نفسانیت معلوم ہوتی ہے۔ **وأفاد أنّ المساجد تغلق يوم الجمعة إلّا الجامع** [1] (**الدّرّ المختار**) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لیے خاص مسجد جامع موضوع ہے، اگرچہ دوسری مساجد میں بھی جمعہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵۷/۵)

ایک مسجد میں تعدد جمعہ مکروہ ہے

سوال: (۲۴۳۴) ایک مسجد میں دو جمعہ جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۵۰۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تعدد جمعہ ایک شہر میں دو مسجدوں میں یا زیادہ میں عندالحنفیہ درست ہے۔ **كما في الدّرّ المختار: وتؤدّى في مصرٍ واحدٍ بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب وعليه الفتوى وفي ردّ المحتار: قوله: (مطلقًا) أي سواء كان المصر كبيرًا أولا إلخ وسواء كان التّعدّد**

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۰/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

في مسجدين أو أكثر إلخ [۱] لیکن ایک مسجد میں تعدد جماعت مکروہ ہے، پس دوسری جماعت جمعہ کی اس صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ تمام نمازوں کی جماعت ثانیہ کو اس مسجد میں جس میں امام ومؤذن مقرر ہوں فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور خصوصًا جمعہ پڑھنے کے بعد جامع مسجد کو بند کردینے کا حکم دیا ہے، شامی میں ہے: والظّاهر أنّه يغلق أيضًا بعد إقامة الجمعة لئلاّ يجتمع فيه أحد بعدها إلخ [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۱/۵)

ایک مسجد میں دوبار جمعہ مکروہ ہے

سوال: (۲۴۳۵) امام نے یا غیر امام نے جمعہ کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھی اس کے بعد پانچ چھ آدمی آئے اب یہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں یا ظہر کی؟ اگر ظہر پڑھیں تو اسی مسجد میں یا دوسری مسجد میں یا علیحدہ علیحدہ پڑھیں؟ اور اگر یہ بقیہ لوگ جمعہ کی نماز کسی مکان میں یا میدان میں پڑھیں تو درست ہے یا نہیں؟ (۲۳۷۷/۲۳۷۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ یوم جمعہ میں ادائے ظہر بہ جماعت مکروہ تحریمی ہے [۳] اور اس مسجد میں جس میں جمعہ ہوچکا ہے جمعہ بھی دوبارہ نہ پڑھیں [۴] بلکہ اگر کسی دوسری جگہ جماعت جمعہ ہوتی ہو تو وہاں جمعہ ادا کریں، ورنہ ظہر تنہا تنہا ادا کریں اور جمعہ کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۵/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب.

(۲) ردّ المحتار: ۳۰/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۳) وكره تحريمًا لمعذور و مسجون و مسافر أداء ظهر بجماعة في مصر قبل الجمعة وبعدها إلخ، وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة فإنّهم يصلّون الظّهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۰/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

(۴) والظّاهر أنّه يغلق أيضًا بعد إقامة الجمعة لئلاّ يجتمع فيه أحد بعدها. (ردّ المحتار: ۳۰/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

کسی مکان میں اور میدان شہر میں بھی جمعہ ادا ہوسکتا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۲/۵)

جمعہ کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں

سوال: (۲۴۳۶) ایک شخص نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے: ادائے جمعہ کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں؟ (۱۲۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ بے شک جمعہ کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، شہر کی دوسری مسجد میں یا شہر کے میدان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے، مگر جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ شہر یا قصبہ ہونا چاہیے اور بڑا گاؤں جو مثل قصبہ کے ہو وہ بھی اسی حکم میں ہے، چھوٹے قریہ میں جمعہ عندالحنفیہ درست نہیں ہے (۲) حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے: لا جمعة ولا تشريق إلخ إلّا في مصر جامع الحديث (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۷/۵-۱۴۸)

کمزور آدمی جمعہ کہاں پڑھے؟

سوال: (۲۴۳۷) جو آدمی ضعیف ہو اور اس قدر فاصلہ یا بلند جگہ پر جہاں جامع مسجد واقع ہو نہ جاسکتا ہو وہ نماز جمعہ کہاں ادا کرے؟ (۱۷۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہو جمعہ ادا کر لیوے جامع مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۴۸/۵)

---

(۱) وتودّى في مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقًا على المذهب وعليه الفتوى. (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۱۵/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب) ظفیر

(۲) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق —— إلىٰ قولهٖ —— وفيما ذكرنا إشارة أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب إلخ. (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

(۳) عن عليّ رضي الله عنه قال : لا جمعة لا تشريق الحديث . (مصنف ابن أبي شيبة: ۵۳۶/۲ ، أبواب الجمعة ، باب من قال : لا جمعة لا تشريق إلّا في مصر جامع ، المطبوعة: مكتبة الرّشد ، الرّياض) نوٹ: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہمیں نہیں مل سکی۔ ۱۲

جمعہ کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں

سوال: (۲۴۳۸) ایک مصر کی چند مساجد میں جمعہ جائز ہے، پس علاوہ مسجد کے کسی کارخانہ یا مکان میں مثل مسجد کے جمع ہوکر جمعہ پڑھیں تو کیسا ہے؟ کیا جمعہ کے لیے مسجد ضروری ہے؟
(۲۳۱۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: امصار وقصبات میں جمعہ کے ادا ہونے کے لیے مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے، علاوہ مساجد کے دوسرے مکانات اور کارخانوں میں اور میدانوں میں بھی جمعہ صحیح ہے۔ کما في الدّرّ المختار: وتؤدّی في مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقًا علی المذهب وعلیه الفتوی (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۸۳/۵-۸۴)

بارش کے زمانے میں جمعہ کی نماز باجماعت گھر میں پڑھ سکتا ہے

سوال: (۲۴۳۹) درایام باراں بہ وجہ کثرت بارش وآب فراواں راہ چلیدن از حد بیکراں دشوار گذار می شود، ومسجد ہم قدرے از مسکن دور است، تادراں ہنگام ادائے صلاۃ جمعہ را شرعًا چہ حکم دارد؟ آیا دراں ہنگام تکلیف مالا نہایہ کشیدہ برائے صلاۃ جمعہ بہ مسجد رفتن ضرور باشد یا تادیٔ صلاۃ بہ مکان کافی کند؟ (۲۳۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تعدد صلاۃ جمعہ علی القول المفتی بہ صحیح است، پس اگر بہ عذر مطر رفتن بہ مسجد جامع دشوار باشد بجائے دیگر نماز جمعہ گذاردن بہ جماعت مشروعہ (وآں سہ مرد است علاوہ امام، درمختار (۲)) صحیح است (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۴/۵-۷۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطیب.

(۲) والسّادس الجماعة وأقلّها ثلاثة رجال إلخ سوی الإمام بالنّصّ لأنّه لا بدّ من الذّاکر و هو الخطیب وثلاثة سواه بنصّ: ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۳/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في قول الخطیب: أعوذ باللّٰه إلخ)

(۳) وتؤدّی في مصرٍ واحدٍ بمواضع کثیرة مطلقًا علی المذهب وعلیه الفتوی ...... دفعًا للحرج. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵/۳، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطیب) ظفیر

ترجمہ سوال: (۲۴۳۹) بارش کے دنوں میں بارش کی کثرت اور پانی کی زیادتی کی وجہ سے راستہ میں چلنا انتہائی دشوار ہوجاتا ہے، اور مسجد بھی گھر سے قدرے دور ہے، ایسی حالت میں نماز جمعہ کو ادا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا ایسی حالت میں تکلیف مالا نہایہ اٹھا کر نماز جمعہ کے لیے مسجد جانا ضروری ہوگا، یا گھر میں نماز ادا کرنا کافی ہوگا؟

الجواب: مفتی بہ قول کے مطابق تعدد نماز جمعہ صحیح ہے، پس اگر بارش کے عذر کی وجہ سے جامع مسجد جانا دشوار ہوجائے تو دوسری جگہ نماز جمعہ جماعت مشروعہ (اور وہ امام کے علاوہ تین مرد ہیں) کے ساتھ ادا کرنا صحیح ہے۔

گھر میں مسجد کی جگہ مخصوص کر کے نماز باجماعت ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴۴۰) جو لوگ مسجد سے زیادہ فاصلہ پر رہتے ہیں مثلاً ۴۰۰ گز یا ۵۰۰ گز کہ اذان کی آواز وہاں نہیں پہنچ سکتی، وہ اگر مسجد کی جگہ گھر میں مخصوص کرلیویں، اور ۶، ۷ آدمی جماعت سے نماز پڑھیں تو کیا وہ مخصوص جگہ گھر میں مسجد کا حکم رکھے گی یا کیا؟ (۲۷۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وہ مخصوص جگہ گھر کی مسجد کا حکم نہ رکھے گی [1] لیکن نماز اگر جماعت سے وہاں پڑھی جاوے گی جماعت کا ثواب حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۳/۵-۱۵۴)

جمعہ کی نماز سے پہلے ''صف سیدھی کرلو'' کہنا مستحب ہے

سوال: (۲۴۴۱) بعد خطبۂ جمعہ کے قبل تکبیر تحریمہ کے زید نے آواز سے کہا: ''صف سیدھی کرلو'' بکر کہتا ہے کہ زید کی نماز نہیں ہوئی، آیا صف سیدھی کرنے لیے کہنا مستحب اور درست ہے اور نماز ہوئی یا نہیں؟ (۲۲۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) **ولا یکرہ ما ذکر فوق بیت جعل فیہ مسجد بل ولا فیہ لأنّہ لیس بمسجد شرعًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۷۲/۲، کتاب الصّلاۃ، باب ما یفسد الصّلاۃ وما یکرہ فیھا، مطلب في أحکام المسجد)** ظفیر

الجواب: صف سیدھی کرنے کے لیے کہنا مستحب ومسنون ہے، بکر کا قول غلط ہے، نماز ہوگئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۵-۵۶)

جمعہ میں فرض وسنت کی کتنی رکعت ہیں؟

سوال: (۲۴۴۲) نمازِ جمعہ کی مع فرائض وسنن کے کتنی رکعت ہیں؟ بعد جمعہ کے چار فرض ہیں یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۳۷۸ھ)

الجواب: جمعہ کی نمازِ کیفیت اس طرح ہے: اوّل چار رکعت سنت، پھر دو فرض جمعہ کے امام کے ساتھ، پھر چار سنت بعد جمعہ کے پڑھے، اور اگر دو رکعت سنت بعد چار سنت کے پڑھے یعنی کل چھ رکعت سنت بعد جمعہ کے پڑھے تو یہ اچھا ہے؛ کما في بعض الرّوايات (۲) اور جمعہ کے بعد ظہر کے چار فرض نہیں ہیں، وہ نہ پڑھے۔ كذا في الدّرّ المختار ناقلاً عن البحر (۳) فقط (۵/۱۱۸)

جمعہ کے بعد کتنی سنتیں ہیں اور کس ترتیب سے؟

سوال: (۲۴۴۳) نماز جمعہ میں فرضوں کے بعد چار سنتیں پڑھے یا چھ اگر چھ پڑھے تو پہلے دو پڑھے یا چار؟ (۱۳۳۴-۳۳/۴۴۹ھ)

الجواب: چھ بہتر ہیں چار پہلے اور دو پیچھے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۵۱)

---

(۱) وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصّوا ويسدّوا الخللَ ويسوّوا مناكبَهم. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۶۶، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب في كراهة قيام الإمام في غير المحراب) ظفیر

(۲) حوالہ آگے آرہا ہے۔۱۲

(۳) وفي البحر: وقد أفتيت مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنيّة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضيّة الجمعة وهو الاحتياط في زماننا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۶، كتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۴) وسنّ مؤكّدًا أربع قبل الظّهر وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها بتسليمة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۹۲، كتاب الصّلاة، باب الوتر والنّوافل، مطلب في السّنن والنّوافل) ==

سوال: (۲۴۴۴) جمعہ کے بعد جو چھ سنن ہیں یہ ظہر کی ہیں یا جمعہ کی؟ (۵۰۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ جمعہ کی سنتیں ہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۶/۵)

سوال: (۲۴۴۵) نماز جمعہ کے بعد کئی سنت ہیں؟ (۲۱۳۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: فقہاء حنفیہ جمعہ کے بعد چار سنت مؤکدہ لکھتے ہیں، اور بعض روایات میں چھ رکعت آئی ہیں، لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ چھ رکعت پڑھیں ورنہ چار ضرور پڑھیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۶۹/۵)

سوال: (۲۴۴۶) نماز جمعہ دارالحرب میں جائز سمجھنے پر بندہ اس طرح پڑھتا ہے، اوّل خطبہ سے چار رکعت سنت، بعد خطبہ باجماعت دو رکعت فرض، پھر چار رکعت سنت؛ لیکن اگر مسجد میں ایسے وقت داخل ہوں کہ خطبہ شروع ہو تو خطبہ سنا جاتا ہے، اور پھر دو فرض اس کے بعد پہلی والی چار رکعت سنت اور بعد فرض کے چار رکعت سنت ادا کرتا ہوں بس، جائز اسی طرح ہے اگر نہیں تو کیوں؟
(۸۲۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اسی طرح پڑھنا چاہیے یہ ٹھیک ہے، اور اگر جمعہ کے بعد چھ سنت بھی پڑھ لیا کرے تو بہتر ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۸/۵-۱۵۹)

مسجد میں جا کر بیٹھنے سے پہلے سنتیں پڑھنی چاہئیں

سوال: (۲۴۴۷) جمعہ میں اگر کوئی شخص مسجد جاوے تو پہلے کچھ دیر بیٹھ کر سنت وغیرہ پڑھنا چاہیے یا فوراً جانے کے ساتھ ہی سنت وغیرہ پڑھنا چاہیے؟ (۱۶۷۱/۱۳۳۷ھ)

== فقد ذكر في الأصل و أربع قبل الجمعة و أربع بعدها إلخ ، وذكر الطّحاوي عن أبي يوسف أنّه قال: يصلّي بعدها ستًّا إلخ، ينبغي أن يصلّي أربعًا ثمّ ركعتين. (بدائع الصّنائع: ۱/ ۶۳۸-۶۳۹، كتاب الصّلاة ، فصل في الصّلاة المسنونة)

(۱) والسّنّة قبل الجمعة أربع ، وبعدها أربع .... و عند أبي يوسف : السّنّة بعد الجمعة ستّ ركعات .... والأفضل أن يصلّي أربعًا ثمّ ركعتين للخروج عن الخلاف (غنية المستملي، ص:۳۳۷، فصل في النّوافل) ظفیر

(۲) وسنّ إلخ ، قبل الظّهر والجمعة ، وبعدها أربع بتسليمة. (شرح الوقاية: ۱/۱۷۰-۱۷۱، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل) ظفیر

الجواب: حدیث شریف میں ہے: **إذا دخل أحدكم المسجد فليركع ركعتين قبل أن يجلس** [۱] اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے مسجد میں داخل ہوتو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے، اور یہ دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں جو کہ مستحب ہیں، بہر حال اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں جا کر بیٹھنے سے پہلے نوافل یا سنتیں پڑھنی چاہئیں۔ **وهٰذا مذهب الفقهاء.** فقط (۸۳/۵)

سنت پڑھنے والوں کی فراغت کا انتظار کرنا خطیب کے لیے ضروری نہیں

سوال: (۲۴۴۸) جب جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا اور اتفاقاً دو چار اشخاص جو دیر سے آئے تھے نماز سنت پڑھتے ہیں منبر کے داہنی یا بائیں طرف تو اس وقت خطیب کو خطبہ شروع کرنا کیسا ہے؟ جو شخص وقت مذکورہ میں خطبہ پڑھنے کو حرام قرار دے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۷/۳۶۳ھ)

الجواب: خطیب کو انتظار کرنا سنت پڑھنے والوں کی فراغت کا لازم نہیں ہے؛ جس وقت وقت مقرر ہو جائے خطیب خطبہ کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے، اس پر کچھ مواخذہ اور گناہ نہیں ہے، کیونکہ امام متبوع ہے تابع نہیں ہے، مقتدیوں کو تو یہ حکم ہے کہ جس وقت خطیب خطبہ کے لیے منبر پر جاوے نوافل وسنن نہ پڑھیں؛ لیکن خطیب کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ فراغت کا انتظار کرے، اور اگر دو چار منٹ کا وہ انتظار کرے تو اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے؛ لیکن انتظار نہ کرنے سے گناہ گار نہ ہوگا۔ **في حديث الصّحيحين: إنّما جعل الإمام ليؤتمّ به الحديث** [۲] **وفي الدّرّ المختار: وإذا**

---

(۱) عن أبي قتادة رضي اللّٰه عنه أنّ رسول صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: إذا دخل أحدكم المسجد الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۶۸، كتاب الصّلاة، باب المساجد و مواضع الصّلاة، الفصل الأوّل)

(۲) عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: قال: رسول صلّى اللّٰه عليه وسلّم:............ إنّما جعل الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۱۰۱، كتاب الصّلاة، باب: ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق، الفصل الثّالث)

خروج الإمام فلا صلاة و لا کلام إلخ (۱) پس جوشخص بہ حالت مذکورہ خطبہ پڑھنے کوحرام قرار دے وہ خاطی ہے، اور مسائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کی بات کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۶/۵)

خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۴۴۹) ایک شخص جمعہ کے خطبہ کے وقت دورکعت سنت پڑھ لیتا ہے، دوسرا شخص اس کو منع کرتا ہے، سنت پڑھنے والا احادیث صحیحین پیش کرتا ہے، ایک حدیث میں پیغمبر خدا ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا جو خطبہ کے وقت آیا تھا کہ اٹھ! دورکعت نماز پڑھ لے (۲) دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن ایسے وقت آوے کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو اس کو چاہیے کہ دورکعت پڑھ لے (۳) اور منع کرنے والا آیت کریمہ: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ الآیة﴾ پیش کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ خطبہ سننا فرض ہے، پس بہ وقت خطبہ سنت پڑھنا درست نہیں ہے۔

(۱۳۳۸/۶۶۹ھ)

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہی ہے کہ خطبہ کا سننا فرض ہے اس وقت نماز نفل وغیرہ پڑھنا ممنوع ہے۔ لقولہٖ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت: ۲۰۴) اور نزول اس آیت کا نماز کے بارے میں ہے یا خطبہ کے بارے میں، اور ان دونوں

---

(۱) تنویر الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۲) عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: دخل رجل یوم الجمعة والنّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یخطب فقال: أصلیت؟ قال: لا، قال: قم فصلّ رکعتین. (صحیح البخاري: ۱/۱۲۷، کتاب الجمعة، باب من جاء والإمام یخطب صلّی رکعتین خفیفتین)

(۳) عن جابر رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وهو یخطب: إذا جاء أحدکم یوم الجمعة والإمام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوّز فیهما، رواه مسلم. (مشکاة المصابیح، ص:۱۲۳، کتاب الصّلاة، باب الخطبة و الصّلاة، الفصل الأوّل)

قول کو مفسرین اور محققین نے نقل فرمایا ہے، صاحب جلالین نے خطبہ میں اس کا نزول لکھا ہے(۱) اور صاحب کمالین نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کو مسند کیا ہے(۲) اور دیگر روایات در بارۂ نزول فی الصلاۃ بھی نقل فرمائی ہیں، بہر حال خطبہ بھی اس حکم میں داخل ہے، اور صاحب کبیری نے خطبہ کے وقت نماز کی ممانعت روایات حدیث وآثار سے ثابت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں: **ولأبي حنيفة ما ذكر ابن أبي شيبة في مصنّفه عن علي وابن عبّاس وابن عمر: كانوا يكرهون الصّلاة والكلام بعد خروج الإمام ـــــ إلى أن قال: ـــــ أخرج السّتّة عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والإمام يخطب فقد لغوت، وهٰذا يفيد بعبارته منع الأمر بالمعروف مع أنّه واجب، وبدلالته منع صلاة النّفل والقراءة والأذكار لأنّه إذا منع الواجب فالنّفل أولى بالمنع، ويرجّح على سائر الأحاديث الدّالّة على جواز تحيّة المسجد أو إباحة الكلام لأنّه محرّم والمحرّم مرجّح على المبيح(۳) إلى آخر ما قال رحمه الله تعالى.**

پس دیکھئے کہ اس عبارت سے واضح ہے کہ حدیث منع کو ترجیح ہے حدیث جواز پر، اس وجہ سے کہ وہ یعنی حدیث منع محرم ہے، اور حدیث جواز مبیح، اور محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے، اور نیز علماء محققین نے حدیث جواز کا یہ بھی جواب دیا ہے کہ وہ واقعۂ خاص ہے، اور آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ نے خاص شخص کو کسی وجہ خاص سے اجازت دے دی، حکم عام وہی ہے جو دیگر احادیث ونصوص سے ثابت ہے، یعنی ممنوع ہونا نماز وغیرہ کا بہ وقت خطبہ کے۔ فقط (۵/۸۸-۹۰)

سوال: (۲۴۵۰) خطبہ شروع ہونے کے بعد (سنتیں)(۴) پڑھنا کیسا ہے؟
(۱۳۳۳-۳۲/۳۵ھ)

---

(۱) ﴿وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآية﴾ نزلت في ترك الكلام في الخطبة وعبّر عنها بالقرآن (تفسير الجلالين، ص:۱۴۷، تفسير سورة الأعراف)

(۲) حاشية الجلالين، ص:۱۴۷، تفسير سورة الأعراف، رقم الهامش: ۸۔

(۳) غنية المستملي، المعروف بالكبيري، ص:۴۸۲، فصل في صلاة الجمعة.

(۴) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔ ۱۲

الجواب: خطبہ شروع ہونے کے بعد سنتیں نہ پڑھیں نہ اوّل خطبہ کے وقت نہ دوسرے خطبہ کے وقت۔ کما جاء في الرّوايات: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام [1] فقط (رواه الطّبراني في معجمه عن ابن عمرؓ مرفوعًا كما في فتح الباري [2] ظفیر) (۵/۱۷۵-۱۷۶)

سوال: (۲۴۵۱) جمعہ کے خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟ [3] (۲۰۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں ہے، جس وقت سے امام ممبر پر جاوے اور خطبہ شروع کرے اس وقت سے نماز وغیرہ سب ممنوع ہو جاتی ہے۔ لقوله عليه الصّلاة والسّلام: إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۸)

خطیب خطبہ کے دوران یہ نہ کہے کہ دو رکعت پڑھ لیجیے!

سوال: (۲۴۵۲) امام کے خطبہ پڑھتے ہوئے اگر کوئی آئے تو خطیب کا اس کو یہ کہنا کہ دو رکعت پڑھ لیجیے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۰۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: خطبہ کے وقت کوئی نماز نہ پڑھنی چاہیے، اور نہ خطیب کسی کو حکم کرے دو رکعت نماز کے پڑھنے کا إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام یعنی جس وقت امام خطبہ پڑھنے کو اٹھے اور منبر پر بیٹھے اس وقت سے نماز اور کلام سب ممنوع ہے [5] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۱۵-۱۱۶)

---

(۱) تنوير الأبصار مع الشّامي: ۳/۳۱-۳۲، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۲) فتح الباري: ۲/۴۰۹، كتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلًا جاء وهو يخطب إلخ، المطبوعة: دار المعرفة، بيروت.

(۳) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے۔۱۲

(۴) حوالہ؛ سابقہ جواب میں آچکا ہے۔

(۵) إذا خرج الإمام من الحجرة إن كان وإلّا فقيامه للصّعود.........فلا صلاة ولا كلام إلى تمامها (الدّرّ المختار) قوله: (فلا صلاة) شمل السّنّة وتحيّة المسجد، بحر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۳۱-۳۲، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو وعظ اور جہراً ذکر و تلاوت ممنوع ہے

سوال: (۲۴۵۳) قبل نماز جمعہ وخطبہ ایک واعظ جامع مسجد میں ہمیشہ وعظ کہتا ہے اور سنت پڑھنے والے سنت پڑھتے رہتے ہیں، اور کبھی لڑکے نابالغوں سے قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے، جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، ایسے مواقع میں وعظ اور قرآن شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۱۷۰۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ رفع الصوت بالذکر جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو یا نائمین کو ایذاء ہو ممنوع ہے۔ **في الشّامي: ولا يعارض ذٰلك حديث خير الذّكر الخفيُّ؛ لأنّه حيث خيف الرّياء أو تأذّى المصلّين أو النّيام فإن خلا ممّا ذكر، فقال بعض أهل العلم: إنّ الجهر أفضل إلخ** (۶۹۱/۱)[1] پس ہرگاہ ذکر اللہ کے ساتھ جہر کرنے کو منع کیا جاتا ہے نمازیوں کی تکلیف کی وجہ سے، پس وعظ کو منع کرنا بہ درجہ اولیٰ ہے، اسی طرح قرآن شریف جہر سے پڑھوانا اس موقع پر کہ نمازی نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن شریف پکار کر پڑھنے سے ان کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہے؛ ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۰/۵-۱۸۱)

خطبہ شروع ہونے سے پہلے چار رکعت سنت نہ پڑھ سکا تو کب پڑھے؟

سوال: (۲۴۵۴) نمازِ جمعہ سے پہلے جو چار سنت ہیں وہ رہ گئیں اور نمازِ جمعہ کا خطبہ شروع ہوگیا ان چار رکعت کو کس وقت پڑھے؟ (۴۹۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت نہ پڑھے، بعد نماز جمعہ کے پڑھے، دوسرے خطبہ کے وقت بھی نہ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۵۴/۵-۱۵۵)

---

(۱) **ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳۷۶/۲-۳۷۷، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في رفع الصّوت بالذّكر.**

سنتوں کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے

سوال: (۲۴۵۵) نماز ختم ہونے کے بعد جب امام سنتوں سے فارغ ہوجاتا ہے زور زور سے دعا مانگتا ہے اور جو مقتدی فارغ ہو چکے ہوتے ہیں وہ اس کے ساتھ دعا میں شریک ہوتے ہیں، یہ دعا بڑی لمبی چوڑی ہوتی ہے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں، اس امر مذکور بالا میں کیا حکم ہے؟

(۱۳۳۳-۳۲/۹۰ھ)

الجواب: یہ امر بھی سنت سے ثابت نہیں ہے لہٰذا بدعت ہے، اس کو ترک کیا جاوے، بدعت کی مذمت میں احادیث بہ کثرت وارد ہیں، اور قبح اس کا ظاہر ہے، اور جس امر سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہو اس کو فقہاء منع لکھتے ہیں، پس اصرار کرنا ایک امر بدعت پر نہایت مذموم ہے۔ **قال عليه الصّلاة والسّلام : كلّ بدعة ضلالة الحديث** (۱) **وقال عليه السّلام : من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو ردّ الحديث** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۷۶-۱۷۷)

خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطیب کا یہ کہنا کہ ''پہلی صف میں آجایئے'' درست ہے

سوال: (۲۴۵۶) خطیب کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے منبر پر سے لوگوں کو یہ کہنا کہ پہلی صف میں آجایئے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۲۰۷ھ)

---

(۱) عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال : كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول في خطبته : يحمد الله ويثني عليه بما هو أهله ثمّ يقول : من يهده الله فلا مضلّ له و من يضلله فلا هادي له ...... وشرّ الأمور محدثاتها وكلّ محدثة بدعة وكلّ بدعة ضلالة الحديث. (سنن النّسائي: ۱/۱۷۹، كتاب صلاة العيدين ، كيف الخطبة؟)

(۲) عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص: ۲۷، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الأوّل)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ کذا في الشّامي[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۱۵-۱۱۶)

نابینا کے پیچھے جمعہ صحیح ہے

سوال: (۲۴۵۷) نابینا کے پیچھے جمعہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور چونکہ اس پر جمعہ فرض نہیں تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۴۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: نابینا کے پیچھے جمعہ صحیح ہے؛ ہدایہ میں ہے: **ولا تجب الجمعة علیٰ مسافر إلخ ولا أعمٰی .... فإن حضروا فصلّوا مع النّاس أجزأهم عن فرض الوقت .... ویجوز للمسافر إلخ أن یؤمّ في الجمعة**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۰۹)

فسادی امام کے پیچھے جمعہ پڑھنا چاہیے یا علاحدہ؟

سوال: (۲۴۵۸) ایک امام مسجد نے مطلقہ ثلاثہ کا نکاح؛ مطلق (طلاق دینے والے) سے بلاحلالہ کے کردیا، اور کہا کہ میرے نزدیک یہ واحدہ رجعیہ ہے، اس کو سمجھانے کے لیے شرح وقایہ دکھلایا گیا تو اس نے شرح وقایہ صحن مسجد میں پھینک دیا، اور خطبہ میں اخباری تقریریں پڑھتا ہے تو دوسری مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ امام اوّل ہی کے پیچھے پڑھنا چاہتے ہیں؟ (۲۲۹۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: علیحدہ بھی جمعہ پڑھنا جائز اور درست ہے، اور اگر امام اوّل کے پیچھے مسجد اوّل میں پڑھیں تو یہ بھی درست ہے، غرض یہ کہ امام اوّل اگر فسادی شخص ہے اور اس کے علیحدہ کرنے میں فتنہ ہے تو اسی کے پیچھے نماز پڑھ لیں (یا علیحدہ پڑھیں)[3] ہر طرح درست ہے، اور اگر امام اوّل

---

(۱) **وکلّ ما حرم في الصّلاة حرم فیها أي في الخطبة إلخ فیحرم أکل وشرب وکلام ولو تسبیحًا أو ردّ سلام أو أمر بمعروف (الدّرّ المختار) إلّا إذا کان من الخطیب کما قدّمه الشّارح. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۳۲، کتاب الصّلاة، باب الجمعة)**

و یکره تکلّمه فیها إلّا لأمر بمعروف لأنّه منها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۱، کتاب الصّلاة، باب الجمعة) ظفیر

(۲) **الهدایة: ۱/۱۶۹، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة.**

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

کے علیحدہ کرنے میں کچھ فتنہ نہیں ہے اور وہ صاف طور سے توبہ نہ کرے تو اس کو علیحدہ کرکے امام ثانی مقرر کیا جاوے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۱/۵)

جمعہ کے لیے امام کا تنخواہ دار ہونا ضروری نہیں

سوال: (۲۴۵۹) ہم لوگ اپنے قصبے میں ایک حافظ قرآن کے پیچھے نماز جمعہ پڑھتے تھے، امسال ایک مولوی صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ نماز جمعہ ادا ہونے کا مسئلہ یہ ہے کہ مسلمان اپنا امام جمعہ مقرر کرلیویں جب جمعہ ادا ہوتا ہے، امام مذکور بلا تنخواہ نماز جمعہ و پنج وقتی پڑھاتے تھے، اب ایک ماہ سے مولوی مذکور نے جمعہ بند کرادیا، اور یہ کہتے ہیں کہ جب تک مسجد میں امام تنخواہ دار مقرر نہ ہو جمعہ ادا نہیں ہوتا، سوال یہ ہے کہ امام مذکور کے پیچھے جو بلا تنخواہ نماز پڑھاتے ہیں نماز ادا ہوتی ہے؟ اور صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ (۵۵۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: امام کے مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس کو کہہ دیا جاوے کہ نماز جمعہ پڑھادو وہ جمعہ پڑھا سکتا ہے، اور نماز جمعہ اس کے پیچھے صحیح ہے، پس جو حافظ صاحب نمازِ پنج وقتہ اور جمعہ پڑھاتے تھے ان کے پیچھے جمعہ کی نماز صحیح ہے، تنخواہ دار ہونا امام کا ضروری نہیں ہے، بلکہ بلا تنخواہ والا امام زیادہ مستحق امامت کا ہے، اس کے پیچھے بلا شبہ نماز جمعہ وغیرہ صحیح ہے، غرض یہ ہے کہ جیسا اور نمازوں کا حکم ہے کہ جو شخص لائق امام ہونے کے ہو وہ امام ہو جاوے اور اس کے پیچھے نماز صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۰/۵)

خطیب و نائب خطیب جب مقررہ وقت پر حاضر نہ ہوں تو دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے

سوال: (۲۴۶۰)......(الف) نمازِ جمعہ میں وقت مقررہ پر نہ خطیب صاحب حاضر ہوئے،

---

(۱) قال أصحابنا : لا ینبغي أن یقتدی بالفاسق إلاّ في الجمعة لأنّه في غیرها یجد إمامًا غیره اهـ. قال في الفتح: وعلیه فیکره في الجمعة إذا تعدّدت إقامتها في المصر علٰی قول محمّد المفتٰی به لأنّه سبیل إلی التحوّل. (ردّ المحتار: ۲/۲۵۵، کتاب الصّلاۃ ، باب الإمامة ، مطلب في تکرار الجماعة في المسجد) ظفیر

نہ نائب خطیب، آدھ گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد متولی صاحب دوسرے شخص کو خطبہ اور نماز پڑھانے کا حکم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(ب) دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(ج) خطیب صاحب ہمیشہ پنج وقتہ نماز میں غیر حاضر رہتے ہیں، اور تجارت کرتے ہیں ان کے پیچھے اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۱۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف وب) دے سکتے ہیں اور دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے اور وہ نماز صحیح ہے۔

(ج) نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۱/۵)

جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت کوئی نماز درست نہیں

سوال: (۲۴۶۱) بعض لوگ جمعہ کے دن میں دوپہر کے وقت قبل اذان دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جمعہ کے روز دوپہر کے وقت یہ دو رکعت مکروہ نہیں؛ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۵۳۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ زوال کے وقت کوئی نماز درست نہیں ہے، سب نمازیں فرض وواجب وسنت ونفل اس وقت مکروہ تحریمی ہیں، البتہ امام ابو یوسفؒ سے مثل امام شافعیؒ کے روایت جواز کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے مواقع میں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ **لأنّ المحرّم مقدّم على المبيح** (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۲/۵)

---

(۱) وكره تحريمًا إلخ ، صلاة مطلقًا ولو قضاءً أو واجبةً أو نفلاً إلخ مع شروق إلخ واستواء إلاّ يوم الجمعة علٰى قول الثّاني المصحّح المعتمد كذا في الأشباه، ونقل الحلبي عن الحاوي أنّ عليه الفتوى (الدّرّ المختار) لٰكن لم يعوّل عليه في شرح المنية والإمداد على أنّ هٰذا ليس من المواضع الّتي يحمل فيها المطلق على المقيّد كما يعلم من كتب الأصول، وأيضًا فإنّ حديث النّهي صحيح رواه مسلم وغيره ، فيقدم بصحّته واتّفاق الأئمّة على العمل به وكونه حاظرًا ولذا منع علماؤنا عن سنّة الوضوء وتحيّة المسجد و ركعتي الطّواف ونحو ذٰلك فإنّ الحاظر مقدم على المبيح. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۲۸-۲۹، كتاب الصّلاة ، مطلب يشترط العلم بدخول الوقت) ظفیر

عورتوں کی شرکت نمازِ جمعہ میں مکروہ ہے

سوال: (۲۴۶۲) آیا عورتیں شہر کی جامع مسجد میں پردہ کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرسکتی ہیں یا نہیں؟ جمعہ کے بہانہ سے وہ وعظ ونصیحت بھی سن لیتی ہیں۔ (۱/۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: عورتوں کے لیے احتیاط اور پردہ کی زیادہ ضرورت ہے، اور جلبِ نفع سے دفعِ مضرت مقدم ہے، اسی لیے فقہاء نے عورتوں کو جماعت وجمعہ وعیدین ووعظ کی مجالس میں شامل ہونے کو مکروہ فرمایا ہے، درمختار میں ہے: **و یکرہ حضورھنّ الجماعۃ و لو لجمعۃ وعید و وعظ مطلقًا ولو عجوزًا لیلاً علی المذھب المفتی بہٖ لفساد الزّمان إلخ**[1] فقط (۱۱۵/۵)

امام کے ایک سلام پھیرنے کے بعد جمعہ میں شرکت درست نہیں

سوال: (۲۴۶۳) امام کے ایک سلام پھیرنے کے بعد نماز جمعہ میں شریک ہونے سے جمعہ ادا ہوگا یا نہ؟ (۳۲۰/۱۳۴۲ھ)

الجواب: نمازِ جمعہ صحیح نہ ہوگی وہ شخص ظہر کی نماز پڑھے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۱۵/۵)

رمضان کا آخری جمعہ پڑھنے کے لیے
دہلی کی جامع مسجد میں جانا ایک رسم ہے

سوال: (۲۴۶۴) عام لوگ اپنے گاؤں کی مساجد کو چھوڑ کر آخری جمعہ میں جامع مسجد دہلی میں جاتے ہیں؛ کیا انھیں زیادہ ثواب ہوتا ہے؟ (۲۸۰۴/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۲، کتاب الصّلاۃ ، باب الإمامۃ .

(۲) وتنقطع بہ التّحریمۃ بتسلیمۃٍ واحدۃٍ برھان وقد مرّ (الدّرّ المختار)أي في الواجبات حیث قال: وتنقضي قدوۃ بالأوّل قبل علیکم علی المشھور عندنا خلافًا للتّکملۃ اھـ أي فلا یصحّ الاقتداء بہٖ بعدھا لانقضاء حکم الصّلاۃ . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲۱۲/۲، کتاب الصّلاۃ ، باب صفۃ الصّلاۃ ، قبیل مطلب في وقت إدراک فضلیۃ تکبیرۃ الافتتاح)ظفیر

الجواب: اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے جامع مسجد میں اگر چہ ثواب زیادہ ہے، لیکن اپنے محلّہ اور گاؤں کی مسجد کا بھی حق ہے اس کو نہ چھوڑنا چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۲۳/۵)

خطبہ سے پہلے سورۂ کہف بہ آواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۶۵) جمعہ کے خطبہ سے پہلے مسجد میں سورۂ کہف بہ آواز بلند پڑھنا کیسا ہے؟
(۱۴۳۷/۱۳۴۵ھ)

الجواب: سورۂ کہف کا پڑھنا جمعہ کے دن مستحب ہے؛ لیکن ایسا جہر نہ کرے کہ دوسرے پڑھنے والوں کے ساتھ تزاحم ہو، اسی وجہ سے فقہاء نے چندلوگوں کو ایک جگہ قرآن شریف جہراً پڑھنے سے منع کیا ہے[2] کہ یہ آیت: ﴿وَاِذَا قُرِیءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ (سورۂ اعراف، آیت:۲۰۴) کے منافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۰/۵)

نمازِ جمعہ میں بھی لقمہ دینا اور لینا درست ہے

سوال: (۲۴۶۶) امام جمعہ پہلی رکعت میں تین آیات کے اندر بھول گیا، اور مقتدی نے لقمہ دیا امام نے لقمہ لے لیا اور سجدۂ سہو کر لیا نماز کو دہرانا چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۱۷۹۳ھ)

الجواب: نماز صحیح ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہ تھی کیونکہ لقمہ دینا اور لینا مفسدِ صلاۃ نہیں ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۳۳/۵)

---

(۱) ومسجد حيّه وإن قلّ جمعه أفضل من الجامع وإن كثر جمعه. (ردّ المحتار: ۳۷۵/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أفضل المساجد) ظفير

(۲) يكره للقوم أن يقرؤا القرآن جملةً لتضمّنها ترك الاستماع والإنصات المأمور بهما كذا في القنية. (الفتاوى الهندية: ۳۱۷/۵، كتاب الكراهيّة ، الباب الرّابع في الصّلاة والتّسبيح وقراءة القرآن إلخ) ظفير

(۳) بخلاف فتحه على إمامه فإنّه لا يفسد مطلقًا لفاتح وآخذ بكلّ حال. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۲۹/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: المواضع الّتي لا يجب فيها ردّ السّلام) ظفير

خطبہ کوئی پڑھے اور نمازِ جمعہ دوسرا شخص پڑھائے یہ درست ہے

سوال: (۲۴۶۷) خطبہ کی اجازت امام جمعہ نے جمعہ کے دن کسی کو تعظیمًا دی، خطیب نے خطبہ کے بعد امام جمعہ سے یا کسی اور شخص سے بہ اجازت امام جمعہ کے نماز پڑھوائی تو صلاۃ جمعہ بہ کراہت ادا ہوگی یا بلا کراہت؟ (۱۳۳۶/۲۳۳۱-۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **لا ينبغي أن يصلّي غير الخطيب لأنّهما كشيءٍ واحدٍ فإن فعل إلخ جاز إلخ . قوله: (لأنّهما) أي الخطبة والصّلاة كشيءٍ واحدٍ لكونهما شرطًا ومشروطًا ولا تحقّق للمشروط بدون شرطه فالمناسب أن يكون فاعلهما واحدًا إلخ** (۱) **(شامي: باب الجمعة)** پس معلوم ہوا کہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ خطبہ اور نماز ایک شخص پڑھاوے؛ لیکن اگر خطبہ کوئی پڑھے اور امام دوسرا ہو تو یہ بھی درست ہے، اور نماز میں کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ یہ فعل بلا ضرورت غیر اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۷۱/۵-۷۲)

سوال: (۲۴۶۸) کیا یہ درست ہے کہ زید جمعہ کا خطبہ پڑھے اور بکر نماز پڑھاوے؟ (۱۳۳۸/۹۸۱ھ)

الجواب: یہ بھی درست ہے کہ خطبہ کوئی پڑھے اور نماز جمعہ دوسرا شخص پڑھاوے، مگر بہتر یہ ہے کہ جو خطیب ہو وہی امام ہو (۲) فقط واللہ اعلم (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

جو لوگ پنج گانہ نماز نہیں پڑھتے ان کی بھی نماز جمعہ درست ہے

سوال: (۲۴۶۹) جو لوگ نماز پنج گانہ نہیں پڑھتے صرف نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ان کی نماز جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲۵۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶/۳-۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب .

(۲) حوالہ؛ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔

الجواب: نماز جمعہ بلاشبہ صحیح ہے اگر چہ وہ شخص بڑا گنہ گار ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۷۵)

نیتِ جمعہ

سوال: (۲۴۷۰) نماز جمعہ کی نیت اس طور سے درست ہے یا نہیں؟ نویتُ أن أصلّي للّٰه تعالیٰ رکعتي الجمعة فرض اللّٰه تعالیٰ متوجّهًا إلیٰ جهة الکعبة الشّریفة ؛ اللّٰه أکبر .

(۱۳۳۹/۸۱۹ھ)

الجواب: نیت نماز جمعہ بہ کیفیت مذکورہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۹۷)

امام کو نمازِ جمعہ کے بعد مختصر دعا مانگنی چاہیے

سوال: (۲۴۷۱) امام کو بعد نماز جمعہ دعا مختصر مانگنی چاہیے یا مطول؟ (۱۳۴۰/۱۴۱۸ھ)

الجواب: زیادہ طول نہ دینا چاہیے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۰۸-۱۰۹)

جامع مسجد کی نماز میں ثواب کی زیادتی صرف فرض نماز کے ساتھ خاص ہے

سوال: (۲۴۷۲) مجموعہ خطب میں مرقوم ہے کہ مسجد جامع میں ایک رکعت کا ثواب پانچ سو رکعت کے برابر ہے، یہ ثواب صرف نماز فرض کی جماعت اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے یا سنت اور نفل میں بھی یہی ثواب ہے، جب کہ وہ جامع مسجد میں پڑھے۔ (۱۳۳۷/۲۵۰ھ)

الجواب: یہ ثواب صرف نماز فرض کی جماعت اولیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، نماز سنت اور نفل میں نہیں، ان کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، اور یہی آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل اور حکم تھا،

---

(۱) و إن فاتته أکثر من صلوات یوم و لیلة أجزأته الّتي بدأ بها. (الهدایة: ۱/۱۵۵، کتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت) ظفیر

(۲) ویکره تأخیر السّنّة إلّا بقدر اللّٰهمّ أنت السّلام إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۱۸، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب هل یفارقه الملکان؟) ظفیر

اگر نوافل میں بھی یہی گراں قدر ثواب ہوتا تو آپ ﷺ گھر میں نہ پڑھتے اور نہ حکم کرتے اور یہ مضمون حدیث کا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۷۵)

امام کی اجازت کے بغیر مقتدی کا پکار کر تکبیر کہنا درست ہے

سوال: (۲۴۷۳) جمعہ یا عیدین کی نماز میں بلا اجازت امام کے از خود تکبیر پکار کر رکوع سجدہ میں کہنا تاکہ اور نمازیوں کو سہولت ہو جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم امام کہتے تھے کہ بلا اذنِ امام کے تکبیر پکارنے سے مکبر کی نماز نہیں ہوتی یہ صحیح ہے یا غلط؟ (۳۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نمازیوں کی سہولت اور اطلاع کی وجہ سے تکبیر پکار کر کہنا درست ہے، امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، یہ قول کسی عالم کا کہ بدون اجازتِ امام تکبیر پکار کر کہنا مقتدی کو جائز نہیں ہے، اور اس کی نماز اس سے فاسد ہو جاتی ہے الخ غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۴۹-۱۵۰)

بہ وقت ضرورت صفیں چیر کر آگے جانا درست ہے

سوال: (۲۴۷۴) امام مؤذن جامع مسجد و عیدگاہ کے اگر امور متعلقہ ضروریہ متعلق نماز کی وجہ سے اوّل وقت منبر اور مصلّٰی پر نہ جا سکیں بلکہ بعد جمع ہونے نمازیوں کے صفوف کو چیر کر اور گردنوں کو پھلانگ کر مصلّٰی پر جانا درست ہے یا نہیں؟ (۴۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: لا بأس بالتّخطّي ما لم يأخذ الإمام في الخطبة ولم يؤذ أحدًا إلخ[2] اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو ایذاء نہ ہو تو تخطی درست ہے، خصوصًا بہ ضرورت مذکورہ امام و مؤذن کو آگے جانا صفوف چیر کر درست ہے۔ إلّا أن لا يجد إلّا فرجة إمامه فيتخطّي إليها للضّرورة[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۵۵)

---

(۱) والأفضل في النّفل غير التّراويح المنزل إلّا لخوف شغل عنها (الدّرّ المختار) قوله: (والأفضل) شمل ما بعد الفريضة وما قبلها لحديث الصّحيحين: عليكم بالصّلاة في بيوتكم فإنّ خيرَ صلاة المرء في بيته إلّا المكتوبة إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۰۳-۴۰۴، كتاب الصّلاة، باب الوتر و النّوافل، مطلب في الكلام على حديث النّهي عن النّذر) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۸-۳۹، كتاب الصّلاة، باب الجمعة.

مونچھیں اور ناخن وغیرہ جمعہ کی نماز سے پہلے تراشنا چاہیے

سوال: (۲۴۷۵) صحیح بخاری: کتاب الجمعة حدیث سلمان رضی اللہ عنہ: **يتطهّر ما استطاع إلخ** (۱) کی شرح میں شرّاح نے من جملہ طہارت کے حجامت کو بھی داخل کیا ہے (۲) اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعًا: **كان يقلّم أظفاره و يقصّ شاربه يوم الجمعة قبل أن يخرج إلى الصّلاة أخرجه البزّار والطّبراني والبيهقي بسند حسن هكذا في الدّرّ المنثور** (۳) (سیوطی: ۱/۱۱۲) صریح دال ہے کہ قبل نماز جمعہ کے حجامت بنانا مسنون ہے؛ حالانکہ سند میں ابراہیم بن قدامہ واقع ہے، میزان الاعتدال میں **لا يعرف** (۴) اور فتح الباری میں **سنده ضعيف** لکھا ہے (۵) اور وہی سیوطی کی جامع صغیر میں ضعف کا نشان لگا ہوا ہے (٦) لیکن صاحب الفتح نے لسان المیزان اور حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ابراہیم مذکور کو لکھا ہے: **ذكره ابن حبّان في الثّقات أهـ** (۷) اشباہ، درمختار وغیرہ میں بعد نماز جمعہ کے (حجامت) (۸) بنانا

(۱) صحيح البخاري: ۱/۱۲۱، كتاب الجمعة، باب الدّهن للجمعة.

(۲) عمدة القاري: ٦/۲۵۲، كتاب الجمعة، باب الدّهن للجمعة، المطبوعة: دارالكتب العلميّة، بيروت.

(۳) الدّرّ المنثور: ۲/۵۸۷، تفسير سورة البقرة، الآية: ۱۲۴، المطبوعة: مركز هجر للبحوث والدّراسات، قاهرة.

(۴) ميزان الاعتدال: ۱/۵۳، حرف الألف، المطبوعة: دار المعرفة، بيروت.

(۵) فتح الباري: ۱۰/۳۴٦، كتاب اللّباس، باب قصّ الشّارب، المطبوعة: دارالمعرفة، بيروت.

(٦) الجامع الصّغير: ۲/۳۳۴، حرف الكاف، المطبوعة: مكتبة التّجاريّة الكبرى، مصر.

(۷) لسان الميزان: ۱/۳۳٦، حرف الألف، المطبوعة: دار البشائر الإسلاميّة، بيروت.

ومجمع الزّوائد: ۲/۳۸۴، باب الأخذ من الشّعر والظّفر يوم الجمعة، المطبوعة: دار الفكر، بيروت.

(۸) مطبوعہ فتاوی میں (حجامت) کی جگہ ''جماعت'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

افضل لکھا ہے (۱) واسطے مشابہت احرام کے، اور غنیۃ شرح منیہ میں نقلاً عن السروجی قبل نمازِ جمعہ کے مستحب لکھا ہے (۲) اور شامی نے حظر و إباحت میں بعد جمعہ کے حجامت بنانے کو خلاف حدیث ابو ہریرہ کے بتلایا ہے (۳) آیا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کو سیوطی نے بہ سند حسن لکھا ہے، فی الواقع صحیح ہے یا نہیں؟ اور جامع صغیر پر جو نشان صحت اور ضعف کے ہیں کس نے لگائے ہیں، اور حجامت بنانا قبل جمعہ کے افضل ہے یا بعد جمعہ کے؟ جو بعدیت کے قائل ہیں ان کی تعلیل درست ہے یا نہیں؟ (۱۴۴۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: صنیع شامیؒ سے ترجیح اسی کو معلوم ہوتی کہ تقلیم اظفار (ناخن تراشنا) وغیرہ قبل جمعہ ہونا چاہیے تاکہ موافق ہوجاوے حدیث کے (۳) نیز غسل کا پہلے مسنون ہونا بھی اسی کو مقتضی ہے، اور جن فقہاءؒ نے بعد جمعہ کو افضل کہا ان کی نظر اس پر ہوئی **لما فیه معنی الحجّ إلخ** یا اس پر **لتناله برکة الجمعة** (۳) لیکن ظاہر ہے کہ قواعد مذہب اور فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلیت کو مقتضی ہے۔ **وعلیه عمل مشائخنا رحمهم اللّٰه مثل الشّیخ العلّامة المحقّق القطب الکنکوهي قدّس سرّه وغیره من المحقّقین رحمهم اللّٰه تعالیٰ** اور اس کو فقہاء اور محدثین نے طے کردیا ہے کہ حدیث ضعیف پر بھی فضائل اعمال میں عمل صحیح ہے (۴) اور اس حدیث کا ضعف تو متفق علیہ بھی نہیں ہے، بعض نے حسن کہا اور بعض نے ضعیف۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۷۹-۸۰)

---

(۱) وتقلیم الأظفار وحلق الشّعر، ولکن بعدها أفضل. (الأشباة والنّظائر مع غمز عیون البصائر: ۳/۱۹۶-۱۹۷، الفنّ الثّالث: الجمع والفرق، القول في أحکام یوم الجمعة، رقم: ۲۱۴۰)

الأفضل حلق الشّعر وقلم الظّفر بعدها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۸، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب: إذا شرّك في عبادته العبرة للأغلب)

(۲) غنیة المستملي، ص: ۴۸۷، أوائل فصل في صلاة العید.

(۳) قوله: (وکونه بعد الصّلاة أفضل) أي لتناله برکة الصّلاة، وهو مخالف لما نذکر قریبًا في الحدیث إلخ. (ردّ المحتار علی الدّر المختار: ۹/۴۹۵، کتاب الحظر والإباحة — فصل في البیع)

(۴) مع أنّ الضّعیف یعمل به في فضائل الأعمال أهـ. (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۹/۴۹۵، کتاب الحظر والإباحة – فصل في البیع)

مسائل نماز عیدین

عید گاہ میں سب لوگوں کا پکار کر تکبیر کہنا ممنوع ہے

سوال: (۲۴۷۶) عید کے دن عید کی نماز سے پیشتر عید گاہ میں یا مسجد میں پکار پکار کر تکبیر کہنا درست ہے یا نہیں؟ بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جب تک لوگ نماز عید کے لیے جمع ہوتے رہیں، ایک شخص ان جمع شدہ میں سے پکار کر تکبیر کہتا ہے، پھر اس کے جواب میں سب مجمع کا مجمع تکبیر کہنے لگتا ہے، آیا اس طرح پکار کر تکبیر کہنا عید گاہ میں یا مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے یا مکروہ ہے تو پکار کر تکبیر کہنے والوں کو منع کرنا چاہیے یا نہیں؟ (۱۶۴۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: عید الفطر میں فقہاء عید گاہ میں یا مسجد میں تکبیر کہنے کو منع فرماتے ہیں، اور عید الاضحیٰ میں روایات مختلفہ ہیں، بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ صرف راستے میں کہے، اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ عید گاہ میں بھی درست ہے، مگر نہ اس طرح کہ ایک آدمی اوّل پکار کر تکبیر کہے، اور اس کے جواب میں سب مجمع تکبیر کہنے لگے، درمختار میں ہے: **ولا يكبّر في طريقها إلخ.** شامی میں ہے: **قوله: (في طريقها) ليس التّقييد به للاحتراز عن البيت أو المصلّى، وإنّما هو لبيان المخالفة بين عيد الفطر والأضحى فإنّ السّنّة في الأضحى التّكبير في الطّريق كما سيأتي إلخ**[1]

کبیری شرح منیہ میں آثار مختلفہ اس بارے میں بیان کیے ہیں: **نعم روى الدّارقطنيّ موقوفًا عن نافع أنّ ابن عمر كان إذا غدا يوم الفطر ويوم الأضحى يجهر بالتّكبير حتّى يأتي**

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۷، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس.

المصلّی ثمّ یکبّر حتّٰی یأتي الإمام ، وقال البیهقيّ: الصّحیح وقفه علی ابن عمر، وهو قول صحابيّ قد عارضه قول صحابيّ آخر ، روی ابن المنذر عن ابن عبّاس أنّه سمع النّاس یکبّرون فقال لقائده أکبّر الإمام؟ قیل: لا، قال: أفجنّ النّاس أدرکنا مثل هٰذا الیوم مع النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم فلمّا کان أحد یکبّر قبل الإمام فیبقٰی مفاد الآیة بلا معارض إلخ (۱)

اور مراد آیت سے یہ آیت ہے: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ (الأعراف ، الآیة: ۲۰۵) حیث قال قبیله: ولأبي حنیفة أنّ رفع الصّوت بالذّکر بدعة مخالف للأمر في قوله تعالٰی: ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ﴾ إلّا ما خصّ بالإجماع إلخ ، ثمّ ذکر الجواب أنّ استدلال الصّاحبین إلخ (۱)

اور درمختار میں ہے: وقالا: الجهر به سنّة کالأضحٰی، وهي روایة عنه ووجهها ظاهر قوله تعالٰی: ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ﴾ (البقرة: ۱۸۵) و وجه الأوّل أنّ رفع الصّوت بالذّکر بدعة فیقتصر علی مورد الشّرع أهـ. قال الشّامي: قوله: (فیقتصر علی مورد الشّرع) وهوما في البحر عن القنیة: التّکبیر جهرًا في غیر أیّام التّشریق لا یسنّ إلّا بإزاء العدوّ أو اللّصوص إلخ (۲) الغرض یہ صورت جو سوال میں ہے مخترع ہے اس کو ترک کرنا چاہیے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۳/۵-۲۳۴)

سوال: (۲۴۷۷) عیدگاہ میں جا کر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اوّل ایک شخص تکبیر کہے اس کے بعد اور لوگ آواز ملا کر متفقہ طور پر تکبیر کہیں اسی طرح نماز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں؛ یہ شرعًا جائز بلا کراہت ہے یا مع الکراہت؟ (۱۳۴۱/۲۵۹۷ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے اور اس میں کراہت ہے۔ کذا ورد في الأحادیث عن ابن عبّاس و جابر بن عبد اللّٰه قالا: لم یکن یؤذّن یوم الفطر و لا یوم الأضحٰی ، ثمّ سألته

---

(۱) غنیة المستملي ، ص: ۴۸۸، فصل في صلاة العید .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۸/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین ، مطلب : یطلق المستحبّ علی السنّة وبالعکس .

(۳) سوال و جواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

يعني عطاءً بعد حين عن ذلك فاخبرني ، قال : أخبرني جابر بن عبد الله أن لا أذان للصّلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شيء ولا نداءَ يومئذٍ ولا إقامة ، رواه مسلم [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۷/۵-۲۱۸)

عیدین میں اذان واقامت وغیرہ نہیں

سوال: (۲۴۷۸) عیدین میں اذان اور تکبیر یا الصّلاة الصّلاة کہنے کا کیا حکم ہے؟

(۱۳۳۳-۳۲/۹۰۸ھ)

الجواب: عن ابن جريج قال: أخبرني عطاءٌ عن ابن عبّاس وجابر بن عبد الله قالا: لم يكن يؤذّن يوم الفطر ولا يوم الأضحى ثمّ سألته يعني عطاء بعد حين عن ذلك فأخبرني ، قال أخبرني جابر بن عبد الله أن لا أذان للصّلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شيء ولا نداء يومئذ ولا إقامة ، رواه مسلم [1] وفي الدّرّ المختار : لا يسنّ لغيرها كعيدٍ إلخ [2] اس حدیث اور فقہ کی روایات سے معلوم ہوا کہ عیدین میں اذان اور تکبیر اور نداء : الصّلاة الصّلاة وغیرہ کچھ نہیں ہے، مسنون طریقہ یہی ہے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۰/۵) [4]

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۱۲۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين، الفصل الثّالث .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۶/۲، كتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع الّتي يندب لها الأذان في غير الصّلاة .

(۳) مذکورہ حدیث کے ترجمہ کے ضمن میں لکھا ہے: ''نہ بود اقامت ونہ آواز دادن چنانکہ گویند: الصّلاة الصّلاة ومانند آں'' (اشعۃ اللمعات: ۶۴۶/۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين ، الفصل الثّالث ، مطبوعہ: مطبع نول کشور، لکھنؤ، بہ اہتمام بابو منوہر لال بھارگو)

(۴) یہ سوال وجواب اور مطبوعہ فتاوی جلد ۵/ ۲۳۷، سوال نمبر: (۲۷۰۹) کے بعینہ مکرر ہونے کی وجہ سے ایک کو حذف کیا گیا ہے۔

لوگوں کو بلانے کی غرض سے عیدگاہ میں بار بار بلند آواز سے تکبیر کہنا درست نہیں

سوال: (۲۴۷۹) اکثر جگہ عیدگاہ میں نماز سے پہلے بار بار لوگ تکبیر بہ آواز بلند پڑھا کرتے ہیں تاکہ لوگ دور سے سن کر جلدی چلے آویں؛ اس طرح سے پکار کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال (عطاء:) أخبرني جابر بن عبد الله أن لا أذان للصّلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شيء ولا نداء يومئذ ولا إقامة، رواه مسلم [(۱)] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز اور تکبیر وغیرہ بغرض بلانے لوگوں کے نہ کہی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۳/۵)

جماعت میں تفریق کرنے والوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

سوال: (۲۴۸۰) ایک شخص کو یہاں کے لوگوں نے برائے عید و جمعہ خطیب و امام مقرر کر رکھا ہے، سب لوگ اس امام سے خوش ہیں، اب کے ایک شخص نے بہ وجہ فساد مچانے کے دعوی کیا کہ میں نماز پڑھاؤں گا، لوگوں نے روکا جب کچھ نہ چل سکی تو اس مفسد نے دو چار آدمی ساتھ لے کر تھوڑے سے فاصلہ سے جماعت شروع ہوتے ہی ان آدمیوں کے ساتھ اپنی علیحدہ جماعت کرلی، اب یہ تحریر فرمائیے کہ ان مفسدوں کی نماز ہوئی کہ نہیں؟ (۱۶۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز اس مدعی امامت اور مقتدیوں کی ہوگئی [(۲)] مگر وہ گنہ گار ہوئے اس تفریق وفساد کی وجہ سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۳/۵-۱۸۴)

---

(۱) مشکاة المصابیح، ص: ۱۲۷، کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، الفصل الثّالث.

(۲) و...... تؤدّى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۵/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته) ظفیر

جماعت میں تفریق کرنا اچھا نہیں

سوال: (۲۴۸۱) عیدین کا امام بننے کے لیے جماعت کو توڑ کر دوسری جماعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور دونوں کی نماز ہوگی یا نہ؟ (۱۳۴۲/۱۹۵۹ھ)

الجواب: تفریق جماعت کرنا اچھا نہیں ہے، اگرچہ اس وجہ سے کہ تعدد جماعت عیدین جائز ہے یعنی ایک شہر میں کئی جگہ نماز عیدین ہوسکتی ہے دونوں کی نماز ہوگئی[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۰/۵)

دو فریق نے دو جگہ نمازِ عید ادا کی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴۸۲) نماز عید کی ایک فریق عیدگاہ میں پڑھتا ہے اور دوسرا فریق بہ وجہ عناد کے شہر سے باہر علیحدہ پڑھتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۳۳۹ھ)

الجواب: نماز عید شہر سے باہر عیدگاہ میں پڑھنا مستحب ہے، اگر دو فریق نے دو جگہ نماز عید پڑھی دونوں کی نماز ہوگئی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۴/۵)

بارش کی وجہ سے عید الفطر کی نماز دوسرے دن پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۴۸۳) نماز عید الفطر اس روز بوجہ بارش نہ ہو تو دوسرے روز نماز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۶۱ھ)

الجواب: جائز ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۴/۵)

---

(۱) و ...... تؤدّی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۵/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته) ظفیر

(۲) ثمّ خروجه .... إلی الجبانة إلخ والخروج إلیها أي الجبانة لصلاة العید سنّة وإن وسعهم المسجد الجامع إلخ، و........... تؤدّی بمصر واحد بمواضع کثیرة اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۵-۵۵، کتاب الصّلاة، باب العیدین) ظفیر

(۳) وتؤخّر بعذر کمطر إلی الزّوال من الغد فقط. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۵/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لایبقی بعد موته) ظفیر

بلا عذر عیدگاہ نہ جانا مکروہ ہے اور مکروہ کے ثبوت کے لیے دلیل ضروری ہے

سوال: (۲۴۸۴)......(الف) نمازِ عید بہ بازار یا بہ مسجد بلا عذر بارش وغیرہ یا بر در خانۂ خود خواندن جائز دارند یا نہ؟ بر تقدیر ثانی مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ بہ ادلہ صریح وحوالہ کتب تحریر فرمایند؟

(ب) برائے اثبات مکروہ تحریمی نص صریح ضرور است یا نہ؟ (۱۳۳۷/۲۰۷ھ)

ترجمہ سوال: (۲۴۸۴) ...... (الف) نماز عید بازار میں یا مسجد میں بارش وغیرہ کے عذر کے بغیر یا اپنے گھر پر پڑھنا جائز فرماتے ہیں یا نہ؟ بر تقدیر ثانی مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ واضح دلائل کے ساتھ بہ حوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

(ب) مکروہ تحریمی کے ثبوت کے لیے صریح نص کی ضرورت ہے یا نہ؟

الجواب: (الف) درمختار میں ہے: **والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنّة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصّحيح إلخ**[1] **وفي شرح المنية الكبير : الخروج إلى المصلّى وهي الجبانة سنّة وإن كان يسعهم الجامع، وعليه عامّة المشائخ لما ثبت أنّه عليه الصّلاة والسّلام كان يخرج يو م الفطر ويوم الأضحى إلى المصلّى إلخ**[2] اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین کے لیے خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہے، پس بلا عذر اس کو چھوڑنا مکروہ ہے، اور شامی میں بحر سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہونا چاہیے: **الحاصل أن السّنّة إن كانت مؤكّدة قويّةً لا يبعد كون تركها مكروهًا تحريمًا وإن كانت غير مؤكّدة فتركها مكروه تنزيهًا إلخ**[3] (۴۳۹/۱)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۶/۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس .

(۲) غنية المستملي ، ص:۴۹۲، فصل في صلاة العيد .

(۳) ردّ المحتار: ۳۶۷/۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في بيان السّنّة والمستحبّ إلخ .

(ب) مکروہ تحریمی بلکہ مکروہ تنزیہی کے اثبات کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔ شامی میں ہے: أقول: لكن صرّح في البحر في صلاة العيد عند مسئلة الأكل بأنّه لا يلزم من ترك المستحبّ ثبوت الكراهة إذ لابدّ لها من دليل خاصّ إلخ[1] (۱/۴۳۹) فقط (۵/۱۹۸-۱۹۹)

عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا درست ہے

سوال: (۲۴۸۵) ایک شخص قاضی امام مسجد؛ عیدگاہ میں باجے کے ساتھ جاتا ہے، چند لوگوں نے اس کو منع کیا لیکن اس نے نہیں مانا، چنانچہ وہ لوگ عیدگاہ میں جاکر شریک جماعت نہیں ہوئے بلکہ مسجد میں کسی کو امام بنا کر عید کی نماز پڑھی وہ لوگ مسجد میں نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳۸۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ان لوگوں کی نماز ـــــ جو مذکور قاضی کے ساتھ جاکر عیدگاہ میں نماز میں شریک نہ ہوئے اور مسجد میں کسی کو امام بنا کر نماز عید ادا کی ـــــ صحیح ہے کیوں کہ عید کی نماز مسجد شہر میں بھی ادا ہوجاتی ہے، مگر سنت یہ ہے کہ عیدین کی نماز باہر جنگل میں جاکر ادا کی جاوے۔ کما في الدّرّ المختار: والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنّةٌ وإن وسعهم المسجد الجامع إلخ وفي الشّامي تحت قوله: (أي الجبانة وهي المصلّى العام) أي في الصّحراء، بحر عن المغرب[2] (شامي) (مگر باجا کے ساتھ جانا گناہ ہے، اس سے ان لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے۔ ظفیر) (۵/۲۰۹-۲۱۰)

عذر کی وجہ سے عید الفطر کی نماز اگلے دن درست ہے

سوال: (۲۴۸۶) عید الفطر کا چاند یوم جمعہ کو بہ وجہ ابر نظر نہیں آیا، شنبہ کی صبح کو سات بجے

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۳۶۷، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السّنّة والمستحبّ إلخ.

(۲) ردّ المحتار: ۳/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس.

تحقیق ہوگئی کہ آج عید ہے، روزے افطار کر لیے گئے؛ لیکن دیہات میں خبر نہ ہونے کی وجہ سے نمازِ عید یک شنبہ کو پڑھی؛ لہٰذا یہ نماز ہوئی یا نہ؟ (۱۳۴۳/۲۶۵۱ھ)

الجواب: عید الفطر کی نماز عذر کی وجہ سے اگلے دن پڑھ سکتے ہیں، پس یک شنبہ کو بھی نماز عید ہوگئی۔ **کما في الدّرّ المختار: وتؤخّر بعذر کمطر إلی الزّوال من الغد إلخ. وفي الشّامي: قوله: (بعذر کمطر) دخل فیه ما إذا لم یخرج الإمام وما إذا غمّ الهلال فشهدوا به بعد الزّوال أو قبله بحیث لا یمکن جمع النّاس إلخ**[1] **(الشّامي)** فقط واللہ اعلم (۵/۲۲۱-۲۲۲)

عید الاضحیٰ کی نماز زوال کے بعد پڑھنا درست نہیں اگلے دن یا تیسرے دن زوال سے پہلے اس کو قضا کرنا چاہیے

سوال: (۲۴۸۷) کثرتِ بارش کی وجہ سے عید الاضحیٰ کی نماز وقت معین پر نہیں پڑھی، پس اس صورت میں دوسرے یا تیسرے روز ادا کرنا چاہیے، مگر جاہل اور ناواقف لوگوں نے اسی روز دو یا تین بجے نماز ادا کی نماز ہوئی یا اعادہ کرنا چاہیے؟ (۱۳۴۰/۲۵۶۶ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: وتؤخّر بعذر کمطر إلی الزّوال من الغد فقط، فوقتها من الثّاني کالأوّل وتکون قضاءً لا أداءً إلخ، وفي الشّامي: قوله: (فقط) راجع إلی قوله: 'بعذر' فلا تؤخّر من غیر عذر، و إلی قوله: 'إلی الزّوال' فلا تصحّ بعده، وإلٰی قوله: 'من الغد' فلا تصحّ فیما بعد غد ولو بعذرٍ إلخ[1] **(الشّامي)** پس واضح ہوا کہ بعد زوال کے جو نماز اضحیٰ ہوئی وہ صحیح نہیں ہوئی، اگلے دن (یا تیسرے دن)[2] قبل زوال قضا کرنا چاہیے تھا،

---

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۵۵، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته.

(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں ''اگلے دن'' کے بعد علامت حذف بنی ہوئی ہے، اس کی جگہ رجسٹر نقولِ فتاویٰ سے ''یا تیسرے دن'' کا اضافہ کیا گیا ہے، کیوں کہ عید الاضحیٰ کی نماز کو عذر کی وجہ سے بارہ تاریخ تک مؤخر کرنا درست ہے۔ درمختار میں ہے: **لکن هنا یجوز تأخیرها إلی آخر ثالث أیّام النّحر بلا عذر مع الکراهة وبه أي بالعذر بدونها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۵، کتاب الصّلاة، باب العیدین)** محمد امین پالن پوری

اور بعد اس کے قضا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۲/۵)

عذر کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کی نماز گیارہ، بارہ تاریخ کو بھی پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۲۴۸۸) بعض لوگوں نے جمعرات کو اور بعض نے جمعہ کو نماز عیدالاضحیٰ پڑھی، اور اس زمانے میں کہ عادل کی صفت مفقود ہے، شرائط عادل وغیرہ ہونا گواہان رؤیت ہلال کو ضروری ہے یا کلمہ شہادت پڑھ دینے کے بعد کافی شہادت متصور ہوگی، اور جن لوگوں نے جمعرات کو نماز عیدالاضحیٰ کی پڑھی وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جنھوں نے جمعہ کو پڑھی وہ ہوئی یا نہ؟ اور کیا گیارہویں بارہویں تاریخ کو بھی نماز عیدالاضحیٰ ادا ہو سکتی ہے؟ (۱۱۲/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عدالت گواہان کی ثبوتِ رویتِ ہلال کے لیے ضروری ہے، اور جب کہ گواہ عادل نہ ہوں تو ان کی گواہی پر اعتبار کر کے پنج شنبہ کو نماز عیدالاضحیٰ نہ پڑھنی چاہیے تھی اور وہ نماز نہیں ہوئی (۱) جن لوگوں نے جمعہ کو نماز پڑھی وہ حق پر ہیں اور یہ صحیح ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز عذر کی وجہ سے گیارہ، بارہ تاریخ کو بھی ہو سکتی ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۱/۵-۱۹۲)

دو عادل مردوں کی گواہی کے مطابق عیدالاضحیٰ کی نماز ادا کرنی چاہیے

سوال: (۲۴۸۹) زید و عمر نے جن میں بہ ظاہر کوئی خرابی نہیں ہے، عیدالاضحیٰ کا چاند انتیس کو دیکھا، اور قاضی کے پاس شہادت دی، قاضی نے شہادت کو تسلیم کر کے حکم دے دیا، ایک گروہ نے تیس کے چاند کے حساب سے عید کی اور ایک گروہ نے انتیس کے حساب سے، اور ایک گروہ نے دونوں دن نماز پڑھی، اس صورت میں قاضی اور گروہ مذکورہ کے لیے کیا حکم ہے؟ اور شاہدین کے لیے کیا؟ (۲۷۴/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) للصّوم مع علّة كغيمٍ وغبارٍ خبر عدل أو مستورٍ إلخ ، لا فاسق اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۱۴-۳۱۵، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفیر

(۲) لكن هنا يجوز تأخيرها (أي في صلاة الأضحٰى) إلٰى آخر ثالث أيّام النّحر بلا عذر مع الكراهة وبه أي بالعذر بدونها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۵، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته) ظفیر

الجواب: اگر دو گواہ عادل نے شہادت رویت ہلال کی دی تو رویت ثابت ہوگئی، سب کو وہاں اسی کے موافق عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنی چاہیے تھی، جنھوں نے باوجود عدالت شہود اس شہادت کے موافق عمل نہ کیا؛ غلطی کی، لیکن اگر شہود با قاعدہ شرعیہ عادل ومتقی پرہیز گار نہ تھے تو پھر اس پر عمل نہ کرنے والے حق پر تھے، واضح ہو کہ قاضی شرعی اس زمانہ میں ایسا نہیں ہے جس کا حکم باوجود گواہوں کے عادل وثقہ نہ ہونے کے نافذ مانا جائے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۲/۵-۱۹۳)

ایک جگہ عید کی نماز پڑھنے کے بعد دوسری جگہ نمازِ عید میں نفل کی نیت سے شریک ہونا درست ہے

سوال: (۲۴۹۰) زید ایک جگہ امامت عید الاضحیٰ کرا کر اپنے کسی بڑے بزرگ کے یہاں ملنے گیا، وہاں اس روز عید نہیں ہوئی تھی (بہ وجہ ثبوت رویت نہ ہونے کے)[۲] دوسرے روز نماز ہونے لگی تو زید (مخالفتِ جماعت سے بچنے کے لیے نفل کی نیت)[۲] سے مقتدی ہو گیا زید گنہ گار ہوا یا نہیں؟ (۲۲۳۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جانے سے زید پر کچھ گناہ نہیں ہوا کیونکہ شرعًا بعض مواقع میں ایسا کرنے کا حکم ہے؛ جیسا کہ کتب فقہ میں ہے کہ جس نے ظہر اور عشاء پڑھ لی ہو اور بہ وقت اقامتِ جماعت وہ مسجد میں ہو تو جماعت کو چھوڑ کر وہاں سے نہ نکلے اور بہ نیت نفل شاملِ جماعت ہو جائے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۷/۵)

---

(۱) ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين مع العلّة للضّرورة (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۱۶/۳، كتاب الصّوم، مبحث في صوم يوم الشّك) ظفير

(۲) قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی اضافہ کی ہوئی ہے۔۱۲

(۳) و إلّا لمن صلّى الظّهر والعشاء وحده مرّةً فلا يكره خروجه إلخ إلّا عند الشّروع في الإقامة فيكره لمخالفته الجماعة بلا عذر بل يقتدي متنفّلاً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۴۴/۲، كتاب الصّلاة ، باب إدراك الفريضة ، مطلب في كراهة الخروج من المسجد بعد الأذان) ظفير

محض نیت سے عید کی نماز نہیں ہوتی

سوال: (۲۴۹۱) چند لوگ عیدگاہ اس وقت پہنچے کہ نماز ہو چکی تھی، امام صاحب نے کہا کہ چونکہ تم لوگ نماز پڑھنے کی نیت سے آئے تھے، تمہاری نماز ہو چکی، اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی؛ کیا نماز کی نیت کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے، عیدگاہ میں دوبارہ نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۲/۵۵۲ھ)

الجواب: مفتی بہ یہ قول ہے کہ تعدد نماز عیدین درست ہے یعنی چند جگہ ایک قصبہ وشہر میں نماز عیدین ہو جاتی ہے، پس جو لوگ بعد میں آئے ان کو یہ جائز تھا کہ علاوہ عیدگاہ کے دوسری جگہ کسی میدان یا کسی مسجد میں نماز عید ادا کر لیتے کیونکہ اس عیدگاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے[۱] اور یہ غلط ہے کہ محض نیت کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے، پس جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ان کی نماز نہیں ہوئی، مگر اب اس کی قضا بھی نہیں ہے، امام صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ ان کو ایسا مسئلہ بتلایا۔ فقط

(۲۱۹/۵-۲۲۰)

واجب ہونے کے باوجود نمازِ عیدین کی قضاء کیوں نہیں ہے؟

سوال: (۲۴۹۲) نماز عیدین واجب ہے یا نفل؟ اور اس کی قضاء کیوں نہیں ہے حالانکہ وتر کی قضا ہے؟ (۱۳۴۳/۱۹۸۳ھ)

الجواب: عیدین کی نماز واجب ہے[۲] اور اگر کسی شخص سے جماعت عیدین فوت ہو جاوے تو پھر اس کی قضا نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے اور وتر میں جماعت شرط نہیں ہے،

---

(۱) ولا يصلّيها وحده إن فاتت مع الإمام إلخ ولو أمكنه الذّهاب إلى إمام آخر فعل لأنّها تؤدّى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتّفاقًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۴-۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته) ظفير

(۲) تجب صلاتهما في الأصحّ على من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدّمة سوى الخطبة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۲-۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفير

اور اس میں تحدید وقت بھی نہیں ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۰-۲۲۱)

عیدین میں واجب نماز کی نیت کرنی چاہیے

سوال: (۲۴۹۳) ایک امام صاحب عیدین کی نماز کو نفل نماز قرار دیتے ہیں، اور لوگوں میں عید کی نماز سے قبل اعلان کیا کہ نفل نماز کی نیت کرو واجب کی نیت نہ کرنا، اسی سال یہ مسئلہ ایجاد کیا ہے، پس صحیح کیا ہے؟ (۱۸۳/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: عید کی نماز کی نیت نماز واجب کی کرنی چاہیے نہ نفل کی، کیوں کہ نماز عید کی واجب ہے: **قال في الدّرّ المختار: تجب صلاتهما في الأصحّ، قال الشّامي: وقد ذكرنا مرارًا أنّها بمنزلة الواجب إلخ** [۲] (ص:۶۴۷) پس امام صاحب مذکور کی یہ جہالت اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ نفل نماز کی نیت کرو، حدود اللہ کے بدلنے کے درپے ہونا سخت جہالت ہے، نہ معلوم اس میں ان کا کیا فائدہ ہے، اس سے احتراز کریں اور نماز واجب کی نیت کریں۔ فقط

کتبہ: رشید احمد [۳] الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (۵/۲۳۲)

عیدین میں سنت نماز کی نیت کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۴۹۴) عید کی نماز اس طرح نیت کرکے پڑھی: ''نیت کرتا ہوں دو رکعت سنت

---

(۱) اس لیے عذر کی وجہ سے عید الفطر کو دوسرے دن تک اور عید الاضحیٰ کو تیسرے دن تک مؤخر کرنا درست ہے **لكن هنا يجوز تأخيرها (أي في صلاة الأضحى) إلى آخر ثالث أيّام النّحر بلا عذر مع الكراهة وبه أي بالعذر بدونها. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين)**

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۲-۴۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب في الفأل والطّيرة.

(۳) ''کتبہ: رشید احمد'' یہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نہیں ہیں، بلکہ کوئی ناقل فتاوی ہیں، رجسٹر نقول فتاوی سنہ ۲۹-۱۳۳۰ھ کے پہلے صفحہ پر یہ نوٹ درج ہے: ''رشید احمد صاحب جن کے دستخط اکثر فتاوی پر ہیں کوئی ناقل فتاوی ہے''۔

عیدالفطر ہمراہ چھ تکبیروں کے''، اس صورت میں نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ (۲۷۸۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس طرح نیت کرنے سے نماز صحیح ہے کیونکہ بعض فقہاء نے نمازِ عید کو سنت کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے[1] اس لیے احوط یہ ہے کہ واجب کا لفظ کہے لیکن اگر نیت میں سنت کا لفظ کہہ دیا تب بھی نماز صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۲/۵)

عیدین میں نفل نماز کی نہیں بلکہ واجب نماز کی نیت کرنی چاہیے

سوال: (۲۴۹۵) عیدین کی نماز میں چھ تکبیریں واجب ہیں یا نماز دوگانہ بھی واجب ہے؟ اگر کوئی امام اس طرح نیت کراوے کہ ''دو رکعت نماز نفل عیدالاضحیٰ مع چھ تکبیرات واجب کے''، چونکہ نفل کا لفظ کہلایا گیا تو نماز درست ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: نمازِ عیدین کی بھی واجب ہے اور تکبیرات عیدین بھی واجب ہیں[1] آئندہ نیت میں نماز نفل نہ کہنا چاہیے، بلکہ نماز واجب کہنا چاہیے یا دل میں یہ خیال کرنا چاہیے اور نماز اس صورت میں بھی ہوگئی، اس کے نفل کا لفظ کہنے سے نماز میں فساد نہیں آیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۲/۵)

عیدین کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد بلا ارسال ہاتھ باندھنا چاہیے

سوال: (۲۴۹۶) نمازِ عیدین میں تکبیرات ثلاثہ زوائد میں سے ہر ایک کے کہنے کے بعد ارسال یدین کرے گا اور تیسری تکبیر کے بعد ارسال یدین کرکے تب دونوں ہاتھ باندھے گا یا بلا ارسال؟ (۳۴۲/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) تجب صلاتهما في الأصحّ على من تجب عليه الجمعة (الدّرّ المختار) قوله : (في الأصحّ) مقابله القول بأنّها سنّة، وصحّحه النّسفي في المنافع ، لكن الأوّل قول الأكثرين كما في المجتبٰى، ونصّ على تصحيحه في الخانية ، والبدائع ، والهداية ، والمحيط، والمختار، والكافي النّسفي، وفي الخلاصة: هو المختار لأنّه صلّى الله عليه وسلّم واظب عليها، وسمّاها في الجامع الصّغير سنّةً لأنّ وجوبها ثبت بالسّنّة ، حلبة إلخ . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۲/۳-۴۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين، مطلب في الفأل والطّيرة) ظفیر

الجواب: نمازعیدین میں تکبیرات ثلاثہ زوائد میں پہلی رکعت میں دوتکبیر میں ارسال یدین کرے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے کیونکہ یہ وقت قراءت کا ہے اور دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ارسال یدین کرتے ہوئے رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جاوے[1] فقط (۲۰۹/۵)

امام عیدین کی تکبیراتِ زوائد میں ارسال نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۴۹۷) امام در نماز عیدالفطر پنج تکبیر زوائد خواند، وبعد ہر تکبیر دست بر ناف بست یعنی ارسال نہ کرد، امام تنہا خطبہ ونماز در محراب خواند، ومیان ہر دو تکبیر درود شریف خواند ودعا خواست، ودر خطبہ قراءت غلط کرد، نمازش درست خواہد شد یا چہ؟ (۲۶۳۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ایں امور کہ ازاں امام صادر شد موجب فساد صلاۃ نیست، البتہ خلاف سنت است، پس آئندہ او را تاکید کردہ شود کہ سہ تکبیرات زوائد در ہر رکعت بگوید، ودست بر داشتہ تکبیر گوید، وارسال یدین کند، وآنچہ در کتب فقہ حنفیہ مذکور است موافق آں عمل کند[1] فقط واللہ اعلم (۲۱۸/۵)

ترجمہ سوال: (۲۴۹۷) امام نے نماز عیدالفطر میں پانچ زائد تکبیرات کہیں، اور ہر تکبیر کے بعد ناف پر ہاتھ باندھا یعنی ارسال نہیں کیا، امام نے تنہا خطبہ اور نماز محراب میں پڑھی، اور ہر دو تکبیر کے درمیان درود شریف پڑھا اور دعا مانگی، اور خطبہ میں قراءت غلط پڑھی، اس کی نماز صحیح ہوجائے گی یا کیا؟

الجواب: یہ امور جو اس امام سے صادر ہوئے موجب فساد صلاۃ نہیں البتہ خلاف سنت ہیں، پس آئندہ اس کو تاکید کردی جائے کہ تین زائد تکبیرات ہر رکعت میں کہے اور ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے، اور ارسال یدین کرے، اور جو کچھ فقہ حنفی کی کتابوں میں مذکور ہے اس کے موافق عمل کرے۔ فقط

---

(۱) ویرفع یدیه في الزّوائد إلخ ولیس بین تکبیراته ذکر مسنون ولذا یرسل یدیه (الدّرّ المختار) أي في أثناء التّکبیرات ویضعهما بعد الثّالثة کما في شرح المنیة، لأنّ الوضع سنّة قیام طویل فیه ذکر مسنون. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۳/۳-۵۴، کتاب الصّلاۃ، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لایبقی بعد موته) ظفیر

تکبیراتِ زوائد میں ہاتھ نہ باندھے جائیں

سوال: (۲۴۹۸) تکبیرات زوائد عیدین میں ہاتھ باندھنا چاہیے یا نہ؟ (۲۳۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تکبیرات زوائد عیدین میں ہاتھ نہ باندھا جاوے (۱) فقط واللہ اعلم (۲۲۸/۵)

عیدین کی ہر رکعت میں کتنی تکبیریں ہیں؟

سوال: (۲۴۹۹) رسول اللہ ﷺ کا عیدین کی نماز کو چھ تکبیروں کے ساتھ پڑھنا یا چھ تکبیروں کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دینا ثابت ہے یا نہیں؟ (۱۸۳۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شرح منیہ میں کہا کہ عیدین کی ہر ایک رکعت میں تین تکبیریں علاوہ تکبیر افتتاح کے بہت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہیں، اور رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں والتحقیق فی المطولات (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۴/۵-۱۹۵)

عیدین میں نو تکبیرات والی روایت کی توجیہ

سوال: (۲۵۰۰) بخاری، ترمذی، مشکاۃ میں ثابت ہے کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات ہیں یعنی رکعت اولیٰ میں سات قبل از قراءت اور رکعت اخری میں پانچ بعد از قراءت (۳) نیز ترمذی میں

---

(۱) ثمّ یکبّر ثلاث تکبیرات یفصل بین کلّ تکبیرتین بسکتۃ قدر ثلاث تسبیحات —— إلٰی قولہ: —— ویرفع یدیہ عند کلّ تکبیرۃ منھنّ ویرسلھما في أثنائھنّ إلخ، فإذا قام إلی الرّکعۃ الثّانیۃ یبتدئ بالقراءۃ ثمّ یکبّر بعدھا ثلاث تکبیراتٍ علی ھیئۃ تکبیرہ في الأولٰی. (غنیۃ المستملي، ص:۴۸۸، فصل في صلاۃ العید) ظفیر

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے: غنیۃ المستملي، ص:۴۸۸، فصل في صلاۃ العید .

(۳) عن کثیر بن عبد اللّٰہ عن أبیہ عن جدّہ أنّ النّبيّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کبّر في العیدین في الأولٰی سبعًا قبل القراءۃ وفي الآخرۃ خمسًا قبل القراءۃ. (جامع التّرمذي:۱/۱۱۹، أبواب العیدین ، باب في التّکبیر في العیدین)

وھٰکذا في مشکاۃ المصابیح ، ص:۱۲۶، کتاب الصّلاۃ ، باب صلاۃ العیدین، الفصل الثّاني عن کثیر بن عبد اللّٰہ عن أبیہ عن جدّہ إلخ. نوٹ: بخاری شریف میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔۱۲

ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نوتکبیرات کے ثبوت میں مروی ہے، یعنی رکعت اُولیٰ میں پانچ قبل ازقراءت اور رکعت اخری میں چار بعدازقراءت [۱] مگر فی زمانناد ستورالعمل یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات پڑھی جاتی ہیں جو مذکورہ احادیث کے سراسر خلاف ہے، ان احادیث سے بہتراورافضل کونسی حدیث ہے جس سے چھ تکبیرات کا جواز ثابت ہوتا ہے، اوراحادیث مذکورہ کا کیا حکم ہے؟ (۲۰۵۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے: عن سعيد بن العاص أنه سأل أبا موسىٰ الأشعريّ وحذيفة بن اليمان رضي الله عنهم كيف كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يكبّر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبّر أربعًا —— في الرّكعة الأولى مع تكبيرة الإحرام وفي الثّانية مع تكبيرة الرّكوع [۲] —— تكبيره على الجنائز؛ فقال حذيفة: صدق، رواه أبوداؤد [۳] والتّفصيل في كتب الفقه [۴] اورجس روایت میں نوتکبیر دونوں رکعت میں وارد ہیں، اس سے مراد بھی چھ تکبیرات زوائد ہیں کیونکہ اوّل رکعت میں تکبیرتحریمہ وتکبیر رکوع داخل ہے اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع داخل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۶/۵)

احناف کے نزدیک عیدین میں تکبیراتِ زوائد چھ ہیں

سوال: (۲۵۰۱) چھاؤنی لاہور میں سابق امام جامع مسجد فرماتے تھے کہ نمازعیدین کی صحیح بخاری میں بارہ (۱۲) تکبیریں لکھی ہیں فی رکعت چھ؛ اس صورت میں صحیح حکم کیا ہے؟

(۱۸۳۵/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) و روي عن ابن مسعود أنّه قال في التّكبير في العيدين تسع تكبيرات، في الرّكعة الأولىٰ خمس تكبيرات قبل القراءة، وفي الرّكعة الثّانيّة يبدأ بالقراءة، ثمّ يكبّر أربعًا مع تكبيرة الرّكوع. (جامع التّرمذي:۱/۱۲۰، أبواب العيدين، باب في التّكبير في العيدين)

(۲) حاشية المشكاة، ص:۱۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، رقم الحاشية: ۶.

(۳) مشكاة المصابيح، ص:۱۲۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، الفصل الثّاني.

(۴) تفصیل کے لیے دیکھئے: غنية المستملي، ص:۴۸۸، فصل في صلاة العيد.

الجواب: حنفیہ کے نزدیک نماز عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں یعنی ہر ایک رکعت میں تین تین، اور حدیث ابوداؤد سے یہ ثابت ہے: **عن سعید بن العاصؓ قال: سألت أبا موسیٰ وحذیفة رضي الله عنهم کیف کان رسول الله صلّی الله علیه وسلّم یکبّر في الأضحیٰ والفطر؟ فقال أبو موسیٰ: کان یکبّر أربعًا — في الرّکعة الأولی مع تکبیرة الإحرام وفي الثّانیة مع تکبیرة الرّکوع** (۱) **— تکبیره علی الجنائز؛ فقال حذیفة: صدق رواه أبو داؤد** (۲) پس مذہب حنفیہ موافق اس حدیث کے ہے حنفی امام کو اس کے خلاف امامت نہ کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۵/۵)

احناف کو عیدین کی نماز میں کتنی زائد تکبیریں کہنی چاہئیں؟

سوال: (۲۵۰۲) عیدین کی نماز بارہ تکبیر سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۰۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ویصلّي الإمام بهم رکعتین مثنیًّا قبل الزّوائد وهي ثلاث تکبیرات في کلّ رکعة إلخ، وفي الشّامي: فالعمل الآن بما هو المذهب عندنا کذا في شرح المنیة** (۳) (شامي: ۵۵۹/۱، باب العیدین) اس سے معلوم ہوا کہ حنفی اپنے مذہب کے موافق (ہر رکعت میں) تین تکبیرات زوائد پر اکتفاء کرے زیادہ نہ کہے۔ فقط (۱۸۴/۵-۱۸۵)

سوال: (۲۵۰۳) آیا احناف عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھیں تو ہوگی یا نہیں؟ (۳۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حنفیہ کے نزدیک چھ تکبیرات زوائد ہیں، ان کو بارہ تکبیریں نہ کہنا چاہیے، اور نماز بہرحال صحیح ہے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۴/۵)

---

(۱) حاشیة المشکاة، ص: ۱۲۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، رقم الحاشیة: ۶.

(۲) مشکاة المصابیح، ص: ۱۲۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، الفصل الثّاني.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۰/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: تجب طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة.

(۴) ویصلّي الإمام بهم رکعتین مثنیًا قبل الزّوائد وهي ثلاث تکبیرات في کلّ رکعة ولو زاد تابعه إلی ستّة عشر لأنّه مأثور. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۰/۳-۵۱، کتاب الصّلاة باب العیدین، مطلب: تجب طاعة الإمام فیما لیس بمعصیة) ظفیر

عیدین میں تکبیراتِ زوائد کتنی ہیں؟

سوال: (۲۵۰۴) عید کی نماز کے وقت امام صاحب نے بجائے چھ تکبیر کے نو تکبیر کی نیت بندھوائی اور نماز پڑھاتے وقت صرف سات تکبیر پکاریں یہ نماز درست ہوئی یا نہیں؟ افضل نماز عیدین میں چھ تکبیر ہیں یا زائد؟ (۲۰۲۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: نماز ہوگئی اور تکبیرات زوائد ہر ایک رکعت میں تین تکبیریں ہیں یعنی کل چھ تکبیرات زوائد ہیں اس سے زیادہ مذہب حنفیہ کا نہیں ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۵/۵)

عیدین کی نماز کے لیے عیدگاہ جانا سنت مؤکدہ ہے

سوال: (۲۵۰۵) ما قولكم أيّها العلماء الكرام رحمكم الله و دام فضلكم في أنّ الخروج إلى المصلّى يوم العيدين لصلاتهما مستحبّ أم سنّة مؤكّدة؟ وأنّ ما تعريف المصلّى؟ وما حكمه؟ وما شرائط وجوبهما وأدائهما؟ وأين يصلّي النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم صلاة العيدين مدّة عمره الشّريف؟ بيّنوا المسائل الخمسة بعبارة واضحة بحوالة الكتاب فتصيبوا أجرًا جزيلاً من الله العزيز الوهّاب. (۷/۴۹-۱۳۳۵ھ)

الجواب: وهو الملهم للصوّاب: الخروج إلى المصلّي يوم العيدين لصلاتهما بالقول المعتبر والصّحيح عند عامّة الفقهاء سنّة مؤكدة لا مستحبّ وإن كان بعضهم قائلين باستحبابه لكنّ الصّحيح والمعتبر عندهم كونه أي كون الخروج إلى المصلّى يوم العيدين سنّة مؤكّدة (۲) كما حقّقه العلاّمة مولانا محمّد عبد الحيّ في كتابه المسمّى بـ "مجموعة الفتاوى" تحت جواب السّوال المهندس بهندسة: (۱۸۷) على

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنّة إلخ هو الصّحيح (الدّرّ المختار) قال في الظّهيريّة: وقال بعضهم: ليس بسنّة إلخ، والصّحيح هو الأوّل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۶/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفیر

الصّفحة المهندسة بهندسة: ۳۷۵:و۳۷۶، بهٰذه العبارة هو المصوب: ''بعض فقہاء قائل بہ استحباب آں شدہ اند ولیکن صحیح ومعتبر نزد ایشاں بودنش سنت مؤکدہ است، در بحر رائق از تجنیس نقل می سازد: الخروج إلى الجبانة سنّة لصلاة العيدين وإن كان يسعهم المسجد الجامع عند عامّة المشائخ هو الصّحيح انتهى، وہم چنیں است در بزازیہ وجامع الرموز ومنح الغفار شرح تنویر الابصار وغیرہ واز کتب احادیث وسیر ثابت است کہ آنحضرت ﷺ دائماً برائے نماز عیدین بہ صحراء تشریف بردند، وفی عمرہ بجز یک مرتبہ بہ عذر بارش گاہے در مسجد خود کہ از جملہ اماکن بدر جہا افضل است، نماز عیدین ادا نفرمودہ اند، وخلفاء راشدین ہم بریں مواظبت فرمودہ اند، وایں مواظبت نہ بر سبیل عادت بود ونہ بوجہ ضرورت بلکہ بر سبیل عبادت تا بوجہ کثرت جمعیت تزاید ثواب گردد وشوکت اسلام ظاہر گردد، و هٰذه آية للسّنّيّة على سبيل التّأكيد''(۱) وفي موضع آخر من هٰذا الكتاب تحت جواب السّوال المهندس بهندسة: (۱۹۴) ص:۳۸۵:و۳۸۶، هٰكذا الجواب: ''خروج الی الجبانۃ برائے نماز عیدین سنت مؤکدہ است؛ چنانچہ محشی شرح وقایہ مولوی عبد الحی صاحب دام فضلہ بر حاشیہ شرح وقایہ عمدۃ الرعایہ است تحریر فرمودہ اند: قال في شرح الوقاية: حُبِّبَ يوم الفطر أن يأكل قبل صلاته و يستاك ويغتسل و يتطيّب و يلبس أحسن ثيابه ويؤدي فطرته، و يخرج إلى المصلّى غير مكبّر جهرًا في طريقه انتهى. قوله: (حُبِّبَ) بصيغة المجهول من التّحبيب، والمراد به أعمّ من السّنّة المؤكّدة والمستحبّ فإن بعض الأمور المذكورة عدّوه من السّنن المؤكّدة كالغسل وغيره. قوله: (ويستاك) هٰذا من السّنن العامّة عند كلّ وضوء ومستحبّ عند كلّ صلاة فيكون مستحبًا وسنّةً ايضًا في العيدين بالطّريق الأولىٰ. قوله: (ويؤدّي فطرته) بالكسر أى صدقة الفطر وهو وإن كان أدائها واجبًا لكن أدائها قبل الخروج إلى المصلّى مسنون، هو المنقول عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: أمرنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يوم الفطر ان نؤدّيها قبل خروج النّاس إلى الصّلاة، أخرجه البخاري ومسلم. قوله: (ويخرج إلى المصلّى)

(۱) مجموعۃ فتاوی مولانا عبد الحی متوفی، سن ۱۲۶۴ھ، قدیم: ۲/۳۰۴ - ۳۰۵، استفتاء نمبر: ۱۹۰، مطبوعہ: مطبع یوسفی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۵ھ۔

بصيغة المفعول هو موضع في الصّحراء يصلّى فيه صلاة العيدين ، و يقال له الجبانة ، ومطلق الخروج من بيته إلى الصلاة وإن كان واجبًا بناءً على أن ما يتمّ به الواجب واجب ، لكنّ الخروج إلى الجبانة سنّة مؤكّدة ، وإن وسعهم المسجد الجامع فإن صلّوا في مساجد المصر من غير عذر جازت صلاتهم، وتركوا السّنّة هٰذا هو الصّحيح كما في الظّهيرية وفي الخلاصة و الخانية: السّنّة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلّي في المصر بالضّعفاء بناءً على أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق، انتهى . والأصل فيه أن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يخرج إلى المصلّى، ولم يصلّ صلاة العيدين في مسجده مع شرفه إلّا مرّة بعذر المطر، كما بسطه ابن القيّم في زاد المعاد والقسطلاني فى المواهب اللّدنية وغيرهما. والأحاديث في هٰذا الباب مخرجة في كتب السّنن وغيرها وقد وقع النّزاع بين العلماء في عصرنا في أنّ الخروج إلى المصلّى هل هو سنّة مؤكدّة أم مستحبّة فأفتى أكثرهم بأنّه سنّة مؤكّدة، وهٰذا هو القول المنصور الموافق لكتب الأصول والفروع المطابق لما عليه الجمهور، وقيل: إنّه مستحبّ و هو قول باطل لا وجه له ، و أفرط بعضهم فقال : إنّه واجب و هوقول مردود لا عبرة به وللتّفصيل مقام آخر انتهى .

وقال في الدّرّ المختار: وندب يوم الفطر أكله —— إلى قوله: —— وأداء فطرته صحّ عطفه علىٰ أكله لأنّ الكلام كلّه قبل الخروج ، ومن ثم أتى بكلمة ثمّ خروجه ليفيد تراخيه ، ومن جميع ما مرّ ماشيًا إلى الجبانة ؛ وهي المصلّي العام، والواجب مطلق التّوجّه ، والخروج إليها أي إلى الجبانة لصلاة العيد سنّة و إن يسعهم المسجد الجامع وهو الصّحيح ، المجيب مصيب فيما أجاب ، محمّد عبّاس علي ، هٰذا الجواب موافق للسّنّة والكتاب ، حرّره الفقير محمّد محسن الجونفوري ، الجواب صحيح : والرّأي نجيح ، لا شبهة في أن مقتضى الأدلّة الشّرعيّة هوكون الخروج إلى المصلّى سنّةً مؤكّدةً والقول بالاستحباب ليس بمعتبر عند أولي الألباب ، حرّره الرّاجي عفو ربّه القوي

أبو الحسنات محمّد عبد الحي تجاوز اللّٰه عن ذنبه الجليّ والخفيّ ‘‘(۱)

وأمّا تعريف المصلّى قد مرّ في ضمن هٰذا الجواب، وأمّا حكمه أي حكم المصلّى كحكم سائر المساجد ، وأمّا شرائط أدائهما و وجوبهما هي شرائط الجمعة وجوبًا وأداءً سوى الخطبة ؛ كما قال في شرح الوقاية: ’’وشرط لها شروط الجمعة وجوبًا وأداءً إلّا الخطبة ‘‘(۲) وأمّا الموضع الّذي كان يصلّي النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فيه صلاة العيدين هو موضع في الصّحراء خارج المدينة المنوّرة في جانب الغربيّ من المسجد النّبوي صلّى اللّٰه عليه وآله وسلّم ، وبينه وبين المسجد الشّريف ألف أذرع كما قال مولانا محمّد عبد الحي في كتابه المذكور، ج:۳،ص:۶۶، بهٰذه العبارة ؛ قوله : ”از عادت نبوی ﷺ آں بود کہ بہ طرف مصلی تشریف می بردند، وآں مکانے است بیرون مدینہ منوّرہ جانب غربی مسجد شریف ومیان وے ومسجد شریف ہزار ذراع است، کذا قال ابن حجر‘‘(۳) واللہ اعلم بالصواب (۵/ ۱۸۵-۱۸۸)

ترجمہ سوال: (۲۵۰۵) کیا ارشاد ہے آپ حضرات علمائے کرام رحمکم اللہ ودام فضلکم کا اس بارے میں کہ عیدین کے روز نماز عیدین کے لیے عیدگاہ جانا مستحب ہے یا سنت مؤکدہ؟ اور یہ کہ عیدگاہ کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا ہے؟ اور عیدین کے وجوب وادا کے شرائط کیا ہیں؟ اور آنحضرت ﷺ اپنی حیات مبارکہ میں نماز عیدین کہاں ادا فرماتے تھے؟ پانچوں مسائل کو حوالہ کتاب کے ساتھ واضح طور پر بیان فرما کر من جانب اللہ اجر عظیم حاصل کریں۔

الجواب: وهو الملهم للصّواب :عیدین کے روز نماز عیدین کے لیے عیدگاہ جانا عام فقہاء کے نزدیک صحیح ومعتبر قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے؛ مستحب نہیں ہے، اگرچہ بعض فقہاء اس کے

(۱) مجموعۂ فتاوی مولانا عبدالحی متوفی، سن ۱۲۶۴ھ، قدیم، ۲/ ۳۱۲-۳۱۳، استفتاء نمبر: ۱۹۸، مطبوعہ: مطبع یوسفی لکھنؤ سنہ ۱۳۲۵ھ۔

(۲) شرح الوقاية مع عمدة الرّعاية: ۱/ ۲۰۲، كتاب الصّلاة ، باب العيدين .

(۳) مجموعۂ فتاوی مولانا عبدالحی متوفی، سن ۱۲۶۴ھ، قدیم، ۳/ ۶۷، کتاب العیدین، حکم عیدگاہ در صحراء، مطبوعہ: مطبع شوکت اسلام، سنہ ۱۳۰۰ھ۔

استحباب کے قائل ہیں، لیکن فقہاء کے نزدیک صحیح اور معتبر اس کا ـــــ یعنی عیدین کے روز عیدگاہ جانے کا ـــــ سنت مؤکدہ ہونا ہے، جیسا کہ علامہ مولانا محمد عبدالحیؒ نے اس کو اپنی کتاب مسمی بہ ''مجموعۃ الفتاوی'' میں سوال نمبر: (۱۸۷) کے جواب کے تحت، صفحہ: ۳۷۵ و ۳۷۶ پر اس عبارت کے ساتھ نقل فرمایا ہے، وہی حق بات ہے:

''بعض فقہاء اس کے استحباب کے قائل ہیں؛ لیکن صحیح و معتبر ان کے نزدیک اس کا سنت مؤکدہ ہونا ہے، بحر رائق میں تجنیس کے حوالے سے نقل کیا ہے: **الخروج إلى الجبانة سنّة لصلاة العيدين إلخ** . اور اسی طرح ہے بزازیہ، جامع الرموز، منح الغفار شرح تنویر الابصار وغیرہ میں، اور احادیث و سیر کی کتابوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عیدین کے واسطے ہمیشہ صحراء میں تشریف لے جاتے تھے، اور اپنی زندگی میں بارش کے عذر کی بناء پر ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی اپنی مسجد میں ـــــ جب کہ وہ تمام مقامات سے بدرجہا افضل ہے ـــــ نماز عیدین ادا نہیں فرمائی، اور خلفاء راشدین نے بھی اسی پر مواظبت فرمائی ہے، اور یہ مواظبت نہ عادت کے طور پر تھی نہ ضرورت کی وجہ سے، بلکہ بر سبیل عبادت تھی، تاکہ مجمع کی کثرت کی وجہ سے ثواب کی زیادتی ہو اور اسلام کی شوکت عیاں ہو''۔ اور یہ سنت مؤکدہ کی علامت ہے۔

اور اسی کتاب کے دوسرے مقام میں سوال نمبر (۱۹۴) کے جواب اور صفحہ: ۳۸۵ و ۳۸۶ کے تحت اسی طرح کا جواب ہے: ''نمازِ عیدین کے لیے عیدگاہ جانا سنت مؤکدہ ہے، چنانچہ شرح وقایہ کے محشی مولوی عبدالحی دام فضلہ نے شرح وقایہ کے حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں تحریر فرمایا ہے: شرح وقایہ (اور اس کے حاشیہ) میں ہے: **حُبِّبَ يوم الفطر أن يأكل قبل صلاته إلخ** ''۔ اور درمختار میں ہے: **وندب يوم الفطر أكله إلخ** .

والمجیب مصیب فیما اجاب، محمد عباس علی۔ ہذا الجواب موافق للسنۃ والکتاب، حررہ الفقیر محمد محسن جونفوری۔ الجواب صحیح والرای نجیح۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ ادلہ شرعیہ کا مقتضا؛ عیدگاہ جانے کا سنت مؤکدہ ہونا ہے، اور ارباب خرد کے نزدیک استحباب کا قول معتبر نہیں، حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔

رہی مصلّٰی (عیدگاہ) کی تعریف تو وہ اس جواب کے ضمن میں گزر چکی، اور رہا اس کا یعنی عیدگاہ کا حکم تو وہ تمام مساجد کے حکم جیسا ہے، اور عیدین کے ادا و وجوب کے شرائط وہی ہیں جو جمعہ کے وجوب وادا کے ہیں سوائے خطبہ کے، جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے: **وشرط لها شروط الجمعة إلخ** اور رہا وہ مقام جہاں آنحضرت ﷺ نماز عیدین پڑھا کرتے تھے وہ بیرون مدینہ منورہ؛ مسجد نبوی کی مغربی جانب صحراء میں ایک مقام ہے، اور اس کے اور مسجد نبوی کے درمیان کی دوری ایک ہزار گز ہے، جیسا کہ مولانا محمد عبدالحی نے اپنی مذکورہ کتاب میں: ۳/ ۶۶ پر تحریر فرمایا ہے کہ ''نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ ﷺ عیدگاہ کی جانب تشریف لے جاتے تھے، اور وہ مدینہ منورہ کے باہر؛ مسجد نبوی کی مغربی جانب میں ایک جگہ ہے، اور اس کے اور مسجد نبوی کے بیچ ہزار گز کا فاصلہ ہے **كذا قال ابن حجر** '' واللہ اعلم بالصواب۔

سورۂ فاتحہ شروع کرنے کے بعد یاد دلانے پر تین زائد تکبیریں کہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۰۶) نماز عید میں امام نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ شروع کی، الحمد للہ رب العالمین کہنے کے بعد مقتدی کے یاد دلانے پر تکبیرات ثلاثہ کہیں، اور پھر بعد تکبیرات ثلاثہ دوبارہ قراءت شروع کی؛ اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۴۴۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز ہوگئی۔ **كذا في الشّامي**(۱) فقط واللہ اعلم (۵/ ۲۰۱-۲۰۲)

---

(۱) كما لو ركع الإمام قبل أن يكبّر فإنّ الإمام يكبّر في الرّكوع ولا يعود إلى القيام ليكبّر في ظاهر الرّواية فلو عاد ينبغي الفساد (الدّرّ المختار) و قد علمت أنّ العود رواية النّوادر على أنّه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأوّل بعد ما استتمّ قائمًا بأنّ فيه رفض الفرض لأجل الواجب، وهو وإن لم يحلّ فهو بالصّحّة لا يخلّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۵۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیر

رکوع سے لوٹ کر تکبیرات زوائد کہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۰۷) صلاۃ عید میں امام سہواً بعض تکبیرات واجبہ چھوڑ کر رکوع میں چلا گیا، بعدہ رکوع سے لوٹ کر قومہ میں آ کر تکبیر کہی اور پھر رکوع میں گیا، تو اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی یا اعادہ واجب ہے؟ یا سجدۂ سہو لازم ہے؟ اور اگر تکبیر چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟ اور سجدۂ سہو عیدین میں اور جمعہ میں کرنے نہ کرنے کے بارے میں معمول بہ کیا ہے؟ اور عود من الفرض الی الواجب مفسد صلاۃ ہے یا کیا؟ اور سجدۂ سہو لازم نہیں تھا مگر شبہۃً کر لیا کہ شاید کوئی موجب سہو واقع ہوا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۰۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ نماز ہوگئی مگر ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ درمختار میں ہے: كما لو ركع الإمام قبل أن يكبّر فإنّ الإمام يكبّر في الرّكوع ولا يعود إلى القيام ليكبّر في ظاهر الرّواية فلو عاد ينبغي الفساد[1] شامی میں اس پر کہا: وقد علمت أنّ العود رواية النّوادر على أنّه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأوّل بعد ما استتمّ قائمًا بأن فيه رفض الفرض لأجل الواجب و هو و إن لم يحلّ فهو بالصّحّة لا يخلّ[1] (شامي: ۱/۵۶۱) اور تکبیرات کا بالکل چھوٹ جانا یا بہ طریق مذکور قومہ میں ادا کرنا بہ اعتبار ترک واجب برابر ہے، اور نماز دونوں صورت میں ہوجاتی ہے، ایسے امور کے ترک پر دراصل سجدۂ سہو لازم ہوتا ہے، اور سجدۂ سہو سے اس کا انجبار ہوتا ہے؛ لیکن جمعہ اور عیدین میں فقہاء نے ترک سجدۂ سہو کو اختیار فرمایا ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواء، و المختار عند المتأخّرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة إلخ وهكذا في الشّامي[2] اور تحقیق ابن ہمامؒ سے یہ بھی واضح ہوا کہ ترک فرض الی الواجب مفسد صلاۃ نہیں ہے، اور درصورتیکہ سجدۂ سہو لازم نہ ہو اور غلطی اور شبہ سے کر لیا جاوے نماز ہوجاتی ہے۔ فقط (۵/۱۸۸-۱۸۹)

سوال: (۲۵۰۸) نماز عید الاضحیٰ میں امام دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد بھول کر رکوع

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو .

میں چلا گیا، پہلی، دوسری صف والے رکوع میں شریک ہوئے، دوسرے درجہ والے اور مسجد کے جو ملحق مکان والے تھے بہ سبب بے خبری کے امام کی تکبیر رکوع وقیام کو تکبیرات زوائد سمجھ کر تکبیریں کہتے رہے، امام نے رکوع سے سر اٹھا کر قیام میں تکبیرات زوائد کہیں، مقتدیوں نے بھی تکبیریں امام کے ساتھ کہیں، پھر امام نے رکوع دوبارہ کیا، اس میں سب مقتدی شریک ہوئے، امام نے موافق مذہب متأخرین سجدۂ سہو نہ کیا تو اس صورت میں اگر یہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے تو کچھ کراہت تو نہیں ہے؟ (۱۳۳۷/۹۴ھ)

الجواب: اس صورت میں علامہ شامی نے عدمِ فسادِ صلاۃ کی تصحیح اور تصریح کی ہے، بلکہ عود الی القیام روایت نوادر کی لکھی ہے، اور بدائع میں اسی کو اختیار فرمایا ہے، لیکن ظاہر الروایت یہ ہے کہ ایسی حالت میں امام قیام کی طرف عود نہ کرے[1] بہر حال اس صورت میں نماز ہوگئی، اور سجدۂ سہو موافق فتویٰ متأخرین کے نماز عیدین میں نہیں ہے[2] لہٰذا یہ حکم کیا جاوے گا کہ نماز ہوگئی، اور اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اعادہ میں تشویش جماعت وانتشار ہے، اس لیے جس وجہ سے سجدہ ساقط ہوگیا اعادہ کا حکم بھی نہ کیا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۹۷-۱۹۸)

جنہوں نے عید کی نماز میں رکوع نہیں کیا ان کی نماز نہیں ہوئی

سوال: (۲۵۰۹) عید الفطر کی دوسری رکعت میں امام تکبیرات زوائد بھول کر رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کھڑے رہے اور امام سجدہ میں چلا گیا، پھر مقتدی بھی سجدہ میں چلے گئے، اور رکوع

---

(۱) كما لو ركع الإمام قبل أن يكبّر فإنّ الإمام يكبّر في الرّكوع ولا يعود إلى القيام ليكبّر في ظاهر الرّواية فلو عاد ينبغي الفساد (الدّرّ المختار) قوله: (فلو عاد ينبغي الفساد) ...... وقد علمت أنّ العود رواية النّوادر على أنّه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأوّل بعد ما استتمّ قائمًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۳/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفیر

(۲) والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواء، والمختار عند المتأخّرين عدمه في الأولیین لدفع الفتنة كما في جمعة البحر وأقرّه المصنّف وبه جزم في الدّرر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۸۹/۲، كتاب الصّلاة، باب سجود السّهو)

اکثر مقتدیوں کا نہیں ہوا، امام نے سجدۂ سہو کرلیا تو نماز امام اور مقتدیوں کی ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کس وقت قضا کر سکتے ہیں؟ (۲۲۹۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں امام کی نماز اور ان مقتدیوں کی جنھوں نے رکوع کرلیا ہے ہوگئی، اور ان لوگوں کی نماز نہیں ہوئی جنھوں نے رکوع نہیں کیا(۱) (جن کی نماز نہیں ہوئی)(۲) وہ دو رکعت بعد میں پڑھ لیں(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۶/۵)

امام تکبیراتِ زوائد کہنا بھول گیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے

سوال: (۲۵۱۰) زید نے عید کی نماز پڑھائی، لیکن تکبیرات زوائد کہنا بھول گیا، جب سلام

---

(۱) كما لو ركع إمامه فركع معه مقارنًا أو معاقبًا و شاركه فيه ...... فلو لم يركع أصلاً إلخ بطلت صلاته. (ردّ المحتار: ۲/۱۴۷، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة، مطلب مهمّ في تحقيق متابعة الإمام) ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) یہ حکم استحبابی ہے، کیوں کہ نمازِ عیدین کی قضاء نہیں ہے۔ ولا يصلّيها وحده إن فاتت مع الإمام ولو بالإفساد اتّفاقًا في الأصحّ كما في تيمّم البحر إلخ ، ولو أمكنه الذّهاب إلى إمامٍ آخر فعلَ لأنّها تؤدّى بمصر واحدٍ بمواضع كثيرة اتّفاقًا ، فإن عجزَ صلّى أربعًا كالضّحى (الدّرّ المختار) قوله: (ولو بالإفسادِ) أي بعد أن دخلَ فيها مع الإمام وفرغ منها الإمام إلخ ، قوله: (صلّى أربعًا كالضّحى) أي استحبابًا كما في القهستاني وليسَ هٰذا قضاءً لأنّه ليس علىٰ كيفيتها. (الدّرّ والرّدّ: ۳/۵۴-۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب أمر الخليفة لا يبقىٰ بعد موته)

عن الشّعبيّ قال : قال عبد الله بن مسعود: مَن فاتته العيد فليصلّ أربعًا .

قال الشّيخ ظفر أحمد العثماني رحمه الله تعالىٰ : وقال أبو حنيفة: إن شاء صلّى وإن شاء لم يصلّ ، فإن شاء صلّى أربعًا وإن شاء ركعتين. (إعلاء السّنن: ۸/۱۴۷-۱۴۸، أبواب العيدين ، باب مَن لم يدرك صلاة العيد ، المطبوعة : إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ، كراتشي) محمد امین پالن پوری

پھیرا تب مقتدیوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، تب زید نے ثانیاً نماز پڑھائی، پس ان دونوں نمازوں میں کونسی نماز ہوئی؟ یہ نماز ایسی چھوٹی مسجد میں ہوئی ہے کہ جس میں امام کی قراءت کی آواز آخر صف تک جاسکتی ہے۔(۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز پہلی ہوگئی تھی مگر ترکِ واجب کی وجہ سے ناقص ہوئی تھی، سجدۂ سہو سے اس کا انجبار ہوجاتا، اور چونکہ مجمع زیادہ نہ تھا جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایسے موقع میں عیدین کی نماز میں بھی اگر سہو ہوجاوے تو سجدۂ سہو کرنا چاہیے[1] لیکن چونکہ سجدۂ سہو نہ کیا گیا اس لیے اعادہ لازم تھا جو کہ ہوگیا، پس اعادۂ نماز کرلینے کے بعد اب کچھ نقصان نماز میں نہ رہا، اور یہ ثانی جماعت متمم اور مکمِّل پہلی نماز کی ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۰۴)

عیدین میں نماز کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے

سوال: (۲۵۱۱) عیدین میں دعا کس وقت مانگے آیا بعد نماز کے یا بعد خطبہ کے؟

(۲۰۶۷/ ۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عیدین کی نماز کے بعد مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے، خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے، اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کا استحباب انہیں حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں عموماً نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے، اور دعا بعد الصلاۃ مقبول ہوتی ہے، حصن حصین میں وہ احادیث مذکور ہیں[2] اور ہمارے حضرات اکابر کا یہی معمول رہا ہے، بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے کو بدعت یا غیر ثابت

---

(۱) والسّهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتّطوّع سواء، والمختار عند المتأخّرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة كما في جمعة البحر وأقره المصنّف وبه جزم في الدّرر (الدّرّ المختار) لكنّه قيّده محشيها الوافي بما إذا حضر جمع كثير و إلاّ فلا داعي إلى التّرك . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۴۸۹، كتاب الصّلاة ، باب سجود السّهو) ظفیر

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: الحصن الحصين، ص: ۸۰-۸۱، منزل يوم السّبت ، أذكار الفراغ من الصّلاة ، المطبوعة : أفضل المطابع .

فرماتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عموماً نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے[۱] پھر عیدین کی نمازوں کا استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور وہ احادیث معروف ومشہور مشکاۃ شریف وحصن حصین میں مذکور ہیں ان کی نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۵/۵)

سوال: (۲۵۱۲) آنحضرت ﷺ بعد نماز عیدین دعا مانگتے تھے یا نہیں؟ (۸۳۷/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: عام طور سے نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے، لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعا مانگنا مسنون ومستحب ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۸/۵)

عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے میں اکابر اور اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کا معمول

سوال: (۲۵۱۳) رسالہ الرشید ؏ ماہِ رجب المرجب سنہ ۱۳۳۵ھ؛ جلد چہارم میں اس طور کا ایک مسئلہ ہے، جواب میں لکھا ہے مع حوالہ عبارت شامی وحصن حصین وغیرہ کہ اتباع رسول اللہ ﷺ نماز عیدین کے بعد دعا کرنے میں ہے، اس کے ترک میں نہیں، اور خطبہ کے بعد اتباع سنت دعا نہ کرنے میں ہے، مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحیؒ میں ایک استفتاء اسی مضمون کا ہے جس کے جواب میں مولانا نے خود لکھا ہے کہ ''روایات حدیث سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نماز عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت (واپسی) فرماتے تھے، اور دعا مانگنا بعد نماز کے یا بعد خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں ہے، اور اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین عظام سے ثبوت اس کا نظر سے نہیں گزرا''[۲] بہشتی گوہر میں عیدین کی نماز کے بیان میں مرقوم ہے: مسئلہ: بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعا مانگنا نبی ﷺ سے اور ان کے صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے

---

(۱) و يستحبّ أن يستغفر ثلاثًا إلخ و يدعو و يختم بسبحان ربّك . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۱۹/۲، كتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، قبيل مطلب فيما لو زاد على العدد الوارد في التّسبيح عقيب الصّلاة) ظفیر

(۲) مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی قدیم: ۱۳۸/۱، كتاب الحظر و الإباحة، استفتاء نمبر: ۱۱۸، مطبوعہ: مطبع شوکت اسلام۔

منقول نہیں (۱) اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہٰذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے، ایسی حالت میں ہم لوگوں کے لیے واجب العمل کیا ہے؟

(۱۳۳۵/۱۴۰۰ھ)

الجواب: ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا وغیرہ کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے، اور احادیث سے بھی مطلقاً نمازوں کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے، لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعا بعد نماز عیدین بھی مستحب ہے، اور مولانا عبدالحی صاحب کا فتوی بندہ نے بھی دیکھا تھا محض اس وجہ سے کہ عیدین کی نماز کے بعد دعا کا ذکر نہیں ہے، دعا کا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا، اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعا ہونا ثابت ہے، پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جاوے گا کیوں کہ جب کلیۃً استحباب دعا کا بعد صلوات ثابت ہوگیا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد تصریح وارد ہو۔ کما هو ظاهر، اور بہشتی گوہر میں بھی غالباً مولانا عبدالحی صاحب کے فتوی کے اتباع سے ایسا لکھا گیا ہے، بندہ کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۸۹/۵-۱۹۱)

وضاحت: بہشتی گوہر میں مولانا عبدالحی صاحب کے فتوی کے مطابق کوئی عبارت نہیں ہے، اور سائل نے بہشتی گوہر کی پوری عبارت نقل نہیں کی، بہشتی گوہر کی پوری عبارت درج ذیل ہے جو فتویٰ ہذا کے عین مطابق ہے:

مسئلہ: ''بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا، گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں، مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا'' (اختری بہشتی گوہر یعنی بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ، ۸۵، عیدین کی نماز کا بیان، مسئلہ نمبر:۴) محمد امین پالن پوری

(۱) یہاں تک بہشتی گوہر کی عبارت ہے، آگے جو عبارت ہے وہ بہشتی گوہر میں نہیں ہے۔ محمد امین پالن پوری

نمازِعیدین کے بعد دعا مانگنا بدعت نہیں

سوال: (۲۵۱۴) دعا بعد صلاۃ عیدین را بعض مکروہ گویند و بعض بدعت و بعض گویند کہ مستحب است؟ (۱۷۴۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: دعا بعد الصلوات مسنون ومستحب است و در احادیث وارد شدہ است کما نقلها فی الحصن الحصین وغیرہ، پس در صلوات؛ صلاۃ عیدین ہم داخل وشامل است، بدعت گفتن آنرا صحیح نیست و اکابر امت مثل حضرت مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہیؒ وجمیع اکابر واساتذہ ما بعد نماز عیدین مثل صلوات مکتوبات دعا می فرمودند؛ پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست [1] فقط واللہ اعلم (۲۰۲/۵)

ترجمہ سوال: (۲۵۱۴) نماز عیدین کے بعد دعا کو بعض لوگ مکروہ کہتے ہیں اور بعض بدعت، اور بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے؟

الجواب: نمازوں کے بعد دعا مسنون ومستحب ہے، اور احادیث میں وارد ہے، جیسا کہ ان احادیث کو حصن حصین وغیرہ میں نقل کیا ہے، پس نمازوں میں نماز عیدین بھی داخل اور شامل ہے، اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہے، اور اکابر امت مثل مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہیؒ اور ہمارے تمام اکابر واساتذہ نماز عیدین کے بعد فرض نمازوں کی مانند دعا مانگتے ہیں، پس جو شخص اس کو بدعت کہتا ہے صحیح نہیں ہے۔

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں

سوال: (۲۵۱۵) بعد نماز عیدین دعا مانگنا کیسا ہے؟ اور بعد خطبہ کے دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب:) عیدین کی نماز کے بعد تو دعا مانگنا مثل تمام نمازوں کے مسنون ومستحب ہے، مگر خطبہ کے بعد دعا مانگنا ثابت نہیں اور جائز نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۱/۵)

---

(۱) وعن أمّ عطيّة رضي اللّٰه عنها قالت أُمرنا أن نخرج الحُيَّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحُيَّض الحديث ، متّفق عليه . (مشكاة المصابيح، ص:۱۲۵-۱۲۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين ، الفصل الأوّل) ظفیر

سوال: (۲۵۱۶) بعد نماز عیدین یا خطبہ کے نبی کریم ﷺ سے دعا مانگنا ثابت ہے یا نہیں؟ **عن أمّ عطيّة رضي الله عنها أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان يخرج الأبكارَ والعواتقَ إلخ في العيدين ، الحديث** [1] زید کہتا ہے اس حدیث سے بعد نماز عیدین وخطبہ کے دعا مانگنا ثابت ہے یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۳۴۱/۲۸۶۷ھ)

الجواب: اس حدیث سے بعد خطبہ وغیرہ کے دعا مانگنا ثابت نہیں ہے کیونکہ مراد دعوۃ المسلمین سے اجتماع المسلمین ہے اور خطبہ وغیرہ ہے، البتہ بعد نماز عیدین دعا مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے جن میں بعد الصلوات دعا مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے، اور نماز عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور وہ احادیث حصن حصین [2] وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں [3] البتہ خطبہ کے بعد دعا مانگنا وارد نہیں ہوا نہ خصوصًا نہ عمومًا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۸/۵-۲۱۹)

سوال: (۲۵۱۷) بنگال میں دستور ہے کہ بعد نماز عیدین دعا کر کے خطبہ پڑھتے ہیں خطبہ تمام کر کے پھر دعا کرتے ہیں یہ تغیر سنت ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۲۱۰ھ)

الجواب: خطبہ کے بعد پھر دعا نہیں ہے اس معمول کو چھوڑ دینا چاہیے صرف نماز کے بعد دعا کریں جو کہ ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۳/۵)

حدیث عید میں دعوتھم سے کیا مراد ہے؟

سوال: (۲۵۱۸) **عن أمّ عطيّة رضي الله عنها قالت : أمرنا أن نخرج الحُيَّضَ يومَ**

---

(۱) جامع التّرمذي:۱/۱۲۰، أبواب العيدين ، باب في خروج النّساء في العيدين .

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: الحصن الحصين، ص:۸۰-۸۱، منزل يوم السّبت ، أذكار الفراغ من الصّلاة ، المطبوعة : أفضل المطابع .

(۳) عن ثوبان رضي الله عنه قال : كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثًا ، و قال : اللّهمّ أنت السّلام ومنك السّلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۸۸، كتاب الصّلاة ، باب الذّكر بعد الصّلاة الفصل الأوّل)

العیدین وذواتِ الخدور فیشهدن جماعةَ المسلمین ودعوتَهم وتعتزل الحُیَّضُ عن مصلّاهنّ الحدیث [1] لفظ دعوتهم سے یہاں کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے؟(۲۱۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: لفظ دعوتهم عام ہے جو دعا بعد نماز ہوگی وہ بھی اس میں داخل ہے اور منسوخ کہنا اس کا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۳/۵)

عیدین کے خطبہ سے پہلے زور سے تکبیر کہنا مستحب ہے

سوال: (۲۵۱۹) خطبۂ عیدین کے آغاز میں تکبیر کہہ کر شروع کرنا مسنون ہے، تکبیر خطبہ کے طور پر بالجہر کہے یا آہستہ اور پھر خطبہ شروع کرے؟(۱۶۷۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: خطبۂ عیدین میں یہ مستحب لکھا ہے کہ پہلے خطبہ کو شروع کرنے سے پہلے نو (۹) بار تکبیر بالجہر متواتر پڑھے، اور دوسرے خطبہ کے اوّل سات (۷) دفعہ تکبیر بالجہر کہے، درمختار میں ہے: ویستحبّ أن یستفتح الأولیٰ بتسع تکبیراتٍ تتری أي متتابعات، والثّانیة بسبع هو السّنّة إلخ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۱/۵)

منبر پر کھڑے ہو کر عیدین کا خطبہ پڑھنا سنت ہے

سوال: (۲۵۲۰) عیدین کے خطبہ میں امام کس جگہ کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ جس جگہ نماز پڑھے اسی جگہ خطبہ پڑھے دوسری جگہ خطبہ پڑھنا جائز نہیں؟(۲۲۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بعد نماز عیدین کے امام منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے یہی سنت ہے، نماز اور خطبہ کی ایک جگہ نہیں ہوتی، نماز پڑھانے کے لیے امام نیچے کھڑا ہوتا ہے اور خطبہ منبر پر جا کر

(۱) مشکاة المصابیح، ص:۱۲۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، الفصل الأوّل.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۴/۳، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: أمر الخلیفة لایبقی بعد موته.

پڑھتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۲/۵)

سوال: (۲۵۲۱) غیر مقلدین کہتے ہیں کہ خطبہ عیدین منبر پر کھڑے ہوکر پڑھنا درست نہیں ہے، بلکہ خطبۂ عیدین زمین پر کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیے (یہ کہنا غیر مقلدین کا صحیح ہے یا نہیں؟)[2]

(۱۳۴۵/۱۸۰ھ)

الجواب: حنفیہ کا مذہب بھی یہ ہے کہ نماز عیدین عیدگاہ اور صحراء میں پڑھنا افضل اور مستحب ہے، اور منبر کے وہاں لے جانے میں اختلاف نقل کیا ہے، علامہ شامی نے کہا کہ منبر لے جانا عیدگاہ میں مکروہ ہے، البتہ اگر وہاں عیدگاہ میں منبر بنالیا جاوے اور تعمیر کرلیا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، غیر مقلدین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خطبۂ عیدین منبر پر کھڑا ہوکر پڑھنا ناجائز ہے[3] فقط (۲۲۶/۵)

خطبہ کو دراز کرنا مکروہ ہے، مگر دراز خطبہ کا سننا واجب ہے

سوال: (۲۵۲۲) زید نے خطبہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ عید میں پڑھا جس کے ہر دو خطب کی طوالت تخمیناً چھ صفحہ ہوئی، اس پر عمر اعتراض کرتا ہے کہ اتنے بڑے خطبہ کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، فوراً چلا آنا چاہیے؛ کیا شرعاً اتنے بڑے خطبہ کے سننے کا وہ حکم نہیں ہے جو ایک مختصر کے

(۱) وما يسنّ في الجمعة ويكره يسنّ فيها ويكره إلخ وأن يكبّر قبل نزوله من المنبر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۴/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته) ظفیر

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ولا بأس بإخراج منبر إليها لكن في الخلاصة لا بأس ببنائه دون إخراجه (الدّرّ المختار) ومثله في الخانية فإنّهما قالا: ولا يخرج المنبر إلى الجبانة يوم العيد، واختلف المشائخ في بنائه في الجبانة قيل: يكره، وقيل: لا، فدلّ كلامهما على أنّه لا خلاف في كراهة إخراجه إليها، وإنّما الخلاف في بنائه فيها، ويمكن حمل الكراهة على التّنزيهيّة وهي مرجع خلاف الأولٰى، المفاد من كلمة لا بأس غالبًا فلا مخالفة فافهم، وفي الخلاصة عن خاهرزاده هٰذا أي بناؤه حسن في زماننا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۶/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفیر

سننے کا ہے؟ (۸۵۴/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وتكره زيادتهما على قدرِ سورة من طوال المفصّل، وفي الشّامي: قوله: (وتكره إلخ) عبارة القهستانيّ: وزيادة التّطويل مكروهة إلخ [۱] اور مشکاۃ شریف میں یہ حدیث مروی ہے: عن عمّارؓ قال: سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: إن طول صلاة الرّجل وقصر خطبته مَئِنَّةٌ من فقهه فأطيلوا الصّلاة وأقصروا الخطبة و إنّ من البيان سحرًا، رواه مسلم [۲] پس معلوم ہوا کہ زیادہ دراز کرنا خطبہ کا مکروہ ہے؛ لیکن خطبہ جس قدر بھی ہو سننا اس کا ضروری ہے، کراہت؛ خطبہ کے دراز کرنے والے کے حق میں ہے، سننے والوں پر تمام خطبہ کا سننا واجب ہے۔ درمختار میں ہے: وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد إلخ [۳] فقط (۵/۱۹۳-۱۹۴)

عید کا خطبہ ایک شخص نے پڑھا اور نماز دوسرے نے پڑھائی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۲۳) نماز عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۶۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے مگر بہتر و مناسب یہ ہے کہ خطبہ و نماز ایک شخص پڑھاوے۔ في الدّرّ المختار: لا ينبغي أن يصلّي غير الخطيب ...... فإن فعل إلخ جاز إلخ [۴] فقط (۵/۱۸۴)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۹، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في نيّة آخر ظهر بعد الجمعة.

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۱۲۳، كتاب الصّلاة، باب الخطبة والصّلاة، الفصل الأوّل.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة.

(۴) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶-۳۷، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب.

عیدین میں بہتر یہ ہے کہ جو امام ہو وہی خطبہ پڑھے

سوال: (۲۵۲۴) عیدین میں امام وخطیب دو مختلف شخص مقرر ہوتے ہیں، یعنی ایک شخص امامت کراتا ہے، اور دوسرا شخص خطبہ پڑھتا ہے کیا یہ فعل جائز ہے؟ کیا آنحضرت ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟ (۱۰۴۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ فعل جائز ہے کہ امام ایک شخص ہو اور خطیب دوسرا؛ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ جو امام ہو وہی خطبہ پڑھے۔ **كذا في الدرّ المختار**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۴/۵)

نحر کے دن عید کی نماز سے پہلے جماع سے بھی احتراز کرنا چاہیے

سوال: (۲۵۲۵) یوم النحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو قبل نماز عید صرف نہ کھانا پینا مسنون ہے یا کہ جملہ شرائط صوم رعایت رکھنا ضروری ہیں آیا جماع سے بھی احتراز چاہیے یا نہیں؟

(۳۶۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جملہ شرائط صوم کا لحاظ قربانی سے پہلے مستحب ہے، اور درمختار میں ہے کہ قربانی سے پہلے نہ کھانا مستحب ہے اگر چہ وہ قربانی نہ کرے اور اگر کھالیوے تو کچھ کراہیت نہیں[2] اور

---

(۱) لا ينبغي أن يصلّي غير الخطيب لأنّهما كشيء واحد فإن فعل بأن خطب صبيّ بإذن السّلطان وصلّى بالغ جاز هو المختار (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳۶-۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حكم المرقى بين يدي الخطيب)

ولا ينبغي أن يصلّي غير الخطيب لأنّ الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وإن فعل جاز. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۱، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في جواز استنابة الخطيب) ظفیر

(۲) و يندب تأخير أكله عنها و إن لم يُضحّ في الأصحّ ولو أكل لم يكره أي تحريمًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۶، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب أمر الخليفة لايبقى بعد موته) ظفیر

شامی میں ہے: یندب الإمساك عمّا یفطر الصّائم [۱] یعنی رکنا ان اشیاء سے مستحب ہے، جن سے روزہ افطار ہوجاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۳/۵)

بچے عیدین کی جماعت میں کہاں کھڑے ہوں؟

سوال: (۲۵۲۶) عیدگاہ میں بچوں کا جماعت کے اندر کھڑا ہونا یا نمازی کے سامنے بیٹھنا اورامام کے دائیں بائیں نابالغ بچوں کو کھڑا کرنے میں کیا خرابی ہے؟ (۱۸۸۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نابالغ بچوں کے لیے حکم تو یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، خواہ عیدین کی جماعت ہو یا دیگر نمازوں کی، اگر بہ وجہ مجبوری جیسا کہ عیدگاہ میں پیش آتی ہے بچے جماعت کے اندر کھڑے ہوجاویں یا نمازی کے آگے بیٹھ جاویں یا دائیں یا بائیں کھڑے ہوجاویں تو نماز ہوجاتی ہے؛ لیکن یہ خلافِ سنت ہے، اور مکروہ تنزیہی ہے [۲] فقط واللہ اعلم (۵/ ۱۹۵-۱۹۶)

عیدین میں عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۲۵۲۷) عیدین کی نماز گوشہ نشیں عورتوں کو مکان میں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور عورتوں کو مردوں کے مانند جماعت سے نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو عورت امام ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو عورت امام صف میں عورتوں کے برابر کھڑی ہو یا مردوں کے امام کے مانند؟ (۱۹۴۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: و یکرہ تحریمًا جماعة النّساء إلخ [۳] اس سے معلوم ہوا

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۵۶/۳، کتاب الصّلاة ، باب العیدین، مطلب أمر الخلیفة لا یبقی بعد موتہٖ .

(۲) ویصفّ إلخ الرّجال إلخ ثمّ الصّبیان ظاهره تعدّدهم فلو واحدًا دخل الصّفّ .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۶۵-۲۷۰، کتاب الصّلاة ، باب الإمامة) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۲/۲، کتاب الصّلاة ، باب الإمامة، مطلب إذا صلّی الشّافعيّ قبل الحنفي هل الأفضل الصّلاة مع الشّافعي أم لا ؟

کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ فرض وواجب میں ہو یا سنت ونفل میں۔ کذا في الشامي (۱) پھر اگر عورتیں جماعت کریں باوجود کراہت تحریمی کے تو امام ان کی وسط میں برابر عورتوں کے کھڑی ہو آگے نہ ہو۔ کما في الدرّ المختار: فإن فعلن تقف الإمام وسطهنّ فلو تقدّمت أثمت إلخ (۲) پھر آگے یہ لکھا ہے کہ عورتوں کو مردوں کی جماعت میں جمعہ وعیدین کے لیے آکر شریک ہونا بھی مکروہ ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۶/۵)

قبرستان میں عید کی نماز کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۲۸) ایک مقام میں نماز عید کی مقبرہ میں ہوتی ہے، امام کے سامنے دیوار ہوتی ہے، اور مقتدیوں کے سامنے نہیں یہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی سمجھا جائے گا جیسا کہ مرور بین یدی المصلی کی صورت میں ہے یا نہیں؟ (۲۱۳۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قبور اگر کسی مصلی کے سامنے بھی ہوں گی تو اس کی نماز میں کراہت ہوگی۔ قال في الشامي: لا بأس بالصّلاة فيها إذا كان فيها موضع أعدّ للصّلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانيّة ولا قبلته إلى قبر، حلبة (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۶/۵-۱۹۷)

قبرستان میں جو عیدگاہ بنی ہوئی ہے اس میں نماز جائز ہے

سوال: (۲۵۲۹) جو عیدگاہ قبرستان میں بنی ہوئی ہو اس میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۴۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) أفاد أنّ الكراهة في كلّ ما تشرّع فيه جماعة الرّجال فرضًا أو نفلاً. (ردّ المحتار: ۲۶۲/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب إذا صلّى الشّافعيّ إلخ) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة.

(۳) ويكره حضورهنّ الجماعة ولو لجمعة وعيد. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۳/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب إذا صلّى الشّافعيّ قبل الحنفي هل الأفضل إلخ) ظفیر

(۴) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳۹/۲، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب تكره الصّلاة في الكنيسة.

الجواب: جائز ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۴/۵)

عیدین کے روز نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۳۰) عیدین کے روز نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ (۲۷۹۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: عیدین کی نماز سے پہلے تو مطلقاً نوافل مکروہ ہیں اور بعد عیدین کے نماز کا یہ حکم ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھے اگر گھر میں آ کر پڑھ لیں تو درست ہے۔ درمختار میں ہے: **ولا يتنفّل قبلها مطلقًا إلخ وكذا لايتنفّل بعدها في مصلّاها فإنّه مكروه عند العامّة وإن تنفّل بعدها في البيت جاز إلخ**[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۶/۵-۲۲۷)

سوال: (۲۵۳۱) عیدین کی نماز سے پہلے یا پیچھے نوافل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۶۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: نہیں چاہیے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۱/۵)

عیدین کی نماز کے بعد جماعت سے نوافل پڑھنا مکروہ تحریمی ہے

سوال: (۲۵۳۲) ہمارے یہاں عیدین کی نماز کے بعد چار رکعت نفل جماعت سے پڑھتے ہیں؛ آیا یہ نفل پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۶۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) **وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة ...... ومزبلة ومجزرة ومقبرة إلخ (الدّرّ المختار) ولا بأس بالصّلاة فيها (أي المقبرة) إذا كان فيها موضع أعدّ للصّلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانيّة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳۹/۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، قبيل مطلب تكره الصّلاة في الكنيسة)** ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۷/۳-۴۸، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس.**

(۳) تفصیل اور حوالہ؛ سابقہ جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب: عیدین کی نماز کے بعد جماعت سے نوافل پڑھنا درست نہیں ہے[1] فقط (۵/۲۲۳)

سوال: (۲۵۳۳) نماز عید سے فراغت کے بعد جماعت سے یا تنہا نوافل پڑھنا شرعًا کیسا ہے؟[2] (۲۵۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بعد ادائے نماز عید نوافل جماعت سے یا تنہا عیدگاہ میں پڑھنا بدعت و ناجائز و مکروہ تحریمی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۸)

عید کے دن عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۵۳۴) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ خواندن نماز نفل درعیدگاہ قبل یا بعد؛ نزد علماء حنفیہ روا است یا نہ؟ (۲۹۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ولا يتنفل قبلها مطلقًا .... وكذا لا يتنفل بعدها في مصلّها**[3] **قال الشّامي: قوله: (وكذا لايتنفّل إلخ) لما في الكتب السّتّة عن ابن عبّاس رضى اللّه تعالىٰ عنهما أنّه صلّى اللّه عليه وسلم خرج فصلّى بهم العيدَ لم يصلّ قبلها ولابعدها ، وهذا النّفي بعدها محمول عليه في المصلّى إلخ**[3] فقط واللہ اعلم (۵/۲۰۲-۲۰۳)

ترجمہ سوال: (۲۵۳۴) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا (نماز عید سے) پہلے یا بعد حنفی علماء کے نزدیک جائز ہے یا نہ؟

خلاصۂ جواب: درمختار میں ہے: نماز عید سے پہلے بالکل نفل نہ پڑھے اور اسی طرح نماز عید کے بعد عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ سے اس کا پڑھنا ثابت نہیں۔

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

ولا يصلّى الوتر ولا التّطوّع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك لو على سبيل التّداعي . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۴۳۶-۲۳۷، كتاب الصّلاة ، باب الوتر والنّوافل) ظفیر

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے۔۱۲

(۳) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۷-۴۸، كتاب الصّلاة ، باب العيدين .**

عید کے بعد گھر واپس آکر نوافل پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۵۳۵) نماز عید کے بعد گھر پر آکر نوافل وغیرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: گھر پر واپس آکر نوافل پڑھنا درست ہے۔ کما في الدّر المختار: وإن تنفّل بعدها في البيت جاز إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۹۷)

گاؤں میں رہنے والوں پر بھی تکبیر تشریق واجب ہے

سوال: (۲۵۳۶) گاؤں میں تکبیرات تشریق پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ علماء کشمیر میں اس بارے میں اختلاف ہے؛ کس کا قول صحیح ہے؟ (۲۴۲۲/۱۳۴۱ھ)

الجواب: امام ابو حنیفہؒ اہل قریہ پر تکبیر تشریق واجب نہیں فرماتے، اور صاحبینؒ واجب فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے: ویجب تکبیر التّشریق إلخ علی إمام مقیم بمصر وعلی مقتد مسافر أو قرويّ إلخ، وقالا: بوجوبه فور کلّ فرض مطلقًا ولو منفردًا أو مسافرًا أو امرأةً لأنّه تبع للمکتوبة إلخ، وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی في عامّة الأمصار وکافّة الأعصار إلخ، قوله: (مقیم بمصر) فلا یجب علی قروي ولا مسافر إلخ علی الأصحّ، بحر عن البدائع أي الأصحّ علی قول الإمام إلخ، قوله: (وعلیه الاعتماد إلخ) هٰذا بناءً علی أنّه إذا اختلف الإمام وصاحباه فالعبرة لقوّة الدّلیل وهو الأصحّ[2] (الشّامي) ان عبارات سے معلوم ہوا کہ معتمد اور احوط اس بارے میں قولِ صاحبینؒ ہے کہ اہل قریہ پر بھی واجب ہے کہ تکبیر تشریق کہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۱۶-۲۱۷)

تکبیرِ تشریق کے بارے میں صاحبین کا قول احوط ہے

سوال: (۲۵۳۷) تکبیرات تشریق کے بارے میں امام صاحبؒ کا یہ مذہب ہے کہ مقیم ہو

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۸، کتاب الصّلاة، باب العیدین.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۷-۶۰، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب في تکبیر التّشریق.

اور شہر میں ہو اور فرض نماز جماعت مستحبہ سے پڑھے اس پر تکبیر تشریق واجب ہے، اور صاحبینؒ مطلقًا واجب فرماتے ہیں، خواہ مرد ہو یا عورت یا منفرد یا مسافر، اس صورت میں احوط اور اولیٰ کیا ہے؟
(۲۹۵۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ صاحبینؒ کا قول احوط ہے اور عمل کرنا اس پر مختار اور احوط ہے، مگر وجوب کے بارے میں اکثر علماء نے مذہب امام صاحبؒ کو اختیار فرمایا ہے؛ یعنی وجوب انہیں شرائط کے ساتھ، باقی اگر منفرد و مسافر وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لیویں تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ اس پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۹/۵)

عورتوں پر تکبیر تشریق واجب ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۳۸) تکبیرات تشریق عورتوں کے لیے درست ہیں یا نہیں؟ (۲۲۵۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: تکبیرات تشریق عورتوں کے لیے امام صاحب کے مذہب میں نہیں ہیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱۹۷/۵)

وضاحت: امام صاحب کے نزدیک عورتوں پر تکبیر تشریق واجب نہیں، صاحبین کے نزدیک واجب ہے، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، درمختار میں ہے: **ويجب تكبير التّشريق إلخ ، علىٰ إمام مقيم بمصر وعلىٰ مقتد مسافر أو قرويّ أو امرأة بالتّبعيّة لكن المرأة تخافت إلخ، وقالا: بوجوبه فور كلّ فرض مطلقًا ولو منفردًا أو مسافرًا أوامرأةً لأنّه تبع للمكتوبة إلـخ وعـليه الاعتماد والعمل والفتوى في عامّة الأمصار وكافة الأعصار (الدّرّ المختار)**

---

(۱) **ويجب تكبير التّشريق إلخ على إمام مقيم بمصر و على مقتد مسافر أو قرويّ أو امرأة بالتّبعيّة لكن المرأة تخافت إلخ، وقالا: بوجوبه فور كلّ فرض مطلقًا ولو منفردًا أو مسافرًا أو امرأةً لأنّه تبع للمكتوبة إلخ ، وعليه الاعتماد والعمل والفتوى في عامّة الأمصار وكافة الأعصار (الدّرّ المختار) قوله: (لأنّه تبع للمكتوبة) فيجب على كلّ من تجب عليه الصّلاة المكتوبة، بحر قوله: (وعليه الاعتماد إلخ) هٰذا بناءً على أنّه إذا اختلف الإمام وصاحباه فالعبرة لقوّة الدّليل وهو الأصحّ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۵۷/۳-۶۰، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب في تكبير التّشريق)** ظفیر

قوله: (لأنّه تبع للمکتوبة) فیجب علی کلّ من تجب علیه الصّلاة المکتوبة، بحر قوله: (وعلیه الاعتماد إلخ) هٰذا بناءً علٰی أنّه إذا اختلف الإمام وصاحباه فالعبرة لقوّة الدّلیل وهو الأصحّ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۷-۶۰، کتاب الصّلاة، باب العیدین مطلب في تکبیر التّشریق) محمد امین پالن پوری

تکبیر تشریق ایک دفعہ کہنا واجب ہے

سوال: (۲۵۳۹) ایامِ تشریق میں تکبیر ہر نماز فریضہ کے بعد کہی جاتی ہے؟ زید کہتا ہے ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، اور عمر کہتا ہے کہ تین مرتبہ کہنا چاہیے؛ اس صورت میں حق پر کون ہے؟

(۳۷۱۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تکبیر تشریق ایک دفعہ کہنا واجب ہے اس سے زیادہ واجب نہیں ہے، اور درمختار میں عینی سے نقل کیا ہے کہ زیادہ کہنے میں فضیلت اور ثواب ہے کچھ حرج نہیں ہے [۱] لیکن شامی میں ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے، پس بہتر ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفاء کیا جائے۔ عبارت شامی کی یہ ہے: إنّ الإتیان بهٖ مرّتین خلاف السّنة إلخ [۱] (شامی: ۱/۵۶۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۰۳-۲۰۴)

تکبیر تشریق ایک دفعہ سے زیادہ کہنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۵۴۰) تکبیر تشریق کا ایک دفعہ سے زیادہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے، زیادہ کہنا خلافِ سنت ہوگا [۲] فقط واللہ اعلم (۵/۲۱۳)

---

(۱) ویجب تکبیر التّشریق في الأصحّ للأمر بهٖ مرّةً وإن زاد علیها یکون فضلاً قاله العینيّ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۷-۵۸، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب في تکبیر التّشریق) ظفیر

(۲) إنّ الإتیان به مرّتین خلاف السّنّة إلخ. (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۵۷، کتاب الصّلاة، باب العیدین، مطلب: یطلق اسم السنّة علی الواجب)

سوال:(۲۵۴۱) ما قولكم رحمكم الله في تكبيرات أيّام التّشريق عقب المكتوبات وهو أنّه إذا سلّموا منها يكبّر الإمام منهم أولا مرّة وحينئذ يستمع من خلفه ساكتين ، وإذا فرغ منه فيشرعون في التّكبير بالجهر بالأصوات المتّحدة والأوزان الواحدة مرّةً، ثمّ الإمام ثمّ من خلفه ثانيًا وهٰكذا ثلاث مرّات متعاقبةً وأهل العلم في هذه البلاد في هذه المسئلة فرقتان ، فرقة تقول : إنّ هذه العادة هي المشروعة إلخ . وفرقة تقول : إنّ هذه العادة لم تكن في زمن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم فا لكيفيّة المشروعة في هذه التّكبيرات أن يكبّر كلّ واحد من الإمام والمأموم لنفسه علىٰ وجه الاستقلال من غير اجتماع في الأصوات إلخ، فالحقّ في هذه المسئلة في أي الفريقين؟(۱۴۷۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب:أقول وباللّٰه التّوفيق : إنّ قول الفرقة الثّانية هو الحقّ الثّابت بالسّنّة والتّوارث ، وإن قال بعضهم بالإتيان به ثلاث مرّاتٍ، قال في رد المحتار نقلاً عن الحموي: إنّ الإتيان به مرّتين خلاف السّنّة إلخ [۱] فالاقتصار على السّنّة أولىٰ وأحبّ وعن الإحداث في الدّين أبعد.فقط(۲۳۱/۵)

ترجمہ سوال:(۲۵۴۱) آپ حضرات رحمکم اللہ کا کیا ارشاد ہے فرائض کے بعد ایام تشریق میں تکبیرات تشریق کے بارے میں: اور وہ یہ کہ لوگ جب فرائض سے سلام پھیرتے ہیں تو ان کے امام صاحب پہلے ایک مرتبہ تکبیر کہتے ہیں، اور اس وقت پیچھے لوگ خاموشی سے سنتے ہیں، اور جب امام تکبیر سے فارغ ہوجاتا ہے تو لوگ ایک مرتبہ بہ آواز بلند ایک آواز اور ایک ساز میں تکبیر کہنا شروع کرتے ہیں، پھر امام (تکبیر کہتا ہے) پھر مقتدی دوسری مرتبہ (تکبیر کہتے ہیں) اور اسی طرح یکے بعد دیگرے تین مرتبہ (تکبیر کہتے ہیں) اور اس دیار کے علماء کے اس مسئلے میں دو فریق ہیں، ایک فریق کہتا ہے کہ یہی طریقہ مشروع ہے، اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ یہ طریقہ نبیٔ کریم ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا، اور ان تکبیرات کے سلسلے میں شرعی طریقہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی میں سے ہر ایک بہ ذات خود مستقلاً تکبیر کہے آواز کو آواز کے ساتھ ملائے بغیر؛ تو حق اس مسئلے میں مذکورہ دونوں فریق میں سے کس کے ساتھ ہے؟

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۵۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب : يطلق اسم السّنّة على الواجب .

الجواب: أقول وباللّٰه التّوفیق: دوسرے فریق کا قول ہی برحق ہے جو سنت اور توارث سے ثابت ہے، اور اگر کوئی شخص اس تکبیر کو تین دفعہ دہرانے کو کہتا ہے تو (اس کا جواب یہ ہے:) ردّ المحتار میں حموی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس تکبیر کو دو مرتبہ کہنا خلافِ سنت ہے، الخ، لہٰذا سنت پر ہی اکتفاء کرنا افضل اور پسندیدہ ہے، اور احداث فی الدین سے بہت دور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اگر کوئی شخص تکبیر تشریق کہنا بھول جائے تو نماز میں نقص نہیں آتا

سوال: (۲۵۴۲) زید ایام تشریق کی تکبیریں جو بعد نماز واجب ہیں ہر نماز میں بھول جاتا ہے، اور زید تنہا نماز پڑھتا ہے آیا تکبیر نہ کہنے سے نماز میں کچھ نقصان ہوتا ہے یا نہیں؟ (۲۸۴۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: ایام تشریق کی تکبیریں ان لوگوں پر واجب ہوتی ہیں جو جماعت سے نماز ادا کریں، اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو اس پر تکبیر کہنا واجب نہیں ہے، اور اس کی نماز میں تکبیر نہ کہنے سے کچھ نقص نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۸/۵-۲۰۹)

وضاحت: اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو اس پر تکبیر تشریق کہنا واجب نہیں، یہ امام صاحب کا قول ہے، صاحبین کے نزدیک منفرد پر بھی تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ درمختار اور شامی میں ہے: **و یجب تکبیر التّشریق إلخ ، مرّةً إلخ ، عقب کلّ فرض............ بلا فصل .... أدّي بجماعة .... مستحبّة إلخ ، وقالا: بوجوبه فور کلّ فرض مطلقًا ولو منفردًا أو مسافرًا أو امرأةً لأنّه تبع للمکتوبة إلخ وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی في عامّة الأمصار وکافة الأعصار (الدّرّ المختار) قوله: (لأنّه تبع للمکتوبة) فیجب علی کلّ من تجب علیه الصّلاة المکتوبة ، بحر قوله : (وعلیه الاعتماد إلخ) هٰذا بناءً علٰی أنّه إذا اختلف الإمام وصاحباه فالعبرة لقوّة الدّلیل وهو الأصحّ إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۵۷-۶۰،کتاب الصّلاة ، باب العیدین مطلب في تکبیر التّشریق)** محمد امین پالن پوری

تکبیراتِ تشریق کی قضاء نہیں

سوال: (۲۵۴۳) اگر تکبیرات تشریق قضا ہوگئیں تو ان کو پھرادا کرے یا اس کے تارک پر کچھ مؤاخذہ نہ ہوگا؟ (۹۱/۱۳۳۹ھ)

الجواب: تکبیرات تشریق اگر اس وقت ترک ہوگئیں تو پھر ان کی قضا نہیں ہے، توبہ کرنے سے گناہ اس کے ترک کا معاف ہوجاوے گا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۰۶-۲۰۷)

تاشا اور نفیری بجاتے ہوئے عیدگاہ جانا اور بہ وقت خطبہ امام کے سر پر چھاتے سے سایہ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۵۴۴) مصلیان عیدین کا امام کے ساتھ تاشا نفیری وغیرہ بجواتے ہوئے جانا اور بعد نماز عیدین بہ وقت خطبہ امام کے سر پر چتر کا سایہ کرنا شرعًا کیسا ہے؟ (۲۱۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: تاشا و نفیری وغیرہ بجانا حرام ہے، ایسا کرنے والے خطاوار و گنہ گار ہیں[2] اور بہ وقت خطبہ خطیب کے سر پر چتر کرنا بھی نہیں چاہیے یہ امر خلاف آدابِ خطبہ و استماعِ خطبہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۹۹)

نمازِ عید کے لیے نقارہ بجانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۴۵) برائے نماز عید نقارہ کوبی جائز است یا نہ؟ (۲۰۱۱/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) عقب كلّ فرض ...... بلا فصل إلخ (الدّرّ المختار) فلو خرج من المسجد أو تكلّم عامدًا أو ساهيًا أو أحدث عامدًا سقط عنه التّكبير. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۵۹، كتاب الصّلاة، باب العيدين) ظفير

(۲) ودلّت المسئلة أنّ الملاهي كلّها حرام إلخ، قال ابن مسعود: صوت اللّهو والغناء ينبت النّفاق في القلب إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۴۲۴، كتاب الحظر والإباحة) ظفير

الجواب: اگر بہ قصد تفاخر وتلہّی است ممنوع است، واگر بہ نیت تنبہ است جائز است۔ وفي ذٰلك ضرب النّوبة للتّفاخر فلو للتّنبيه فلا بأس به إلخ[1] (الدّرّ المختار) فقط واللہ اعلم (۵/۲۰۵-۲۰۶)

ترجمہ سوال: (۲۵۴۵) نماز عید کے واسطے نقارہ بجانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب: اگر تفاخر اور لہو کی غرض سے ہو تو ممنوع ہے، اور اگر متنبہ کرنے کی نیت سے ہو تو جائز ہے۔ درمختار میں ہے: وفي ذٰلك ضرب إلخ .

عیدگاہ سوار ہوکر جانا خلافِ سنت ہے اور پیسے نچھاور کرنا درست نہیں

سوال: (۲۵۴۶) عیدگاہ میں برائے نماز عید سوار ہوکر جانا اور آنا اور اپنے اوپر سے پیسہ دونی وغیرہ پھینکوانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۸۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: سنت یہ ہے کہ عیدگاہ میں پیادہ جاوے، سوار ہوکر جانا خلاف سنت لکھا ہے، اور واپسی میں اگر سوار ہوکر آوے تو اس کو جائز لکھا ہے۔ كذا في الدّرّ المختار[2] اور نچھاور کرنا بھی درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۱۱)

جو عیدگاہ شہر سے باہر ہے اس میں عیدین کی نماز ادا کرنا بہتر ہے

سوال: (۲۵۴۷) ایک حصہ کی عیدگاہ بیرون شہر ہو اور دوسرے حصہ کی عیدگاہ شہر میں ہو تو کونسی عیدگاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے؟ (۲۵۶۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: سنت طریق کے موافق شہر سے باہر نماز عیدین ادا کرنا بہتر ہے، اور اس میں

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۴۲۶، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل في اللّبس .

(۲) ثمّ خروجه إلخ ماشيًا إلى الجبانة إلخ ولا بأس بعوده راكبًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفیر

فضیلت ہے بہ نسبت شہر میں ادا کرنے کے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۰۸)

جو عیدگاہ آبادی کے اندر ہے وہ صحراء کے حکم میں نہیں

سوال: (۲۵۴۸) عیدگاہ قدیم بہ وجہ بڑھنے آبادی کے آبادی کے اندر آ گئی ہے، اور اس میں نماز پنج گانہ بہ اذان و جماعت ہوتی ہے، اب چند لوگ اتباعًا للسنۃ صحراء میں صلاۃ العیدین کے مجوز ہیں اس صورت میں کیا حکم شرعًا ہے؟ (۲۳/۱۷۶۳-۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: نماز عیدین کے لیے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحراء میں آبادی سے باہر پڑھیں، لہٰذا جو لوگ اس کے مجوز ہیں کہ آبادی سے باہر صحراء میں نماز عیدین ادا کی جاوے وہ حق پر ہیں، عیدگاہ قدیم جو کہ مسجد نماز پنج گانہ ہوگئی اور بستی کے اندر آ گئی وہ حکم جبانہ یعنی صحراء نہیں رہی [1] فقط (۵/۱۹۵)

عیدگاہ کے لیے شہر کی کوئی جانب مقرر نہیں

سوال: (۲۵۴۹) نماز عیدین شہر کی کس سمت میں پڑھنا اولیٰ ہے؟ اور عیدگاہ بنا کر نمود (علامت) قائم کرنا کیسا ہے کچھ حرج تو نہیں ہے؟ (۳۷/۷-۱۳۳۲ھ)

الجواب: شریعت میں عیدگاہ کے لیے تخصیص کسی جانب کی نہیں ہے، بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جا کر نماز عیدین ادا کی جاوے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ عیدگاہ بنائی جاوے اور نمود قائم کی جاوے کہ اس جگہ نماز عیدین ادا کیا کریں گے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۹-۲۳۰)

---

(۱) ثمّ خروجه إلخ ماشيًا إلى الجبانة وهي المصلّى العام............ والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنّة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصّحيح (الدّرّ المختار)قوله:(المصلّى العام) أي في الصّحراء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس)ظفیر

(۲) عن أبى سعيد الخدري رضي الله عنه قال : كان النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلّى الحديث . (مشكاة المصابيح، ص:۱۲۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين ، الفصل الأوّل)

==

سوال:(۲۵۵۰) عیدگاہ شہر کی بائیں جانب ہونی بہتر ہے یا کسی اور جانب؟
(۴۱۴/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: عیدگاہ کے لیے کوئی جانب شہر کی مقرر نہیں جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو، اسی طرف عیدگاہ بنائی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۲/۵-۲۳۳)

جو لوگ عیدین کی نماز جامع مسجد میں پڑھتے ہیں اُن کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

سوال:(۲۵۵۱) جو لوگ عیدین کو جمعہ مسجد میں پڑھتے ہیں ان کی نماز ہو جاتی ہے کہ نہیں؟
(۲۱۴۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز ہو جاتی ہے مگر عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے، عیدگاہ میں بلا عذر نماز عیدین نہ پڑھنا خلاف سنت ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۵/۵-۲۲۶)

بازار میں عیدین کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال:(۲۵۵۲)......(الف) بازار کو جبانہ قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(ب) بازار میں صلاۃ عیدین بلا کراہت درست ہے یا نہ؟

(ج) جس بازار میں صلاۃ عیدین ادا کی جاتی ہے اگر اس کے مقابل شارع عام ہو تو وہاں نماز جائز ہے یا نہیں؟

= = ''بود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیرون می آمد روز عید فطر و روز عید قربان بسوئے مصلی کہ جائے مشہور است در مدینہ بیرون شہر کہ آنجا نماز عید می گزارند، والآن چہار دیواری گرد آن کشیدہ اند'' (اشعۃ اللمعات: ۱/ ۶۳۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين ، الفصل الأوّل، مطبوعہ: مطبع نول کشور، لکھنؤ)

(۱) والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنّة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصّحيح (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۴۶، كتاب الصّلاة ، باب العيدين ، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفير

(د) اگر بازار عین راستے پر ہو تو اس بازار میں راہ پر صلاۃ عیدین درست ہے یا نہیں؟

(ھ) اگر جبانہ نہ ملے تو دہلیز میں صاف چٹائی بچھوا کر بلا کراہت نماز ہوگی یا نہ؟

(و) اگر جبانہ نہ ملے تو فناء مسجد یا مسجد میں نماز عیدین پڑھنا بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟

(۶۵۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: (الف) **ثمّ خروجه .... ماشيًا إلى الجبانة وهي المصلّى العامّ إلخ (الدرّ المختار) أي في الصّحراء** [1] (شامی) معلوم ہوا کہ جبانہ مصلی عام ہے جو صحراء میں ہو، پس بازار جبانہ نہیں ہے۔

(ب) بازار میں اگر مسجد ہے یا کوئی جگہ ممر الناس (لوگوں کی گذرگاہ) سے علیحدہ ہے، اور شور و شغب سے خالی تو وہاں نماز میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

(ج) شارع عام کے سامنے اگر کوئی آڑ دیوار وغیرہ نہ ہو تو ایسی جگہ نماز مکروہ ہے۔ **وتكره الصّلاة في طريق العامّة** [2] (شرح منیہ) مگر نماز ہو جاتی ہے۔

(د) **قد مرّ حكمه في:** (ج)

(ھ) بلا کراہت درست ہے۔

(و) بلا کراہت درست ہے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۰/۵-۲۰۱)

عیدین کی نماز جیل خانہ میں واجب نہیں

سوال: (۲۵۵۳) عیدین کے نماز جیل میں ہوگی یا نہیں؟ (۲۳۶۲/۱۳۴۰ھ)

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس .

(۲) غنية المستملي، ص:۳۱۴-۳۱۵،فصل في صفة الصّلاة .

(۳) الخروج إلى المصلّى وهي الجبانة سنّة إلخ فإن ضعف القوم عن الخروج أمر الإمام من يصلّى بهم في المسجد. (غنية المستملي، ص:۴۹۲،فصل في صلاة العيد)

الجواب: جمعہ اور عیدین کی نماز جیل خانہ میں واجب نہیں ہے[1] اور ادا ہونے میں بھی کلام ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۱/۵)

جو شخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو وہ عید کی نماز سے پہلے حجامت بنوا سکتا ہے

سوال: (۲۵۵۴) جس شخص پر قربانی واجب نہیں ہے، اس کے لیے حجامت کرانا کس وقت مسنون و مستحب ہے بعد از نماز یا قبل از نماز؟ (۳۸۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: صحیح مسلم میں حدیث مروی ہے: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: إذا دخل العشر و أراد بعضکم أن یضحّي .... فلا یأخذن شعرًا و لا یقلمنّ ظفرًا[3] فهٰذا محمول علی النّدب[4] (شامی) وفي روایة: من رأی هلال ذي الحجّة وأراد

---

(۱) وشرط لافتراضها تسعة تختصّ بها إقامة بمصر إلخ، وصحّة إلخ وعدم حبس إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۲۵-۲۷، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، مطلب في شروط وجوب الجمعة) ظفیر

(۲) اذنِ عام کی شرط چوں کہ نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے بعض لوگوں کا رجحان عدم جواز ہے، لیکن خاک سار کا ذاتی رجحان جواز کی طرف ہے، موجودہ دور میں جب کہ ایک شہر میں تعدد جمعہ کے جواز پر فتویٰ اور عمل دونوں ہے، ''اذنِ عام'' کی شرط محض لغو ہے، درمختار اور شامی میں جو بحث مذکور ہے اس سے بھی جواز ہی ثابت ہوتا ہے۔ ''اذنِ عام'' کی بحث ختم کرتے ہوئے علامہ شامی رقم طراز ہیں: قلت: وینبغي أن یکون محلّ النّزاع ما إذا کانت لا تقام إلّا في محلّ واحدٍ. أمّا لو تعدّدت فلا، لأنّه لا یتحقّق التّفویت کما أفاده التّعلیل تأمّل. (ردّ المحتار: ۳/۲۴-۲۵، کتاب الصّلاة، باب الجمعة) خود مفتی علام نے باب الجمعہ کے سوال: (۲۲۴۲) میں بند قلعہ کے اندر جمعہ کا جواز ثابت کیا ہے، اور پوری بحث کی ہے، جو بہ غور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ظفیر

(۳) عن أمّ سلمة رضي اللّٰہ عنها قالت: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: إذا دخل العشر الحدیث، رواه مسلم. (مشکاة المصابیح، ص: ۱۲۷، کتاب الصّلاة، باب في الأضحیة الفصل الأوّل)

(۴) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۶۱، کتاب الصلاة، باب العیدین، مطلب في إزالة الشّعر والظّفر في عشر ذي الحجة، قبیل باب الکسوف.

أن یضحّي فلا یأخذ من شعرہ ولا من أظفارہ ، رواہ مسلم[1] حاصل یہ ہے کہ جوشخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کے لیے یہ مستحب ہے کہ بعد نماز بقرعید کے قربانی کر کے ناخن اور بال کتروائے اور حجامت بنوائے، اور جوشخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے، وہ نماز سے پہلے بھی حجامت بنوا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۱۹۹-۲۰۰)

عیدین کا امام اگر غلط خواں ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۵۵) اگر عیدین کا امام غلط خواں ہے تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں اور دوسرا امام نہیں ہوسکتا، کیونکہ عوام الناس نہیں چاہتے، لہٰذا شہر کی مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے؟ (۱۳۳۷/۱۹۶۱ھ)

الجواب: عیدین کی نماز مسجدوں میں بھی صحیح ہے[2] اگر عیدین کا امام ایسی غلطی کرتا ہے کہ جس سے فساد نماز ہو تو مسجد میں جدا جماعت کر لینا چاہیے[3] اور اگر ایسی غلطی نہیں کرتا جو مفسد صلاۃ ہو اور علیحدہ ہونے میں فتنہ ہو تو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۰۳)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص: ۱۲۷، کتاب الصّلاۃ ، باب في الأضحیۃ الفصل الأوّل .

(۲) الفاسق إذا کان یؤمّ یوم الجمعۃ وعجز القوم عن منعہٖ قال بعضھم: یقتدی بہٖ في الجمعۃ ولا تترك الجمعۃ بإمامتہٖ، وفي غیر الجمعۃ یجوز أن یتحوّل إلی مسجد آخر ولا یأثم بہٖ . (الفتاوی الھندیۃ: ۱/۸۶، کتاب الصّلاۃ ، الباب الخامس في الإمامۃ، الفصل الثّالث في بیان من یصلح إمامًا لغیرہٖ) ظفیر

(۳) ولا یجوز إمامۃ الألثغ الّذي لا یقدر علی التّکلّم ببعض الحروف إلّا لمثلہ إذا لم یکن في القوم من یقدر علی التّکلّم بتلك الحروف، فأمّا إذا کان في القوم من یقدر علی التّکلّم بھا فسدت صلاتہ وصلاۃ القوم إلخ. (الفتاوی الھندیۃ: ۱/۸۶، کتاب الصّلاۃ ، الباب الخامس في الإمامۃ ، الفصل الثّالث في بیان من یصلح إمامًا لغیرہٖ) ظفیر

(۴) ویکرہ............ إمامۃ عبد إلخ وفاسق إلخ وفي النّھر عن المحیط: صلّی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعۃ (الدّرّ المختار) أفاد انّ الصّلاۃ خلفھما أولیٰ من الانفراد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۲۵۴-۲۵۸، کتاب الصّلاۃ ، باب الإمامۃ)

عید کی نماز کے لیے مقتدیوں کا کب تک انتظار کرنا چاہیے؟

سوال: (۲۵۵۶) عید کی نماز کے لیے مقتدیوں کا کس وقت تک انتظار کیا جاوے؟
(۱۵۰/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: وقت نماز عیدین کا زوال سے پہلے پہلے ہے، پس اس وقت تک یعنی قبل زوال تک انتظار کرنے کا مضائقہ نہیں ہے، اس کے بعد نہیں[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰۵/۵)

عیدگاہ میں غیر مقلد اگر پہلے نماز پڑھ لیں تو اس کا اعتبار نہیں

سوال: (۲۵۵۷) امام حنفی کی بلا اجازت بطور ضد کے فرقۂ غیر مقلد مصلیٔ حنفی پر ان کے امام سے پہلے نماز پڑھ کر چلے آویں تو امام مقررہ کی جماعت کی فضیلت میں کچھ کمی تو نہ ہوگی؟
(۲۳۸۴/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: غیر مقلدین کو ایسا کرنا ناجائز ہے، اور ان کی جماعت کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اور حنفیوں کی جماعت جو بعد میں ہوئی وہ معتبر ہے، اس کی فضیلت اور ثواب میں کچھ کمی نہ آوے گی۔ (۲۰۷/۵)

ایک شہر میں دو عیدگاہ ہونے میں کچھ حرج نہیں

سوال: (۲۵۵۸) اگر ایک شہر میں دو عیدگاہ ہوں اور دو جگہ نماز عیدین کی ہو تو کیا حکم ہے؟
(۲۵۶۵/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: دو عیدگاہ ہونے میں اور دو جگہ نماز عیدین ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے[۲] فقط
(۲۰۷/۵-۲۰۸)

---

(۱) و وقتها من الارتفاع قدر رمح فلا تصحّ قبله إلخ إلى الزّوال بإسقاط الغاية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۹/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفیر

(۲) تودّى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتّفاقًا (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۵/۳، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته) ظفیر

جمعہ اور عیدین کی نماز مختلف مسجدوں میں پڑھ سکتے ہیں

سوال: (۲۵۵۹) جمعہ اور عیدین کی نماز مختلف مساجد میں ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۳-۳۲/۳۶ھ)

الجواب: پڑھ سکتے ہیں کیوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں ایک جگہ جمعہ وعیدین جائز ہے وہاں چند جگہ بھی جائز ہے[1] البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ جمعہ وعیدین پڑھیں اور عیدین کی نماز باہر صحراء میں پڑھنا مسنون ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۷-۲۲۸)

عیدگاہ میں امام بدعتی ہوتو جامع مسجد میں عیدین کی نماز ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۶۰) عیدین کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ عیدگاہ میں امام بدعتی ہے۔ (۱۳۳۳-۳۲/۳۳۹ھ)

الجواب: عیدین کی نماز جامع مسجد میں بھی ادا کرنا درست ہے لیکن مسنون اور افضل صحراء میں ادا کرنا ہے، اگر عیدگاہ میں امام بدعتی ہے دوسری جگہ صحراء میں اس سنت کو ادا کریں[2] فقط (۵/۲۲۹)

قصابوں کی بنائی ہوئی عیدگاہ میں نماز عید درست ہے

سوال: (۲۵۶۱) یہاں پر قصابان نے عیدگاہ بنائی ہے، اس میں غیر قصابان کی نماز عیدین

---

(۱) تودّی بمصر واحد بمواضع كثيرة اتّفاقًا (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۵۵، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته) ظفیر

(۲) والخروج إليها أي الجبانة .... سنّة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصّحيح. جبانة کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ماشيًا إلى الجبانة وهي المصلّى العام، أي في الصّحراء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۴۵-۴۶، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس) ظفیر

صحیح ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ آج کل جنگل میں بنی ہوئی ہیں؛ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی تھا یا نہیں؟ (۲۵۹۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: غیر قصابان کی نماز عیدین اس عیدگاہ قوم قصابان میں صحیح ہے، اور آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز باہر جنگل میں عیدگاہ میں جا کر ادا فرماتے تھے اور یہی سنت ہے[۱] فقط (۲۰۸/۵)

جس کی آمدنی مخلوط ہے اس نے عیدگاہ تیار کرائی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۶۲) میرے خسر کے یہاں رشوت اور کاشت کی آمدنی مخلوط ہے، انہوں نے ایک عیدگاہ تیار کرائی ہے، اس عیدگاہ میں نماز پڑھنا اور ان کا کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲۵۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: اس عیدگاہ میں نماز صحیح ہے، اور ان کا کھانا کھانا اچھا نہیں ہے[۲] فقط (۲۲۸/۵)

وضاحت: کفایت المفتی میں ہے: جس شخص کی تمام کمائی حرام کی ہو، اور وہ اس حرام مال سے مسجد بنائے تو وہ مسجد صحیح مسجد نہیں ہوتی، نماز اس میں بھی ہو جاتی ہے، مگر مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اور جس شخص کی کمائی حلال بھی ہو اور حرام بھی اور وہ مخلوط کمائی سے مسجد بنائے تو اگرچہ حرام مال خرچ کرنے کا اُسے کچھ ثواب نہیں ملے گا؛ لیکن احکام اور فتویٰ کی رُو سے یہ مسجد مسجد ہو جائے گی، اور وقف صحیح ہونے کا حکم دیا جائے گا اور مسلمانوں کو حق ہوگا کہ وہ اس کو بہ حیثیت مسجد کے استعمال کریں اور اس کی حفاظت کریں۔

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) **أهدیٰ إلی رجل شیئًا أو أضافه إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلّا أن یعلم بأنّه حرام ، فإن کان الغالب هو الحرام ینبغي أن لا یقبل الهدیة ولا یأکل الطّعام إلّا أن یخبره بأنّه حلال ورثته أو استقرضته من رجل إلخ . (الفتاوی الهندیة: ۳۴۲/۵، کتاب الکراهیة ، الباب الثّاني عشر في الهدایا والضّیافات)**

یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے کہ جس کی کمائی خالص حرام ہو، اُس کے یہاں دعوت قبول کرنا جائز نہیں، اور جس کی کمائی مخلوط ہو اُس کے یہاں دعوت قبول کرنا مباح ہے، مگر مقتدا کے لیے بہتر اور تقویٰ کی بات یہ ہے کہ قبول نہ کرے۔ (کفایت المفتی: ۷/۶۴، کتاب الوقف، فصل دہم، مسجد میں ناجائز رقم لگانا، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، پاکستان) محمد امین پالن پوری

ہندو کی ملکیت میں جو عید گاہ قائم ہے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۶۳) عرصۂ دراز سے موجودہ عید گاہ ایک ہندو کی ملکیت میں قائم ہے، حقِ ملکیت ترک کر دیا ہے مگر آبادی سے ایک میل زائد فاصلہ ہونے کے علاوہ موسم باراں میں راستہ ناقص ہوتا ہے حسب منشا مسلمانان قصبہ جدید عید گاہ مسلمانوں کی ملکیت میں بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور سابقہ عید گاہ شہید کر کے ملبہ جدید عید گاہ میں لگایا جائے یا نہیں؟ جدید عید گاہ تیار ہونے کے بعد سابقہ عید گاہ کی زمین مالک کی خواہش کے موافق اس کو دے دی جاوے یا مسلمان اپنے قبضہ میں رکھیں؟

(۲۴۰۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اگر اس ہندو نے اپنی ملکیت ترک کر دی تھی اور مسلمانوں کو وہ زمین برائے عید گاہ دے دی تھی تو وہ زمین وقف ہوگئی اس کا ملبہ وغیرہ دوسری عید گاہ میں لگانا اور اس کو ہندو کو واپس دے دینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۰۷)

جس عید گاہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہے اس کی اینٹوں سے دوسری جگہ عید گاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۲۵۶۴) ایک عید گاہ متصل دریا واقع ہے اگر امسال سیلاب آیا تو عید گاہ کے شہید ہوجانے کا خوف ہے کیوں کہ سیلاب کی وجہ سے ہمیشہ زمین کٹتی رہتی ہے، ایسی صورت میں اس عید گاہ کی اینٹیں اکھیڑ کر دوسری جگہ انہیں اینٹوں سے عید گاہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۳۸/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جب کہ عید گاہ کے معدوم ہوجانے کا یقین ہے تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے

کہ اس کا تمام سامان منتقل کر کے دوسری جگہ عید گاہ تعمیر کر لیں (۱) لیکن یہ پہلی جگہ بھی اگر بچ گئی تو بدستور وقف رہے گی اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۳-۲۲۴)

عید گاہ کی زمین فروخت نہیں کی جاسکتی

سوال: (۲۵۶۵)...... (الف) کھنڈوہ میں عید گاہ کے قریب پتھر کی کھدان ہے جو پہلے بہت فاصلہ پر تھی مگر اب اس قدر قریب ہوگئی ہے کہ جس وقت پتھر میں سرنگ لگایا جاتا ہے عید گاہ کی دیواریں ہل جاتی ہیں جس سے اس کے گرنے کا احتمال ہے، لہٰذا اگر سرکار زمین اور عمارت عید گاہ کا معاوضہ دیوے تو دوسری جگہ عید گاہ بنائی جاسکتی ہے؟ اور موجودہ عید گاہ کو سرکار اپنے کام میں لاسکتی ہے یا نہیں؟

(ب) عید گاہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۳۴۱ھ)

الجواب: (الف-ب) عید گاہ وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے، پس اس میں یہ تصرف کرنا درست نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۱۴)

ہندو کا اپنی زمین عید گاہ کے لیے دینا اور عید گاہ کا کوئی حصہ ہندو کو دینا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۶۶)...... (الف) قصبہ سیانہ کی عید گاہ کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، اس کے گرد

(۱) كالمسجد إذا خرب واستغنى عنه أهل القرية فرفع ذٰلك إلى القاضي فباع الخشب وصرف الثّمن إلٰى مسجد آخر جاز إلخ ، فمنهم من أفتى بنقل بناء المسجد ومنهم من أفتى بنقله ونقل ماله إلى مسجد آخر إلخ. (ردّ المحتار: ٦/٤٣٠، كتاب الوقف ، أحكام المسجد مطلب في ما لو خرب المسجد أو غيره) ظفیر

(۲) فإذا تمّ ولزم لا يُملَكُ ولا يُملَّكُ ولا يعار ولا يرهن . قوله: (لا يُمْلك) أى لا يكون مملوكًا لصاحبه ، ولا يُملَّكُ : أي لا يقبل التّمليك لغيره بالبيع ونحوه. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ٦/٤٢١، كتاب الوقف ، قبل مطلب : في شرط واقف الكتب أن لا تعار إلّا برهن)

ایک سیٹھ ہندو کی اراضی ہے انہوں نے دینے کا وعدہ کرلیا ہے تو ان کی عطیہ اراضی میں تصرف کے جواز کی کیا صورت ہے؟

(ب) جس جانب میں سیٹھ موصوف اپنی زمین صحن عیدگاہ میں شامل کرنا نہیں چاہتے، اس طرف کی دیوار رخ کعبہ سے صحیح کرنے میں ایک مثلث شکل کا گوشہ عیدگاہ قدیم کے فرش کا علیحدہ ہوجاتا ہے، اس کو سیٹھ صاحب اپنے کھیت میں شامل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ گوشہ ان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۶۹۶/۱۳۴۰ھ)

الجواب: (الف) اس کے جواز کی صورت بلا اختلاف یہ ہے کہ سیٹھ صاحب اراضی مذکورہ بہ قدر حاجت علیحدہ کر کے نشان لگا کر کسی مسلمان کی ملک کر دیں، پھر وہ مسلمان اس اراضی کو وقف کر دیں کیونکہ خود سیٹھ صاحب کے وقف کے جواز میں حسب روایات فقہیہ تردد ہے۔

(ب) دے دینا عیدگاہ موقوفہ کے کسی حصہ اور گوشہ کا درست نہیں ہے کیونکہ وقف میں کوئی ایسا تصرف ہبہ وبیع یا مبادلہ کا درست نہیں ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۱۰/۵)

موقوفہ عیدگاہ میں عمارت بنانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۶۷) بادشاہی عیدگاہ جس کے تحت میں انعامی زمین ہے اور سرکار سے خطیب کو سوائے انعام زمین کے خلعتِ عیدین بھی ملتی ہے، آبادی شہر کی وجہ سے عیدگاہ مذکور آبادی میں آ گئی ہے، مگر اب تک اس عیدگاہ میں نماز عیدین پڑھی جاتی ہے، زمین عیدگاہ بالکل کھلی ہوئی ہے، اس میں کسی قسم کی عمارت نہیں ہے، اب اگر اس عیدگاہ میں کچھ عمارت کی جائے تو عیدگاہ کی حیثیت بگڑ جاتی ہے اور عیدگاہ نہیں رہتی تو اس میں عمارت بنانا جائز ہے یا نہ؟ عمارت بنانے سے انعام زمین کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۵۴۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: وہ عیدگاہ وقف ہے اس میں کوئی تصرف تعمیر مکان وغیرہ کا درست نہیں ہے [1]

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

البتہ اگر نمازیوں کے آرام کے لیے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے کوئی درجہ مسقّف کر دیا جاوے مثل مسجد کے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۱۳-۲۱۴)

تعمیر عیدگاہ میں ہندو کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۶۸) تعمیر عیدگاہ میں ہنود کا روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۱۴)

وضاحت: یہ حکم اس وقت ہے جب غیر مسلم کی طرف سے یا اس کی قوم کی طرف سے امتنان (احسان جتلانے) کا اندیشہ نہ ہو، اگر یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عیدگاہ ہم نے بنائی ہے تو احتیاط اولیٰ ہے۔ محمد امین پالن پوری

عیدگاہ میں کھیل تماشہ درست نہیں

سوال: (۲۵۶۹) عیدگاہ کے اندر اعلان عام کر کے کھیل تماشوں اور کشتی کا کرنا یا ہارمونیم باجا کے ساتھ گانا بلا اجازت متولئ عیدگاہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۱۶۳۹ھ)

الجواب: عیدگاہ بہت سے امور میں بہ حکم مسجد ہے؛ اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشا اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم باجا بجانا اور گانا یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں، متولئ عیدگاہ ہرگز ان امور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا، اور بلا اجازت یا بہ اجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عیدگاہ میں درست نہیں ہے۔ هٰكذا في الدّرّ المختار والشّامي[2] فقط (۵/۲۱۴-۲۱۵)

---

(۱) وأمّا الإسلامُ فليسَ من شرطِه ، فصحّ وقفُ الذّمّي بشرط كونه قربةً عندنا وعندهم . (البحر الرّائق: ۵/۳۱۶، كتاب الوقف)

(۲) وأمّا المتّخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حقّ جواز الاقتداء إلخ لا في حقّ غيره به يفتى، نهاية ، فحلّ دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد إلخ (الدّرّ المختار) لكن قال في البحر: ظاهره أنّه يجوز الوطوء والبول والتّخلي فيه ولا يخفى ما فيه ، فإنّ الباني لم يعده لذٰلك فينبغي أن لا يجوز إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۷۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها ، مطلب في أحكام المسجد) ظفیر

عیدین کے خطبہ میں اختصار کرنا چاہیے اورنورنامہ وغیرہ پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۵۷۰) امام نے نمازعید پڑھا کر خطبہ شروع کیا اور خطبہ طویل پڑھا اور مقتدی دھوپ میں رہتے ہیں، اور امام نے خطبہ میں نورنامہ اور وفات نامہ پڑھا یہ کیسا ہے؟ (۲۰۲۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: خطیب کوایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے، خطبہ میں اختصار کرنا چاہیے، خصوصًا ایسے وقت میں بہت اختصار کرنا چاہیے (۱) اور وفات نامہ اورنورنامہ وغیرہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ فقط (۵/۲۱۵-۲۱۶)

بہ وقت ضرورت عیدین کا خطبہ صفوں کے درمیان مکبرہ پر درست ہے

سوال: (۲۵۷۱) خطبہ عیدین میں بہ وجہ کثرت آدمیوں کے امام اپنی جگہ سے صفوف کے درمیان کسی مکبرہ پر جاکر خطبہ پڑھے تو یہ جائز ہے یا مکروہ؟ (۲۵۹۷/۱۳۴۱ھ)

الجواب: ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے بلا کراہت جب کہ اس کی ضرورت ہے (۲) فقط (۵/۲۱۷)

---

(۱) عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال : كانت للنبيّ صلّى الله عليه وسلّم خطبتان ، يجلس بينهما يقرأ القرآن و يُذكّر النّاس فكانت صلاته قصدًا وخطبته قصدًا ، رواه مسلم .

وعن عمّار رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول: إن طول صلاة الرّجل و قصر خطبتهٖ مَئِنَّةٌ من فقههٖ فأطيلوا الصّلاة وأقصروا الخطبة وإنّ من البيان سحرًا، رواه مسلم . (مشكاة المصابيح، ص:۱۲۳، كتاب الصّلاة ، باب الخطبة والصّلاة ، الفصل الأوّل)

(۲) باب العیدین میں کہیں کوئی صراحت نہیں ملی، مگر باب الجمعة میں صراحت ہے: إذا جلس على المنبر فإذا أتمّ أقيمت (الدّرّ المختار) قوله: (المنبر) .... هو الارتفاع، ومن السّنّة أن يخطب عليه اقتداءً بهٖ صلّى اللّه عليه وسلّم، بحر ، وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۳٦، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، مطلب في حكم المرقي بين يدي الخطيب) اس سے معلوم ہوا کہ بہ وقت ضرورت کہیں اور منبر رکھ کر خطبہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، یوں سنت یہ ہے کہ محراب کے پاس ہی ہو۔ واللہ اعلم ۔ ظفیر

نمازعیدین کے لیے بھی جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے

سوال: (۲۵۷۲) جو جگہ غیر محفوظ ہو اور پاک وصاف نہیں ہے وہاں عیدین کی نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵-۴۴/۸۰ھ)

الجواب: جگہ کا پاک ہونا صحت نماز کے لیے شرط ہے، اگر ناپاک جگہ میں نمازعیدین وغیرہ پڑھی گئی تو وہ صحیح نہیں ہوئی (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۲/۵)

چھوٹے گاؤں میں عیدین کی نماز درست نہیں

سوال: (۲۵۷۳) ایک موضع جو کہ تقریبًا چالیس پچاس گھر کی آبادی کا ہے، وہاں ایک مسجد پختہ قدیم ہے، اس میں ہمیشہ نماز پنج گانہ وعیدین ہوتی ہے، اب اہل موضع کی خواہش ہے کہ عیدین کے لیے ایک عیدگاہ قائم کریں تو یہ جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۵-۴۴/۶۷ھ)

الجواب: یہ جائز نہیں ہے کیوں کہ ایسے موضع میں جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہیں ہوتی (۲) (الدّرّ المختار والشّامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۳/۵)

---

(۱) ثمّ الشّرط إلخ ، وشرعًا ما يتوقّف عليه الشّيء ولا يدخل فيه هي ستّة: طهارة بدنه إلخ من حدث بنوعيه .... وخبث مانع إلخ، وثوبه إلخ، ومكانه أي موضع قدميه أو إحداهما إلخ ، وموضع سجوده اتّفاقًا في الأصحّ إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۶۷-۶۸، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاط) ظفیر

(۲) وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة الّتي فيها أسواق ـــــ إلٰى قوله ـــــ وفيما ذكرنا إشارة إلى أنّه لا تجوز في الصّغيرة الّتي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب إلخ ولو صلّوا في القرى لزمهم أداء الظّهر (ردّ المحتار: ۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة)

وفي باب العيدين من الدّرّ المختار عن القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريمًا أي لأنّه اشتغال بما لا يصحّ لأنّ المصر شرط الصّحّة . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة) ظفیر

بقرعید کو اضحیٰ کہنا صحیح ہے، ضحیٰ کہنا غلط ہے

سوال: (۲۵۷۴) ضحیٰ اور اضحیٰ میں کونسا صحیح ہے؟ اگر ضحیٰ کہہ کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟
(۳۳/۵۶۴-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بقرعید کے لیے عربی میں لفظ یوم الاضحیٰ موضوع ہے، الاضحیٰ قربانی کے معنی میں ہے[۱] الضحیٰ کہنا یا ضحیٰ کہنا بقرعید کو غلط ہے مگر نماز ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۴)

ایک شخص نے دو جگہ عید کی نماز پڑھائی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۷۵) زید نے دو جگہ عید کی نماز پڑھائی تو ان دونوں میں سے کونسی ہوئی؟
(۳۳/۱۸۸۸-۱۳۳۴ھ)

الجواب: زید عیدین یا جمعہ کی نماز دو دفعہ نہیں پڑھا سکتا، اگر ایسا کیا پچھلی نماز مقتدیوں کی نہیں ہوئی کیونکہ امام کی دوسری نماز نفل ہوئی، اور متنفل کے پیچھے مفترض یا واجب پڑھنے والی کی نماز نہیں ہوتی[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۲۴-۲۲۵)

عیدین اور جمعہ کی امامت پر اجرت لینا جائز ہے

سوال: (۲۵۷۶) عیدین یا جمعہ کی نماز کی اجرت لے کر نماز پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟
(۳۳/۱۸۸۸-۱۳۳۴ھ)

الجواب: امامت پر اجرت لینا فقہاء نے جائز[۳] لکھا ہے[۴] فقط واللہ اعلم (۵/۲۲۴-۲۲۵)

---

(۱) دیکھئے: الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹/۳۷۸، كتاب الأضحية .
(۲) ولا مفترض بمتنفّل. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۷۹، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة مطلب: الواجب كفاية هل يسقط بفل الصّبي وحده؟) ظفیر
(۳) 'جائز' کا اضافہ مفتی ظفیر الدین صاحب نے کیا ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲
(۴) ويفتى اليوم بصحّتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/۶۵، كتاب الإجارة، مطلب تحرير مهمّ في عدم جواز الاستئجار على التّلاوة والتّهليل ونحوه إلخ) ظفیر

نصف سے زائد مقتدی شافعی ہوں تو حنفی امام عیدین کی نماز کس طرح پڑھائے؟

سوال: (۲۵۷۷) عیدین میں امام حنفی ہے اور نصف مقتدی سے زائد شافعی ہیں، اور نصف سے کم حنفی ہیں تو امام کو کس مذہب کے موافق نماز پڑھانی چاہیے؟ (۶۴۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: عیدین کی نماز میں امام حنفی اپنے مذہب کے موافق تکبیرات زوائد کہے یعنی تین تکبیرات ہر ایک رکعت میں علاوہ تکبیر افتتاح اور رکوع کے؛ مقتدی جو شافعی المذہب ہیں وہ اپنے مذہب کے موافق تکبیرات پوری کرلیں گے، اگر ان کے نزدیک یہ جائز ہو کہ امام حنفی کے پیچھے تکبیرات پوری کرلی جاویں، الغرض امام حنفی کو ان کے مذہب کا اتباع ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر امام ان کی رعایت سے ان کے مذہب کے موافق تکبیرات زوائد کہے گا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے ویصلّي الإمام بهم ركعتين مثنيًا قبل الزّوائد وهي ثلاث تكبيرات في كلّ ركعة ولو زاد تابعه إلى ستّة عشر لأنّه مأثور [۱] (الدّرّ المختار، باب العيدين) اور كتاب الطّهارة میں ہے: لكن يندب للخروج من الخلاف لا سيّما للإمام، لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۲۹/۵)

نماز عیدین کے بارے میں غیر مقلدین کے استدلات اور اُن کے جوابات

سوال: (۲۵۷۸) غیر مقلدوں کے استدلال: اوّل: نماز عیدین میں دونوں رکعتوں میں بارہ تکبیریں کہنی رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہیں۔

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۵۰/۳-۵۱، كتاب الصّلاة، باب العيدين، أمر الخليفة لا يبقى بعد موته.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۵۰/۱، كتاب الطّهارة، مطلب في ندب مراعاة الخلاف إلخ.

دوم: نماز عیدین میں دونوں رکعتوں میں تکبیریں قبل قراءت کے کہنی رسول خدا ﷺ کے قول وفعل سے ثابت ہے۔

سوم: قراءت آنحضرت ﷺ کی نماز عیدین میں اور نماز جمعہ میں خاص تھی نہ کہ عام۔

چہارم: رسول خدا ﷺ سے نماز عید الفطر کا وقت بہ مقدار سورج کے دو نیزہ چڑھنے اور عیدالاضحیٰ میں بہ قدر ایک نیزہ کے ثابت ہے۔

اوّل ودوم کی دلیل: **عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يكبّر في الفطر والأضحىٰ في الأولىٰ سبع تكبيرات، و في الثّانية خمسًا. وأيضًا روى هذا الحديث عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه رضي اللّٰه عنه أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يكبّر في الفطر في الأولىٰ سبعًا، وفي الثّانية خمسًا. وعن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص رضي اللّٰه عنه قال: قال النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم التّكبير في الفطر سبع في الأولىٰ وخمس في الثّانية، القراءة بعدهما كلتيهما، و روي هذا الحديث أيضًا عن عمرو بن شعيب إلخ**[۱] ان تینوں (حدیثوں)[۲] سے بارہ تکبیریں کہنا نماز عیدین کی دونوں رکعتوں میں قبل قراءت کے ثابت ہوگیا۔

سوم کی دلیل: **عن النّعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يقرأ في العيدين ويوم الجمعة بـ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ و ﴿هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾**[۳]

دعویٰ چہارم کی دلیل: **عن جندب رضي اللّٰه عنه قال: كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يصلّي بنا يوم الفطر والشّمس على قيد رُمحين والأضحىٰ علىٰ قيد رُمح**[۴]

(۱۸۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۱/۱۶۳، كتاب الصّلاة، باب التّكبير في العيدين، بتغير يسير.

(۲) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) مشكاة المصابيح، ص: ۸۰، كتاب الصّلاة، باب القراءة في الصّلاة، الفصل الأوّل.

(۴) تلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرّافعي الكبير: ۲/۱۶۷، كتاب صلاة العيدين، رقم الحديث: ۶۸۵، المطبوعة: مؤسسة قرطبة، قاهرة.

الجواب: کذب اور دروغ گوئی غیر مقلدین کا خاصہ ہے، بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں امر خلافِ سنت ہے گویا تمام کتب احادیث پر ان کو مہارت ہے، ہم لوگوں کو غیر مقلدوں کے قصوں میں پڑنے کی فرصت نہیں ہے، اور جواب ان کے اقوال کاذبہ کا اس وجہ سے لکھنا فضول ہے کہ اس گروہ کا حال مثل روافض کے ہے کہ اعتراضات کے جوابات بار بار ہو چکے ہیں (اور چھپ کر شائع ہو چکے ہیں)[1] ان ہی اعتراضات کو وہ پھر ناواقفوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، پس حنفیان متبع سنت کو ضرور ہے کہ اس فرقۂ اہل ہوی ضال ومضل سے پرہیز کریں، اوران کے شبہات واعتراضات واہیہ کو نہ سنیں، اور بالاجمال یہ سمجھ لیویں کہ جماعت کثیرہ حنفیوں کی —— جن میں بڑے بڑے فقہاء وعلماء واولیاء اللہ ہوئے ہیں —— گمراہی پر اور خلافِ سنت وخلافِ حق نہیں ہوسکتی، ہونہ ہو یہی فرقۂ باطلہ مصداق **مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ** کا ہو تو ہو، مگر تعجب ہے ان حنفیوں سے کہ باوجود علم ایسے لوگوں سے ربط ضبط رکھیں، اوران سے مسائل کی تحقیق کے در پے ہوں، جاننا چاہیے کہ مذہب امام ابوحنیفہؒ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے کسی مسئلے میں خلاف نہیں ہے، مگر ہر شخص میں قابلیت اس کے سمجھنے اور معلوم کرنے کی نہیں ہے، بڑے بڑے متبحر علماء اس پر آگاہ ومطلع ہوتے ہیں نہ عقل کے دشمن، پس احناف کو اس کے در پے ہونا نہ چاہیے ان کا کام تقلید کا ہے جو مسئلہ معلوم نہ ہو اس کو کسی متدین عالم سے تحقیق کرلیں، بالاختصار جملہ سوالات کے جواب تحریر کیے جاتے ہیں:

(اوّل/ دوم) چھ تکبیرات نماز عیدین میں موافق سنت نبوی کے ہیں، صرف ایک دلیل اس کی من جملہ بہت سے دلائل کے تحریر کی جاتی ہے، اور اوّل رکعت میں تکبیر قبل قراءت کہنا اور رکعت ثانی میں بعد قراءت کے؛ موافق سنتِ رسول اللہ ﷺ کے ہے۔ **قال صاحب فتح القدير: ۲/۴۳**

وفي أبي داؤد ما يعارضها وهو أنّ سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري وحذيفة بن اليمان: كيف كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يكبّر في الأضحىٰ والفطر؟ فقال أبو موسىٰ: كان يكبّر أربعًا تكبيره على الجنائز، فقال حذيفة: صدق، فقال أبو موسىٰ: كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، سكت عنه أبو داؤد إلخ، قال التّرمذيّ: وقد روي عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنّه قال في التّكبير في العيد تسع تكبيرات،

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

في الأولٰى خمسًا قبل القراءة وفي الثّانية يبدأ بالقراءة ثمّ يكبّر أربعًا مع تكبيرة الرّكوع وقد روي عن غير واحد من الصّحابة نحو هٰذا ، وهٰذا أثر صحيح قاله بحضرة جماعة من الصّحابة ومثل هذا يحمل على الرّفع لأنّه مثل نقل أعداد الرّكعات إلخ (۱)

(سوم) في أبي داؤد أنّ عمر بن الخطّاب رضي اللّٰه عنه سئل أبا واقد اللّيثيّ ماذا كان يقرأ به رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وآله سلّم في الأضحٰى والفطر، قال: كان يقرأ فيهما بـــ قٓ والقرآن المجيد: "واقتربت السّاعة وانشقّ القمر" (۲) (ابوداؤد شریف)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں سورۂ قٓ وسورۂ قمر بھی آنحضرت ﷺ پڑھتے تھے؛ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ نمازِ عیدین میں قراءت سبّح اسم اور هل أتاك کے ساتھ مخصوص تھی۔

(چہارم) اس پر اجماع منعقد ہے کہ وقت عید: بعد بلند ہونے آفتاب کے ایک یا دو نیزہ سے زوال تک ہے۔ قال صاحب الدّرّ المختار: و وقتهما من الارتفاع قدر رمح .... إلى الزّوال (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۴/۵-۲۳۷)
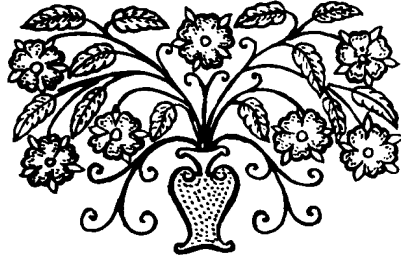
(۱) فتح القدير: ۷۳/۲-۷۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين .
(۲) سنن أبي داؤد: ۱۶۳/۱، كتاب الصّلاة ، باب ما يقرأ في الأضحٰى والفطر.
(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة العيدين ، مطلب: يطلق المستحبّ على السّنّة وبالعكس .

بارش طلب کرنے کا بیان

نمازاستسقاء باجماعت پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۵۷۹) نماز استسقاء بہ جماعت سنت ومستحب است یا بلا جماعت؟ (۹۴۸/۱۳۳۵ھ)

ترجمہ سوال: (۲۵۷۹) استسقاء کی نماز باجماعت سنت اور مستحب ہے یا بلا جماعت؟

الجواب: قال في ردّ المحتار باب الاستسقاء ناقلاً عن شرح المنية: فالحاصل أنّ الأحاديث لما اختلفت في الصّلاة بالجماعة وعدمها علٰى وجه لا يصحّ به إثبات السّنّيّة لم يقل أبوحنيفة بسنّيّتها ولا يلزم منها قوله: بأنّها بدعة كما نقله عنه بعض المتعصّبين بل هو قائل بالجواز أهـ، قلت: والظّاهر أنّ المراد به النّدب والاستحباب لقوله في الهداية قلنا إنّه فعله عليه الصّلاة والسّلام مرّة وتركه أخرى، فلم يكن سنّة أهـ. أي لأنّ السّنّة ما واظب عليه والفعل مرّة مع التّرك أخرى يفيد النّدب، تأمّل[1] (شامي: ا/ ۵٦٧) وفي الدّرّ المختار: وقالا: تفعل كالعيد إلخ[1] وعليه العمل اس عبارت سے واضح ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک بھی جماعت استسقاء مستحب ہے، اور صاحبینؒ قائل سنیتِ جماعت کے ہیں، لہٰذا نماز استسقاء باجماعت پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۳۸/۵)

نمازِ استسقاء میں جماعت وخطبہ اور قلب رداء کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۸۰) استسقاء میں جماعت کا شرعًا کیا حکم ہے؟ اور نماز کے بعد خطبہ اور قلبِ رداء کا

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ٦٦، كتاب الصّلاة، باب الاستسقاء.

کیا حکم ہے؟ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں کیا قول ہے؟ اور صاحبینؒ کا کیا اختلاف ہے؟ اور فتویٰ کس قول پر ہے؟ (۸۳۱/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: استسقاء میں امام صاحبؒ جماعت مسنون نہیں فرماتے اور منع بھی نہیں فرماتے بلکہ ندب و استحباب کے قائل ہیں، کیوں کہ مراد جواز سے جو امام صاحب سے منقول ہے ندب واستحباب ہے۔ **كما في الشّامي: ۱/ ۷۹۱، والظّاهر أنّ المراد به النّدب والاستحباب لقوله في الهداية قلنا: إنّه فعله عليه الصّلاة و السّلام مرّةً وتركه أخرى، فلم يكن سنّةً أهـ أي لأنّ السّنّة ما واظب عليه والفعل مرّةً مع التّرك أخرى يفيد النّدب تأمّل**[۱] پس جب کہ جماعت نماز استسقاء امام صاحب کے نزدیک مندوب ومستحب ہے، اور صاحبینؒ سنت کے قائل ہیں تو بہتر ہے کہ نماز استسقاء باجماعت پڑھی جاوے اور خطبہ بھی پڑھا جاوے۔ **قال الشّامي: ۱/ ۷۹۱، وقال محمّد: يصلّي الإمام أو نائبه ركعتين كما في الجمعة ثمّ يخطب أي يسنّ له ذٰلك، والأصحّ أنّ أبا يوسف مع محمّد، نهر**[۱]

الغرض خطبہ کی سنیت یا استحباب علی اختلاف القولین جماعت استسقاء کی سنیت یا استحباب کے ساتھ متلازم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جماعت مستحب ومندوب ہے۔ **كما يظهر عن الاستدلال بفعله عليه الصّلاة والسّلام مرّةً و تركه أخرى**[۱] اور صاحبینؒ جب کہ سنیت جماعت کے قائل ہیں تو خطبہ کو بھی مسنون فرماتے ہیں، اور جب کہ معلوم ہوا کہ مفتی بہ قولِ صاحبین ہے تو مسنون ہے کہ جماعتِ استسقاء مع خطبہ ادا کی جاوے، جماعت سے نمازِ استسقاء پڑھنا اور خطبہ کو ترک کرنا یہ ایک نئی بات ہے جو کسی مذہب وقول پر چسپاں نہیں ہوتی ہے (قلب رداء بھی ثابت ہے، ظفیر) **وقد نقل في الشّامي أنّ في قلب الرّداء الفتوى على قول محمّدٍ رحمه الله حيث قال: واختار القدوري قول محمّدٍ لأنّه عليه الصّلاة والسّلام فعل ذٰلك، نهر، وعليه الفتوى كما في شرح درر البحار**[۱] **وفي الدّرّ المختار: في رسم المفتي: وأمّا نحن فعلينا اتّباع ما رجّحوه وما صحّحوه كما لو أفتوا في حياتهم**[۲] **(مقدّمة، الدّرّ المختار)**

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/ ۶۲، كتاب الصّلاة، باب الاستسقاء.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/ ۱۶۶، مقدّمة، مطلب في طبقات الفقهاء.

وفیہ أیضًا : أمّا العلامات للإفتاء فقوله: وعلیه الفتوی ، وبه یفتٰی ، وبه نأخذ [۱] وفي الشّامي : وعن هٰذا تراهم قد یرجّحون قول بعض أصحابه علٰی قوله کما رجّحوا قول زفر وحده في سبع عشرة مسئلة فنتبّع ما رجّحوه لأنّهم أهل النّظر في الدّلیل [۲]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم. عزیز الرحمٰن عفی عنہ (۵/۲۴۰-۲۴۱)

نمازِ استسقاء کا مستحب وقت

سوال: (۲۵۸۱) زید کہتا ہے جب عصر کا وقت ہو جائے تو صلاۃِ استسقاء نہیں پڑھنی چاہیے؟
(۹/۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نمازِ استسقاء کا عمدہ وقت صبح کا وقت ہے بعد ارتفاعِ شمس، نماز وخطبہ ودعا کی جاوے حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ایسے ہی وقت تشریف لے جانا نمازِ استسقاء کے لیے ثابت ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں: قالت عائشة رضي الله عنها: فخرج رسول الله صلّی الله علیه وسلّم حین بدا حاجب الشّمس الحدیث [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۳۹)

نمازِ استسقاء کے بعد دعا کس طرح مانگنی چاہیے؟

سوال: (۲۵۸۲) بعد نماز استسقاء دعا الٹے ہاتھوں سے مانگی جاوے یا کیسے یا سیدھے ہاتھوں سے مانگے؟ (۹/۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: عام دعاؤں میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ بطونِ اکف کی طرف مواجہت ہو، اور حدیث شریف میں حکم عام یہی ہے۔ کما ورد: إذا سئلتم الله فاسئلوه ببطون أکفکم [۴]

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۱۵۹-۱۶۰، مقدّمة ، مطلب إذا تعارض التّصحیح .
(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۱/۱۵۸، مقدّمة ، مطلب إذا تعارض التّصحیح .
(۳) مشکاة المصابیح ، ص:۱۳۲، باب الاستسقاء ، الفصل الثّالث .
(۴) عن مالك بن یسار رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول الله صلّی الله علیه وسلّم : إذا سألتم اللّٰهَ الحدیث. (مشکاة المصابیح ، ص:۱۹۵، کتاب الدّعوات ، الفصل الثّاني)

اسی لیے حنفیہ نے استسقاء کی دعا کو بھی اسی قاعدہ عام کے تحت میں رکھا ہے؛ لیکن اگر تفاؤلاً اس دعا میں ظہرِ اکف اوپر کو اور بطونِ اکف نیچے کو ہوں تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، اور حدیث میں دونوں طرح آیا ہے، ایک روایت میں ہے: **فأشار بظهر كفّيه إلى السّماء**[1] اور دوسری روایت میں ہے: **قائمًا يدعو يستسقي رافعًا يديه قِبل وجهه، الحديث**[2] پس حنفیہ نے اصل اسی ثانی حدیث کو رکھا ہے، اور حدیث اوّل کو تفاؤل پر حمل کیا ہے، لہٰذا تفاؤلاً ایسا جائز ہے، اور اصل سنت وہی ہے جو ہر ایک دعا میں ثابت ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۳۹-۲۴۰)

نمازِ استسقاء میں حاکم وخطیب یا قاضی کی شرکت ضروری نہیں

سوال: (۲۵۸۳) کیا نماز استسقاء مسلمان حاکم یا خطیب یا قاضی کے سوا کوئی نہ پڑھے اور کیا ان کا شریک ہونا شرط ہے؟ (۹/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ شرط نہیں ہے بلکہ جس کو امام بنا دیویں جائز ہے، مگر بہتر ہے کہ کسی صالح متقی عالم کو امام بناویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۳۹-۲۴۰)

---

(۱) عن أنس رضي اللّٰه عنه أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم استسقٰى فأشار الحديث. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۳۱، كتاب الصّلاة ، باب الاستسقاء ، الفصل الأوّل)

(۲) عن عمير مولى آبي اللّحم رضي اللّٰه عنه أنّه رأى النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يستسقي عند أحجار الزّيت قريبًا من الزّوراء قائمًا يدعو الحديث . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۳۱، كتاب الصّلاة ، باب الاستسقاء ، الفصل الثّاني)

(۳) هو دعاء واستغفار (الدّرّ المختار) وذٰلك أن يدعو الإمام قائمًا مستقبل القبلة رافعًا يديه والنّاس قعود مستقبلين القبلة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۳/ ۶۵، كتاب الصّلاة ، باب الاستسقاء) ظفیر

احکامِ میّت

موت کے وقت چت لٹانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۵۸۴) محتضر (قریب المرگ) کے بارے میں صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: **والمختار في بلادنا استلقاء لأنّه أيسر لخروج الرّوح**[1] کیا حدیث وتعامل صحابہؓ سے یہ ثابت ہے، اور اس پر عمل کرنا کیسا ہے؟ (۵۷۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: تعاملِ سلف وتوارثِ خلف یہی ہے جس کو صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے، البتہ استلقاء کے ساتھ ساتھ چہرہ قبلہ ہی کی طرف ہونا چاہیے کہ احادیث کی تصریحات اور عِلَل فقہاء دونوں اسی کو مقتضی ہیں، شقِّ ایمن کی قید کسی حدیث واثر سے صراحۃً نہیں نکلتی، پس اسلم طریقہ یہی ہے کہ توجہ قبلہ مع الاستلقاء ہو، بہر کیف جس صورت میں سہولت ہو عمل کیا جاوے، دونوں میں سے کسی ایک کو بھی خلاف سنت نہیں کہا جاسکتا۔ **نقل في البحر عن المبتغٰی: والأصحّ أنّه يوضع كما تيسّر لا ختلاف المواضع والأماكن انتهٰی**[2] **وفيه أيضًا: وذكر في المحيط .... واختير الإستلقاء إلخ**[2] **وفي الفتح: ثمّ إذا ألقی علی القفا يرفع رأسه قليلاً ليصير وجهه إلی القبلة دون السّماء**[3] **وفيه أيضًا تحت قوله والأوّل هو السّنّة: أمّا توجيهه فلأنّه عليه الصّلاة والسّلام لمّا قدم المدينة (سئل عن البراء بن معرور فقالوا: توفّي و**

(۱) الهداية: ۱/۱۷۸، كتاب الصّلاة، باب الجنائز .

(۲) البحر الرّائق: ۲/۲۹۸-۲۹۹، كتاب الجنائز .

(۳) فتح القدير: ۲/۱۰۴، كتاب الصّلاة، باب الجنائز .

أوصٰی بثلثہٖ لك و أوصی أن یوجّہ إلی القبلة لما احتضر فقال علیه الصّلاة والسّلام: أصاب الفطرة إلخ ، وأمّا أنّ السّنّة کونه علی)[1] شقّه الأیمن فقیل یمکن الاستدلال علیه (بحدیث النّوم)[1] (فتح القدیر، جلد:۱)[2] قلت: فھٰذه دلالة صریحة أنّ التّوجیه مع شقّه الأیمن لا نصّ في الحدیث علیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۲/۵-۲۴۳)

میّت کو غسل کے وقت قبلہ رُو لٹانا کسی حدیث سے ثابت نہیں

سوال: (۲۵۸۵) کوئی حدیث اس مضمون کی جس سے یہ ثابت ہو کہ میت کو غسل دینے کے وقت رو بہ قبلہ تختہ پر رکھنا چاہیے، اور قریب المرگ شخص کو رو بہ قبلہ کر دینے کی بابت بھی کسی حدیث کا پتا تحریر فرماویں[3] (۱۷۴۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قریب المرگ شخص کو متوجہ القبلہ کرنے کے بارے میں شرح منیہ میں یہ حدیث منقول ہے براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی وصیت کے قصہ میں: وأوصی أن یوجّہ إلی القبلة لمّا احتضر فقال علیه السّلام: أصاب الفطرة ...... الحدیث، رواہ الحاکم، وقال: صحیح، والسّنّة أن یکون علی شقّه الأیمن کما ھو السّنّة في النّوم إلخ[4] (ص:۵۳۳، کبیري) اور خاص غسل میت کے وقت رو بہ قبلہ کرنا اس کا کسی حدیث میں نظر نہیں آیا، اور فقہاء کرام بھی کوئی حدیث اس بارے میں نقل نہیں فرماتے، اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف بھی لکھا ہے، درمختار اور شامی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ جس طرف کو لٹانا سہل اور آسان ہو اس طرح غسل کے لیے لٹاویں، اور بعض فقہاء نے فرمایا کہ قبلہ کی طرف طولاً لٹاویں، اور بعض نے فرمایا کہ عرضًا لٹاویں جیسا کہ قبر میں رکھتے ہیں۔ درمختار میں ہے: ویوضع .... کما تیسّر في الأصحّ علی سریر إلخ (الدّرّ المختار) وقیل: یوضع إلی القبلة طولاً، و قیل: عرضًا

---

(۱) قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی اضافہ کی ہوئی ہے، رجسٹر میں نہیں ہے۔۱۲

(۲) فتح القدیر: ۱۰۴/۲، کتاب الصّلاة، باب الجنائز.

(۳) یہ سوال رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۴) غنیة المستملي، ص:۴۹۵-۴۹۶، فصل في الجنائز.

كما في القبر إلخ(۱) (شامی) اورشرح منیہ میں ہے: قال في المبسوط و البدائع والمرغيناني: يوضع على التّخت طولاً إلى القبلة إلخ، وقال الإسبيجابيّ: لا رواية فيه عن أصحابنا، والعرف أن يوضع علىٰ قفاه طولاً نحو القبلة، هذا إن اتّسع المكان وإلاّ فالأصحّ أنّه يوضع كما تيسّر، قاله صاحب البدائع والمرغيناني إلخ(۲) فقط واللہ اعلم (۵/۲۴۳-۲۴۴)

لآ إلٰه إلاّ اللّٰه کے ساتھ محمّد رسول اللّٰه کی تلقین میں کچھ حرج نہیں

سوال: (۲۵۸۶) حدیث: لقّنوا موتاكم لآ إلٰه إلاّ اللّٰه کا مطلب کیا ہے؟ آیا صرف لآ إلٰه إلاّ اللّٰه کی تلقین کی جاوے یا محمّد رسول اللّٰه کی بھی؟ (۲۱۱۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: محمّد رسول اللّٰه بھی کہہ دیوے تو کچھ حرج نہیں ہے، اور اگر صرف لآ إلٰه إلاّ اللّٰه کی تلقین پر اکتفاء کرے تو یہ بھی جائز ہے(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۴۴)

تلقین کس وقت کی جائے؟

سوال: (۲۵۸۷) تلقین مردہ را بہ وقت نزع اولیٰ است یا بعد دفن یا در ہر دو وقت؟ (۶۱۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۰-۸۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت .

(۲) غنية المستملي، ص: ۴۹۶، فصل في الجنائز .

(۳) ويلقن ندبًا وقيل وجوبًا بذكر الشّهادتين لأنّ الأولىٰ لا تقبل بدون الثّانية عنده قبل الغرغرة (الدّرّ المختار) قال في الإمداد وإنّما اقتصرت على ذكر الشّهادة تبعًا للحديث الصّحيح وإن قال في المستصفىٰ وغيره: ولقّن الشّهادتين لا إلٰه إلاّ اللّٰه محمّد رسول اللّٰه، وتعليله في الدّرر بأنّ الأولىٰ لا تقبل بدون الثّانية ليس على اطلاقه لأنّ ذلك في غير المؤمن ولهٰذا قال ابن حجر من الشّافعيّة وقول جمع يلقّن محمّد رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أيضًا، لأن القصد موته على الإسلام ولا يسمّى مسلمًا إلاّ بهما مردود بأنّه مسلم، وإنّما المراد ختم كلامه بـ لآ إلٰه إلاّ اللّٰه إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۷۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في تلقين المحتضر الشّهادة) ظفیر

الجواب: عندالحنفیہ تلقین مردہ بہ وقت نزع ہست۔ کما في الدرّ المختار: ویلقّن ندبًا وقیل: وجوبًا بذکر الشّھادتین ـــــ إلی قولہ ـــــ عندہ قبل الغرغرۃ إلخ[1] ولیکن اگر بعد دفن ہم کند مضائقہ نیست۔ قال في الشّامي: وإنّما لاینھی عن التّلقین إلخ[2] (۱/۸۹۷) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ ہٰذا (۵/۲۴۴-۲۴۵)

ترجمہ سوال: (۲۵۸۷) میت کو نزع کے وقت تلقین کرنا بہتر ہے یا دفن کرنے کے بعد یا دونوں وقت میں؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک میت کو نزع کے وقت تقلین کرنا چاہیے جیسا کہ درمختار میں ہے: ویلقّن ندبًا وقیل: وجوبًا إلخ. لیکن اگر دفن کے بعد بھی کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ شامی میں ہے: و إنّما لاینھیٰ إلخ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

تدفین کے بعد تلقین درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۵۸۸) بعد دفن کے تلقین کرنا جائز ہے یا نہ اگر جائز ہے تو کس طرح؟

(۱۱۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۲)

سوال: (۲۵۸۹) درمختار کی روایت ولا یلقّن بعد تلحیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تلقین کرنا نہ کرنا بعد دفن کے برابر ہے، مگر شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد دفن کے تلقین نہ کرنا معتزلہ کا مذہب ہے (شامی) ذکر في المعراج أنّہ ظاھر الرّوایۃ ثمّ قال: وفي الخبّازیّۃ والکافي

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۷۴، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في تلقین المحتضر الشّھادۃ.

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۷۶، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في التّلقین بعد الموت.

(۳) قال في شرح المنیۃ: إنّ الجمھور علی أنّ المراد منہ مجازہ ثمّ قال: و إنّما لا ینھیٰ عن التّلقین بعد الدّفن لأنّہ لا ضرر فیہ بل فیہ نفع إلخ. (ردّ المحتار: ۳/۷۶، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في التّلقین بعد الموت) ظفیر

عن الشّيخ الزّاهد الصّفار أنّ هٰذا علٰى قول المعتزلة لأنّ الإحياء بعد الموت عندهم مستحيل، أمّا عند أهل السّنّة فالحديث أي لقّنوا موتاكم الحديث[1] پوری تشریح سے مطمئن فرمایئے۔ (۱۳۳۹/۱۱۷۴ھ)

الجواب: معتزلہ کا قول تلقین بعد التلحید کی ممانعت اور استحالہ کا ہے، اور اہل سنت وجماعت کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ ممنوع نہیں ہے بلکہ حسب تحقیق محققین اولیٰ تلقین بعد التلحید ہے، اور فی الحقیقت حدیث لقّنوا موتاكم [1] مجاز پر محمول ہے یعنی قریب الموت کو میت فرمایا لیکن اگر حقیقت پر حمل کیا جاوے تو کچھ استحالہ نہیں ہے، اور وہ بھی جائز ہے یعنی تلقین بعد التلحید بھی جائز ہے، اور اس میں کچھ استحالہ اور ممانعت نہیں ہے۔ کما يقوله المعتزلة[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۲/۵)

نزع کے وقت عورت کو مہندی لگانا جائز نہیں

سوال: (۲۵۹۰) عورت کو نزع کے وقت مہندی لگانا مسنون ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۹۱۴ھ)

الجواب: یہ نہ مسنون ہے اور نہ درست ہے بلکہ ناجائز ہے[3] فقط واللہ اعلم (۲۴۵/۵)

---

(۱) ردّ المحتار: ۷۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في التّلقين بعد الموت

(۲) ولا يلقّن بعد تلحيده وإن فعل لا ينهٰى عنه وفي الجوهرة: أنّه مشروع عند أهل السّنّة إلخ ومن لا يسئل ينبغي أن لا يلقّن والأصحّ أنّ الأنبياء لا يسئلون ولا أطفال المؤمنين (الدّرّ المختار) قال في شرح المنية: إنّ الجمهور علٰى أنّ المراد منه مجازه، ثمّ قال: وإنّما لا ينهٰى عن التّلقين بعد الدّفن لأنّه لا ضرر فيه بل فيه نفع، فإنّ الميّت يستأنس بالذّكر على ما ورد في الآثار. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۷۶/۳-۷۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في التّلقين بعد الموت) ظفیر

(۳) ولا يُسرَّح شَعره أي يكره تحريمًا ولا يقصّ ظفره إلا المكسور، ولا شعره ولا يختن (الدّرّ المختار) لما في القينة: من أنّ التّزيين بعد موتها والامتشاط وقطع الشّعر لا يجوز. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۸۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت) ظفیر

غسلِ میّت کا بیان

میّت کو غسل دینے کا طریقہ

سوال: (۲۵۹۱) اگر میت کو غسل دینا ہو تو کس صورت سے دیوے؟ کیا یہ سنت ہے یا فرض یا واجب؟ اور کس صورت سے نہلاوے؟ اور جو شخص بلا ترکیب میت کو غسل دیوے اور خوب پانی بدن مردہ پر تراوے اور قاعدۂ غسل سے ناواقف ہو؛ تو اس کا غسل ٹھیک ہوا یا نہیں؟ (۲۹۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: میت کے غسل کی کیفیت یہ ہے کہ استنجاء کرانے کے بعد اس کو وضو کرائی جاوے اور اس کے تمام بدن پر پانی بیری کے پتوں میں پکا ہوا ڈالا جاوے، اور اس کا سر اور ڈاڑھی خطمی سے دھوئے جاویں، اور بائیں کروٹ پر لٹا کر داہنی کروٹ کی طرف پانی بہایا جاوے، پھر داہنی طرف لٹا کر بائیں کروٹ دھوئی جاوے، پھر اس کو کسی سہارے سے بیٹھا کر اس کے پیٹ کو آہستہ سے ملا جاوے، اور جو کچھ نجاست نکلے اس کو دھویا جاوے، پھر اس کو لٹا کر تمام بدن پر پانی بہا دیا جاوے[1]

---

(۱) وصُورةُ استنجائه أن يلفّ الغاسلُ علٰى يديه خِرقَةً ويغسل السّوأة لأنّ مسّ العورةِ حرامٌ كالنّظرِ إليها كذا في الجوهرة النّيّرة ، ولا ينظر الرّجل إلٰى فخذ الرّجل عند الغُسل وكذا المرأة لا تنظر إلٰى فخذ المرأةِ كذا في التّتارخانية ، ثمّ يوضّأ وضوء ه للصّلاة إلّا إذا كان صغيرًا لا يصلّي فلا يوضّأ كذا في فتاوى قاضي خان ، ويبدأ بغسلِ وجهه لا بغسل اليدين كذا في المحيط ، ويبدأ بالميامنِ اعتبارًا بما لو اغتسل في حياته ولا يُمضمضُ ولا يستنشقُ كذا في فتاوى قاضي خان ، ومن العلماء مَن قال: يجعل الغاسل علٰى أصبعه خِرفةً رقيقةً ويدخل الأصبع في فمهٖ ويمسح بها أسنانه وشفتيه ولَهَاتَهُ ولِثْتَه وينقّيها ويدخلُ في منخريه أيضًا كذا في الظّهيرية . ==

اس میں سنت وفرض غسل سب ادا ہو جاوے گا، اور فرض صرف ایک بار بدن کا دھونا ہے، باقی سب امور سنت ہیں، بلا ترتیب اگر میت کو غسل دیا گیا تو غسل ادا ہو گیا، مگر بہتر یہ ہے کہ موافق سنت کے غسل دیا جاوے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۴/۵)

کفناتے وقت اگر مردہ سے نجاست نکلے تو غسل کے دہرانے کی ضرورت نہیں

سوال: (۲۵۹۲) مردہ کو نہلا کر کفناتے وقت اگر پاخانہ نکل جاوے تو غسل لوٹایا جاوے یا کیا؟ (۲۸۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: غسل نہ لوٹایا جاوے صرف ناپاکی کو دھو دیا جاوے [1] فقط واللہ اعلم (۲۶۷/۵)

== قال شمس الأئمّة الحلوانيّ : وعليه عملُ النّاس اليَومَ كذا في المحيط ، واختلفوا في مسح رأسهٖ والصّحيح أنّه يمسح رأسه ولا يؤخّرُ غسلَ رِجليهِ كذا في التّبيين ، والغسلُ بالماء الحارّ أفضلُ عندنا كذا في المحيط ، ويغلى الماء بالسّدر أو بالحُرض فإن لم يكن فالماءُ القراحُ كذا في الهداية ، ويغسل رأسه ولحيته بالخطمي وإن لم يكن فبالصّابون ونحوهٖ لأنّه يعمل عمله ، هٰذا إذا كان في رأسهٖ شعرٌ اعتبارًا بحالةِ الحياة كذا في التّبيين ، فإن لم يكن فيكفيه الماءُ القراحُ كذا في شرح الطّحاويّ ، ثمّ يضجعُ علٰى شقّه الأيسر فيغسلُ بالماءِ والسّدرِ حتّى يرى أنّ الماءَ قد وصلَ إلى ما يلي التّخْت منه ، ثمّ يضجع علٰى شِقّه الأيمن فيغسل بالماء والسّدر حتّى يرى أنّ الماءَ قد وصلَ إلى ما يلي التّختَ منه لأنّ السّنّةَ هِيَ البداءةُ بالميامن ، ثمّ يجلسه ويسنده إليه ويمسح بطنه مسحًا رفيقًا تحرّزًا عن تلويثِ الكفنِ ، فإنْ خرج منه شيءٌ غسله ولا يعيد غسله ولا وُضُوءَه ، ثمّ يُنَشِّفُهُ بثَوبٍ كَيْ لا تبْتَلَّ أكفانُهُ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۸، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الثّاني في الغسل)

(۱) ولا يعاد غسله لا وضوؤه بالخارج منه لأنّ غسله ما وجب لرفع الحدث إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة عند الميّت) ظفیر

میت کو غسل دینے کے لیے کیسا پانی ہونا چاہیے؟

سوال: (۲۵۹۳) یہ مشہور ہے کہ میت کے غسل دینے کو پہلا پانی مع پتی بیری کے جوش دادہ ہو دوسرا پانی مع کافور کے جوش دادہ ہو، تیسرا خالص بغیر جوش دادہ ہو (اس میں صحیح کیا ہے؟)

(۱۵۳۲/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: شامی میں دربارۂ غسل میت یہ تفصیل ہے کہ اوّل خالص پانی سے غسل دیا جاوے، پھر بیری کے پتوں کا پکا ہوا پانی، پھر کافور ملایا ہوا پانی ڈالا جاوے، اور فتح القدیر سے نقل کیا کہ اولیٰ یہ ہے کہ اوّل دوبار بیری کے پتوں کا پکا ہوا پانی اور تیسری بار کافور کا ملا ہوا[۱] فقط[۲] (۲۵۴/۵-۲۵۵)

جو عورت حالتِ جنابت میں مرگئی اس کو دیگر اموات کی طرح غسل دیا جائے

سوال: (۲۵۹۴) ایک عورت بہ حالت جنابت مرگئی غسل کا کیا طریقہ ہے؟

(۶۴۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: حالت جنابت میں مرجانے سے اس کے غسل میں کچھ تفاوت نہ ہوگا۔ جیسا کہ دیگر اموات کو غسل دیا جاتا ہے، اسی طرح میت جنبی کو غسل دیا جاوے گا، البتہ درمختار میں امداد الفتاح سے نقل کیا ہے کہ میت جنبی کے غسل میں مضمضہ واستنشاق بھی کردیا جاوے؛ لیکن شامی نے اس کو رد کیا ہے، اور زیلعی سے نقل کیا کہ غسل میت بلا مضمضہ واستنشاق ہے۔

---

(۱) ذکر شیخ الاسلام أنّ الأولٰی بالقراح أي الماء الخالص ، والثّانيةُ بالمُغلٰی فيه سِدْرٌ ، والثّالثة بالّذي فيه كافور، قال في الفتح: والأولٰی كون الأولیين بالسّدر، كما هو ظاهر الهداية ، لما في أبي داؤد بسند صحيح أنّ أمَّ عطيّة تغسل بالسّدر مرّتين ، والثّالث بالماء والكافور. (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۸۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراء ة عند الميّت) ظفیر

(۲) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

(اگرچہ وہ جنبی ہو) [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۷/۵)

جنبی مرجائے تو ایک غسل کافی ہے اور نابالغہ لڑکی مرجائے اور کوئی عورت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۵۹۵) جنابت کی حالت میں اگر کوئی شخص مرجاوے تو اس کے لیے ایک غسل کافی ہے یا جنابت کا غسل دے کر دوبارہ غسل میت دیا جاوے گا، اگر نابالغہ لڑکی مرجائے اور وہاں کوئی غسّالہ نہ ہو تو اس کا شوہر یا اور کوئی محرم اسے غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اتفاق سے کوئی محرم بھی نہ ہو تو غیر محرم اس کے غسل کا مجاز ہے یا نہیں؟ یا ایسی مجبوری کی صورت میں بلا غسل وکفن وغیرہ دفن کردی جائے گی؟ (۶۱۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایک غسل کافی ہے لیکن میت اگر جنبی تھا تو اس کو مضمضہ و استنشاق بھی کرالیا جاوے۔ کما في الدّرّ المختار: ولو كان جنبًا أو حائضًا أو نفساء فعلا (أي أمر المضمضة والاستنشاق) اتّفاقًا [۲] اور شامی نے اس میں بحث کی ہے، لیکن بہرحال احتیاط اسی میں ہے [۳]

---

(۱) ويؤضّأ من يؤمر بالصّلاة بلا مضمضة واستنشاق للحرج ، وقيل : يفعلان بخرقة وعليه العمل اليوم ولو كان جنبًا أو حائضًا أو نفساء فُعلا اتّفاقًا تتميمًا للطّهارة كما في إمداد الفتّاح (الدّرّ المختار) قوله: (ولو كان جنبًا إلخ) نقل أبو السّعود عن شرح الكنز للشّلبيّ أنّ ما ذكره الخلخاليّ أي في شرح القدوري من أنّ الجنب يمضمض ويستنشق غريب مخالف لعامّة الكتب أهـ . قلت: وقال الرّمليّ أيضًا في حاشية البحر: إطلاق المتون والشّروح والفتاوى يشمل من مات جنبًا ولم أر من صرّح به لكن الإطلاق يدخله والعلّة تقتضيه أهـ . وما نقله أبو السّعود عن الزّيلعيّ من قوله : بلا مضمضة واستنشاق و لو جنبًا ؛ صريح في ذٰلك ، لٰكنّي لم أره في الزّيلعي . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۸۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة عند الميّت) ظفیر

نوٹ: قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۳) حوالہ؛ سابقہ جواب کے حاشیہ میں مذکور ہے۔

اور نابالغہ لڑکی اگر غیر مراہقہ ہے تو اس کو ہر ایک مرد اور عورت غسل دے سکتا ہے۔ قال في الفتح: الصّغير والصّغيرة إذا لم يبلغا حدّ الشّهوة يغسلهما الرّجال والنّساء [1] اور مراہقہ کا حکم اس بارے میں مثل بالغہ کے ہے، اور بالغہ عورت کو سوائے عورتوں کے اور کوئی غسل نہیں دے سکتا، شوہر بھی غسل نہیں دے سکتا، بلکہ اگر کوئی محرم مرد موجود ہے تو وہ اس عورت کا تیمّم کرادے، اور غیر محرم کپڑا اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر تیمّم کرادے، اور کفن پہنا کر نماز پڑھ کر دفن کریں، درمختار میں ہے: ماتت بين رجال أو هو بين نساء يمّمه المحرم فإن لم يكن فالأجنبيّ بخرقة إلخ [1] وفيه أيضًا: ويمنع زوجها من غسلها ومسّها إلخ [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۴۵-۲۴۶)

اگر عورت مردوں میں یا مرد عورتوں میں مرجائے تو غسل کی کیا صورت ہوگی؟

سوال: (۲۵۹۶) اگر عورت مردوں میں مرجاوے اور کوئی عورت نہ ہو، یا مرد عورتوں میں مرجاوے اور کوئی مرد نہ ہو تو غسل اور تجہیز وتکفین کی کیا صورت ہوگی؟ (۱۳۴۰/۷/۲۰ھ)

الجواب: درمختار میں یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے کہ ماتت بين رجالٍ أو هو بين نساءٍ يَمَّمَهُ المَحْرَمُ فإن لم يكن فالأجنبي بخِرقةٍ إلخ [3] یعنی کوئی عورت مردوں میں مرگئی یا مرد عورتوں میں مرگیا تو اگر کوئی محرم موجود ہے تو وہ بلا خرقہ کے تیمّم کراوے، اور اگر محرم نہیں ہے تو اجنبی شخص خرقہ کے ساتھ تیمّم کراوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۴۹)

---

(۱) ردّ المحتار و الدّرّ المختار: ۳/۸۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في الكفن.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت.

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

شوہر اپنی وفات شدہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا

سوال: (۲۵۹۷) فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کو غسل نہیں دے سکتا (۱) لیکن بلوغ المرام میں بہ حوالہ نسائی وابن ماجہ لکھا ہے: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اے عائشہ! اگر تم پہلے میرے سے انتقال کر جاؤ گی تو میں خود اپنے ہاتھ سے تم کو غسل دوں گا (۲) یہ فرمانا کیسا ہے؟ اور عالمگیری کا لکھنا صحیح ہے یا کیا؟ (۱۵۷۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جیسا کہ عالمگیری میں ہے ایسا ہی درمختار و شامی وغیرہ کتب فقہ میں ہے (۳) اور حنفیہ کا یہی مذہب ہے، اور آنحضرت ﷺ کا ایسا فرمانا آپ کی خصوصیات میں سے ہے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غسل دینا حضرت فاطمہؓ کو ان کی خصوصیت ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی جواب دیا۔ کذا في الشامي (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۹/۵-۲۵۰)

سوال: (۲۵۹۸) زید اپنی عورت میت کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ (یعنی جب کہ کوئی عورت وہاں موجود نہ ہو۔ ظفیر) (۴۰۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) وأمّا هو فلا يغسلها عندنا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۰، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثّاني في الغسل)

(۲) عن عائشة رضي اللّٰه عنها أنّ النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال لها: لو متِّ قبلي فغسلتُكِ الحديث. (بلوغ المرام من أدلة الأحكام للعسكلاني: ص:۱۹۰، كتاب الجنائز، رقم الحديث: ۵۷۳، المطبوعة: مكتبة الرّشد، الرّياض)

(۳) يمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت)

(۴) فتُحمل روايةُ الغسل لعليّ رضي اللّٰه تعالىٰ عنه على معنى التّهْيئةِ والقيام التّامّ بأسبابه، ولئن ثبتتْ الرّواية فهو مختصّ به، ألا ترىٰ! أن ابنَ مسعود رضي اللّٰه عنه لما اعترض عليه بذلك أجابهُ بقوله: أمّا علمت أنّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلّم قال: إنّ فاطمة زوجتُك في الدّنيا والآخرة، فادّعاؤه الخصوصيّةَ دليل على أنّ المذهبَ عندهم عدمُ الجواز. (ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت) ظفير

الجواب: شامی میں ہے کہ مرد اپنی عورت مردہ کو تیمّم کراوے اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر، غسل نہ دیوے کیوں کہ عورت کو غسل عورت ہی دے سکتی ہے، مرد اگر چہ محرم ہے تب بھی تیمّم ہی کراوے۔

قال في الشّامي: فلا يغسل الرّجل المرأة وبالعكس .... ونقل عن الخانية: أنّه إذا كان للمرأة مَحرمٌ يمّمها بيده، وأمّا الأجنبيّ فبخرقةٍ على يده ، ويغضُّ بصرَه عن ذراعها، وكذا الرّجل في امرأته إلاّ في غضّ البصر، ولعلّ وجهه أنّ النّظر أخفُّ من المسّ فجاز لشبهة الاختلاف (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم، مفتی مدرسہ (۵/۲۵۵)

وفات شدہ بیوی کو شوہر دیکھ سکتا ہے مگر غسل نہیں دے سکتا

سوال: (۲۵۹۹) زن متوفیہ را نظر کردن و غسل دادن برائے شوہر جائز است یا نہ؟ (۲۳۳۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: نظر کردن شوہر زوجہ متوفیہ خود را جائز است و غسل دادن جائز نیست۔ ويمنع زوجها من غسلها .... لا من النّظر إليها على الأصحّ (۲) (الدّرّ المختار) و آنچہ بر جواز غسل زوجہ از فعل حضرت علی رضی اللہ عنہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا را بعد وفات اوشاں غسل دادہ اند، استدلال کردہ می شود، صاحب درمختار آنرا بدیں طور جواب دادہ است کہ فعل حضرت علی مخصوص بہ ایشاں است کہ علاقہ زوجیت اوشاں بعد وفات باقی است۔ لقوله عليه الصّلاة والسّلام : كلّ سبب ونسب ينقطع بالموت إلاّ سببي ونسبي (۳) ودر شامی از شرح مجمع نقل کردہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا را، ام ایمنؓ غسل دادہ است نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، پس ایں جواب ثانی است از استدلال مذکور (۴) فقط واللہ اعلم (۵/۲۴۶-۲۴۷)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة عند الميّت.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۳) قلنا هٰذا محمولٌ على بقاء الزّوجية لقوله عليه الصّلاة والسّلام: كلّ سبب و نسب ينقطع بالموت إلاّ سببيّ ونسبي . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراء ة عند الميّت) ظفیر

(۴) قال في شرح المجمع لمصنّفه: فاطمة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها غسلتها أمُّ أيمن حَاضِنتهٔ صلّى اللّٰه عليه وسلّم و رضي عنها ==

ترجمہ سوال: (۲۵۹۹) فوت شدہ بیوی کو دیکھنا اور غسل دینا شوہر کے لیے جائز ہے یا نہ؟

الجواب: شوہر کا اپنی فوت شدہ بیوی کو دیکھنا جائز ہے اور غسل دینا نا جائز ہے، درمختار میں ہے: **ویمنع زوجها من غسلها إلخ** اور جو بیوی کو غسل دینے کے جواز پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کو غسل دیا ہے استدال کیا جاتا ہے، صاحب درمختار نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فعل انہی کے ساتھ مخصوص ہے کیوں کہ ان کی زوجیت کا تعلق وفات کے بعد بھی باقی ہے، فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم: **کلّ سبب ونسب إلخ** کی وجہ سے، اور شامی میں شرح مجمع سے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ام ایمنؓ نے غسل دیا ہے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے، پس یہ استدلال مذکور کا دوسرا جواب ہے۔ فقط واللہ اعلم

حضرت علی کا حضرت فاطمہ کو غسل دینا خصوصیات میں سے تھا

سوال: (۲۶۰۰)...... (الف) زید اپنی مردہ بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور مس کر سکتا ہے؟[۱]

(ب) زید کہتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا ہے ہم کیوں نہیں دے سکتے؟ (ہم خاوند ہونے کی وجہ سے اس کام کے زیادہ مستحق ہیں)[۲] بچوں کو ماں کے لب و پیشانی کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ زید کے یہ اقوال مردود ہیں، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کا اپنی زوجہ کو غسل دینا خصوصیات سے تھا (الغرض فریق ثانی کے استدلال کا حاصل یہ ہے کہ زوجہ کو بعد مرنے کے اس کا خاوند نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ مس کر سکتا ہے)[۲] (۱۶۷/۱-۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: (الف) درمختار میں ہے: **و یمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ، منية**، شامی میں ہے: **قوله: (ويمنع زوجها إلخ) أشار إلى ما في البحر:**

== **فتحمل رواية الغسل لعليّ رضي اللّه تعالى عنه على معنى التّهيئة والقيام التّام بأسبابه. (ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)** ظفیر

(۱) سوال وجواب میں (الف) والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

من أن شرط الغاسل أن یحلّ له النّظر إلی المغسول فلا یغسل الرّجل المرأة إلخ(۱)

(ب) اس کے بعد علامہ شامی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت فاطمہؓ کے غسل دینے کا قصہ نقل فرمایا ہے کہ شرح مجمع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو حضرت ام ایمنؓ نے غسل دیا ہے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کو غاسل کہنا مجازاً ہے کہ انہوں نے سامان غسل مہیا فرمایا، اور تسلیم کیا جاوے تو وہ خصوصیت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کی ہے (۲) جیسا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: **إنّ فاطمة زوجتك في الدّنیا والآخرة** (۲) اور دلیل خصوصیت دوسری حدیث بھی ہے: **کلّ سبب ونسب ینقطع بالموت إلاّ سببي ونسبي** (۲) بہرحال شوہر کو غسل دینا اپنی زوجہ کو (اور مس کرنا) (۳) درست نہیں ہے (پس جو کچھ سوال میں ذکر ہے تقبیل شوہر وغیرہ یہ حرام اور ممنوع ہے) (۳) زید کا قول غلط ہے (اور اس کا استدلال باطل ہے) (۳) دوسرا فریق جو غسل زوج اور تقبیل ومس زوج کو حرام کہتا ہے، اس کا قول صحیح ومعتبر ہے، باقی بچوں کا اپنی ماں کو بوسہ دینا اور چومنا یہ اس بحث سے خارج ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے، کیونکہ ماں اپنے بچوں کی محرمہ ہے، اور بچوں کو اپنی والدہ کو ہاتھ لگانا اور تقبیل وجہ کرنا ممنوع نہیں ہے، اسی طرح والدین کو اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ کرنا درست ہے، بہرحال شوہر کو کسی طرح افعال مذکورہ اپنی زوجہ میتہ کے ساتھ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۵۵-۲۵۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دینے کی وجہ

سوال: (۲۶۰۱) مولانا عبدالحی صاحب نفع المفتی (۴) میں صفحہ نمبر: ۱۴۲ میں فرماتے ہیں: **إذا ماتت الزّوجة حرم علی الزّوج أن یغسلها أو یمسّها** تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند المیّت.

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) نفع المفتي، ص: ۵۰۱، کتاب الجنائز، و ما یتعلّق بها، المطبوعة: دار ابن حزم، بتغییر یسیر.

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیوں غسل دیا اور عکس بھی جائز ہے —— کما فعلت بسیّدنا أبوبکر الصّدیقؓ زوجته أسماء بنت عمیس [۱] —— یا نہ؟ (۱۲۸۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ یہ خاص ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اعتراض پر یہ جواب دیا **أمّا علمت أنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال: إنّ فاطمة زوجتك في الدّنیا والآخرة إلخ** [۲] (شامي) اور عکس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ شوہر کے مرنے پر عورت پر عدت لازم ہے جو علامات نکاح میں سے ہے، پس بقاء علاقہ نکاح مقتضی اس کو ہے کہ عورت اپنے شوہر میت کو مس کر سکتی ہے اور غسل دے سکتی ہے، درمختار میں ہے: **وھي لا تمنع من ذٰلك إلخ (الدّرّ المختار) أي من تغسیل زوجھا دخل بھا أولا، کما في المعراج، ومثله في البحر عن المجتبٰی: قلت: أي لأنّھا تلزمھا عدّة الوفاة ولو لم یدخل بھا، وفي البدائع: المرأة تغسل زوجھا لأنّ إباحة الغسل مستفادة بالنّکاح فتبقٰی ما بقي النّکاح، والنّکاح بعد الموت باقٍ إلٰی أن تقضي العدّة بخلاف ما إذا ماتت فلا یغسلھا لانتھاء ملك النّکاح لعدم المحلّ فصار أجنبیًا إلخ** [۳] (شامی: ۱/۵۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۶۹)

عورت اپنے فوت شدہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے
شوہر اپنی وفات شدہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا

سوال: (۲۶۰۲) عورت اپنے خاوند کو اور خاوند اپنی عورت کو غسل دے سکتے ہیں؟ احسن طریقہ بلاضرورت کیا ہے؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) مصنّف عبد الرّزّاق: ۳/۴۱۰، کتاب الجنائز، باب المرأة تغسل الرّجلَ، رقم الحدیث: ۶۱۲۳، المطبوعة: المجلس العلمي، الھند.

(۲) ردّ المحتار: ۳/۸۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في حدیث: کلّ سبب منقطع إلاّ سببيّ و نسبي.

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

الجواب: عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے اور شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کو غسل نہیں دے سکتا، البتہ دیکھنے کی اجازت ہے۔ کذا في الدّرّ المختار [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۸/۵)

مرنے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کو دیکھ سکتے ہیں

سوال: (۲۶۰۳) اگر بیوی مرجاوے تو خاوند کو بعد الموت بیوی کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا برعکس صورت ہو؛ یعنی خاوند مرجاوے تو بیوی کو اس کا دیکھنا بعد الموت جائز ہے یا نہیں؟

(۵۳۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر زوجہ مرجاوے تو اس کے شوہر کو بعد مرنے کے دیکھنا اس کا جائز ہے، اسی طرح عکس اس کا درست ہے۔ کذا في الدّرّ المختار وغیرہ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۲/۵)

سوال: (۲۶۰۴) زوج اور زوجہ بعد وفات احدھما کے دوسرے کی زیارت سے مستفیض ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ (۴۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: دیکھنا ایک کا دوسرے کو درست ہے، درمختار میں ہے: ویمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ إلخ وهي لا تمنع من ذٰلك [2] فقط (۲۶۷/۵)

مرنے کے بعد شوہر اپنی بیوی کو ہاتھ نہیں لگا سکتا

سوال: (۲۶۰۵) ایک عورت منکوحہ نے انتقال کیا، مرحومہ کے شوہر کو قبر میں اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست و جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۴۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: عورت کے مرنے کے بعد اس کا شوہر اس سے اجنبی ہوجاتا ہے اور علاقۂ نکاح منقطع ہوجاتا ہے؛ اس لیے غسل دینا اور ہاتھ لگانا فقہاء نے ممنوع لکھا ہے۔ کما سیجيء عن الدّرّ المختار لیکن دیکھنا اور جنازہ کو اٹھانا درست ہے، اور قبر میں اتارنا بھی بضرورت درست ہے

---

(۱) ویمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ إلخ وهي لا تمنع من ذٰلك ولو ذمّية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵-۸۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵-۸۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

کیونکہ قبر میں اتارنے میں کفن حائل ہوتا ہے، لہٰذا کفن کے اوپر کو ہاتھ لگانا بہ ضرورت درست ہے، یعنی جب کہ کوئی محرم موجود نہ ہو، اگر محرم موجود ہوتو وہی قبر میں اتارے۔ **قال في الدّرّ المختار : ويمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها إلخ . وفي الشّامي ناقلاً عن الخانية : أنّه إذا كان للمرأة محرم يمّمها بيده وأمّا الأجنبيّ فبخرقةٍ على يدهٖ إلخ**[۱] فقط واللہ اعلم (۵/۲۵۳-۲۵۴)

سوال: (۲۶۰۶) بعد انتقال زوجہ کے شوہر اس کو دیکھنا یا چھونا یا کندھا دینا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ (۴۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کو دیکھ سکتا ہے اور ہاتھ لگانا اس کے بدن کو بدون کپڑے وغیرہ کے ممنوع ہے، اور اٹھانا اس کے جنازہ کا اور کندھا دینا جائز و درست ہے[۲] فقط (۵/۲۷۵)

وفات کے بعد شوہر اپنی بیوی کا بوسہ نہیں لے سکتا

سوال: (۲۶۰۷) اگر کسی کی اہلیہ فوت ہوجاوے تو وہ اس کو بوسہ دے سکتا ہے یعنی شوہر زوجہ کو بوسہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۴۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کو مس نہیں کرسکتا، پس بوسہ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ **ويمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ إلخ**[۳] (درمختار) فقط (۵/۲۸۰)

مرد محرم عورتوں کو مرنے کے بعد غسل نہیں دے سکتا

سوال: (۲۶۰۸) علاوہ منکوحہ کے مرد دیگر محرم عورتوں کو غسل دے سکتا ہے یا نہیں؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .**

(۲) حوالہ؛ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔

(۳) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .**

الجواب: غسل نہیں دے سکتا بلکہ ایسے موقع پر تیمّم کرانے کا حکم ہے(۱) فقط واللہ اعلم (۵/۲۴۸)

غیر محرم عورتیں وفات شدہ اجنبی مرد کو نہیں دیکھ سکتیں

سوال: (۲۶۰۹) مردہ کی رونمائی محرم وغیر محرم عورتوں کو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶۵۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: غیر محرم عورتوں کو جیسا کہ زندگی میں اجنبی مرد کا چہرہ دیکھنا ممنوع ہے، مرنے کے بعد بھی ممنوع ہے فی حدیث ابن مکتوم: أفعمْیاوانِ أنتما ألستما تُبصرانهِ الحدیث (۲) فقط (۵/۲۶۷)

وفات شدہ عورت کا ولی اس کا باپ پھر اس کا بھائی وغیرہ عصبات ہیں، اس کا شوہر ولی نہیں

سوال: (۲۶۱۰) احد الزوجین کے مرجانے سے ان کے باہمی تعلقات قطع ہو جاتے ہیں یا نہ؟ یعنی عورت مرجائے تو خاوند اس کو دیکھ سکتا ہے یا نہ؟ اور اس کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ولی عورت کا اس کا خاوند ہے یا ماں وباپ و بھائی؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عورت کے مرنے سے خاوند کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں؛ اس لیے غسل اور مس کرنا (چھونا) درست نہیں ہے، مگر دیکھنے کی اجازت فقہاء نے دی ہے، اور مرد کے مرنے سے عورت کے تعلقات عدت تک منقطع نہیں ہوتے؛ اسی لیے عورت اپنے شوہر متوفی کو غسل دے سکتی ہے، اور جنازہ کو کندھا دینا تو ہر ایک عورت متوفیہ کے جنازہ کو درست ہے، اپنی عورت متوفیہ کے جنازہ کو بھی درست ہے، اور ولی عورت متوفیہ کا اس کا باپ اور اس کے بعد بھائی وغیرہ عصبات ہیں،

---

(۱) إذا کان للمرأة محرم یمّمها بیدہٖ وأمّا الأجنبيّ فبخرقة علی یدہٖ ویغضّ بصرہ. (ردّ المحتار: ۳/۸۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند المیّت) ظفیر

(۲) مشکاة المصابیح، ص:۲۶۹، کتاب النّکاح، باب النّظر إلی المخطوبة، الفصل الثّاني.

شوہر ولی نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۷۸)

خنثیٰ مشکل کو غسل کوئی نہیں دے سکتا، اس کو تیمّم کرایا جائے گا

سوال: (۲۶۱۱) خنثیٰ مشکل کو غسل کون دے سکتا ہے؟ (۱۳۴۳/۲۸۱۸ھ)

الجواب: خنثیٰ مشکل کو غسل کوئی نہیں دے سکتا نہ مرد اور نہ عورت بلکہ اس کو تیمّم کرایا جائے گا۔ **وییمّم الخنثی المشکل و لو مراهقًا إلخ**[۲] (**الدّرّ المختار**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۴۸)

سوال: (۲۶۱۲) ایک میت کہ جس کا ستر مرد اور عورت دونوں کا ہو تو اس کو غسل مرد دے یا عورت؟ (۱۳۳۴-۳۳/۸۴۷ھ)

الجواب: اگر میت خنثیٰ مشکل ہے تو اس کو غسل نہ دیا جاوے گا نہ مرد غسل دے نہ عورت بلکہ تیمّم کرایا جاوے۔ **وییمّم الخنثی المشکل إلخ**[۲] (**الدّرّ المختار**) فقط واللہ اعلم (۵/۲۵۲)

میت کی آنکھوں میں سرمہ لگانا اور سر میں کنگھی کرنا درست نہیں

سوال: (۲۶۱۳) میت کی آنکھوں میں سرمہ لگانا اور سر میں کنگھی کرنا بعد کفنانے کے درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۵۲ھ)

الجواب: درست نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: **ولا یسرح شعره أي یکره تحریمًا. وفي الشّامي عن القنیة : من أنّ التّزئین بعد موتها والامتشاط و قطع الشّعر لا یجوز إلخ**[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۴۸)

---

(۱) ثمّ الولي بترتیب عصوبة الإنکاح إلاّ الأب فیقدّم علی الابن اتّفاقًا . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب تعظیم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۹، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبیل مطلب في الکفن .

(۳) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۸۴، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراء ة عند المیّت .

جو غسلِ میت کا طریقہ نہیں جانتا وہ غسل دے دے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۶۱۴) جس شخص کو میت کو غسل نہ دینا آتا ہو اور وہ میت کو غسل دے دے؛ کیا حکم ہے؟ (۸۹۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس پر کچھ گناہ شرعاً نہیں ہے؛ لیکن حتی الوسع غسل میت اس شخص سے کرانا چاہیے جو طریقِ سنت کے موافق میت کو غسل دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۹/۵)

غسل میّت کے لیے گھر کے پاک برتن استعمال کرنا درست ہے

سوال: (۲۶۱۵) آج کل کے لوگوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ میت کے غسل دینے کے لیے اپنے گھر کے پاک برتن استعمال نہیں کرتے؛ یہ رسم کیسی ہے؟ (۸۶۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: گھر کے پاک برتنوں میں پانی گرم کرنے اور غسل دینے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۴۹/۵)

سوال: (۲۶۱۶) میت کے غسل کا پانی کھانا پکانے کے ظروف میں گرم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۵۸۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۰/۵)

بلا اجازت کسی کے مکان میں میّت کو غسل دینا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۱۷) ایک مکان بنا ہوا تھا مگر دروازہ نہیں تھا، مکان کے قریب راستے میں ایک دیوانی عورت مرگئی، چند مسلمانوں نے اس کی میت اٹھا کر مکان مذکور کے اندر لحد کھود کر اور اس کو غسل کفن دے کر لے گئے، اس فعل کی اجازت مالک مکان سے نہیں لی؛ یہ فعل کیسا ہوا؛ مالک مکان کو بہت ناگوار ہوا؟ (۱۹۷۹/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ ایک ضروری کام سب مسلمانوں کے ذمہ ضروری تھا، مالک مکان کی ناگواری نہایت بے موقع ہے، اس کے مکان میں اس سے کیا نقص آ گیا۔ فقط واللہ اعلم (۳۸۷/۵-۳۸۸)

میّت کو غسل دینے والا نیک پرہیزگار شخص ہونا چاہیے

سوال: (۲۶۱۸) آج کل لوگوں نے یہ طریق پکڑ لیا ہے کہ میت کو فقیروں سے غسل دلاتے ہیں اوران کے یہاں پیشہ زنا کاری وغیرہ کا ہوتا ہے، صوم وصلاۃ کے قریب نہیں جاتے، اوراحکام غسل کو بھی پورے نہیں کر سکتے، ایسے لوگوں کا غسل دینا درست ہے یا نہیں؟ (۶۰۱/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایسے لوگوں سے غسل دلانا اچھا نہیں ہے، غسل دینے والا صالح شخص ہونا چاہیے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۰/۵)

ہر واقف شخص میّت کو غسل دے سکتا ہے

سوال: (۲۶۱۹) غسل دینے والا مقرر ہونا چاہیے یا عام دے سکتے ہیں جب کہ وہ مسائل غسل سے واقف ہو؟ اور غسل دینے والے کو بعد غسل دینے کے غسل کرنا ضروری ہے یا مسنون؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ہرایک واقف شخص غسل دے سکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ شخص غسل دے جو کچھ عوض اوراجرت نہ لے[۲] اور مردہ کو غسل دینے والے پر غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط (۲۵۳/۵)

میت کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرنا ضروری نہیں

سوال: (۲۶۲۰) ایک شخص میت کو بے وضو غسل دیتا ہے غسل دے کر بغیر نہانے کے جنازہ پڑھاتا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز جنازہ وپنج گانہ جائز ہے یا نہ؟ (۴۵۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: غسل میت کے بعد خود غسل کرنا ضروری نہیں ہے[۳] اوراگر وضو کر کے وہ

---

(۱) والأولٰی في الغاسل أن یکون أقرب النّاس إلی المیّت فإن لم یحسن الغسل فأهل الأمانة والورع. (غنیة المستملي، ص:۴۹۹، فصل في الجنائز، البحث الثّاني في غسلهٖ) ظفیر

(۲) والأفضل أن یغسل المیّت مجانًا إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸۷/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حدیث کلّ سب و نسب منقطع إلخ) ظفیر

(۳) یندب الغسل مَن غسل المیّتَ. (ردّ المحتار: ۸۹/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في الکفن) ظفیر

نمازِ جنازہ پڑھاوے یا فرائض پنج گانہ میں امام ہو تو نماز اس کے پیچھے درست ہے۔ فقط (۵/۳۱۱-۳۱۲)

غسل دینے کے لیے مردہ کو کیسے لٹائیں؟

سوال: (۲۶۲۱) میت کو غسل دیتے وقت اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کو رو بہ قبلہ ہونے کے لیے مشرق مغرب لٹاتے ہیں اسی طرح بہتر ہے یا شمال جنوب کونسا طریقہ مسنون ہے؟

(۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: دونوں طرح درست ہے، اور دونوں طریق موافق شریعت کے ہیں۔ کذا في الشامي [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۵۰)

غسل کے وقت میت کا سر کدھر ہونا چاہیے؟

سوال: (۲۶۲۲) غسل کے وقت میت کا سر کدھر ہونا چاہیے؟ (۶۵۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: میت کے غسل کے وقت جس طرح سہولت ہو میت کو رکھیں، ہر طرح درست ہے، خواہ سر قبلہ کی طرف ہو یا پیر، یا شمال کو یا جنوب کو ہو۔ کذا في الدرّ المختار اور بہتر یہ ہے کہ مُنہ قبلہ کی طرف ہو مانند قبر کے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۸۰)

میت کو غسل دیتے وقت پیر کس طرف ہونے چاہئیں؟

سوال: (۲۶۲۳) میت کو نہلاتے وقت پیر کس طرف ہونے چاہیے؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ قبلہ کی طرف میت کے پیر ہونے چاہیے؟ (۱۹۷۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: یہ بھی ایک قول ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ مُنہ قبلہ کی طرف اور سر بہ جانب شمال اور پیر بہ جانب جنوب ہوں [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۵۱)

---

(۱) ویوضع کما مات کما تیسّر في الأصحّ علی سریرٍ مُجَمَّرٍ وترًا (الدّرّ المختار) وقیل: یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل: عرضًا کما في القبر، أفاده في البحر. (الدّر المختار والرّدّ: ۳/۸۰-۸۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة عند المیّت)

سوال: (۲۶۲۴) وقتِ غسل میت کے پیر کس جانب کیے جاویں؟ (۵۶۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: في الدّرّ المختار: ویوضع کما مات کما تیّسر في الأصحّ علٰی سریر مجمّر إلخ ، قال في الشّامي : وقیل: یوضع إلی القبلة طولاً، وقیل : عرضًا کما في القبر أفادهٗ في البحر إلخ [1] (جلداوّل،ص:۵۷۳: جنائز) اس عبارت سے واضح ہوا کہ بعض نے فرمایا ہے کہ وقت غسل کے میت کو قبلہ کی طرف پیر کرکے لٹاویں، اور بعض نے فرمایا کہ مُنہ قبلہ کی طرف کرکے لٹاویں جیسا کہ قبر میں، لیکن صحیح تر یہ ہے کہ جو طریقہ آسان ہو اور سہل ہو ویسا کریں، معمول یہ ہے کہ مُنہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۱/۵)

غسل کے وقت میّت کو کس طرح لٹانا افضل ہے؟

سوال: (۲۶۲۵) بہ وقت غسل کیفیتِ وضع میت طولاً الی القبلہ وجنوبًا وشمالاً منقول ہے، دونوں صورتیں جائز ثابت ہیں، لیکن مستفتی دو امر کا استفتاء کرنا چاہتا ہے (۱) دونوں صورتوں سے افضل اور زیادہ تر قابل اعتماد کونسی ہے؟ (۲) آنحضرت ﷺ کا غسل کس طرح تھا؟ (۹۰۴/۱۳۳۵ھ)

الجواب: فقہاء نے راجح اور اصح اسی کو فرمایا ہے کہ جو طریق آسان ہو اسی کو اختیار کیا جاوے۔ کذا في الدّرّ المختار [1] اور شرح منیہ میں فرمایا ہے: والعرف أن یوضع علٰی قفاه طولاً نحو القبلة ھٰذا إن اتسع المکان و إلاّ فالأصحّ أنّه یوضع کما تیسّر إلخ [2] اور اس سے پہلے یہ لکھا ہے: وقال الإسبیجابيّ: لا روایة فیه عن أصحابنا إلخ [2] اور آنحضرت ﷺ کے غسل کی کیفیت جو منقول ہے اس میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ بہ وقت غسل آپ کو کس طرح لٹایا گیا تھا؛ اسی لیے غالبًا فقہاء نے یہ فرمایا ہے کہ جو صورت سہل ہو اس کو اختیار کیا جاوے، اور ہمارے بلاد میں معروف یہ ہے کہ حتی الوسع سر شمال کو اور پیر جنوب کو کرکے لٹایا جاتا ہے، جیسا کہ صلاۃ مریض کی

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) غنیة المستملي، ص:۴۹۶، فصل في الجنائز .

ایک صورت یہ بھی ہے اور یہ طریق موافق ہے حدیث: قبلتکم أحیاءً وأمواتًا[1] کے، جیسا کہ قبر میں رکھنے میں اس کی رعایت کی گئی ہے، اور اس کو سنت فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۲۸۰/۵-۲۸۱)

بہ وقت غسل آنحضرت ﷺ کے پیر کس طرف تھے؟

سوال: (۲۶۲۶) وقت غسل رسول اللہ ﷺ کے؛ آپ کے پیر کس طرف تھے اور سر کس طرف؟ (۵۶۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ امر کہیں منقول نہیں ہے کہ وقت غسل آپ کے پیر کس طرف تھے اور سر کس طرف، لیکن آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد در بارۂ خانہ کعبہ کہ یہ تمہارا قبلہ ہے زندگی میں اور مرنے کے بعد[1] اس طرف مشیر ہے کہ جیسے قبر میں میت کو رکھا جاتا ہے، اسی طرح غسل کے وقت لٹاویں جیسا کہ اب معمول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۱/۵-۵۵۲)

میّت کو غسل دینے کی غرض وحکمت

سوال: (۲۶۲۷) مردہ کو غسل دینے کی کیا وجہ ہے؟ (۱۶۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مردہ کو غسل دینے سے غرض اس کی نظافت اور اظہار حرمت وغیرہ ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۲/۵-۲۵۳)

---

(۱) سنن أبي داؤد: ۳۹۷/۲، كتاب الوصايا، باب ماجاء في التّشديد في آكل مال اليتيم، عن أبي هريرة رضي الله عنه .

(۲) غسل کی وجہ فقہاء نے لکھی ہے: لتنجّسه بالموتِ قيل : نجاسة خبث ، و قيل : حدث (الدّرّالمختار) و قد روي في حديث أبي هريرة سبحان الله إنّ المؤمن لا يَنجُس حيًّا ولا ميّتًا إلخ ، وقد أخرج الحاكم عن ابن عبّاس رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: لا تنجّسوا موتاكم فإنّ المسلم لا يَنجُس حيًّا لا ميّتًا، وقال: صحيح على شرط البخاري ومسلم ، فيترجّح القول بأنّه حدث إلخ ، وفيه قبيله: فإنّما يطهر بالغسل كرامةً للمسلم. (الدّرّالمختار وردّ المحتار: ۷۹/۳-۸۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراء ة عند الميّت) ظفیر

مسلمان لاش کو غیر مسلم چھو سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۲۶۲۸) مسلمان کی لاش غیر مسلم مس کرے یا مسلمان کے لیے استغفار کرے یا اس کے جنازہ کی نماز پڑھے تو اس کو ممانعت کرنا ضروری ہے؟ (۱۶۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مسلمانوں کو جو اُن کے ذمہ فرض ہے غسل اور نمازِ جنازہ وغیرہ اس کو پورا کرلیں، پھر اگر کوئی کافر مس کرے یا استغفار کرے یا اپنے طور سے نماز پڑھے اس سے نہ کچھ نفع نہ کسی کو کچھ ضرر ہے، اگر قدرت ہو منع کریں ورنہ خاموش رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۲/۵-۲۵۳)

وفات کے بعد جذامی کو غسل دینا ضروری ہے

سوال: (۲۶۲۹) جذامی کو غسل دیا جائے یا نہیں؟[۱] (۱۶۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جذامی شخص اگر فوت ہو جاوے اس کو غسل دیا جاوے جیسا کہ تمام مسلمانوں کو دیا جاتا ہے، اور تجہیز و تکفین کر کے اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کر دیا جاوے۔ فقط (۲۵۵/۵)

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔ ۱۲
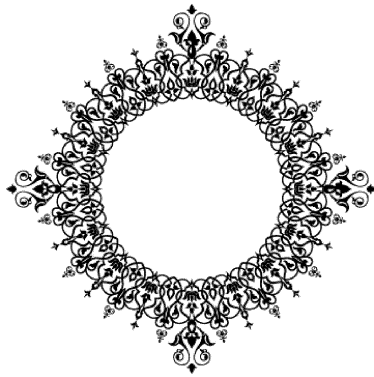
کفنِ میّت کا بیان

مرد کے کفن میں تین، اور عورت کے کفن میں پانچ کپڑے مسنون ہیں

سوال: (۲۶۳۰) میت مرد اور عورت کے لیے کفن کے کتنے کپڑے سنت ہیں؟

(۱۵۶۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: مرد کے لیے تین کپڑے کفن میں سنت ہیں، ازار وقمیص ولفافہ اور عورت کے لیے پانچ: قمیص اور ازار اور خمار اور لفافہ اور سینہ بند، لفافہ اوّل بچھایا جاوے، پھر قمیص، پھر ازار اور عورت کے لیے لفافہ کے اوپر قمیص پھر خمار یعنی اوڑھنی پھر ازار پھر سینہ بند[1] اور بعض کتب میں ہے کہ سینہ بند قمیص کے اوپر اور لفافہ کے نیچے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۴/۵)

---

(۱) السّنّة أن يكفّن الرّجل في ثلاثة أثواب: إزار وقميص ولفافة إلخ وتكفن المرأة في خمسة أثواب: درع وإزار وخمار ولفافة وخرقة تربط فوق ثدييها. (الهداية: ۱/۱۷۹، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، فصل في التّكفين) ظفير

(۲) تبسط اللّفافة أوّلاً ثمّ يبسط الإزار عليها ويقمّص ويوضع على الإزار ويلفّ يساره ثمّ يمينه ثمّ اللّفافة كذلك، ...... وهي تلبس الدّرع ويجعل شعرها ضفيرتين علىٰ صدرها فوقه أي الدّرع والخمار فوقه أي الشّعر تحت اللّفافة ثمّ يفعل كما مرّ (الدّرّ المختار) وقول الخجندي: تربط الخرقة على الثّديين فوق الأكفان يحتمل أن يراد به تحت اللّفافة وفوق الإزار والقميص وهو الظّاهر أهـ. وفي الاختيار: تلبس القميص ثمّ الخمار فوقه ثمّ تربط الخرقة فوق القميص. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۹۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن) ظفير

سوال: (۲۶۳۱) کفن مسنون میت مرد کے واسطے صرف تین کپڑے: کفنی، ازار، چادر ہیں، عورت کے واسطے پانچ کپڑے: دوپٹا، وسینہ بند علاوہ کفن مذکور کے ہیں، اور پیائش کفنی گردن سے لے کر ٹخنوں تک، ازار یعنی تہ بند سر سے پیروں تک، اور چادر ایک ہاتھ زیادہ تہ بند سے طول میں، اور عرض ازار و چادر کا اس قدر کہ میت اچھی طرح لپٹ سکے، اور دوپٹا ہاتھ بھر، اور سینہ بند سینہ سے لے کر رانوں تک؛ آیا یہ تصریح مذکور صحیح ہے یا غلط؟ (۱۴۴۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: کفن عورت و مرد کی جو تفصیل آپ نے لکھی ہے صحیح ہے، موافق ہے تفصیل کتب فقہ کے[(۱)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۹/۵)

جو چادر جنازے کے اوپر ڈالی جاتی ہے وہ کفن میں داخل نہیں

سوال: (۲۶۳۲) مرد عورت کے واسطے کتنا کفن کافی ہے؟ اور اوپر کی چادر اگر مستعار ڈال دی جاوے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اوپر کی چادر کا کون مستحق ہے؟ (۱۵۹۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: مرد کے کفن میں تین کپڑے اور عورت کے لیے پانچ مستحب ہیں[(۱)] وہ چادر جو اوپر ڈالی جاتی ہے کفن میں داخل نہیں ہے جو غریب شخص ہے وہ اگر اس چادر کو خرید کر نہ ڈالے بلکہ اپنی یا کسی کی چادر مستعار لے کر ڈال دے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے، پھر وہ چادر جس کی ہے اس کو دے دی جاوے، اور اگر خرید کر ڈالی گئی ہے جیسا کہ رواج ہے تو وہ حق کسی خاص شخص کا نہیں ہے، بلکہ ملک ڈالنے والے کی ہے، چاہے خود رکھے یا کسی محتاج کو دے دے۔ فقط واللہ اعلم (۲۶۶/۵)

---

(۱) تبسط اللّفافة أوّلاً ثمّ يبسط الإزار عليها ويقمّص ويوضع على الإزار ويلفّ يساره ثمّ يمينه ثمّ اللّفافة كذلك ، ...... وهي تلبس الدّرع ويجعل شعرها ضفيرتين علیٰ صدرها فوقه أي الدّرع والخمار فوقه أي الشّعر تحت اللّفافة ثمّ يفعل كما مرّ (الدّرّ المختار) وقول الخجندي: تربط الخرقة على الثّديين فوق الأكفان يحتمل أن يراد به تحت اللّفافة وفوق الإزار والقميص وهو الظّاهر أهـ. وفي ا لاختيار: تلبس القميص ثمّ الخمار فوقه ثمّ تربط الخرقة فوق القميص. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في الكفن) ظفیر

جو چادر میت کے اوپر ڈالی جاتی ہے اس کا مستحق کون ہے؟

سوال: (۲۶۳۳) بعض ولی؛ میت کے اوپر کی چادر گورستان ہی میں موجود فقیر کو خیرات کردیتے ہیں، لیکن بعض ولیٔ میت مسجدوں میں بھیج دیتے ہیں، کارپرداز (منتظم) مسجدوں کے اس چادر کو برسوں دوسری میت لاوارث مسکین کے انتظار میں صندوق میں بند رکھتے ہیں، حالانکہ اس صورت میں کبھی کیڑا ابھی نقصان کردیتا ہے اور لگ جاتا ہے، جب کوئی لاوارث مسکین مرتا ہے تو انہی چادروں کا کفن اس کے لیے بنادیتے ہیں ایسا کرنا شرعًا جائز ہے یا نہ؟ بعض لوگ یہ فتوی دیتے ہیں کہ میت کے ساتھ جو فقیر خیرات لینے کو جاتا ہے اس چادر کا مستحق وہی فقیر ہے، اس قسم کی چادر یا کوئی کپڑا اگر امام مسجد یا مؤذن یا طالب علم مسکین کے مصرف میں خرچ کیا جاوے تو جائز ہے یا نہیں؟ امام مسجد اگر اس چادر کو بلا حکم کارپرداز مسجد کے طالب علم مسکین کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۶/۲۳۳۰-۳۵ھ)

الجواب: وہ چادر ملک اولیاء میت کی ہوتی ہے یعنی جس نے میت کو کفن دیا اور وہ چادر میت پر ڈالی وہ اسی کی ملک ہے، پس جس غرض کے لیے وہ چادر کارپردازن مسجد کے پاس بھیجی جاوے ویسا ہی کیا جاوے، اگر اولیاء میت نے وہ چادر اسی لیے بھیجی ہے کہ کسی لاوارث میت کا کفن اس سے کیا جاوے تو اس چادر کو اسی کام کے لیے رکھا جاوے، اور اس کا خیال نہ کیا جاوے کہ کیڑا نہ لگ جاوے یا گل نہ جاوے کیونکہ اس میں دینے والے کی نیت اور غرض کا اعتبار کیا جاوے گا، اور اگر مالک چادر نے وہ چادر اس لیے دی ہے کہ کسی مسکین اور طالب علم کو دی جاوے تو ویسا ہی کیا جاوے، اپنی طرف سے کوئی امر خلاف امر ونیت مالک نہ کیا جاوے، اور یہ کہنا کہ یہ حق اس فقیر کا ہے جو جنازہ کے ساتھ جاتا ہے یا اس قبرستان میں مقیم ہے جس میں وہ میت مدفون ہوتا ہے غلط ہے، کسی خاص شخص کا اس میں کچھ حق نہیں ہے، پس معلوم ہوا کہ جو کچھ کیا جاوے وہ بہ امر و اجازت مالک چادر کیا جاوے، اس کی اجازت کے خلاف کوئی امر نہ کیا جاوے، اور اگر مالک چادر نے چادر کارپرداز مسجد کی رائے پر چھوڑ دیا ہے تو جیسا وہ مناسب سمجھے کرے، اس کے خلافِ اجازت کسی دوسرے کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۲/۵)

نابالغ کو بالغ کے مانند کفنانا بہتر ہے

سوال: (۲۶۳۴) لڑکے اور لڑکیوں کے کفن کی تعداد کیا ہے؟ (۹۰۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: لڑکوں اور لڑکیوں کا کفن بالغین کے موافق ہو تو بہتر ہے، اور جائز یہ بھی ہے کہ ایک یا دو کپڑا ہو۔ والمراهق كالبالغ ومن لم يراهق إن كُفن في واحدٍ جاز (الدّرّ المختار) أقول قوله فحسن إشارة إلى أنّه لو كفن بكفن البالغ يكون أحسن [1] (ردّ المحتار للشّامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۷/۵)

سوال: (۲۶۳۵) نابالغ بچوں کو مثل بالغ کفن دینا درست ہے یا نہیں؟ (۲۸۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: درست ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۱/۵)

عورت کے کفن میں سینہ بند لفافہ کے نیچے اور قمیص کے اوپر ہونا چاہیے

سوال: (۲۶۳۶) مرد اپنی زوجہ متوفیہ کو دیکھ سکتا ہے یا نہ؟ اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟ اور عورت بھی اپنے شوہر کو دیکھ سکتی ہے یا نہ؟ عورت کے کفن میں خرقہ یعنی سینہ بند سب کپڑوں کے اوپر رہنا چاہیے یا قمیص کے نیچے؟ اوپر اور نیچے سے کیا مطلب ہے؟ (۹۱۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مرد اپنی زوجہ کو بعد وفات دیکھ سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے، اور عورت بھی اپنے شوہر کو دیکھ سکتی ہے۔ خرقہ سینہ کا لفافہ کے نیچے اور قمیص کے اوپر ہونا چاہیے، یعنی لفافہ نظر میں سب سے اوپر رہے، اس کے بعد سینہ بند اور اگر لفافہ کے اوپر رکھ دیا جب بھی خرابی نہیں ہے جائز ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹۳/۳-۹۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۲) قوله: فحسن إشارة إلى أنّه لو كفن بكفن البالغ يكون أحسن لما في الحلبة عن الخانية والخلاصة: الطّفل الّذي لم يبلغ حدّ الشّهوة الأحسن أن يكفّن فيما يكفّن فيه البالغ إلخ (ردّ المحتار: ۹۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن) ظفیر

اوّل لفافہ بچھانا چاہیے تا کہ لپیٹنے کے بعد اوپر رہے[۱] ویمنع زوجها من غسلها ومسّها لا من النّظر إليها على الأصحّ ــــ إلى قوله ــــ وهي لا تمنع من ذٰلك[۲] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۵۷-۲۵۸)

قمیص کو اردو میں کفنی کہتے ہیں؟

سوال: (۲۶۳۷) فقہ کی کتابوں میں کفن کے بیان میں ازار، لفافہ، قمیص لکھا ہے، ازار ولفافہ تو دو بڑی چھوٹی چادریں ہیں، قمیص کیا چیز ہے؟ کس صورت اور وضع کا؟ کہاں سے کہاں تک کا؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مراد اس سے تہبند ہے، قمیص کے کیا معنی ہیں؟

(۱۰۱۱/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قمیص کے معنی کرتہ کے ہیں، اردو میں اس کو کفنی کہتے ہیں، اور تہبند ازار کا ترجمہ ہے، قمیص کی نسبت شامی میں لکھا ہے: والقميصُ مِنْ أصل العُنُق إلى القدمين بلا دِخريصٍ وَكُمَّيْن[۳] (ترجمہ) اور کرتہ یعنی کفنی گردن سے قدمین تک ہونا چاہیے بدون کلیوں اور بدون آستینوں کے، صورت قمیص کی یہ ہے کہ قریب اڑھائی گز کپڑا لے کر اس کو دوہرا کر کے درمیان میں سے اس قدر پھاڑا جائے کہ سر اس میں آجائے، گردن سے قدمین تک ہونا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم (۵/ ۲۶۵-۲۶۶)

مرد وعورت کی کفنی میں گریبان کس طرف چاک کیا جائے؟

سوال: (۲۶۳۸) میت مرد ہو یا عورت قمیص کا گریبان پیچھے گردن کی طرف کرنا جائز ہے

---

(۱) وهي تلبس الدّرع ويجعل شعرها إلخ ــــ إلىٰ قوله ــــ والخمار فوقه أي الشّعر تحت اللّفافة (الدّرّ المختار) تربط الخرقة على الثّديين فوق الأكفان يحتمل أن يراد به تحت اللّفافة وفوق الإزار والقميص وهو الظّاهر أهـ (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/ ۹۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن) ظفير

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۸۵-۸۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۳) ردّ المحتار: ۳/ ۸۹-۹۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن.

یا نہیں؟ (۹۷۲/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: اقول وباللہ التوفیق: مرد اور عورت کی کفنی میں اگر مساوات ہو تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے، کیونکہ بہت سے فقہاء نے درع اور قمیص کو مترادف فرمایا ہے، اور جن فقہاء نے ان میں فرق کیا ہے تو اس سے بھی لزوم اس کا ثابت نہیں ہے، بلکہ شرح منیہ میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ یہ امر عادت پر موقوف ہے، اب چونکہ عادت یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کا شق گریبان سینہ پر ہوتا ہے، اس لیے دونوں کی کفنی میں یہ درست ہے، اور اگر فرق مذکور کیا جائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے غرض یہ کہ یہ فرق لازم نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۵)

جائے نماز کفن میں داخل نہیں

سوال: (۲۶۳۹)......(الف) جائے نماز میت کی شریعت میں کیا حقیقت ہے؟

(ب) اور جو امام نماز میت کی پڑھائے اور وہ اس جائے نماز کو لے کر خواہ اپنے مصرف میں لائے یا کسی دوسرے کو دے دے یہ شریعت میں کیسا ہے؟ اگر امام جائے نماز میت کی لے کر اپنا کوئی کپڑا بنائے اور اس کو پہن کر نماز پڑھائے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (۶۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) جائے نماز کفن میں داخل نہیں ہے (۲) اس کو کفن میں داخل نہ سمجھا جائے۔

(ب) باقی ولی میت وہ کپڑا جس کو دیدیوے وہ مالک ہو جاوے گا مگر اوّل تو اس کپڑے جائے نماز کے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر کسی نے غلطی سے رکھ لیا تو اس کو مالک یعنی ولی یا خود رکھے

---

(۱) والقميص من المنكب إلى القدم والدّرع هو القميص إلاّ أنّه الّذي يفتح جيبه على الصّدر، والقميص يفتح جيبه على الكتف، وقد كان القميص من عادة الرّجال، والدّرع من عادة النّساء في الحياة، فكذا في الموت. (غنية المستملي، ص:۵۰۰، فصل في الجنائز، البحث الثّالث في تكفينه) ظفیر

(۲) کفن کی جو صراحت کتب فقہ وحدیث میں ہے، اس میں جائے نماز کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ويسنّ في الكفن له إزار وقميص ولفافة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸۹/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن) ظفیر

یا کسی محتاج کو دے دیوے، اگر ولی میت نے امام کو وہ کپڑا دیدیا اور امام نے اس سے کوئی کپڑا اپنا کر پہنا اور نماز پڑھائی تو نماز اس کے پیچھے درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۲/۵-۲۶۳)

جنازہ کے ساتھ جائے نماز لے جانا بے اصل ہے

سوال: (۲۶۴۰) جنازہ کے ساتھ جائے نماز لے جانا کیسا ہے؟ (۱۱۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جائے نماز کفن میں داخل نہیں ہے یہ بے اصل ہے، اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۲/۵)

کفناتے وقت میت کے دونوں ہاتھ برابر میں رکھنے چاہئیں

سوال: (۲۶۴۱) میت کو کفناتے وقت دونوں ہاتھ شکم پر رکھ دیویں یا سیدھے کر کے رانوں کے برابر رکھ دیں؟ (۱۳۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: دونوں ہاتھ سیدھے کر کے برابر میں کر دیئے جائیں (۱) فقط واللہ اعلم (۲۵۹/۵)

سوال: (۲۶۴۲) میت کا ہاتھ کفناتے وقت ناف پر ہو یا سیدھا رہے؟ (۶۸۴/۱۳۴۲ھ)

الجواب: میت کے ہاتھ کفناتے وقت سیدھے برابر میں رکھنے چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

عالم کے کفن میں عمامہ کا اضافہ مکروہ ہے

سوال: (۲۶۴۳) عالموں کے کفن میں عمامہ دینا سنت ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وتكره العمامة للميّت في الأصحّ مجتبٰى واستحسنها المتأخّرون للعلماء والأشراف إلخ. وفي الشّامي: والأصحّ أنّه تكره العمامة بكلّ حال إلخ** (۲) پس معلوم ہوا کہ کراہیتِ عمامہ ہی راجح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۹/۵-۲۶۰)

---

(۱) ويوضع يداه في جانبيه لا علٰى صدره لأنّه من عمل الكفّار. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۸۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة عند الميّت) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار والرّدّ: ۹۰/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن.

جنازہ کےاوپر رنگین چادر ڈالنا اچھا نہیں

سوال: (۲۶۴۴) میت پر مسنون کفن کے علاوہ اکثر مرد پر لنگی، عورت پر کوئی رنگ دار دوپٹّا میت کے وارث اپنی عزّت کے لیے ڈالتے ہیں جو بعد دفن گورکن لے لیتا ہے یہ کپڑا مسنون ہے یا نہیں؟ نیز امام اس کپڑے کو اترو اکر نماز جنازہ پڑھاتے ہیں ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسنون کفن کے علاوہ مرد اور عورت کے جنازہ پر سفید چادر ڈال دینے میں تو کچھ حرج نہیں ہے جیسا کہ عام رواج ہے، لیکن عورت کے جنازہ پر رنگ دار کپڑا ڈالنا اچھا نہیں ہے، لیکن جب کہ وہ پاک ہے تو نماز پڑھنے کے وقت اس کے ساتھ نماز پڑھنا بھی جائز ہے، نماز کے لیے اس کے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ اوّل سے رنگ دار کپڑا نہ ڈالا جاوے کیونکہ مستحب یہ ہے کہ میت پر سفید کپڑا ہو[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۰/۵-۲۶۱)

مرد کے لیے رنگین کفن کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۶۴۵) مرد کے لیے رنگین کفن کیسا ہے؟ (۴۷۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وأحبّـه البياض [1] یعنی محبوب تر اور پسندیدہ تر کفن سفید ہے، اور شامی میں مزعفر و معصفر کپڑا مرد کے کفن میں مکروہ لکھا ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۳/۵-۲۶۴)

جنازہ پر شوخ رنگ کی چادر ڈالنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۴۶) جنازہ پر سرخ زرد وغیرہ شوخ رنگ کی چادر ڈالنا کیسا ہے؟ (۶۳۴/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) ولا بأس في الكفن ببرود وكتّان وفي النّساء بحرير ومزعفر ومعصفر لجوازه بكلّ مايجوز لبسه حال الحياة وأحبّه البياض (الدّرّ المختار) قوله: (وفي النّساء) ...... واحترز عن الرّجال لأنّه يكره لهم ذلك ...... والجديد والغسيل فيه سواء. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹۴/۳-۹۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الكفن) ظفیر

الجواب: یہ مکروہ ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۳/۵-۲۸۴)

میت کے اوپر چادر ڈالنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۴۷) مسلمان مرد میت کا جنازہ لے جاتے وقت چادر وغیرہ سے پردہ کر کے یعنی میت کو چادر اوڑھا کر لے جانا چاہیے یا نہیں؟ اس کا ثبوت حدیث اور فقہ میں ہو تو مطلع فرماویں۔
(۱۳۳۵/۱۱۹۵ھ)

الجواب: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ماراہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللّٰہ حسن[۲] وفي الدّرّ المختار: ولا بأس بالزّیادۃ علی الثّلاثۃ، ویحسّن الکفن لحدیث: حسّنوا أکفان الموتیٰ الحدیث[۳] لہٰذا چونکہ میت کے اوپر چادر ڈالنے میں تحسین میت اور اعزازِ میت ہے، اور حسبِ روایت فقہ اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے، اور یہ امر معروف بین المسلمین ہے، ان وجوہ سے اس میں کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۰/۵)

اُوپر کی چادر اور دستانے کفن میں داخل نہیں

سوال: (۲۶۴۸) اوپر کی چادر اور دستانہ وغیرہ جو غسال کے واسطے بنائے جاتے ہیں

---

(۱) والمستحبّ فیہ البیاض إلخ ویکرہ للرّجل المزعفر والمعصفر والحریر ولا یکرہ للنّساء اعتبارًا بحال الحیاۃ. (غنیۃ المستملي، ص:۵۰۰-۵۰۱، فصل في الجنائز، البحث الثّالث في تکفینہٖ) یہ کفن کا حکم ہے، جس طرح زندگی میں بعض مخصوص رنگین کپڑے مرد کے لیے مکروہ ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی مکروہ ہوگا۔ ظفیر

(۲) عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضي اللّٰہ عنہ قال: إنّ اللّٰہ نظر في قلوب العباد، فوجد قلب محمّدٍ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم خیر قلوب العباد، فاصطفاہ لنفسہٖ، فابتعثہ برسالتہٖ، ثمّ نظر في قلوب العباد بعد قلب محمّد، فوجد قلوب أصحابہٖ خیر قلوب العباد، فجعلھم وزراءَ نبیہٖ، یقاتلون علی دینہٖ، فما رأی المسلمون حسنًا، فھو عند اللّٰہ حسن، وما رأوا سیّئًا، فھو عند اللّٰہ سيّء. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۸۴/۶، رقم الحدیث: ۳۶۰۰، المطبوعۃ: مؤسّسۃ الرّسالۃ، بیروت)

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹۰/۳-۹۱، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ.

وہ داخل کفن ہیں یا نہیں؟ (۱۴۴۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: چارپائی کے اوپر کی چادر اور دستانے غسال کے داخل کفن نہیں ہیں؛ لیکن چادر اوپر کی اس وجہ سے مستحسن ہے کہ میت کو عزت کے ساتھ لے جانا چاہیے (۱) اور دستانہ بہ وجہ ضرورت غسل ومس عورت (ستر) ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۹/۵)

سلا ہوا پائجامہ اور ٹوپی کفن میں داخل نہیں

سوال: (۲۶۴۹) مردہ کو مرد ہو یا کہ عورت پائجامہ وٹوپی دھاگے سے سل کر وقت کفنانے کے پہناتے ہیں (یہ کیسا ہے؟) (۲۶۰/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پائجامہ اور ٹوپی کفن مسنون سے علیحدہ دیا جاتا ہے، تو یہ بالکل فضول ہے اور ناجائز ہے، ٹوپی اور پائجامہ کفن میں داخل نہیں ہیں اور نہ ثابت ہے۔ قال في شرح المنية: السّنّة أن يكفّن الرّجل في ثلاثة أثواب: قميص و إزار ولفافة إلخ (۲) پائجامہ وٹوپی کفن میں نہیں ہیں، مردہ کو نہ پہنائے جاویں، اور کچے دھاگے اور پکے دھاگے سے سینا برابر ہے، کسی دھاگے سے بھی نہ سیا جاوے تہبند بدون سیا ہوا دیا جاوے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم
کتبہ: رشید احمد عفی عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہٗ (۲۷۱/۵)

دھوپ کی وجہ سے شال یا چھتری لگا کر جنازہ کو قبرستان لے جانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۵۰)...... (الف) مرد کے جنازہ پر شال وغیرہ ڈالنا اور دھوپ کی وجہ سے چھتری لگا کر قبرستان تک لے جانا درست ہے یا نہیں؟

---

(۱) حوالہ سابقہ۔

(۲) غنية المستملي، ص:۴۹۹، فصل الجنائز، البحث الثّالث في تكفينه .

(۳) لفظ ازار سے بے سلے تہبند کا ہونا ثابت ہے؛ اس لیے کسی نقل اور روایت فقہی کی ضرورت نہیں، مراد بے سلے تہبند سے یہ ہے کہ تھیلا بنا کر نہ پہنایا جائے، البتہ اگر عرض کم ہو تو سی کر ڈبل عرض بنانا درست ہے۔ جمیل

(ب) ایسی حالت میں نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس فعل کو بدعت کہنا کیسا ہے؟ اور اس فعل کی وجہ سے نمازیوں وغیرہ کی تکفیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(ج) ایک عالم نے اسی وجہ سے نہ تو خود نماز پڑھی اور دوسرے لوگوں کو بھی نماز سے باز رکھا اور جواز صلاۃ کا انکار کیا اس پر شرعاً کیا حکم ہے؟ (۱۵۸۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: (الف) یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں ایسے تکلفات جنازہ کے ساتھ جائز نہیں ہیں میت کو سایہ اس کے اعمال کا ہوتا ہے۔ کما ورد: **إنّما یُظلّه عملُهٗ** (۱) پس چھتری کا سایہ کرنے کی میت کو ضرورت نہیں ہے اور یہ بدعت اور ناجائز ہے اور شال وغیرہ ڈالنا میت پر رسوم کفار اور رسوم جاہلیت سے ہے۔ **عن عليّ قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: لا تغالوا في الکفن فإنّه یسلب سلبًا سریعًا، رواہ أبو داؤد** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۹/۵-۴۱۰)

(ب) نماز جنازہ پڑھنا اس حالت میں درست ہے، اور بدعت کہنا اس فعل کو صحیح ہے لیکن اس وجہ سے تفسیق اور تکفیر کسی مسلمان کی صحیح نہیں ہے۔ فقط

(ج) یہ اس سے غلطی ہوئی نماز جنازہ پڑھنا اس کا جائز بلکہ ضروری تھا۔ **قال علیه الصّلاۃ والسّلام: صلّوا علی کلّ برّ و فاجر الحدیث** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۹/۵-۴۱۰)

میت کو لحد میں رکھ کر کفن کے بند کھول دینے چاہئیں

سوال: (۲۶۵۱) میت مرد کو کفن میں تہبند دینا چاہیے یا نہیں؟ مردہ کو لحد میں رکھ کر بند کفن کے کھولنا کیسا ہے؟ (۹۱۶/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) صحیح البخاري: ۱۸۱/۱، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر، قول عبد اللّٰه بن عمر.

(۲) مشکاۃ المصابیح، ص: ۱۴۴، کتاب الجنائز، باب غسل المیّت وتکفینه، الفصل الثّاني.

(۳) عن أبي هریرۃ رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال: صلّوا خلف کلّ برّ و فاجر وصلّوا علی کلّ برّ وفاجر، وجاهدوا مع کل برّ وفاجر. (سنن الدّار قطني: ۱۸۵/۱ کتاب الصّلاۃ، باب صفة من تجوز الصّلاۃ معه والصّلاۃ علیه، المطبوعة: المطبع الأنصاري الواقع في الدّهلي)

الجواب: مرد میت کے لیے تین کپڑا سنت ہیں: کرتا، تہبند، چادر یعنی جس کو پوٹ کی چادر کہتے ہیں جس میں میت لپیٹا جاتا ہے، اور اس پر گرہ لگائی جاتی ہے[۱] وہ سب گرہ لحد میں رکھ کر کھول دینی چاہیے جیسا کہ مروج ہے، پس یہ طریقہ موافق سنت کے ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۱/۵)

ہندو کے بُنے ہوئے کپڑے کا کفن دینا درست ہے

سوال: (۲۶۵۲) ہندوستان میں ہندو وغیرہ کپڑا بنتے ہیں ان کے بنے ہوئے کورے کپڑے کا میت کو کفن دینا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۶۰۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: درست ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۳/۵)

مسلمان کے کفن کی قیمت ہندو نے دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۶۵۳) ایک مسلمان فوت ہوا اس کے کفن کی قیمت اس کے ایک ہندو دوست

---

(۱) ویسنّ في الکفن له إزار وقمیص ولفافة (الدّرّ المختار) قوله: (إزار إلخ) هو من القرن إلی القدم إلخ، واللّفافة تزید علی ما فوق القرن والقدم لیلفّ فیها المیّت وتربط من الأعلیٰ والأسفل. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۸۹-۹۰، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في الکفن) ظفیر

معلوم ہوا کہ تہبند نام ہے چھوٹی چادر کا، اس کے علاوہ الگ سے کوئی تہبند نامی چیز نہیں ہے۔ ظفیر

(۲) ویستحبّ أن یدخل من قبل القبلة إلخ وتحلّ العقدة للاستغناء عنها ویسوّی اللّبن علیه والقصب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۱-۱۳۲، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت) ظفیر

(۳) خواہ کوئی بُنے پاک ہونا شرط ہے، اور یہ بازار میں جو کپڑے بن کر بکنے کے لیے آتے ہیں حکماً پاک ہیں جب تک اُن کے ناپاک ہونے کا علم نہ ہو۔ ولو شكّ في نجاسة ماء أو ثوب أو طلاق أو عتق لم یعتبر وتمامه في الأشباه (الدّرّ المختار) في التّاترخانیة: من شكّ في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أو لا فهو طاهر إلخ وکذا ما یتّخذه أهل الشّرك أو الجهلة من المسلمین کالسّمن والخبز والأطعمة والثّیاب أهـ ملخّصًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱/۲۵۴، کتاب الطّهارة، قبیل مطلب في أبحاث الغسل) ظفیر

نے دے دی، اس میں کچھ خرابی تو نہیں ہوئی؟ (۹۰۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: کچھ خرابی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۰/۵)

کفن پہنانے کے بعد میّت کے ہاتھوں میں امام کی چٹھی دینا بے اصل ہے

سوال: (۲۶۵۴) میت کو بعد کفن پہنانے کے؛ امام مسجد کی چٹھی لکھ کر دونوں ہاتھوں میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: بالکل بے اصل ہے ایسے لغو فعل سے بچنا چاہیے[1] فقط واللہ اعلم (۲۵۶/۵-۲۵۷)

غسل اور کفن میں بے احتیاطی کا مؤاخذہ میّت پر نہیں

سوال: (۲۶۵۵) میت کی تجہیز و تکفین اور غسل میں کسی قسم کی بے احتیاطی ہو یعنی ناجائز قیمت کا کفن خریدا جاوے یا غسل کے پانی میں کسی قسم کی نجاست ہو تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ اور میت پر تو کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ہوگا؟ اور جس (وارث)[2] سے اس قسم کی بے احتیاطی ہوئی ہو اس کی معافی کی کیا صورت ہے؟ اور اب اس متوفی کے لیے کیا دعا کرے یا کیا ایصال ثواب کی تدبیر کرے؟ (۴۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: میت پر اس وجہ سے کچھ مؤاخذہ نہیں ہے کہ وہ مجبور و معذور ہے[3] اور جس سے بے احتیاطی ہوئی وہ توبہ و استغفار کرے اور میت کے لیے دعائے مغفرت کرے اور اس کو ثواب پہنچاتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۹/۵-۲۷۰)

---

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ ، متّفق علیه. (مشکاة المصابیح ، ص:۲۷، کتاب الإیمان ، باب الاعتصام بالکتاب والسّنّة، الفصل الأوّل)

(۲) مطبوعہ فتاوی میں (وارث) کی جگہ ''ذات'' تھا، تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ (سورۂ انعام، آیت:۱۶۴)

تجہیز وتکفین میں تعجیل مستحب ہے

سوال: (۲۶۵۶) جنازہ تیار کرنے میں عمداً دیر کرنا کیسا ہے؟ (۶۵۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وإذا مات تشدّ لحياه وتغمض عيناه ـــــ إلى أن قال ـــــ ويسرع في جهازه (الدّرّ المختار) لما رواه أبو داؤد: ...... فإذا مات فأذنوني حتّى أصلّي عليه وعجلّوا به الحديث** (۱) پس معلوم ہوا کہ میت کی تجہیز وتکفین میں دیر کرنا نہ چاہیے تعجیل مستحب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۹/۵)

نصرانی والدہ کی تکفین وتدفین کس طرح کرنی چاہیے؟

سوال: (۲۶۵۷) ایک نصرانی عورت مسلمان ہوگئی ہے، مگر اس کی والدہ اب تک اپنے عیسائی دین پر قائم ہے، اور اپنی لڑکی کے یہاں رہتی ہے، اس نے اپنی لڑکی کو وصیت کی اگر میں فوت ہوجاؤں تو مجھے اسی طریقہ سے دفنایا کفنایا جائے جیسے دین عیسوی میں طریقہ ہے، اگر اس کی والدہ مرجائے تو اسے اس وصیت کو بہ ذات خود پورا کرنا یا کسی اور سے پورا کرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۳۷۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں حکم شریعت کا یہ ہے کہ مسلمان مرد یا عورت اپنے قریب رشتہ دار و والدین وغیرہ کو جو کہ کفر پر مرے بہ طریق سنت تجہیز وتکفین نہ کرے، بلکہ ناپاک کپڑے کی طرح دھوکر اور کپڑے میں لپیٹ کر گڑھے میں ڈال دے، پس صورت مسئولہ میں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے وصیت پر عمل نہ کرنا چاہیے۔ کما قال في **الدّرّ المختار: ويغسل المسلم ويكفّن ويدفن قريبه ...... الكافر الأصليّ إلخ من غير مراعاة السّنة فيغسله غسل الثّوب النّجس ويلفّه في خرقة ويلقيه في حفرة** (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۶/۵-۲۶۷)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۷۸/۳-۷۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۵/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في حمل الميّت.

مسلمان کو ہندو کا کفن دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۵۸) مسلمان کو ہندو کے جنازہ کے ساتھ جانا اور اس کا کفن و دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہندو کو مسلمانوں کی جنازہ کے ساتھ جانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۸۰/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه ...... الکافر الأصلي إلخ عند الاحتیاج فلو له قریب فالأولیٰ ترکه لهم إلخ** [۱] اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے قریب رشتہ دار کافر کو عند الضرورت کفن دفن کر سکتا ہے، اور شریک جنازہ ہو سکتا ہے، لیکن بلاضرورت اچھا نہیں ہے، پس جب قریب رشتہ دار کافر کے بارے میں یہ حکم ہے کہ بلاضرورت اس کے دفن و کفن کا تکفل اچھا نہیں ہے تو غیر قریب میں بہ درجہ اولیٰ یہ حکم ہے، اور آگے جو کچھ ان کے مذہبی رسوم اداء کرنے کی بابت سوال میں لکھا ہے [۲] اس کی حرمت میں کچھ تأمل اور کلام نہیں ہے، اور اگر کوئی ہندو کسی مسلمان کے جنازہ کی ساتھ جاوے ملاقات وغیرہ کی وجہ سے (یا قرابت کی وجہ سے) [۳] تو اس کو روکا نہ جاوے کہ اخلاقِ اہلِ اسلام سے یہ بعید ہے۔ فقط واللہ اعلم (۲۸۳/۵)

تجہیز و تکفین کے لیے جو رقم جمع کی گئی تھی وہ بچ گئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۶۵۹) سال گذشتہ جب وبائی بخار کی شدّت تھی تو یہ دیکھ کر کہ مساکین اہل اسلام کثرت سے بخار وبائی کا شکار ہوتے تھے، اور بہ وجہ افلاس سامان تجہیز و تکفین میسر نہ آتا تھا، بعض اہل اسلام نے باہم چندہ کیا اس غرض سے کہ جو غریب مسلمان وبائی بخار میں مرے اگر بالکل مفلس ہو تو اس کو مفت کفن دیا جاوے، اور جو کچھ بھی استطاعت رکھے اس کو رعایتی قیمت پر کفن دیا جاوے، چنانچہ کچھ رقم اس کام سے بچ گئی آیا یہ باقی ماندہ رقم کسی اور مصرف خیر میں صرف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (۲۴۵۵/ ۱۳۳۷ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۵/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في حمل المیّت.

(۲) سوال میں وہ باتیں مذکور نہیں، شاید ناقل نے سوال کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ محمد امین

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔ ۱۲

الجواب: وہ رقم؛ غریب بیوہ عورتوں اور محتاجوں کو تقسیم کردی جائے کیونکہ دینے والوں کی طرف سے ظاہر ہے کہ باقی ماندہ رقم کے متعلق اس کی اجازت ہے، یا اوّلاً جو لوگ غریب فوت ہوں ان کی تجہیز و تکفین میں صرف کریں، اور پھر حسب ضرورت غرباء کی خوراک و پوشاک میں امداد کریں، الغرض وہ رقم صدقہ خیرات کے لیے ہے، اس کو ایسے ہی کاموں میں صرف کریں، اور اصل تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے وہ چندہ دیا تھا ان سے ہی دریافت کرلیا جاوے جس مصرف میں وہ کہیں اس میں صرف کیا جاوے، لیکن اگر یہ دشوار ہو تو چونکہ فقراء پر صدقہ و خیرات کرنے کی ان کی طرف سے دلالۃً اجازت ہے؛ اس لیے عام فقراء و غرباء و مساکین کو وہ رقم دے سکتے ہیں، اور تجہیز و تکفین غرباء میں صرف کرنا اور بھی اچھا ہے کہ اس کے لیے وہ رقم جمع ہی ہوئی تھی، اور اس کی تخصیص شریعت سے کچھ نہیں کہ اسی بخار وبائی میں جو فوت ہوئے انہیں کے لیے خاص سمجھا جاوے بلکہ جب وہ وبائے عام بہ فضل خدا تعالیٰ رفع ہوگئی تو عام اموات غرباء کی تجہیز و تکفین میں اس کو صرف کرنا درست ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۶۸-۲۶۹)

تجہیز و تکفین کا خرچ موافق سنت کے لے سکتا ہے

سوال: (۲۶۶۰) زید نے انتقال کیا، دو لڑکے اور چار دختر اور ایک زوجہ چھوڑی، جن میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ تھیں، بعد انتقال زید کے اس کے بڑے لڑکے نے زید کی تجہیز و تکفین کے متعلق کل اخراجات اپنی جیب خاص سے کیے، و نیز اپنی دونوں بہنوں اور ایک بھائی نابالغ کی شادی اپنے جیب خاص سے کی، ایسی صورت میں زید کے متروکہ میں سے اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ اور نابالغوں کی شادی کا خرچ پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور زید کے ترکہ سے ہر ایک وارث کو کس قدر حصہ ملے گا؟ (۷/۰۰-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) فعلی المسلمین تکفینه فإن لم یقدروا سألوا النّاس له ثوبًا فإن فضل شيء ردّ للمصدّق إن علم وإلاّ کفن به مثله وإلاّ تصدّق به (الدّرّ المختار) قلت: وفي مختارات النّوازل لصاحب الهدایة: فقیر مات فجمع من النّاس الدّراهم وکفنوه وفضل شيء إن عرف صاحبه یردّ علیه و إلاّ یصرف إلی کفن فقیر آخر أو یتصدّق به. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۹۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في صلاة الجنازة) ظفیر

الجواب: تجہیز وتکفین کا خرچ موافق سنت کے لے سکتا ہے[1] اور جو کچھ اس نے زیادہ محتاجوں اور برادری کے کھانا کھلانے وغیرہ میں صرف کیا ہو وہ نہیں لے سکتا، اور نابالغوں کی شادی میں جو اپنے پاس سے خرچ کیا وہ نہیں لے سکتا، اور تقسیم ترکہ زید اس صورت میں اس طرح ہوگی کہ بعد ادائے حقوق مقدمہ علی المیراث ترکہ زید کا چونسٹھ (۶۴) سہام ہوکر آٹھ سہام اس کی زوجہ کو اور چودہ چودہ سہام ہر ایک پسر کو، اور سات سات سہام ہر ایک دختر کو ملیں گے۔ فقط (۵/۲۷۰-۲۷۱)

عورت کے کفن و دفن کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے

سوال: (۲۶۶۱) کفن و دفن متوفیہ کا خرچ کس کے ذمہ ہے؟ (۵/۴۷۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں کفن و دفن کا خرچ بذمہ شوہر ہے۔ قال في الدّرّ المختار: واختلف في الزّوج والفتوى على وجوب كفنها عليه عند الثّاني وإن تركت مالاً، خانيّة و رجّحه في البحر إلخ (الدّرّ المختار) ولكن ذكر في شرح المنية عن شرح السّراجية لمصنفها: أن قول أبي حنيفة كقول أبي يوسف[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۸۵)

---

(۱) الأوّل يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير. (سراجی: ص:۳)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۹۵-۹۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كفن الزّوجة على الزّوج.

وعبارتها إذا ماتت المرأة ولا مال لها قال أبو يوسف: يجبر الزّوج على كفنها إلخ وقال محمّد: لا يجبر الزّوج والصّحيح؛ الأوّل. (ردّ المحتار: ۳/۹۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

جنازہ اٹھانے کا بیان

جنازہ اٹھانے کا مستحب طریقہ

سوال: (۲۶۶۲) دریں ملک چہل قدمی میت دوطور می کنند، یک بردوشہا جنازہ برداشتہ قدر دہ قدم می روند، پس چہار کس دیگر پایہا جنازہ می گیرند ہم چنیں دہ دہ قدم برداشتہ می نہند، و پایہا دیگری گیرند، دیگر یک کس پایہا بدل می کند، دیگراں نے، وایں کساں پایہا جنازہ در دست می گیرند و بر دوشہا نمی دارند این ہر دوصورت جائز است یا نہ؟ (۱۳۴۰/۱۲۷۴ھ)

الجواب: مستحب آنست کہ مردماں علی سبیل البدلیت جنازہ بردارند و ہر یک کس جنازہ بردارندہ اوّل مقدم جنازہ را بردوش یمین خود بردارد، و بعد ازاں مؤخر جنازہ را بردوش یمین بردارد و بعد ازاں مقدم جنازہ بردوش یسار خود بردارد و بعد ازاں مؤخرش را بردوش یسار خود بردارد، و دہ قدم ضروری نیست اگر میسر شود بہتر است و گرنہ حرجے نیست [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۴/۵-۲۷۵)

ترجمہ سوال: (۲۶۶۲) اس ملک میں میت کے ساتھ چالیس قدم دو طریقے سے چلتے ہیں، پہلا یہ کہ کندھوں پر جنازہ اٹھا کر دس قدم کے بہ قدر چلتے ہیں، پھر چار شخص جنازہ کے دوسرے پایوں کو پکڑتے ہیں، اسی طرح دس دس قدم اٹھا کر چھوڑتے ہیں، اور دوسرے پایوں کو پکڑتے ہیں۔

---

(۱) و إذا حمل الجنازة وضع ندبًا مقدّمها .... وكذا المؤخّر علٰى يمينه عشر خطواتٍ إلخ ، ثمّ وضع مؤخّرها علٰى يمينه كذلك ، ثمّ مقدّمها على يساره ، ثمّ مؤخّرها كذلك إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۲۵-۱۲۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في حمل الميّت) ظفیر

دوسرا یہ کہ ایک شخص پایوں کو ادل بدل کرتا ہے اور دوسرے لوگ نہیں، اور یہ لوگ جنازہ کے پایوں کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں اور کندھوں پر نہیں رکھتے، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں یا نہ؟

الجواب: مستحب یہ ہے کہ لوگ باری باری جنازہ اٹھائیں اور ہر ایک شخص جنازہ اٹھا کر پہلے جنازہ کے اگلے حصے کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے اور اس کے بعد جنازہ کے پچھلے حصے کو اپنے دائیں کندھے پر اٹھائے، اور اس کے بعد جنازہ کے اگلے حصے کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے اور اس کے بعد اس کے پچھلے حصے کو اپنے بائیں کندھے پر اٹھائے، اور دس قدم ضروری نہیں، اگر میسر ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کچھ حرج نہیں۔

قاضی خان کی عبارت کا مطلب

سوال: (۲۶۶۳) عالمگیری باب حمل جنازہ میں (علی طریق التعاقب) کی کیا صورت ہے؟ اور عبارت قاضی خان: **یطوف کلّ واحد منهم علٰی جوانبها الأربع إلخ** [(۱)] سے جنازہ کی چاروں جانب ایک دفعہ طواف کرنا مسنون معلوم ہوتا ہے۔ (۲۴۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس سے غرض صرف یہ ہے کہ جنازہ کے چاروں پائے اٹھائے جاویں یہ سنت ہے، اور اس لیے دور کی ضرورت ہے نہ یہ کہ دور وطواف جنازہ کا مقصود ہو، ہذا وہم باطل۔ (۲۸۱/۵-۲۸۲)

نامحرم عورت کے جنازہ کو کندھا دینا درست ہے

سوال: (۲۶۶۴) عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا کیسا ہے؟ کندھا چاروں پاؤں کا دینا ضروری ہے یا نہ؟ اور ہر ایک پائے کو کتنی دور تک اٹھانا احسن ہے؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عورت نامحرم کے جنازہ کو کندھا دینا بھی مستحب اور ثواب ہے، اور چاروں پاؤں کا اٹھانا مستحب ہے، ہر ایک پایہ کو دس قدم اٹھانا بہتر ہے ورنہ جیسے میسر ہو درست ہے [(۲)] فقط (۲۸۲/۵)

---

(۱) **الفتاوی الخانیة مع الهندیة: ۱/۱۹۰، کتاب الصّلاة، باب في غسل المیّت وما یتعلّق به.**

(۲) **و إذا حمل الجنازة وضع ندبًا مقدّمها .... وکذا المؤخّر علٰی یمینه عشر خطواتٍ إلـخ، ثمّ وضع مؤخّرها علٰی یمینه کذلك، ثمّ مقدّمها علی یساره، ثمّ مؤخّرها کذلك إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۲۵-۱۲۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل المیّت)** ظفیر

سوال: (۲۶۶۵) نامحرمہ عورت کا جنازہ مردوں کو اٹھانا کیسا ہے؟ (۱۰۶۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: عورت کا جنازہ غیر محرم مردوں کو اٹھانا درست ہے اور ثواب ہے۔ فقط (۲۸۲/۵)

جنازہ لے جانے میں پہیہ والے تابوت استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۶۶) شملہ کا قبرستان شہر سے ڈھائی میل کے فاصلہ پر ہے، امراء کے جنازہ کے علاوہ غرباء طبقہ کے جنازہ کے ہمراہ جانا جانے والوں کے لیے وبال جان ہو جاتا ہے کیونکہ امراء کے ساتھ کثیر تعداد اشخاص کی ہوتی ہے، اور غرباء کو اجرت دینے پر بھی قلی دستیاب نہیں ہوتے، اور یہی تکلیف لاوارثوں کے جنازہ کے ساتھ ہوتی ہے، شہر کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ایک تابوت اس قسم کا بنایا جاوے جس میں پہیہ لگے ہوئے ہوں؛ آیا مذکورہ بالا تکالیف کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تابوت کا استعمال ناجائز تو نہیں ہے؟ (۲۳۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جنازہ کے اٹھانے میں سنت یہ ہے کہ جنازہ کے چار پاؤں کو چار آدمی اٹھاویں، اور مونڈھوں پر رکھیں، درمختار میں یہ طریق میت کے اٹھانے کا بیان کر کے فرمایا کہ پشت پر اٹھانا یا جانور کے اوپر رکھ کر لے جانا مکروہ ہے الخ، اور یہی حکم ہے گاڑی پر لے جانے کا بھی[1] لیکن بہ مجبوری و بہ ضرورت ایسا کرنا درست ہے۔ **کذا في الشّامي**[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۳/۵)

ریل گاڑی میں مردہ کو قبرستان تک لے جانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۶۷) یہاں پر قبرستان شہر سے تین میل کے فاصلہ پر ہے، لوگ میت کو اٹھا کر اتنی

---

(۱) و یکره عندنا حمله بین عمودي السّریر بل یرفع کلّ رجل قائمة بالید لا علی العنق کالأمتعة ولذا کره حمله علی ظهر ودابّة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل المیّت) ظفیر

(۲) قوله: (ویکره عندنا إلخ) لأنّ السّنّة التّربیع، بحر، وما نقل عن بعض السّلف من الحمل بین العمودین إن ثبت فلعارض کضیق المکان أو کثرة النّاس أو قلّة الحاملین کما بسطته في فتح القدیر. (ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

دور پیدل نہیں لے جاسکتے تھے، اس لیے سرکار نے ایک ڈبّا ٹراموے ریل کا خاص مسلمانوں کے میت لے جانے کے لیے بنایا، اس میں میت کو اس صورت سے لے جاتے ہیں کہ میت کو گاڑی کے اگلے حصہ میں رکھ کر سب لوگ پیچھے بیٹھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو گاڑی میں چار آدمی اٹھائے رکھیں یا نیچے رکھ دیں اور کتنا اونچا رکھیں؟ (۲۹۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جس وقت کوئی عذر نہ ہو تو مستحب وسنت یہ ہے کہ جنازہ کو چار آدمی اٹھا کر لے جائیں، اور سواری وغیرہ پر لے جانا مکروہ ہے۔ **کما في الدّرّ المختار: وإذا حمل الجنازة وضع ندبًا مقدّمها ...... علٰی یمینه ...... ثمّ وضع مؤخّرها کذلك، ثمّ مقدّمها علٰی یسارہٖ ثمّ مؤخّرها کذلك ـــــ إلٰی أن قال: ـــــ ولذا کرہ حمله علی ظهر ودابّة إلخ** [1] لیکن اگر ضرورت اور عذر ہو جیسا کہ صورت سوال میں ہے کہ قبرستان بہت دور ہے، اور پیدل چلنا جنازہ اٹھانے والوں کا اتنی دور دشوار ہے تو بہ حالت مجبوری یہ صورت جو سوال میں درج ہے درست ہے [2] یعنی میت کو گاڑی کے اگلے حصہ میں رکھ لیا جاوے اور سب لوگ پیچھے بیٹھ جائیں یہ جائز ہے، اور گاڑی میں رکھنے کے لیے چار آدمیوں اور دو آدمیوں کی کچھ قید نہیں ہے، جتنے آدمی اٹھا کر رکھ دیں درست ہے، لیکن گاڑی تک لے جانے والے اور اٹھانے والے جنازہ کے چار ہی ہونے چاہئیں، اس لیے بہتر ہے کہ وہی چار گاڑی میں رکھیں، اور پھر جس وقت گاڑی سے اتار کر قبر تک لے جاویں تب بھی چار ہی آدمی لے جاویں اور گاڑی میں رکھنے میں پھر اس کی ضرورت نہیں ہے کہ قدموں سے اونچا رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۴/۵)

بلا عذر گاڑی میں رکھ کر جنازہ لے جانا مکروہ ہے

سوال: (۲۶۶۸) میت کو قبرستان تک عرابہ (گاڑی) پر لے جانا کیسا ہے؟ (۷۰۷/۱۳۳۵ھ)

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۲۵-۱۲۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميّت.**

(۲) **وما نقل عن بعض السّلف من الحمل بين العمودين إن ثبت فلعارض کضيق المکان أو کثرة النّاس أو قلّة الحاملين. (ردّ المحتار: ۳/۱۲۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)** ظفیر

الجواب: درمختار میں ہے: **ویکره عندنا حمله بین عمودي السّریر بل یرفع کلّ رجل قائمةً بالید لا علی العنق کالأمتعة ، ولذا کره حمله علیٰ ظهر ودابّة إلخ** (۱) ازیں عبارت معلوم شد کہ درعرابہ داشتن میت رامکروہ است۔ **کما یظهر من قوله کالأمتعة** وبہ ضرورت وعذر آنچہ سہل باشد جائز است۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۹/۵)

ترجمہ جواب: درمختار میں ہے: **ویکره إلخ** اس عبارت سے معلوم ہوا کہ میت کو گاڑی میں رکھنا مکروہ ہے، جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے علامہ **حصکفی** کے قول **کالأمتعة** سے، اور ضرورت وعذر کی وجہ سے جو کچھ سہل ہو جائز ہے۔

چار پائی پر رکھے ہوئے جنازہ کی نماز بلا کراہت درست ہے

سوال: (۲۶۶۹) جنازہ خواندن برمیت کہ موضوع است بر چہار پائی جائز است یانہ؟

(۱۳۳۷/۱۶۱۷ھ)

الجواب: از جائے دیگر۔ جائز است بلکہ اولیٰ، نیز چناں است **قیاسًا علیٰ حالة الحمل في الدّرّ المختار: وإن کان کبیرًا حمل علی الجنازة انتهی** (۲) وشیخ ابن الہمام تصریح کردہ کہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ معاویہ مزنی کہ بر سریر بود خواندہ اند (۳) وہم شیخ ممدوح درحاشیہ ہدایہ **في فصل الصّلاة علی المیّت** می آرد: **وأمّا صلاته علیه الصّلاة والسّلام علی النّجاشي کان إمّا لأنّه رُفع سریره له حتّٰی رآه علیه الصّلاة والسّلام بحضرته فتکون صلاة من**

---

(۱) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .**

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في حمل المیّت .**

(۳) **بل قد صلّی علی غیره من الغیب وهو معاویة بن معاویة المزني ، ویقال اللیثي: نزل جبریل علیه السّلام بتبوك ، فقال: یا رسول اللّٰه! إنّ معاویة بن المزني مات بالمدینة أ تحبّ أن أطوي لك الأرض فتصلي علیه؟ قال: نعم، فضرب بجناحه علی الأرض فرفع له سریره فصلّی علیه . (فتح القدیر: ۱۲۱/۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنائز ، فصل في الصّلاة علی المیّت)**

خلفه علی میّت یراه الإمام و بحضرته دون المأمومین ، وهٰذا غیر مانع من الاقتداء انتهٰی [۱] وفي حواشي الکنز: ثمّ المراد بالمکان الّذي اشترطت طهارته أمّا الجنازة أو الأرض إن لم یکن جنازة فطهارة الأرض تشترط إذا وضع المیّت بدون جنازة أمّا بالجنازة فعدم اشتراط طهارة الأرض متّفق علیه انتهٰی [۲] وجنازہ سریر میت را گویند در انواع بارک اللہ می آرد، اپر زمین دے منجا رکھن شرط جنازہ آئی۔ منجی تھین ہنہ تے رکھن شرط نہیں سمائی انتہی [۳] در ترمذی شریف: در باب ما جاء أین یقوم الإمام من الرّجل والمرء ة؟ می آرد: حدّثنا عبد اللّٰه بن منیر عن سعید بن عامر عن همام عن أبي غالب قال صلّیت مع أنس بن مالك علی جنازة رجل فقام حیال رأسه، ثمّ جاؤا بجنازة امرأ ة من قریش، فقالوا: یا أبا حمزة! صلّ علیها فقام حیال وسط السّریر، فقال له العلاء بن زیاد: هٰکذا رأیت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قام علی الجنازة مقامك منها، ومن الرّجل مقامك منه قال: نعم، فلمّا فرغ قال: احفظوا [۴] وکسانیکہ حکم وفتوی می دہند کہ میت را از سریر پائیں نمودہ بر زمین نہادہ جنازہ خواندہ شود، شاید ایں مغالطہ از عبارات بعض سفہاء قوم است کہ عبارات مبہمہ وموہمہ آوردہ اند، چنانکہ:وضعه أي علی الأرض أو علی الأیدي قریبًا منه بالأعلٰی محمول علی دابّة أوغیرها لاختلاف المکان بالمیّت کالإمام [۵] حالانکہ مراد از وضع علی الارض اعم است از یں کہ حقیقۃً باشد یا حکمًا ومراد از محمول بر غیر دابہ آنست میت محمول باشد بر چیزے جان دار کہ او را ہنوز بر زمین نہ نہادہ باشند، چنانکہ میت بر دابہ باشد کہ او را گاواں یا خراں یا اسپاں می کشند

(۱) فتح القدیر:۲/۱۲۰، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنائز ، فصل في الصّلاة علی المیّت .

(۲) حاشیة کنز الدّقائق ،ص:۵۱، کتاب الصّلاة ، باب الجنائز ، فصل في الصّلاة علی المیّت ، رقم الحاشیة:۷۔

(۳) یہ عبارت فارسی کے بجائے کسی اور زبان کی ہے، اور نا قابلِ فہم ہے۔محمد امین پالن پوری

(۴) ترمذي شریف:۱/۲۰۰، أبواب الجنائز، باب ما جاء أین یقوم الإمام من الرّجل والمرأة؟

(۵) یہ عبارت ہمیں نہیں ملی ـــــ البتہ حلبی کبیر میں اس طرح ہے:وضعه أمام المصلّي وبهذا القید علم أنها لاتجوز علی غائب ولا حاضر محمول علی دابّة أوغیرها لاختلاف المکان (الحلبي الکبیري ،ص:۵۰۲، فصل في الجنائز، البحث الرّابع في الصّلاة علی المیّت)

یا بر اکتاف مرداں باشد کہ او را بر زمین نہ نہادہ اند، ومیت را کہ مثل امام می گویند مثل بودن آن در بعض وجوہ مراد است نہ من کل الوجوہ، وگرنہ مرداں نماز جنازۂ زنان وکودکاں جائز نبودے، چرا کہ امامت زن وکودک جہت مرداں ہرگز درست نیست۔ في الكبيري: وهو كالإمام من بعض الوجوه انتهٰی (۱) قال مفتي السّند العلّامة الهمايوني نوّر الله مضجعه في فتاواه: المراد بوضع الميّت على الأرض أعمّ من أن يكون حقيقةً أو حكمًا أمّا الوضع الحقيقيّ فكما إذا كان نفس الميّت موضوعًا على الأرض، وأمّا وضع الحكميّ فكما إذا كان سرير الميّت موضوعًا على الأرض ووزّان السّرير مع الميّت وزّان الكوز مع الماء ووزّان الصّندوق مع المتاع ووزّان الحقّة مع الدّرة فإذا وضع الكوز أو الصّندوق على شيء فالوضع وإن تعلق حقيقة بالكوز والصّندوق لكنّه تعلّق بالماء والمتاع أيضًا حكمًا ولذا ترى العلماء ينسبون السّرعة والوضع عن الأعناق إلى الميّت، وإن تعلّق حقيقةً بالسّرير، قال العلّامة العيني في شرح الكنز في فصل الصّلاة على الميّت: ويعجل به أي يسرع بالميّت وقت المشي بحديث لا يضطرب على الجنازة بلا خبب وهو عدوّ سريع وبلا جلوس قبل وضعه أي قبل وضع الميّت عن أعناق الرّجال انتهى (۲) درغاية الأوطار ترجمہ الدر المختار می آرد: ''پس نہیں درست ہے نماز اوپر مردہ غائب کے بہ سبب نہ پائی جانے شرط موجودگی کے، اور نہ اس پر جو اٹھایا ہو مثل سواری پر یعنی کسی گاڑی یا جانور یا لوگوں کے مونڈھوں پر ہو، بہ سبب نہ پائے جانے شرط رکھے جانے کے زمین پر'' (۳) انتہی، پس ازیں روایات نجیحہ واحادیث صحیحہ معلوم شد کہ نماز جنازہ بر میت کہ موضوع علی السریر باشد بلا کراہت جائز است بلکہ اولیٰ چناں است ہذا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) الحلبي الكبير، ص:۵۰۲، فصل في الجنائز، البحث الرّابع في الصّلاة على الميّت.

(۲) یہ عبارت بھی ہمیں نہیں ملی۔۱۲

(۳) غاية الأوطار: ۱/۴۵۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بسفعل الصّبي.

الجواب صحیح حقّ : تجوز الصّلاة علی المیّت و هو علی السّریر الموضوع علی الأرض کما هو معروف ومعمول في عامّة البلاد(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند، ۲۰/ رجب سنہ ۱۳۳۷ھ (۵/۳۵۵-۳۵۷)

ترجمہ سوال: (۲۶۶۹) اس میت کی نماز جنازہ پڑھنا جو چار پائی پر رکھی ہوئی ہے جائز ہے یا نہیں؟

خلاصۂ جواب: (از جائے دیگر) جائز ہے، بلکہ اولیٰ ہے، نیز ایسا ہی ہے حالتِ حمل پر قیاس کرتے ہوئے، درمختار میں ہے: اگر مردہ بڑا ہو تو جنازہ یعنی چار پائی پر اٹھایا جائے اور شیخ ابن ہمام نے تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ کے جنازہ کی نماز جو چار پائی پر تھا پڑھی ہے، اور شیخ ممدوح نے ہدایہ کے حاشیہ میں **فصل الصّلاة علی المیّت** میں ذکر کیا ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے بھی نجاشی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ پڑھی، جب نجاشی رضی اللہ عنہ کا سریر یعنی چار پائی آپ کے سامنے منکشف ہوئی۔

اور کنز کے حاشیہ میں ہے: پھر جس مکان کی پاکی کی شرط لگائی گئی ہے اس سے مراد یا جنازہ کی چار پائی ہے یا زمین ہے، اگر چار پائی نہ ہو، پس زمین کا پاک ہونا ضروری ہے جب میّت چار پائی کے بغیر رکھی جائے، اور چار پائی کے ساتھ رکھنے کی صورت میں زمین کی پاکی کا ضروری نہ ہونا متفق علیہ ہے —— اور ترمذی شریف میں ہے: ابو غالب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی، آپ میت کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے، پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے اور عرض کیا: اے ابو حمزہ! اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھایئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ اس کی چار پائی کے بیچ کھڑے ہوئے، علاء بن زیاد نے ان سے پوچھا: کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو عورت کے جنازے پر آپ کھڑے ہوئے وہاں، اور مرد کے جنازے پر جہاں آپ کھڑے ہوئے وہاں کھڑے ہوکر نمازِ جنازہ پڑھاتے دیکھا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) وشرط صحّتها إسلام المیّت وطهارته ووضعه أمامَ المصلّي ، فلهٰذا القید لا تجوز علی غائب ولا حاضر محمول علی دابّة أو غیرها ولا موضوع متقدّم علیه المصلّي وهو کالإمام من وجه . (فتح القدیر : ۲/۱۲۰، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنائز ، فصل في الصّلاة علی المیّت)

ہاں، پھر جب لوگ تدفین سے فارغ ہوئے اور لوٹنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے کہا: میرے اس عمل کو یاد رکھنا۔

اور جو لوگ یہ حکم اور فتوی دیتے ہیں کہ میّت کو چار پائی سے اٹھا کر زمین پر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی ان کو یہ مغالطہ بعض ناواقف لوگوں کی عبارات سے ہوا ہے جو مبہم وموہوم ہیں، جیسے: **وضعه أي على الأرض أو على الأيدي إلخ**، حالاں کہ **وضع على الأرض** سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکمًا، اور غیر دابہ پر رکھے ہوئے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ایسی جاندار چیز پر رکھی ہوئی ہو جس کو ابھی تک زمین پر نہ رکھا ہو، مثلاً میّت ایسی سواری پر ہو جس کو بیل، گدھے یا گھوڑے کھینچتے ہیں، یا لوگوں کے کندھوں پر ہو، اور زمین پر نہ رکھا گیا ہو، مفتی سندھ علامہ ہمایونی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ: میّت کو زمین پر رکھنے سے مراد عام ہے خواہ حقیقۃً ہو یا حکمًا، حقیقی رکھنا یہ ہے کہ خود مردہ زمین پر کھا ہوا ہو، اور حکمی رکھنا یہ ہے کہ میّت کی چار پائی زمین پر رکھی ہو۔

غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں ہے: پس نہیں درست ہے نماز اوپر مردہ غائب کے بہ سبب نہ پائی جانے شرط موجودگی کے، اور نہ اس پر جو اٹھایا ہو مثل سواری پر، یعنی کسی گاڑی یا جانور یا لوگوں کے مونڈھوں پر ہو، بہ سبب نہ پائے جانے شرط رکھے جانے کے زمین پر۔

الغرض ان روایاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ جو میّت چار پائی پر رکھی ہو اُس کی نمازِ جنازہ بلا کراہت جائز ہے، بلکہ اولیٰ ہے۔

الجواب صحیح حق: نماز جنازہ جائز ہے اس میت پر جو زمین پر رکھی ہوئی چار پائی پر ہو جیسا کہ معروف ہے اور اکثر شہروں میں اس پر عمل درآمد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند، ۲۰/ رجب سنہ ۱۳۳۷ھ

میّت کو چار پائی پر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے

سوال: (۲۶۷۰) نماز جنازہ چار پائی پر جائز ہے یا نہ؟ اور جو کہ فتاوی عبدالحی میں مذکور ہے

کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی نمازِ جنازہ سریر پر پڑھی گئی تھی [(۱)] آیا اس سریر سے یہی چار پائی مراد ہے یا تختہ مراد ہے؟ حضرت رسول ﷺ کے جنازہ میں چہار یار کبار (یعنی ابوبکر وعمر اور عثمان وعلیؓ) سب موجود تھے یا نہ؟ اور جنازہ کس نے پڑھایا تھا؟ چار پائی کا اس لیے لکھا گیا کہ علماء کرام اس جگہ فرماتے ہیں کہ نمازِ جنازہ کے لیے میت کا زمین پر رکھنا شرط ہے جو کہ شامی وغیرہ کتب فقہ میں مذکور ہے؛ باسند تحریر فرماویں۔ (۵۸۲/۴۵-۱۳۴۴ھ)

الجواب: جائز ہے [(۲)] کما هو معمول في السّلف والخلف. فقط واللہ اعلم (۳۰۴/۵)

جنازہ کے لیے بھاری پلنگ رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۷۱) جنازہ کے لیے بھاری پلنگ رکھنا جس کو ہر شخص نہ اٹھا سکے جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۶۳۴ھ)

الجواب: جواز میں تو کچھ کلام نہیں ہے مگر ہلکی چار پائی رکھنا بہتر ہے جس کو سب اٹھا سکیں اور کندھا دے سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۴/۵)

---

(۱) سوال: نمازِ جنازہ بر چار پائی درست است یا نہ؟

جواب: درست است، ہیچ وجہ نا جوازش نیست ونعش مبارک آں سرور ﷺ بر سریر نہادہ نمازِ جنازہ خواندہ اند، واہل عرب تخت و چار پائی ہر دو را سریر می گویند الخ۔ (مجموعہ فتاوی عبد الحی: ۶۸/۳، باب صلاۃ الجنازۃ، مطبوعہ: مطبع شوکت اسلام)

(۲) ووضعه وكونه هو أو أكثر أمامَ المصلّي إلخ فلا تصحّ على غائب ومحمول على نحو دابّة وموضوع خلفه (الدّرّ المختار) قوله: (على نحو دابّة) أي كمحمول على أيدي النّاس فلا تجوز في المختار إلّا من عذر إلخ (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹۸/۳-۹۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبيّ؟)

اس سے معلوم ہوا کہ چار پائی پر جنازہ رکھ کر اگر نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو جائز ہے؛ اس لیے کہ یہ دابہ اور آدمی کی جیسی جان دار چیز نہیں ہے، اور چار پائی پر ہونا حکماً زمین پر ہی ہونا ہے، آنحضرت ﷺ پر نمازِ جنازہ جس وقت پڑھی گئی تھی اس وقت آپ کا جسد مبارک جس سریر پر تھا اس سے کیا مراد ہے؟ صراحۃً کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت کسی نے نہیں کی تھی، انفراداً لوگوں نے پڑھی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ طریقہ بتایا تھا۔ ظفیر

بان کی چارپائی پر میّت کو رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے

سوال: (۲۶۷۲) بان سے بنی ہوئی چارپائی جس پر نماز جائز نہیں ہے اس پر میت کو رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہ؟ اگر نجس ہو تو کپڑا پاک اس پر ڈال دینا کافی ہے یا نہیں؟ (۶۷۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چارپائی بان سے بنی ہوئی پر نماز بھی جائز ہے اور جنازہ اس پر رکھا ہوا ہو تو اس کو آگے رکھ کر نماز جنازہ صحیح ہے اگر نجس ہو تو پاک کپڑا اچھا کر مردہ کو رکھا جاوے۔ فقط (۲۹۸/۵)

میت کو بانس کی ارتھی پر لے جانا درست نہیں

سوال: (۲۶۷۳) جنازہ کو تابوت میں لے جانا یا چارپائی پر لے جانا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس کا رواج تھا یا نہیں؟ یہاں کے لوگ بانس کی سیڑھی تیار کر کے اس پر میت کو مثل ہنود کے لے جاتے ہیں، یہ طریقہ میت کو قبرستان لے جانے کا درست ہے یا نہیں؟ (۲۱۷۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مثل ہندوؤں کے جنازۂ مسلمان کو بانسوں کی ارتھی پر لے جانا درست نہیں ہے، مسلمان کے جنازہ کو عزت وحرمت کے ساتھ لے جانا چاہیے، اور میت کو سریر پر لے جانے کا رواج زمانۂ آنحضرت ﷺ سے اب تک ہے اور جنازہ اسی تخت یا چارپائی کو کہتے ہیں جس پر میت ہو قال الأزهري: لا يسمّى جنازة حتّى يشدّ الميّت عليه مكفّنًا إلخ[1] (ردالمحتار) فقط واللہ اعلم (۲۸۴/۵-۲۸۵)

جنازہ لے کر دس دس قدم چلنا ثابت ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۷۴) جنازہ لے کر جو چالیس قدم دس دس لوگ گنتے ہیں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ (۸۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ حدیث درمختار میں نقل کی ہے: من حمل جنازة أربعين خطوةً كفرت عنه

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۷۳/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

أربعون كبيرةً (۱) اور شامی نے اس حدیث کو زیلعی سے نقل کیا اور بحر میں بدائع سے منقول ہے، اور شرح منیہ میں کہا ہے کہ اس کو ابو بکر نے روایت کیا ہے (۲) پس اگر ضعیف بھی ہے تو عمل درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۸/۵)

جنازہ کے ساتھ نعت، اشعار وغیرہ پڑھنا بدعت ہے

سوال: (۲۶۷۵) مسلمان کے جنازہ کے ساتھ نعت رسول اللہ ﷺ کی پڑھنا کیسا ہے؟
(۱۰۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جنازہ کے ساتھ اشعار نعت وغیرہ پڑھنا غیر مشروع اور بدعت ہے، ترک کرنا اس کا لازم ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۹/۵-۳۵۰)

جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے کلمہ یا اشعار پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۶۷۶) ایک فتویٰ مطبع حمیدی پریس احمد آباد سے شائع ہوا ہے جس میں جنازہ کے پیچھے رفع صوت سے کلمۂ طیبہ اور اشعار نعتیہ اور قراءت قرآن شریف کا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے، اور عبارت کتب فقہ معتبرہ کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حکم سلف میں تھا، اب بہ سبب بدلنے زمانہ کے یہ حکم نہ رہا، اس صورت میں شرعاً صحیح کیا حکم ہے؟ (۱۶۷۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار: كما كره فيها رفع صوت بذكر أو قراءة، فتح،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۵/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميت.

(۲) والحديث المذكور ذكره الزّيلعي، ونقله في البحر عن البدائع، وفي شرح المنية...... رواه أبوبكر النّجّار (ردّ المحتار: ۱۲۵/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميّت)

(۳) وعلى متّبعي الجنازة الصّمت ويكره لهم رفع الصّوت بالذّكر وقراءة القرآن. (الفتاوى الهندية: ۱۶۲/۱، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرّابع في حمل الجنازة) ظفير

قوله: (كما كره إلخ) قيل: تحريمًا ، وقيل: تنزيهًا كما في البحر عن الغاية ، وفيه عنها: وينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصّمت ، وفيه عن الظّهيريّة: فإن أراد أن يذكر اللّٰه تعالٰى يذكره في نفسه لقوله تعالٰى: ﴿إِنَّهُ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (الأعراف:۵۵) أي الجاهرين بالدّعاء ، وعن إبراهيم أنّه كان يكره أن يقول الرّجل وهو يمشي معها : استغفروا له غفر اللّٰه لكم أهـ. قلت: وإذا كان هٰذا في الدّعاء والذّكر فما ظنّك بالغناء الحادث في هٰذا الزّمان انتهٰى [۱] (ردّ المحتار) اس سے معلوم ہوا کہ سلف صالحین اور فقہاء محققین اس موقع پر ذکر جہر وغیرہ سے منع فرماتے ہیں: وهو الأحوط الأوفق بالقواعد الشّرعيّة فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۷۵-۲۷۶)

جنازہ کے ساتھ نعت، درود یا قرآن بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے

سوال: (۲۶۷۷) جنازہ کے ساتھ ساتھ کلمۂ توحید یا قرآن شریف یا درود شریف یا نعت وغیرہ بلند آواز سے پڑھنا شرعًا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت نہیں تو کیا حکم ہے؟ (۲۸۵۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ طریقہ سلف صالحین صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا بدعت و مکروہ ہے، اور تصریحات و قواعد فقہیہ سے اس کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا ترک کرنا اس کا لازم ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۸۴)

سوال: (۲۶۷۸) ذکر خلف الجنازہ مثل تہلیل اور قراءت سورہ ملک وغیرہ میں مفتی بہا کیا ہے؟ (۱۲۲۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ ثابت نہیں ہے، اور بہ ہیئت اجتماعیہ بالجہر ایسا کرنا خلاف عمل سلف صالحین ہے، لہٰذا اس کو ترک کیا جاوے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۱)

---

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۲۸-۱۲۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبيل مطلب في دفن الميّت .

(۲) حوالۂ سابقہ۔

وعن عائشة رضي اللّٰه تعالٰى عنها قالت : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم : من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص:۲۷، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الأوّل)

جنازہ کی چارپائی پر قرآن شریف رکھ کر قبرستان تک جانا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۶۷۹) میت کے ہمراہ قرآن شریف اس کی چارپائی پر رکھ کر قبرستان تک لے جاتے ہیں یہ کیسا ہے؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ طریق خلاف سنت ہے اور ناجائز ہے اس کو بالکل ترک کیا جاوے [۱] فقط (۲۸۳/۵)

غیر مسلم پڑوسی کے جنازہ کے ساتھ جانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۸۰) اگر کوئی نصرانی جار (پڑوسی) یا کسی اور وجہ سے اس سے تعلق ہو گیا ہو تو اس کے مرنے کے بعد اس کے جنازہ کے ہمراہ ان کے قبرستان تک جا سکتا ہے یا نہیں؟ علی ہذا اسی طرح اگر مسلمان مر جائے تو وہ نصرانی اس کے جنازہ کے ہمراہ قبرستان تک جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۲۳۷۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: بہ ضرورت ایسا کرنا جائز ہے۔ **كما ورد: أنّ النّبيّ عليه السّلام عاد يهوديًّا مرض بجواره (الهداية)** [۲] **وفي النّوادر: جارٌ يهوديّ أو مجوسيّ مات ابن له أو قريب ينبغي أن يعزيه ، ويقول : أخلف الله عليك خيرًا منه وأصلحك إلخ** [۳] (شامی، صفحہ ۴۸۰، **الحظر والإباحة**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۶/۵)

---

(۱) کتاب وسنت میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ہے، اور نہ فقہاء نے لکھا ہے، بلکہ جو طریقہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ سے منقول ہے اس کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ ظفیر

(۲) **الهداية:** ۴۷۴/۴، **كتاب الكراهية ، مسائل متفرّقة .**

(۳) **ردّ المحتار:** ۴۷۳/۹، **كتاب الحظر والإباحة ، فصل في البيع .**

جو شخص روزہ افطار نہ کرنے کی وجہ سے مر گیا اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے

سوال: (۲۶۸۱) ایک شخص روزہ دار مرض ناگہانی میں مبتلا ہوجاوے اور روزہ افطار نہ کرے اور اسی اثناء میں مرجاوے تو بکر کہتا ہے کہ اس کی جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۹۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز جنازہ اس شخص کی پڑھنی چاہیے بکر کا قول غلط ہے وہ گنہ گار نہیں ہوا۔ شامی میں منقول ہے کہ ایسی صورت میں وہ ماجور ہوتا ہے۔ **ویؤجر لو صبر و مثله سائر حقوقه تعالیٰ کإفساد صوم وصلاة إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۵/۵-۳۳۶)

سوال: (۲۶۸۲) ایک شخص کو روزہ میں پیاس وغیرہ بہت شدت سے لگی؛ لیکن اس نے رضائے خداوندی کو مقدم رکھا اور روزہ افطار نہ کیا، اور وہ شخص بہ قضاء الٰہی فوت ہوگیا تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے یا نہیں؟ (۲۶۱۴/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: شامی: فصل عوارض میں ہے: **ویؤجر لو صبر ومثله سائر حقوقه تعالیٰ کإفساد صوم وصلاة الخ**[1] اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص روزہ افطار نہ کرنے سے گنہ گار نہیں ہوا بلکہ مثاب وماجور ہوا، پس اس کے جنازہ کی نماز کے وجوب میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

(اضافہ از رجسٹر نقول فتاویٰ)

سوال: (۲۶۸۳) روزہ دار اگر روزہ سے مرجاوے اور روزہ افطار نہ کرے تو اس کی موت کیسی ہے؟ (۶۱۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: شامی میں ہے کہ روزہ دار اگر صبر کرے اور روزہ افطار نہ کرے اور مرجاوے تو اس کو ثواب ملتا ہے گنہ گار نہیں ہوتا[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۷/۵)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳۵۹/۳، کتاب الصّوم، باب ما یفسد الصّوم وما لا یفسده، فصل في العوارض المبیحة لعدم الصّوم.

ناپاک شخص کا جنازہ کو کندھا دینا درست ہے

سوال: (۲۶۸۴) جنازہ کے ہمراہ کاندھا نجس آدمی کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: درست ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۷۷)

جنازہ لے جاتے وقت سرہانہ آگے رکھنا چاہیے

سوال: (۲۶۸۵) جنازہ کو بہ وقت لے جانے قبرستان کے کس رخ سے لے جانا چاہیے، یعنی مردے کے پاؤں کس جانب ہوں اور سر کس جانب؟ (۱۳۶/ ۳۳-۱۳۳۲ھ)

الجواب: جس طرف کو جاویں آگے سرہانا چار پائی کا رکھیں[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۸۱)

سوال: (۲۶۸۶) جنازہ مکان سے تا گورستان پہلے پائتی بعدہٗ سرہانا یہ قاعدہ درست ہے یا نہیں؟ چونکہ جدید قاعدہ امام جامع مسجد شکوہ آباد نے بتلایا ہے، پہلے سرہانا نکال کر تا گورستان لے جانا ممنوع ہے؛ یہ درست ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۶/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: آگے سرہانا رکھنا چاہیے یہ قاعدہ موافق سنت کے ہے، اور آگے پائتی رکھنا اور پیچھے سرہانا رکھنا درست نہیں ہے؛ یہ امر خلاف سنت ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۷۷)

مشرق کی طرف جنازہ لے جانے میں
پیر قبلہ کی طرف ہوں تو کچھ حرج نہیں

سوال: (۲۶۸۷) اگر جنازہ مشرق کی طرف لے جاویں تو سر میت کا قبلہ کی طرف کریں یا مشرق کی؟ اگر مشرق کی طرف کریں تو قبلہ کی جانب پاؤں میت کے ہوتے ہیں۔ (۱۸۳۷/ ۱۳۴۲ھ)

---

(۱) جنازہ اٹھانے والے کے لیے پاک ہونا شرط نہیں ہے، البتہ نماز کے لیے پاک ہونا ضروری ہے۔ ظفیر

(۲) وفي حالة المشي بالجنازة يقدم الرّأس كذا في المضمرات. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۶۲، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرّابع في حمل الجنازة) ظفير

الجواب: میت کا سر آگے ہی کرنا چاہیے، اوراس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ پیر میت کے قبلہ کی طرف ہوں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۵/۵)

سوال: (۲۶۸۸) اگر قبرستان مشرق کی جانب ہوتو میت کو لے جاتے وقت سر کس طرف ہو؟ (۱۳۳۵/۶۵۰ھ)

الجواب: قبرستان خواہ کسی طرف ہو مشرق کی جانب ہو یا مغرب کی یا شمال وجنوب کی طرف ہو، ہر حال سرہانا چارپائی کا آگے کی طرف ہونا چاہیے یعنی میت کا سر آگے ہونا چاہیے [۱] فقط واللہ اعلم (۲۷۹/۵)

لاش کے بھاری اور ہلکے ہونے کی وجہ سے کوئی حکم نہیں لگا سکتے

سوال: (۲۶۸۹) اکثر جسیم آدمی کی لاش سبک ہوتی ہے، اور لاغر وجود آدمیوں کی گراں، کیا گرانی اعمال صالحہ اور سبکی اعمال بد کا نشان ہے یا برعکس یا کیا؟ (۱۳۳۷/۲۰۵۴ھ)

الجواب: اس گرانی اور سبکی کی وجہ سے کچھ حکم نہیں کر سکتے، یہ امر مفوّض بہ علم الٰہی ہے کہ عنداللہ کون اچھا ہے اور کون برا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۷/۵)

دور دراز راستہ سے جنازہ لے جانا اچھا نہیں

سوال: (۲۶۹۰) مولوی محمد اسحاق صاحب نے وعظ میں یہ بیان فرمایا ہے کہ جنازہ دور دراز کے راستے سے نہ لے جانا چاہیے یہ صحیح ہے یا نہ؟ (۱۳۳۶-۳۵/۶۵۵ھ)

الجواب: مقتضی الفاظ حدیث: **و عجّلوا بہ** [۲] اور عبارت درمختار: **و یسرع في جھازہ** [۲] **وحدیث أبي ھریرۃ رضي اللّٰہ عنہ : أسرعوا بالجنازۃ الحدیث** [۳] کا بے شک

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) **ردّ المحتار والدّرّ المختار : ۷۹/۳، کتاب الصّلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في القراء ۃ عند المیت .**

(۳) **مشکاۃ المصابیح، ص: ۱۴۴، کتاب الجنائز، باب المشي بالجنازۃ والصّلاۃ علیھا، الفصل الأوّل .**

یہ ہے کہ بلا ضرورت ایسے دور دراز راستے سے جنازہ کو لے جانا جس میں دفن میں تاخیر لازم آوے اچھا نہیں ہے اور خلاف مستحب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۹/۵-۲۸۰)

جنازہ کے پیچھے چلنا مستحب ہے

سوال: (۲۶۹۱) جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟ (۱۷۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: **وندب المشي خلفها** [1] (**الدرّ المختار**) اور مستحب ہے جنازہ کے پیچھے چلنا فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۷۹/۵)
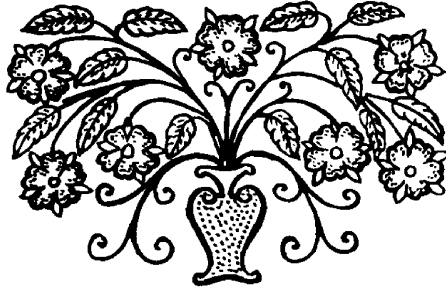
(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۷/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في حمل الميّت.

نمازِ جنازہ کے مسائل

نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے

سوال: (۲۶۹۲) جنازہ کی نیت فرض کفایہ کہہ کے کی جاوے یا فرض عین؟ اور جس وقت میت حاضر ہوجاوے اس وقت نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے یا فرض عین؟ (۲۹/۶۰۷-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جس وقت جنازہ حاضر ہوجاوے اس وقت بھی نماز فرض کفایہ ہی رہتی ہے۔ **والصّلاة عليه صفتها فرض كفاية بالإجماع أهـ**[1] **(الدّرّ المختار)** فقط واللہ اعلم (۳۱۴/۵)

نمازِ جنازہ تمام حاضرین کو پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۶۹۳) زید کہتا ہے کہ جس قدر مردمان ہمراہ جنازہ ہیں وہ سب نماز جنازہ پڑھیں، خواہ طہارت ہو یا نہ ہو اور کپڑا پاک ہو یا نہ ہو اور نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے؟ (۱۳۴۱/۵۴۱ھ)

الجواب: یہ صحیح ہے کہ نماز جنازہ جملہ حاضرین کو پڑھنی چاہیے کیوں کہ یہ نماز بھی فرض ہے، یعنی فرض کفایہ کہ بعض کے کرنے سے باقیوں پر سے ساقط ہوجاتی ہے، لیکن فرض سب پر ہے، پس نماز جنازہ سبھی حاضرین کو پڑھنی چاہیے، اور طہارت ثوب و بدن شرط ہے، پس ناپاک کپڑے سے اور بے وضو نہ پڑھے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۶/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۹۶-۹۷، كتاب الصّلاة ، باب الصّلاة الجنازة .

(۲) شرط صحّتها شرائط الصّلاة المطلقة إلخ . (غنية المستملي، ص:۵۰۲، فصل في الجنائز ، البحث الرّابع في الصّلاة عليه) ظفیر

بلا وضو نمازِ جنازہ جائز نہیں

سوال: (۲۶۹۴) ایک شخص کہتا ہے کہ نمازِ جنازہ اگر محدث بے وضو ہی شریک ہو کر پڑھ لیویں تو کوئی حرج اور مضائقہ نہیں؛ یہ جائز ہے یا نہ؟ (۴۱۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ غلط ہے کہ نمازِ جنازہ بلا وضو جائز ہے، بلا وضو یا تیمّم کے نمازِ جنازہ پڑھنا گناہ کبیرہ ہے، البتہ اگر امام کھڑا ہو جاوے اور کوئی آدمی ایک یا چند ایسے وقت آویں کہ اگر وضو کریں گے تو تکبیرات فوت ہو جاویں گی تو ان کو تیمّم کر کے شریک ہو جانا درست ہے۔ **کما في الدّرّ المختار: وجاز لخوف فوت صلاة جنازة أي كلّ تكبيراتها إلخ (الدّرّ المختار) وفي الشّامي: قوله: (وجاز لخوف فوت صلاة جنازة) أي ولو كان الماء قريبًا إلخ**[1] فقط (۳۳۷/۵)

حاضرِ جنازہ ہو کر نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۹۵) اتفاق سے کوئی لڑکی نابالغہ فوت ہوئی، اور نمازِ جنازہ کے لیے سب لوگ جمع ہوئے اور وہ علماء بھی جمع ہوئے جنھوں نے پردہ کی تنبیہ کی تھی، حاضر جنازہ ہو کر نماز نہ پڑھی واپس چلے آئے؛ اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۱۳۷۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ بالغ و نابالغ کے اوپر فرض کفایہ ہے، بعض کے ادا سے باقیوں کے ذمہ سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے، پس اگر نمازِ جنازہ اس نابالغہ کی ہو گئی ہے تو وہ لوگ جنھوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کی عاصی نہیں ہیں، اور اگر اس نابالغہ کے جنازہ کی نماز بالکل نہیں پڑھی گئی تو جو لوگ موجود تھے اور جن کو علم اس کی موت کا ہوا اور نمازِ جنازہ نہ پڑھی وہ سب گنہ گار ہوئے **قال في الدّرّ المختار: والصّلاة عليه صفتها فرض كفاية إلخ. وفي ردّ المحتار: وما شروط وجوبها فهي شروط بقية الصّلوات من القدرة والعقل والبلوغ والإسلام مع زيادة العلم بموته تأمّل إلخ**[2] **وهي فرض على كلّ مسلم مات خلا أربعة:**

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳۶۲/۱، كتاب الطّهارة، باب التّيمّم.

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹۶/۳-۹۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة.

بغاۃ وقطاع طریق إلخ [1] اور ظاہر ہے کہ وہ قومیں جو پردہ نہیں کرتی ہیں ان چار میں داخل نہیں ہیں خصوصًا نابالغہ کہ وہ مکلّف پردہ کی نہیں ہے، پس ترک کرنا اس کے جنازہ کی نماز کا نہایت قبیح ہے، اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ صلّوا علی کلّ برّ و فاجر الحدیث [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۲/۵-۳۴۳)

غسل جمعہ کی وجہ سے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۶۹۶) ایک شخص بہ وجہ غسل جمعہ وغیرہ ضروریات کے نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکا تو گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ (۲۱۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے [3] اگر بعض لوگوں نے نمازِ جنازہ ادا کرلی تو جو شخص شریک نہیں ہوا وہ گنہ گار نہ ہوگا مگر یہ ضروری ہے کہ اس ثواب سے محروم رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۵)

موزوں کی حفاظت کی خاطر نمازِ جنازہ سے پہلو تہی کرنا اچھا نہیں

سوال: (۲۶۹۷) ایک میت کو ایسے میدان میں لایا گیا جس میں مدرسہ کے طلباء بہ کثرت کھیلا کرتے تھے، اور وہ میدان بارش سے تر تھا اور نم دار تھا، بندہ کے پاؤں پر موزے تھے ان کی حفاظت کے واسطے نمازِ جنازہ میں پہلو تہی کی اور نمازِ جنازہ میں شریک نہ ہوا یہ گناہ ہے یا نہیں؟ (۱۴۱۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے اگر دوسرے مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو تارک پر

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: هل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟

(۲) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۶۵۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) والصّلاۃ علیه صفتها فرض کفایة بالإجماع. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹۶/۳-۹۷، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في صلاۃ الجنازۃ) ظفیر

کچھ ملامت اور مؤاخذہ نہیں ہے[۱] لیکن یہ ضرور ہے کہ محض موزوں کی حفاظت کی وجہ سے نمازِ جنازہ سے پہلوتہی کرنا اچھا نہیں ہے، آئندہ اس کی احتیاط کی جاوے۔ فقط واللہ اعلم (۵/۳۳۸-۳۳۹)

صرف رافضی کے نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرض کفایہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۲۶۹۸) نمازِ جنازہ تنہا رافضی کے پڑھنے سے فرض کفایہ اہل سنت کے ذمہ سے ادا ہوگا یا نہ؟ اور اہل سنت کو اقتداء رافضی کی جائز ہے یا نہیں اور نمازِ جنازہ میں صبی اہل سنت کا کیا حکم ہے؟ (۲۹۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: رافضی اگر غالی ہے کہ رفض اس کا حد کفر کو پہنچا ہوا ہے تو اس کے تنہا نماز جنازہ پڑھنے سے فرض کفایہ ادا نہ ہوگا اور اس کی اقتداء بھی درست نہیں ہوگی[۲] اور صبی کی اقتداء بھی کسی نماز میں درست نہیں ہے[۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۱۱)

شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۲۶۹۹) اگر کسی اہل سنت کے گھر میں شیعہ عورت ہو، اور وہ مر جائے تو اس کا گورکفن کرنا چاہیے؟ اور نمازِ جنازہ اس کی پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۲۹۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) الصّلاة على الجنازة فرض كفاية ، إذا أقام به البعض واحدًا كان أو جماعةً ذكرًا كان أو أنثى؛ سقط عن الباقين، وإذا ترك الكلّ أثموا، هٰكذا في التّتارخانية . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۲، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفیر

(۲) وإن أنكر بعض ما علم من الدّين ضرورة كفّر بها إلخ فلا يصحّ الاقتداء به أصلاً. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۲۵۷، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب : البدعة خمسة أقسام) ظفیر

(۳) و لا يصحّ اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى و صبيّ مطلقًا و لو في جنازة (الدّرّ المختار) الصّبيّ إذا أمّ في صلاة الجنازة ينبغي أن لا يجوز وهو الظّاهر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۲/۲۷۶-۲۷۷، كتاب الصّلاة، باب الإمامة ، مطلب: الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصّبيّ وحده ؟) ظفیر

الجواب: شیعہ کئی قسم کے ہوتے ہیں، بعض شیعہ غالی ہیں جن کی تکفیر کی گئی ہے، پس اگر وہ عورت اس فریق میں سے ہے تو اس کے جنازہ کی نماز وغیرہ کچھ نہ کرنا چاہیے، بلکہ مثل کفار کے گڑھے میں دبا دینا چاہیے، اور اگر ایسی نہیں ہے بلکہ محض تفضیلیہ ہے تو وہ مسلمان ہے، مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز وتکفین کرنی چاہیے اور نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۵/۵)

سوال: (۲۷۰۰) شیعہ کے جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا کیا؟ اور ان سے میل جول کا کیا حکم ہے؟ (۳۳/۹۱۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شیعہ کا وہ فرقہ جو سبّ شیخین نہ کرے اور اصحاب کو برا نہ کہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے افک کا قائل نہ ہو، اور کوئی عقیدہ کفریہ نہ رکھتا ہو؛ تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے، اور اگر اہل سنت وجماعت بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا پڑھاویں تو کچھ حرج نہیں ہے، اور کوئی تعزیر اس پر نہیں اور میل جول ان سے منع نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۳/۵)

غالی شیعہ کی نمازِ جنازہ درست نہیں

سوال: (۲۷۰۱) اہل سنت والجماعت کو شیعہ میت کی نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہ؟
(۳۳/۱۵۱۹-۱۳۳۴ھ)

الجواب: جو شیعہ غالی ہیں کہ ان کی تکفیر کی گئی ہے ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنی چاہیے جیسے تبراء گو ہیں؛ ان کی نماز نہ پڑھی جاے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۳/۵)

قادیانی کی نمازِ جنازہ درست نہیں

سوال: (۲۷۰۲) ایک شخص قادیانی ہوگیا اس کے مرنے پر نمازِ جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے یا نہیں؟ (۹۴۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: وہ کافر ومرتد ہے، اگر مرے تو اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں، اور مسلمانوں کے

---

(۱) بخلاف ما إذا كان يفضل عليًّا أو يسبّ الصّحابة فإنّه مبتدع لا كافر. (ردّ المحتار: ۱۰۲/۴، كتاب النّكاح ، مطلب مهم في وطء السّراريّ اللاّتي يؤخذن غنيمة في زماننا) ظفیر

قبرستان میں اس کو دفن نہ کریں[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۰-۲۹۱)

نمازِ جنازہ میں شافعی امام کی اقتداء درست ہے
شیعہ امام کی اقتداء درست نہیں

سوال: (۲۷۰۳) حنفی مقتدی کو نماز جنازہ میں اقتداء شافعی یا شیعہ امام کی درست ہے یا کیا؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شافعی امام کی اقتداء حنفی کو درست ہے اور شیعہ امام کی اقتداء درست نہیں ہے۔ فقط (۵/۳٦۴)

نمازِ جنازہ کی امامت میں احق بالامامت کون ہے؟

سوال: (۲۷۰۴) ایک شخص حنفی ایک مسجد کا امام ہے، وہ دعوی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نمازِ جنازہ میرے سواء کوئی نہیں پڑھا سکتا، کیا وہ شخص ولیٔ میت پر بھی مقدم ہے اور یہ دعوی اس کا کیسا ہے؟ اور نمازِ جنازہ کی امامت میں احق بالامامت کون ہے؟ (۴٦/۷-۱۳۳۵ھ)

الجواب: کتب فقہ حنفیہ میں امامت جنازہ میں یہ ترتیب لکھی ہے: **ويقدّم في الصّلاة عليه السّلطان إن حضر أو نائبه وهو أمير المصر ثمّ القاضي إلخ ثمّ إمام الحيّ إلخ**[2] یعنی امامت نماز جنازہ کے لیے سب سے مقدم بادشاہ ہے اگر موجود ہو، یا اس کا نائب، پھر قاضی، پھر امام مسجد محلّہ الخ (درمختار) اور یہ بھی درمختار میں ہے کہ تقدیم امام حی ولی پر استحبابًا ہے، اگر باوجود امام حی

(۱) **أمّا المرتدّ فيلقى في حفرة كالكلب (الدّرّ المختار) أي لا يغسل ولا يكفن. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۲۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في حمل الميّت)** ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۲-۱۱۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في بيان من أحقّ بالصّلاة على الميّت.**

کے ولی نماز پڑھادیوے تو یہ بھی درست ہے[۱] اور یہ بھی درمختار وشامی میں ہے کہ اگر ولی افضل ہو امام حی سے تو ولی کی امامت اولی ہے، بہر حال یہ دعوی امام مذکور کا جو سوال میں مذکور ہے، مطلقاً غلط ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۴۰)

نمازِ جنازہ سے پہلے ولی سے اجازت لینا درست ہے

سوال: (۲۷۰۵) جو کہ وقت نماز جنازہ کے مالک سے اجازت لی جاتی ہے یہ درست ہے یا نہ؟ (۱۱۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: ان لوگوں کو جو ولی کی موجودگی میں امامت کا حق نہیں رکھتے ان کو ولی سے اجازت لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۷)

نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت نہیں

سوال: (۲۷۰۶) کیا نمازِ جنازہ میں مقتدی امام کے تابع ہوکر ثنا وصلاۃ ودعا برابر ادا کرے یا مقتدی پر فقط سکوت ہے؟ بعد فراغ از نماز جنازہ اسی ہیئت صفوف میں رہ کر یا بعد تغیر ہیئت صفوف گرد میت کھڑے ہوکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مکرر سہ کر اسی طرح دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مذہب حنفی کے مطابق بہ ثبوت سند ارشاد فرمایا جاوے، بعض علماء نے بہ استناد روایت فتاوی عالمگیری جو فصل خامس صفحہ: ۱۷۱، مطبوعہ مصر میں ہے: والإمام والقوم فیه (أي فیما ذکر قبل من التّکبیرات ودعاء الافتتاح والصّلاة علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم والدّعاء وغیر ذٰلك) سواء كذا في الكافي[۳]

---

(۱) وتقدیم إمام الحي مندوب فقط بشرط أن یکون أفضل من الولي وإلاّ فالولي أولٰی کما في المجتبٰی. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۳/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظیم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۲) قال في شرح المنیة: الأصل أنّ الحقّ في الصّلاة للولي إلخ. (ردّ المحتار: ۱۱۳/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظیم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۳) الفتاوی الهندیة: ۱۶۴/۱، کتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة علی المیّت.

مقتدی کو بھی متابعت کا حکم دیا ہے، اور بہ استناد روایات ذیل کے دعا سے منع کیا ہے، خلاصۃ الفتاوی قلمی میں ہے: **لا یقوم بالدّعاء بعد صلاۃ الجنازۃ** [۱] فتاوی بزازیہ میں ہے: **لا یقوم بالدّعاء بعد صلاۃ الجنائز إلخ** [۲] ملاعلی قاری شرح مشکاۃ میں فرماتے ہیں: **ولا یدعو للمیّت بعد صلاہ الجنازۃ لأنّه یشبه الزّیادۃ في صلاۃ الجنازۃ** [۳] اسی طرح نورالانوار اورانوار حنفیہ اور جامع الرموز اور محیط میں موجود ہے، ان روایات میں مطلقًا دعا بعدالجنازہ کوممنوع قرار دیا ہے، خواہ ہیئت صفوف میں ہو یا نہ ہو؟ کیا یہ ہر دو استناد متعلق ہر دو مسئلہ صحیح ہیں؟

(۱۸۴۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ ہر دو استناد متعلق ہر دو مسئلہ صحیح ہیں، نماز جنازہ میں مقتدی بھی مثل امام کے ثنا و صلاۃ ودعا پڑھتا ہے، اور نماز جنازہ کے بعد پھر دعا ہاتھ اٹھا کر مانگنا ثابت نہیں ہے، اور فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے، اور یہ قول ملاعلی قاریؒ زیادۃ فی صلاۃ الجنازۃ کا شبہ ہوتا ہے، اور صلاۃ الجنازہ خود دعاء للمیت ہے۔ **فلا یشرع الدّعاء الآخر بعدها**. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۹/۵-۳۴۰)

نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا جائز نہیں

سوال: (۲۷۰۷) میت پر نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد قبل از دفن دعا کرنا جائز ہے یا بدعت؟ اورالفی (کفنی) کے بارے میں بھی کتب حدیث یا فقہ سے کوئی ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ (۲۶۵۱/۱۳۴۲ھ)

الجواب: کتب فقہ میں لکھا ہے کہ نماز جنازہ دعا ہے واسطے میت کے، لہٰذا اور کوئی دعا بعد نمازِ جنازہ کے مشروع نہیں ہے، شامی میں ہے: **فقد صرّحوا عن آخرهم بأنّ صلاۃ الجنازۃ**

---

(۱) خلاصة الفتاوى: ۲۲۵/۱، كتاب الصّلاة، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز، المطبوعة: مكتبة رشيدية، كوئٹا.

(۲) الفتاوى البزّازية مع الهندية: ۸۰/۴، كتاب الصّلاة، الخامس والعشرون في الجنائز.

(۳) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱۴۹/۴، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة عليها، الفصل الثّالث، رقم الحديث: ۱۶۸۷.

هي الدّعاء للميّت إلخ [۱] وفي خلاصة الفتاوى : لا يقوم بالدّعاء بعد صلاة الجنازة [۲] وفي البزّازية: لا يقوم بالدّعاء بعد صلاة الجنائز [۳] وفي المرقاة شرح المشكاة : ولا يدعو للميّت بعد صلاة الجنازه لأنّه يشبه الزّيادة في صلاة الجنازة [۴]
پس معلوم ہوا کہ میت کے جنازہ کے بعد اور کچھ دعا نہ کرے کہ صلاۃ جنازہ خود دعا للمیت ہے۔
اور الفی یعنی کرتا جس کو قمیص کہتے ہیں کفن میں سنت ہے، درمختار میں ہے: ويسنّ في الكفن له إزار وقميص ولفافة إلخ [۵] اور حدیث متفق علیہ میں ہے: أتى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عبدَ اللّه بن أبي بعد ما أدخل حفرته ، فأمر به فأخرج فوضعه علىٰ ركبتيه فنَفث فيه من ريقه ، وألبسه قميصَه قال: وكان كسا عبّاسًا قميصًا (رواه البخاري ومسلم عن جابر) [۶]
اور امام ابن ہمامؒ نے ابراہیم نخعی کی روایت سے بیان کیا: أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم كفن في حلّة يمانيّة وقميص [۷] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۷-۳۰۸)

نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۷۰۸) نمازِ جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مقتدیوں کو

---

(۱) ردّ المحتار : ۳/۱۰۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟
(۲) خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۲۵، كتاب الصّلاة ، الفصل الخامس والعشرون في الجنائز ، المطبوعة: مكتبة رشيدية ، كوئٹا.
(۳) الفتاوى البزّازية مع الهندية :۴/۸۰، كتاب الصّلاة ، الخامس والعشرون في الجنائز.
(۴) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۴/۱۴۹، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة عليها ، الفصل الثّالث، رقم الحديث: ۱۶۸۷ .
(۵) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في الكفن .
(۶) المشكاة ،ص:۱۴۴، كتاب الجنائز، باب غسل الميّت وتكفينه ، الفصل الثّالث.
(۷) فتح القدير:۲/۱۱۵-۱۱۶، كتاب الصّلاة ، باب الجنائز، فصل في التّكفين .

دعا مانگنا چاہیے یا نہ؟ (۱۳۰۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ خود دعا للمیت ہے، اس کے بعد اور کوئی دعا ماثور و منقول نہیں ہے [۱] امام و مقتدی سب اس کو ترک کر دیں کہ خلاف سنت فعل کا التزام درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۱/۵)

نمازِ جنازہ کے بعد جو شخص دعا نہ مانگے اس کو فاسق کہنا درست نہیں

سوال: (۲۷۰۹) في الدّعاء بعد صلاة الجنازة برفع اليدين قد وقع الاختلاف بين العلماء فمنهم من قال: إنّه سنّة حسنة ، وتاركه فاسق وفاجر ، ومنهم من قال: إنّه مكروه؟ بيّنوا توجروا (۱۰۸۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قال في الشّامي : فقد صرّحوا عن آخرهم بأن صلاة الجنازة هي الدّعاء للميّت إذ هو المقصود إلخ [۲] ولم يروعن السّلف الدّعاء بعدها بهيئة اجتماعية فالأولٰى الاقتصار عليها، وإن لم يفسق فاعله وكيف يجوز أن يقال لتارك البدعة أنّه فاسق فاجر، والفاسق من ينسبه إلى الفسق. فقط (۳۵۱/۵-۳۵۲)

ترجمہ سوال: (۲۷۰۹) نماز جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، بعض نے کہا کہ یہ سنت حسنہ ہے اور اس کا تارک فاسق و فاجر ہے، اور بعض نے کہا کہ یہ مکروہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: شامی میں ہے: فقد صرّحوا عن آخرهم إلخ. اور سلف سے نماز جنازہ کے بعد ہیئت اجتماعیہ کے ساتھ دعا کرنا مروی نہیں ہے، لہٰذا نمازِ جنازہ پر اکتفاء کرنا بہتر ہے، اور بلا شبہ نمازِ جنازہ پر اکتفاء کرنے والا فاسق نہیں ہے اور تارکِ بدعت کو فاسق فاجر کہنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے، جب کہ فاسق وہ شخص ہے جس کی فسق کی طرف نسبت کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) حوالے سابقہ جواب میں ہیں۔۱۲

(۲) ردّ المحتار على الدّر المختار: ۱۰۰/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟

نمازِ جنازہ سے پہلے یا بعد میں دعا مانگنا بدعت ہے اور تدفین کے بعد قبر کے پاس دعا مانگنا ثابت ہے

سوال: (۲۷۱۰) یہاں مدت سے یہ رسم ورواج ہے کہ کفنانے کے بعد میت کو جنازہ میں رکھ کر جمع ہوکر اہتمام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد جنازہ اٹھانے سے پہلے سب لوگوں کو روک کر امام کے ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر علاوہ اس دعا کے جو بعد فراغ دفن متصل پڑھی جاتی ہے اس وقت بھی لوگوں کو روک کر فاتحہ ہوتی ہے، جب واپسی میں قبرستان کے دروازہ پر پہنچتے ہیں، بعض جگہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب غسل کے لیے میت کو رکھتے ہیں تب بھی جمع ہوکر فاتحہ پڑھتے ہیں، اور دروازہ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے کے بعد مکان پر بھی رسم فاتحہ بجالاتے ہیں، یعنی اوّل تین موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج ہے، اور پچھلے دو موقعوں پر فاتحہ پڑھنے کا عام رواج نہیں ہے؛ یعنی کہیں ہے کہیں نہیں، لیکن اب ایک عالم صاحب یہاں تشریف لائے ان سے دریافت کیا گیا تو وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان مختلف اوقات میں اس کیفیت کے ساتھ فاتحہ پڑھنا بدعت خلاف سنت ہے، بالخصوص جب کہ تارک کو قابل ملامت بھی سمجھتے ہیں اور دلیل یہ بتلاتے ہیں کہ حسب تصریح علامہ شامی وغیرہ صلاۃ جنازہ خود دعا للمیت ہے، چنانچہ ردّ المحتار: ۱/۶۴۱، میں تحریر ہے: **فقد صرّحوا عن آخرهم بأنّ صلاة الجنازة هي الدّعاء للميّت إذ هو المقصود منها انتهٰى** [(۱)] اور فاضل اجل ملاّ علی قاری مکی حنفیؒ مرقاۃ شرح مشکاۃ کے باب الجنائز میں **تحت حديث مالك بن هبيره** تحریر فرماتے ہیں: **ولا يدعو للميّت بعد صلاة الجنازة لأنّه يشبه الزّيادة في صلاة الجنازة** [(۲)] اور بعض کتب میں محیط سے نقل کیا ہے: **لا يقوم الرّجل بالدّعاء بعد صلاة الجنازة** [(۳)]

(۱) ردّ المحتار على الدّر المختار: ۳/۱۰۰، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟

(۲) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۴/۱۴۹، كتاب الجنائز ، باب المشي بالجنازة عليها ، الفصل الثّالث ، رقم الحديث: ۱۶۸۷ .

(۳) المحيط البرهاني : ۲/۲۰۵، كتاب الصّلاة ، الفصل الأربعون في الجنائز ، المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت .

اور کبیری سے منقول ہے: في السّراجيّة: إذا فرغ من الصّلاة لايقوم بالدّعاء [1] اور یوں کہتے ہیں کہ بعد دفن متصل قبر پر دعا مانگنا کتب احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے [2] اور باقی ادعیۂ مروّجہ کا ثبوت کتب احادیث وفقہ واقوال محققین علماء سے ثابت نہیں، پس ارشاد ہو کہ ان عالم صاحب کا یہ فرمانا صحیح ہے یا نہیں؟ اور خدا اور رسول کے حکم کے موافق میت کے مرنے کے وقت سے بعد دفن مکان پر واپسی تک جمع ہوکر کن کن موقعوں پر شرع شریف میں دعا مانگنے کا ثبوت ہے، یا یہ ہے کہ ہر شخص علاوہ نماز جنازہ کے بلا التزام مالا یلزم اور بلا اہتمام وفکر اجتماع اپنی خوشی سے جب چاہے میت کے واسطے دعائے خیر کیا کرے؟ (۸۵۴/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: ان عالم صاحب کا قول صحیح ہے اور موافق ہے قواعد ونصوص کے، اور تصریحات فقہاء ان کے قول کی مؤید ہیں، صلاۃ جنازہ خود دعاء للمیت ہے اس کے سواء اور کسی موقع پر فاتحہ مذکورہ کا علی وجہ الاجتماع ثبوت نہیں ہے۔ مسند احمد: ۴/ ۳۵۶، میں عبداللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے: ثمّ كبّر عليها أربعًا، ثمّ قام بعد الرّابعة قدر ما بين التّكبيرتين يدعو ثمّ قال: كا ن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يصنعُ في الجنازة هٰكذا [3] اور (فتح الباری: ۱۱/ ۱۲۲) میں ہے: وفي حديث ابن مسعود رأيت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم في قبر عبد اللّٰه ذي النّجادَين الحديث. وفيه: فلمّا فرغ من دفنه استقبل القبلةَ رافعًا يديه، أخرجه أبو عوانة في صحيحه [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۴۴-۴۴۶)

---

(۱) الفتاوى السّراجيّة، ص: ۱۳۳، كتاب الجنائز، قبيل باب الدّفن، المطبوعة، مكتبة الاتحاد، ديوبند.

(۲) عن عثمان بن عفّان رضي الله عنه قال: كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا فرغ من دفن الميّت وقف عليه، فقال: استغفروا لأخيكم وسئلوا له بالتّثبيت، فأنّه الآن يُسأل. (سنن أبي داؤد: ۲/ ۴۵۹، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميّت في وقت الانصراف)

(۳) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۱/ ۴۸۰، رقم الحديث: ۱۹۱۴۰، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت.

(۴) فتح الباري: ۱۱/ ۱۴۴، كتاب الدّعوات، باب: الدّعاء مستقبل القبلة، المطبوعة: دار المعرفة، بيروت.

نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا کسی حدیث سے ثابت نہیں

سوال:(۲۷۱۱)عن أبي هريرة قال:قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا صلّيتم على الميّت فأخلصوا له الدّعاء، رواه أبوداؤد وابن ماجة[1] وعن واثلة بن الأسقع قال: صلّى بنا رسول الله صلّى الله عليه وسلّم علىٰ رجل من المسلمين فسمعته يقول: اللّهمّ إن فلان بن فلان في ذمّتك وحبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النّار، وأنت أهل الوفاء والحق، اللّهمّ اغفر له وارحمه إنّك أنت الغفور الرّحيم، رواه أبوداؤد وابن ماجة[1] نمازِ جنازہ کے بعد دعا مشروع نہیں ہے یا ہے؟(۲۰۸۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد دعا مشروع نہیں ہے[2] اوران احادیث میں دعا سے مراد نمازِ جنازہ کی دعا ہے، یعنی پہلی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نمازِ جنازہ پڑھو تو اس کے اندر دعائے جنازہ اخلاص کے ساتھ پڑھو، اسی طرح دوسری حدیث میں صاف یہ موجود ہے کہ دعائے نمازِ جنازہ مراد ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۵/۵)

نمازِ جنازہ کے بعد بیٹھ کر ایصالِ ثواب کی رسم درست نہیں

سوال:(۲۷۱۲)نمازِ جنازہ کے بعد اکثر سلام پھیر کر بیٹھ جاتے ہیں، اور الحمد و درود شریف وغیرہ پڑھ کر جناب رسول اللہ ﷺ اور اصحاب اربعہؓ کی ارواح پاک کو بخش کر حاضر میت کی ارواح کو بخشتے ہیں؛ جائز ہے یا نہیں؟(۱۴۳۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جنازہ کی نماز کے بعد اور کوئی دعا مشروع نہیں ہے، پس یہ فعل بعد نمازِ جنازہ کے نہ کرنا چاہیے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۶/۵)

---

(۱) مشكاة المصابيح ،ص:۱۴۶-۱۴۷، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها الفصل الثّاني .

(۲) و لا يدعو للميّت بعد صلاة الجنازة لأنّه يشبه الزّيارة في صلاة الجنازة. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : ۱۴۹/۴، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة عليها ، الفصل الثّالث ، رقم الحديث: ۱۶۸۷)ظفیر

نمازِ جنازہ کے بعد ایصالِ ثواب درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۱۳) بعد نمازِ جنازہ قبل دفن چند مصلیوں کا ایصال ثواب کے لیے سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص تین بار آہستہ آواز سے پڑھنا اور امام جنازہ یا کسی نیک آدمی کا دونوں ہاتھ اٹھا کر مختصر دعا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ (۱۵۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اس کو رسم کر لینا اور التزام کرنا مثل واجبات کے اس کو بدعت بناوے گا۔ کما صرّح به الفقهاء[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۴/۵-۴۳۵)

سوال: (۲۷۱۴) بعد نمازِ جنازہ قبلِ دفن اولیاءِ میت مصلیوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کو اس کا ثواب بخش دیویں؟ (۲۶۱۴/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: ایصال ثواب میں کچھ حرج نہیں ہے، پس اگر بعد نمازِ جنازہ کے تمام لوگ یا بعض سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھ کر میت کو ثواب پہنچاویں تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ دعا کو بعد نمازِ جنازہ کے فقہاء نے مکروہ لکھا ہے کیونکہ نمازِ جنازہ خود دعاء للمیت ہے، پس اس کے بعد اور کوئی دعا مشروع نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۸/۵-۴۱۹)

سوال: (۲۷۱۵) ہمارے یہاں بعد نمازِ جنازہ تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں تا کہ اس کو ختم قرآن کا ثواب ملے یہ فعل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۹۳۹/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فقہاءؒ نے نمازِ جنازہ کے بعد دوبارہ دعا کرنے کو مکروہ اور ممنوع لکھا ہے[1] کیونکہ نمازِ جنازہ خود دعاء للمیت ہے، اس میں اور کسی ایجاد وایزاد کی حاجت نہیں ہے، لہٰذا بعد نمازِ جنازہ فوراً اس کا التزام کہ تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاوے اچھا نہیں ہے، دوسرے وقت یا اپنے دل دل میں بلا اعلان و التزام کے اگر ثواب کسی سورت کا پہنچا دیوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۲/۵)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

نمازِ جنازہ میں الدّعاء لھٰذا المیّت کہنا ضروری نہیں

سوال: (۲۷۱۶) نماز جنازہ میں الدّعاء لھٰذا المیّت کہنا سنت ہے یا ضروری ہے؟
(۷۷۸/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: الدّعاء لھٰذا المیّت کہنے کی ضرورت نہیں ہے صرف نماز جنازہ کی نیت کرنا کافی ہے [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۱۲)

بالغ کی نمازِ جنازہ میں مرد وعورت کی تمیز ضروری نہیں

سوال: (۲۷۱۷) در نمازِ جنازہ بالغین تمیز مرد از زن ضروری است یا نہ؟ (۸۱۶/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: در نمازِ جنازہ بالغین تمیز مرد از زن ضرور نیست کہ دعاء مرد وزن یکے است [۲] فقط
(۵/ ۳۱۵-۳۱۶)

---

(۱) ومصلّي الجنازة ينوي الصّلاة للّٰه تعالىٰ وينوي أيضًا الدّعاءَ للميّت لأنّه الواجب عليه فيقول : أصلي للّٰه داعيًا للميّت (الدّرّ المختار) ووجهه ما ذهب إليه المحقّق ابن الهمام حيث قال: المفهوم من كلامهم أنّ أركانها الدّعاء والقيام والتّكبير لقولهم: أنّ حقيقتها هي الدّعاء وهو المقصود منها أهـ إلخ، وإن قلنا: إنّه ليس بركن فيها على ما اختاره في البحر وغيره إلخ فالضّمير في قوله: لأنّه الواجب يعود على الدّعاء إلخ، أو ما على القول بالسّنّية فلأنّ المراد بالدّعاء ماهية الصّلاة لا نفس الدّعاء الموجود فيها لما علمت من أنّ حقيقتها الدّعاء إلخ ، وإن لم يتلفّظ بالدّعاء إلخ، قوله: (فيقول إلخ) بيان النّيّة الكاملة أهـ.ح ، قلت: وفي جنائز الفتاوى الهندية عن المضمرات: أنّ الإمام والقوم ينوون ويقولون: نويت أداء هٰذه الفريضة عبادة للّٰه تعالىٰ إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۹۲/۲، كتاب الصّلاة ، باب شروط الصّلاة ، بحث النّيّة) *ظفیر*

(۲) ثمّ يكبّر أخرى ويدعو للميّت وجميع المسلمين إلخ وعن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه كان يقول: اللّٰهمّ اغفر لحيّنا وميّتنا إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱۶۴/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) *ظفیر*

ترجمہ سوال: (۲۷۱۷) بالغین کی نمازِ جنازہ میں مرد کی عورت سے تمیز ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بالغین کی نمازِ جنازہ میں مرد کی عورت سے تمیز ضروری نہیں ہے کیوں کہ مرد وعورت کی دعا ایک ہے۔ فقط

بچہ کے جنازہ میں جب معلوم نہ ہو کہ لڑکا ہے یا لڑکی تو کونسی دعا پڑھے؟

سوال: (۲۷۱۸) ایک عورت کے جنگل میں بچہ پیدا ہوا، اور ماں کی بے ہوشی میں جانور بچے کا دھڑ کھا گیا تو نماز میں لڑکے کی دعا پڑھیں یا لڑکی کی؟ (۱۳۳۸/۱۸۹ھ)

الجواب: لڑکے کی دعا پڑھنا چاہیے، اور اگر لڑکی کی دعا بھی پڑھ دے تو بھی جائز ہو جائے گی[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۸/۵)

سوال: (۲۷۱۹) بچہ کی نمازِ جنازہ میں جب مسبوق کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ میت لڑکا ہے یا لڑکی تو اس کے لیے کیا دعا پڑھے؟ (۱۳۳۷/۱۳۳۹ھ)

الجواب: اللّٰھمّ اجعله لنا فرطًا بہ ضمیر مذکر پڑھ دیوے کیونکہ مؤنث کی طرف بھی بہ تاویل شخص راجع ہو سکتی ہے، اور بہ ضمیر مؤنث پڑھنا بھی درست ہے بہ تاویل نفس۔ فقط (۳۵۰/۵)

غیر مقلد کی نمازِ جنازہ میں شرکت درست ہے

سوال: (۲۷۲۰) ایک شخص عالم فاضل غیر مقلد مر جائے اور غیر مقلد ہی اس کے جنازہ کی نماز پڑھائے اور اس غیر مقلد کے پیچھے عالم حنفی اقتداء کرے باوجودیکہ قبل ازیں لوگوں کو ان کے میل جول سے منع کرتا رہا ہو تو اس حنفی پر کچھ مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۴۹۵ھ)

الجواب: یہ فعل اس عالم حنفی کا کہ غیر مقلد امام کے پیچھے غیر مقلد متوفی کے جنازہ کی نماز ادا کی قابل مؤاخذہ نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے: صلّوا خلف کلّ برٍّ وفاجرٍ وصلّوا علٰی

---

(۱) اس لیے کہ مذکر کی ضمیر بہ تاویل شخص اور مؤنث کی ضمیر بہ تاویل نفس میّت کی طرف لوٹے گی۔ محمد امین

کلّ برٍّ وفاجرٍ الحدیث (۱) حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر ایک نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھو اور ہر ایک نیک وبد کے جنازہ کی نماز پڑھو، پس غیر مقلد کافر تو نہیں ہیں جو اس قدر تشدد اس میں کیا جاتا ہے، بے شک یہ ضروری ہے کہ غیر مقلدوں کے فسادِ عقائد کی وجہ سے حتی الوسع ان کو امام نہ بنایا جاوے لیکن اگر اتفاقی ایسا ہوگیا کہ غیر مقلد امام ہے اور اس کے پیچھے نماز کسی نے پڑھ لی خصوصًا جنازہ کی نماز تو اس میں اس نماز پڑھنے والے حنفی پر طعن وتشنیع بیجا ہے، اور ناجائز ہے اور اس کی تفسیق وتضلیل ناروا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۹-۳۰۰)

تارکِ نماز کافر نہیں اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۲۱) عمر نے لوگوں کو وعظ ونصیحت کر کے نماز کی پابندی کی تاکید کی، سب نے اپنی غفلت اور سستی پر نادم ہو کر نماز پڑھنے کا وعدہ کیا، لیکن زید نے کہا کہ ''میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں تم کو کیا؟ مجھ کو اتنی مہلت اور فرصت بہ وجہ ملازمت کے نہیں ملتی کہ نماز پڑھوں الخ'' زید کی اس گفتگو سے امر شرعی کی توہین لازم آتی ہے یا نہ؟ اگر زید قبل توبہ مر جائے تو نماز جنازہ پڑھی جائے یا نہ؟ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ ''جو مسلمان باوجود فرض جاننے نماز کے سستی سے نماز نہ پڑھے، اور اسے کوئی نماز کے لیے بلائے اور وہ پھر بھی نماز نہ پڑھے تو ایسا شخص کافر ہے، اس کو تین دن کی مہلت توبہ کے لیے دی جائے، اگر توبہ نہ کرے تو تلوار سے قتل کیا جائے اور اس پر نماز بھی نہ پڑھی جائے'' (۲) یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۶۳۶ھ)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: صلّوا خلف كلّ برّ و فاجر وصلّوا علىٰ كلّ برّ وفاجر، وجاهدوا مع كل برّ وفاجر. (سنن الدّار قطني: ۱/۱۸۵ كتاب الصّلاة، باب صفة من تجوز الصّلاة معه والصّلاة عليه، المطبوعة: المطبع الأنصاري الواقع في الدّهلي)

(۲) وأمّا إن تركها تهاونًا و كسلاً مع اعتقاد وجوبها ودعي ليفعلها فإن لم يفعلها حتّى تضايق الوقت الّذي يليها فيكفر وقُتل بالسّيف لكفره بعد أن يستتاب ثلاثة أيّام .... ولا يُصلّى عليه. (غنية الطّالبين مترجم، ص:۵۲۴، فصل: الصّلاة خطرها عظيم، المطبوعة: مطبع صدّيقي، لاهور)

الجواب: حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حنبلی مذہب کے ہیں، یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے پیرو ہیں، ان کا مذہب یہی ہے جو انہوں نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے، اور امام اعظم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ تارک نماز فاسق ہے اور واجب التعزیر ہے کافر نہیں ہے، لہٰذا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے۔ **لقوله علیه الصّلاة والسّلام: صلّوا علٰی کلّ بَرّ وفاجر الحدیث**(۱) پس زید اس صورت میں فاسق ہے اس کو چاہیے کہ توبہ کرے اور نماز شروع کرے، اور جنازہ کی نماز کا حکم اوپر مذکور ہوا کہ پڑھنی چاہیے، البتہ اگر زجرًا ایسے لوگ شریک نہ ہوں جو مقتداء ہیں اور دوسرے لوگ نماز پڑھ لیں تو تنبیہاً(۲) ایسا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ اعلم
(۵/۲۸۶-۲۸۷)

بے نمازی کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی جائے؟

سوال: (۲۷۲۲) جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ نیک اور بد کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، اس کو ہم نے تسلیم کیا کیونکہ نہ پڑھنے میں گنہ گار ہوں گے؛ لیکن اس صورت میں نمازی اور بے نمازی میں فرق ہی کیا رہا جو لوگ بے نمازی ہیں وہ کہتے ہیں کہ نمازی اور بے نمازی کا ایک ہی درجہ ہے، ہم تمہاری نصیحت نہیں مانتے اب ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ (۲۰۷۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: حدیث شریف میں یہ آیا ہے: **صلّوا علٰی کلّ بَرّ وفاجر الحدیث**(۱) یعنی نماز پڑھو ہر ایک نیک و بد کے جنازہ کی، پس جب کہ حدیث میں یہ آ گیا ہے اور فقہاءؒ نے بھی یہی حکم لکھا ہے تو پھر اس میں تردد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور وجہ یہ ہے کہ فاسق وفاجر جو کہ مسلمان ہے اللہ کی رحمت سے اس کو بھی ناامید نہ کرنا چاہیے، اور بعد مرنے کے اس کے لیے بھی دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور نماز جنازہ کی دعا ہے میت کے لیے، اور حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ مرنے کے بعد کسی کو برا نہ کہو کیونکہ جو کچھ انہوں نے دُنیا میں کیا اس کی جزا یا سزا ان کو

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) مطبوعہ فتاویٰ میں (تنبیہاً) کی جگہ ''تنہا'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

وہاں ملے گی[1] زندہ لوگوں کو بھی یہی چاہیے کہ مسلمان میت کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگر اللہ تعالیٰ اس گنہ گار کو بخش دے تو کسی کا کیا حرج ہے، اور قرآن شریف میں ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (سورۂ زمر، آیت: ۵۳) ''یعنی اے محمد! فرمادیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے کہ زیادتی کی اپنے نفسوں پر یعنی ظلم اور معصیت کی، ناامید نہ ہوں اللہ کی رحمت سے، بے شک اللہ بخشے گا تمام گناہ بالضرور؛ وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے''۔ باقی اس مضمون کو کہاں تک لکھا جاوے اس میں کچھ وہم اور فکر نہ کریں جو حکم ہے اس کو کرنا چاہیے، بے نمازی کو نماز کی نصیحت بھی کرنی چاہیے، اور زندگی میں اس کو ہر طرح ڈرانا بھی چاہیے؛ لیکن جب مر جائے تو اس کی خیر خواہی کرنی چاہیے، اور اس کے لیے اللہ سے دعا کرنی چاہیے، یعنی اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں سے درگذر فرمادے، اور ہمارے گناہوں سے بھی درگذر فرمادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۲/۵-۳۲۳)

بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے

سوال: (۲۷۲۳) تارک صلاۃ کے جنازہ کی نماز تنبیہًا ترک کرنا کیسا ہے؟ اور پڑھنا منع ہے یا کیا؟ (۳۲/۵۱۰-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تارکِ صلاۃ کے جنازہ کی ممانعت کہیں نظر سے نہیں گذری، بلکہ فقہاء کے اقوال اور حدیث شریف: صلّوا علی کلّ برٍ و فاجرٍ[2] سے یہی ثابت ہے کہ نماز پڑھنی چاہیے۔ فقط (۳۳۳/۵)

سوال: (۲۷۲۴) عبرت کی غرض سے بے نمازی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا اور بغیر نماز کے اس کو دفن کر دینا کیسا ہے؟ مستحسن ہے یا نہیں؟ (۳۲/۱۱۲۱-۱۳۳۳ھ)

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبيّ صلّى الله عليه وسلّم: لا تسبّوا الأموات فإنّهم قد أفضوا إلى ما قدّموا. (صحيح البخاري: ۹۶۴/۲، كتاب الرّقاق، باب سكرات الموت)

(۲) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب: یہ فعل جائز و مستحسن نہیں بلکہ حرام ہے اور ترک فرض ہے، مسلمان بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھنا مثل نمازی کے فرض ہے۔ **قال علیه الصّلاة والسّلام : صلّوا علٰی کلّ بَرٍّ وفاجرٍ الحدیث** (۱) اور فقہاء نے جنازہ کی نماز سے جن لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جیسے بغات وغیرہم ان میں فسّاق و بے نمازیوں کو شمار نہیں کیا، پس فرض شرعی کا ترک کرنا بہ خیال عبرت درست نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۳۳-۳۳۴)

سوال: (۲۷۲۵) بے نمازی کی نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ عیدین کی نماز پڑھنے والا نمازی ہے یا بے نمازی؟ (۱۶۹۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: بے نمازی کے جنازہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے، غرض ہر ایک ایسے گنہ گار مسلمان کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے اگر چہ وہ زانی وشرابی و بے نمازی فاسق ہو (۲) صرف عیدین کی نماز پڑھنے والا اور پنج وقتی نماز نہ پڑھنے والا بے نمازی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۸)

ڈرانے کی غرض سے لوگوں کو بے نمازی کی نمازِ جنازہ سے روکنا درست نہیں

سوال: (۲۷۲۶) میں نے لوگوں کو نماز کی طرف متوجہ کرنے کے لیے ایک حکم نکالا ہے وہ یہ کہ تارک نماز کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو ایسا حکم دینا تخویفاً وتہدیداً جائز ہے یا نہیں؟ (۳۵۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: ایسا حکم کرنا درست نہیں ہے، حدیث شریف میں ہے: **صلّوا علٰی کلّ برّ وفاجر الحدیث** (۱) اور ظاہر ہے کہ تارک نماز بھی فاسق فاجر ہے، کافر عند الجمہور نہیں ہے، اور فقہاء نے باغی وغیرہ کو جو مستثنیٰ کیا ہے اس میں بھی تارک نماز اور ہر ایک فاسق کو داخل نہیں کیا، لہٰذا بالکل بلا ادائے نمازِ جنازہ مسلمانوں کو دفن کر دینا درست نہیں ہے، اسی طرح رنڈی، بھڑووں کو جو مسلمان کہلاتے ہیں بدون نماز کے دفن کر دینا یا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دینا جائز نہیں ہے،

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) **وهي (أي صلاة الجنازة) فرض علٰی کلّ مسلم مات خلا أربعة بغاة وقطّاع طریق إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۰۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)** ظفیر

البتہ عبرت کے لیے ایسا ہوسکتا ہے کہ تارک نماز وغیرہ فساق کی نماز مقتداء لوگ نہ پڑھیں؛ بلکہ عوام لوگوں سے کہہ دیں کہ تم نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دو، تاکہ تارکین نماز کو آئندہ عبرت ہو۔ کما ورد في الحدیث (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴٦٦-۴٦۷)

جس نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو اُس کی بھی نمازِ جنازہ ضروری ہے

سوال: (۲۷۲۷) جس شخص کو لوگوں نے کبھی نماز پڑھتے نہ دیکھا ہو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: جائز بلکہ ضروری ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۳)

بے نمازی کی لاش گھسیٹنا جائز نہیں

سوال: (۲۷۲۸) یہ بات مشہور ہے کہ جس شخص کو اس کی مدت العمر میں لوگوں نے کبھی نماز نہ پڑھتے دیکھا ہو اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے، اور ۴۰ قدم تک گھسیٹ کر جب نماز پڑھی جاوے؛ درحقیقت یہ بات ٹھیک ہے کہ نہیں؟ (۲۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: یہ قول غلط مشہور ہے نماز جنازہ ہر ایک نیک و بد کی پڑھنی چاہیے، اور گھسیٹنا درست نہیں اس کے لیے استغفار کرنا چاہیے، ذلیل نہ کرنا چاہیے کہ آخر کلمہ گو مسلمان ہے (۲) فقط (۵/۲۹۳)

---

(۱) عن سلمة بن الأكوع قال : كنّا جلوسًا عند النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذ أتي بجنازة فقالوا: صلّ عليها، فقال: هل عليه دَين؟ قالوا: لا، فصلّى عليها، ثمّ أتي بجنازة أخرى فقال: هل عليه دَين؟ قيل:نعم، قال:فهل ترك شيئًا؟ قالوا: ثلاثة دنانير، فصلّى عليه، ثمّ أتي بالثّالثة، فقال: هل عليه دين؟ قالوا: ثلاثة دنانير، قال: هل ترك شيئًا؟ قالوا:لا، قال:صلّوا علىٰ صاحبكم ، قال أبو قتادة : صلّ عليه يا رسول اللّٰه ! وعليّ دينه ، فصلّى عليه ، رواه البخاري (مشكاة المصابيح ،ص:۲۵۲، كتاب البيوع ، باب الإفلاس والإنظار ، الفصل الأوّل) ظفیر

(۲) عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم:...... والصّلاة واجبة علىٰ كلّ مسلم بَرًّا أو كان فاجرًا و إن عمل الكبائر، رواه أبوداؤد. (مشكاة المصابيح ،ص:۱۰۰، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، الفصل الأوّل) ظفیر

سوال: (۲۷۲۹) ایک شخص مرگیا ہے جس نے تمام عمر میں کبھی نماز نہیں پڑھی تھی، اس کی نمازِ جنازہ چالیس قدم بہ ذریعہ رسّی کے کھینچ کر ایک دوسرے شخص نے پڑھائی، ان لوگوں کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۶۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: واقعی رسی میں باندھ کر بے نمازی مسلمان کے کھینچنے کا شریعت سے حکم نہیں ہے، ایسا نہ کرنا چاہیے تھا اس کے لیے استغفار کرنا چاہیے اور نماز جنازہ بے نمازی مسلمان کی پڑھنی چاہیے۔ **لقوله علیه الصّلاة والسّلام: صلّوا علیٰ کلّ بَرّ وفاجر الحدیث**[۱] فقط واللہ اعلم (۳۳۵/۵)

سوال: (۲۷۳۰) بعض دیہات وشہر میں بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھتے، بلکہ اس کو باندھ کر گھسیٹتے ہیں یہ عمل شریعت میں درست ہے یا نہیں؟ (۲۱۳۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے: **صلّو علیٰ کلّ برّ وفاجرٍ**[۱] یعنی ہر یک نیک وبد کے جنازہ کی نماز پڑھو، پس یہ عمل ان لوگوں کا درست نہیں ہے کہ بے نمازی کے جنازہ کو گھسیٹیں اور بلا نماز دفن کریں، ایسا کرنا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۰/۵)

جس کے نکاح میں دو حقیقی بہنیں ہیں وہ مر جائے تو اُس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۳۱) زید نے ہندہ سے نکاح کیا، بعد میں زید نے ہندہ کی بہن حقیقی حفیظن سے بھی نکاح کرلیا، دونوں بہنیں زید کے نکاح میں ہیں، زید حفیظن کو الگ نہیں کرتا، اب مسلمانوں کو اس کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیے اور اگر زید مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے یا نہیں؟
(۷۵۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: زید کا نکاح حفیظن سے نہیں ہوا[۲] زید کو چاہیے کہ حفیظن کو علیحدہ کردے اور توبہ کرے ورنہ سخت عاصی وفاسق رہے گا، اور مسلمانوں کو اس سے متارکت لازم ہے، کھانا پینا اس کے

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ﴾ إلخ ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ۲۳)

ساتھ چھوڑ دیں، اور برادری سے علیحدہ کردیں، البتہ جس وقت توبہ کرلے اور حفیظن کو چھوڑ دے اس وقت اس سے ملیں جلیں، اور اگر زید اس حالت میں مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: صلّوا علٰی کلّ برّ وفاجر الحدیث [1] یعنی ہر ایک نیک وبد کے جنازہ کی نماز پڑھو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۰/۵)

مرتکب کبیرہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے

سوال: (۲۷۳۲) مرتکب کبیرہ اور کفر اگر قبل توبہ کے مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہ؟ اور توبہ کے لیے یہ ضروری ہے یا نہیں کہ کسی پیر کے ہاتھ پر توبہ کی جاوے؟

(۱۳۴۲/۲۸۵۹ھ)

الجواب: مرتکب کبیرہ کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے گی، اور کافر کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے گی اور جس پر حکم کفر کا نہ لگایا جاوے بہ سبب روایت عدم کفر کے تو اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی جاوے گی۔ کما مرّ، صلّوا علی کلّ برّ وفاجر [1] اور جس سے کوئی کلمۂ کفر سرزد ہوا اور پھر اس نے توبہ کرلی اور تجدید اسلام کیا، اگرچہ کسی پیر کے ہاتھ پر نہ ہو وہ مسلمان ہوگیا اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۹/۵)

ڈاکو اور باغی وغیرہ کی نمازِ جنازہ کیوں جائز نہیں؟

سوال: (۲۷۳۳) قطاع الطریق باغی وغیرہ کے جنازہ کی نماز کی کیوں ممانعت ہے؟

(۱۳۴۲/۲۸۵۹ھ)

الجواب: اس سے غرض عبرت اور تنبیہ دوسروں کو کرنی ہے۔ شامی میں ہے: وإنّما لم یغسلوا

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وھي (أي صلاۃ الجنازۃ) فرض علٰی کلّ مسلم مات خلا أربعة بغاۃ وقطّاع طریق إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ) ظفیر

ولم يصلّ عليهم إهانةً لهم وزجرًا لغيرهم عن فعلهم الخ [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۸/۵)

جو شخص شراب خوری یا ڈاکہ زنی یا زنا کی حالت میں مرجاوے اُس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

سوال: (۲۷۳۴)......(الف) مسلمان شراب خوار اگر نشہ کی حالت میں مرجاوے تو کیا اس کا ایمان قائم رہے گا اور اس کی نماز جنازہ جائز ہے؟ [۲]

(ب) مسلمان ڈاکو اگر ڈاکہ زنی کی حالت میں مارا جاوے تو کیا اس کا ایمان قائم رہے گا اور اس کی نماز جنازہ جائز ہے؟

(ج) مسلمان زنا کی حالت میں مرجاوے تو کیا اس کا ایمان قائم رہے گا اور اس کی نماز جنازہ جائز ہے؟ (۱۳۴۲/۲۹۱۷ھ)

الجواب: (الف۔ج) وہ شخص فاسق ہے کافر نہیں ہے، اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے گی۔ لقولہٖ علیه الصّلاة والسّلام: صلّوا علٰی كلّ برّ وفاجر الحديث [۳] فقط (۳۰۹/۵)

وضاحت: شرابی اور زانی کی نمازِ جنازہ تو ضرور پڑھی جائے گی، مگر ڈاکو کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی اگر ڈاکہ زنی کی حالت میں مارا گیا ہے۔ وهي فرض علٰى كلّ مسلم مات خلا أربعة بغاة وقطّاع طريق فلا يغسلوا ولا يصلّى عليهم إذا قتلوا في الحرب ولو بعده صلّي عليهم لأنّه حدّ و قصاصٌ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) محمد امین پالن پوری

تاڑی پینے والے اور سودخور کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۷۳۵)...... (الف) تاڑ کے درخت کے پھل اور رس میں نشہ ہوتا ہے، شراب سے کسی قدر کم نشہ کی چیز یعنی تاڑی وغیرہ کا کھانا پینا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے ہمراہ کھانا پینا

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۰۱/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.
(۲) سوال (الف) کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، اس کا رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲
(۳) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اوراس کے جنازہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟

(ب) سود کا لین دین کیسا ہے؟ اور جو شخص سود لے اس کے جنازہ کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اوراس سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟ (۱۰۵۹/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نشہ کی چیز کا کھانا پینا حرام ہے اوراس کے ساتھ کھانا پینا نہ چاہیے، اور جنازہ کی نماز پڑھیں (۱)

(ب) جنازہ کی نماز کا وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، باقی سود لینا دینا حرام ہے، اور ایسے شخص سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۴/۵)

ولد الزنا کے کان میں اذان کہنا مستحب ہے اوراس کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض ہے

سوال: (۲۷۳۶) ولد الزنا کے کان میں اذان دینی اوراس کے جنازہ کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہ؟ (۴۶۷/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: کان میں اذان کہنا مستحب ہے (۲) اوراس کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض ہے حدیث شریف میں ہے: **صلّوا علی کلّ برّ وفاجر الحدیث** (۳) پس ولد الزنا کے جنازہ کی نماز پڑھنا چاہیے۔ **کذا في کتب الفقه** (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۲/۵)

سوال: (۲۷۳۷) ولد الزنا پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۸۹/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: پڑھنی چاہیے (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۹/۵)

---

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب کی وضاحت میں ملاحظہ فرمائیں ۔۱۲

(۲) **لا یسنّ لغیرها (الدّرّ المختار) أي من الصّلوات وإلاّ فیندب للمولود. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۶/۲، کتاب الصّلاة، باب الأذان، مطلب في المواضع الّتي یندب لها الأذان فی غیر الصّلاة)** ظفیر

(۳) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) **وهي (أي صلاة الجنازة) فرض علی کلّ مسلم مات خلا أربعة بغاة وقطّاع طریق إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)** ظفیر

مسلمان زانیہ کا بچہ جو ہندو سے ہو اُس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۷۳۸) مسلمان عورت زانیہ ہندو کے پاس ہے، اس عورت سے جو اولاد ہو اور مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا چاہیے یا نہ؟ (۵۱۰/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: پڑھنی چاہیے۔ **لکون الأولاد مسلمین تبعًا لأمّهم.** فقط (۳۳۳/۵)

مسلمان رنڈیوں کی بھی نمازِ جنازہ ضروری ہے

سوال: (۲۷۳۹) نمازِ جنازہ رنڈیوں اور میراثیوں (گویوں) کی جائز ہے یا نہیں؟ اور ضروری ہے یا غیر ضروری؟ (۲۴۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ ان لوگوں کی بھی ضروری ہے۔ **لقوله علیه السّلام : صلّوا علیٰ کلّ برّ وفاجر الحدیث** [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۲/۵-۲۹۳)

سوال: (۲۷۴۰) ایک مولوی صاحب نے ایک رنڈی کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور کچھ نذرانہ بھی ملا، چند روز بعد مولوی صاحب نے نماز جمعہ کے قبل اپنے اس فعل کی تائید میں بطور وعظ کے فرمایا کہ مجھ کو اس کا علم نہ تھا کہ یہ عورت کون ہے؟ اور جو پیسہ مجھ کو معاوضہ میں ملا اس کو ایسے ہی کام میں صرف کردوں گا؛ مثلاً پاخانہ اٹھانے والی بھنگن کو دے دوں گا، اور ہم تیراک ہیں تیرنے کے ذریعہ سے غرق آب ہونے سے بچ سکتے ہیں جاہل نہیں بچ سکتا، صورتِ مسئولہ میں شرعًا کیا حکم ہے؟

(۱۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مسلمان رنڈی کے جنازہ کی نماز شرعًا پڑھنی ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: **صلّوا علی کلّ بَرٍ وفاجر الحدیث** [1] یعنی ہر ایک نیک وبدکار کے جنازہ کی نماز پڑھو، اور جو پیسہ ان مولوی صاحب کو ملا اگر وہ حرام آمدنی کا تھا تو وہ کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، یہ کہنا

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ان کا غلط ہے کہ حرام آمدنی کو حاصل کر کے پاخانہ وغیرہ اٹھانے میں صرف کر دیا جاوے گا، کیونکہ خواہ کھانے میں صرف کرے، یا کپڑے میں یا حجام کی اجرت میں دے، یا بھنگی کی اجرت وغیرہ میں دے؛ سب برابر اور سب ناجائز ہیں، اور حرام آمدنی والے کو یہ حیلہ بے شک بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ قرض کے طریق سے اشیاء خریدے یا کسی سے روپیہ پیسہ قرض لے کر اشیاء خریدے تو یہ کھانا ان بعض کے نزدیک درست ہے، پھر اس قرض کو خواہ اپنی آمدنی حرام سے ادا کرے یا حلال سے وہ پہلا کھانا حلال ہے، بعض کا قول ہے اور بعض مطلقاً حرام فرماتے ہیں، اور ان مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ ہم تیراک ہیں یعنی ہم کو حرام پیسہ مضر نہیں ہے غلط ہے اور بیہودہ خیال ہے[۱] فقط واللہ اعلم (۳۳۲/۵)

یہ کہنا کہ ''میری نمازِ جنازہ نہ پڑھنا'' کفر نہیں ہے
اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۴۱) ایک شخص فوت ہوا اس نے اپنی حیات میں یہ الفاظ کہے تھے کہ میرے جنازہ پر کوئی نماز نہ پڑھے ورنہ آخرت میں دامن گیر ہوں گا، اس پر بعض نے قسم کھائی تھی کہ ہم نماز نہ پڑھیں گے، چنانچہ اکثروں نے نماز سے انکار کیا، بایں خیال کہ یہ الفاظِ کفر ہیں، مگر احقر نے میت کے قول کو جہالت پر محمول کر کے نماز پڑھی اور قسم والوں کو کفارہ یمین بتادیا یہ درست ہے یا نہیں؟ (۲۰۵۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے تھی اور یہ قول اس کا کفر نہ تھا، لہٰذا جن لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی یہ درست ہوا، اور اگر قسم کھانے والوں میں سے کسی نے نمازِ جنازہ اس کی پڑھی تو ان پر کفارۂ یمین واجب ہونا آپ نے صحیح بتلایا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۱/۵)

(۱) لو رأى المَكّاسَ مثلاً يأخذ من أحد شيئًا من المكس ثمّ يعطيه آخر ثمّ يأخذه من ذٰلك الآخر آخر فهو حرام. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۲۲۳/۷، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدّد) ظفیر

جس کے بیٹے نے اپنی رضاعی بہن سے نکاح کیا ہے اس کی نمازِ جنازہ درست ہے

سوال: (۲۷۴۲) ایک مسلمان فوت ہوا، بعض اشخاص نے اس کو کافر کہہ کر نمازِ جنازہ ترک کردی، اور جنھوں نے پڑھی ان کو ملامت کی اور کافر کہا، اس وجہ سے کہ متوفی کا میل جول اپنے بیٹے سے تھا اور بیٹا کافر تھا؛ اس لیے کہ اس کے بیٹے نے جس عورت سے نکاح کیا اس نے اس کی والدہ کا دودھ پیا تھا، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ (۱۴۳۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں بیٹے پر حکم کفر کا نہ ہوگا اور باپ فوت شدہ پر بھی حکم کفر نہ ہوگا، لہٰذا نماز جنازہ اس کی پڑھنی واجب وفرض ہے۔ **لقوله علیه الصّلاة والسّلام: صلّوا علی کلّ برّ وفاجر الحدیث** [1] پس جن لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی انہوں نے موافق حکم شریعت کے عمل کیا، اور جن لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی اور پڑھنے والوں کو ملامت کی وہ غلطی پر ہیں اور عاصی ہیں ان کو توبہ کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۲۹۷-۲۹۸)

جو مسلمان مردہ جانور کی کھال نکالتے ہیں اور دباغت کے بعد فروخت کرتے ہیں اُن کی نمازِ جنازہ فرض ہے اور اُن کو مسجد میں آنے سے روکنا حرام ہے

سوال: (۲۷۴۳) جو لوگ دائی کا پیشہ کرتے ہیں اور یہ کام بھی کرتے ہیں کہ بیل وغیرہ جو مرجاتے ہیں وہ لوگ اس کی کھال نکال کر دباغت کرکے فروخت کرتے ہیں، یہ قوم بہت رذیل سمجھی جاتی ہے، لہٰذا اس قوم کو کھانے پینے اور جمعہ وعیدین میں شریک نہیں کرتے؛ اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ایسی قوم کی نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ نہ پڑھنے والوں پر کیا حکم ہے؟ (اگر کسی عالم نے نمازِ جنازہ ایسی قوم کی پڑھی تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟) [2] اور جو لوگ اس عالم پر

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

طعن وتشنیع اورسبّ وشتم کرتے ہیں اور برا کہتے ہیں وہ کیسے ہیں؟(۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ان لوگوں کو جب کہ وہ مسلمان ہیں، جمعہ وجماعت سے اور مسجد میں آنے سے منع نہ کرنا چاہیے، ورنہ مانعین مصداق وعید﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا﴾(سورۂ بقرہ، آیت:۱۱۴) کے ہوں گے، اور نماز جنازہ ان کی میت کی پڑھنی لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے: **صلّوا علٰی کلّ برّ وفاجر الحدیث** [1] **رواہ الدّار قطني، وفي الدّرّ المختار: وهي فرض علٰی کلّ مسلم مات خلا أربعة بغاة وقطّاع طریق إلخ** [2] پس ظاہر ہے کہ مسلمانان مذکورین نہ بغاۃ ہیں نہ قطاع طریق وغیرہ ہیں، لہٰذا ان کے جنازہ کی نماز بہ قول فقہاء فرض ہوئی، اور جس عالم نے اس فرض کو ادا کیا وہ مثاب وماجور ہے، اس کو برا کہنا اورسب وشتم کرنا فسق ومعصیت ہے۔ **کما ورد: سباب المسلم فسوق** [3] پس طاعنین فاسق وعاصی ہیں توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۳۱-۳۳۲)

جو جاہل مسلمان ہنود کے تہوار میں شریک ہوتے ہیں اور شرکیہ اعمال کرتے ہیں اُن کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۴۴) ملک نماڑ میں اکثر قوم مسلمانان بنجارہ اور نداف (روئی دھنکنے والے) ہیں یہ قوم عیدین کی نماز میں شامل ہوا کرتی ہیں، مگر ہولی، دیوالی، دسہرا اور جس قدر ہنود کے تہوار ہیں، ان میں بہ شوق ورغبت شامل رہتے ہیں، اور بتوں کی پوجا وپرستش ہمیشہ کیا کرتے ہیں، اور ہنود کا

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۰۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.**

(۳) **عن عبداللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه أنّ النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال: سباب المسلم فسوق الحدیث. (صحیح البخاري: ۱/۱۲، کتاب الإیمان – باب خوف المؤمن أن یحبط عمله و هو لایشعر وفیه أیضًا: ۲/۸۹۳، کتاب الأدب – باب ما ینهی عن السّباب واللّعن، وفیه أیضًا: ۲/۱۰۴۷-۱۰۴۸، کتاب الفتن – باب قول النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم لاترجعوا بعدي کفّارًا)**

لباس پہنتے ہیں، اور فخر کرتے ہیں کہ ہم لوگ بالکل ہندوؤں میں چھپتے ہیں، یہ اقوام روزہ، نماز وکلمہ کلام سے بالکل بے بہرہ ہیں، شادی بیاہ ہنود کے مشابہ کرتے ہیں؛ آیا ان کا نکاح اور نمازِ جنازہ پڑھنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۸۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسے جاہل لوگوں کو بہ تدریج اور رفتہ رفتہ کلمہ اسلام کا اور احکام اسلام کے بتلانا اور سکھانا چاہیے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (سورۂ نحل، آیت: ۱۲۵) اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کے راستہ اور دین کی طرف حکمت کے ساتھ اور نصیحت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلانا چاہیے، اور طریق حسن کے ساتھ ان کو سمجھانا اور منوانا چاہیے، اور رسوم کفریہ اور شرکیہ کو ان سے چھڑوانا چاہیے، اور نماز جنازہ ان کی پڑھنی چاہیے، اور نکاح پڑھنا چاہیے، اور نکاح سے پہلے ان سے کفر وشرک ومعاصی سے توبہ کرالینی چاہیے، اسی طرح ہمیشہ ان سے توبہ کرانی چاہیے، اور ان میں سے جو مریض ہوں اس سے بالخصوص مرض الموت میں توبہ کرالینی چاہیے؛ تاکہ اس کی جنازہ کی نماز میں شبہ نہ رہے۔ فقط (۳۳۶/۵-۳۳۷)

سوال: (۲۷۴۵) مسلمانان جہال ایں دیار کہ در رسوم کفار مبتلاء اند، وعادات و رسوم کفار دارند، مگر کلمہ گو ہستند، وخود را مسلمان می گویند کافر اند یا نہ؟ ونماز جنازہ شاں ادا کردہ شود یا نہ؟ (۱) (۱۳۱۷/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: مسلمانان جہال را کہ در رسوم کفار مبتلاء اند وعادات و رسوم کفار دارند مگر کلمہ گو ہستند، وخود را مسلمان می گویند کافر نباید گفت ونماز جنازہ شاں ادا باید کرد واصلاح ایشاں باید کرد۔ (۳۵۴/۵)

ترجمہ سوال: (۲۷۴۵) اس علاقے کے جاہل مسلمان جو کافرانہ رسموں میں مبتلا ہیں، اور کفار کی عادات اور رسوم رکھتے ہیں مگر کلمہ گو ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں، کافر ہیں یا نہ؟ اور ان کی نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی یا نہ؟

الجواب: جاہل مسلمانوں کو جو کافرانہ رسموں میں مبتلا ہیں اور کفار کی عادات ورسوم رکھتے ہیں مگر کلمہ گو ہیں اور خود کو مسلمان کہتے ہیں کافر نہیں کہنا چاہیے اور ان کی نماز جنازہ ادا کرنی چاہیے اور ان کی اصلاح کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۱) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی میں نہیں ہے۔ ۱۲

مسلمان بھنگی کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے اور اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کرنا چاہیے

سوال: (۲۷۴۶) کلمہ گو حلال خور (بھنگی) کو مسجد میں نماز کے لیے آنے دینا چاہیے یا نہیں؟ اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور جنازہ میں شریک ہونا اور اپنے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور ان کو دعوت دینا اور ان کے یہاں دعوت کھانا اور اگر وہ لوگ صاف ستھرے ہیں تو ان کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھلا کر کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۱۸۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس کو مسجد میں آنے سے روکنا نہ چاہیے، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، اور شریک جنازہ ہونا اور کرنا چاہیے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے اور ان کی دعوت قبول کرنا اور کھانا درست ہے، اور ان کو اپنے گھر کھلانا اور ان کی دعوت کرنا جائز ہے، اور جب کہ ہاتھ ان کے پاک وصاف ہوں تو اپنے ساتھ دستر خوان پر ان کو کھانا کھلانا جائز ہے اور یہ جملہ امور فقہ وحدیث سے ثابت ہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۷-۳۹۸)

چوہڑوں کی نمازِ جنازہ درست نہیں

سوال: (۲۷۴۷) چوہڑوں (چمار) کا نکاح اور جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۰۸۰/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) وعن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال : صلّوا خلف كلّ برّ و فاجر وصلّوا على كلّ برّ وفاجر، وجاهدوا مع كل برّ وفاجر. (سنن الدّار قطني: ۱/۱۸۵ كتاب الصّلاة ، باب صفة من تجوز الصّلاة معه والصّلاة عليه ، المطبوعة : المطبع الأنصاري الواقع في الدّهلي)

وهي فرض على كلّ مسلم مات خلا أربعة: بغاة وقطّاع طريق إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۰۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) ظفير

الجواب: نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم[2] (۳۴۵/۵)

جو مسلمان عورت کافر سے نکاح کرکے پوجا پاٹ کرتی رہی اس کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۴۸) ایک مسلمان عورت کسی کافر کے ساتھ کفر کے رسم و رواج کے موافق نکاح کر کے رہی اور اس کافر کے ساتھ ان کے بت خانہ میں جا کر مذہبی رسوم پوجا پاٹ وغیرہ بھی ادا کرتی رہی، ایسی عورت کے مرنے پر نماز جنازہ پڑھنا اور اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۷۶۰ھ)

الجواب: چونکہ تکفیر مسلم میں احتیاط تام لازم ہے اور حتی الوسع کسی مسلمان کی تکفیر نہ کرنی چاہیے، نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ تکفیر کی ہوں اور صرف ایک وجہ اور وہ بھی ضعیف اسلام کی ہو تو اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہیے، اور اہل اسلام کا معاملہ اس کے ساتھ کرنا چاہیے، اگرچہ عنداللہ وہ کافر ہو مگر ہم کو اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں کا سا کرنا لازم ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: **روى الطّحاوي عن أصحابنا: لا يخرج الرّجل من الإيمان إلاّ جحود ما أدخله فيه ثمّ ما تيقّن أنه رِدَّةٌ يحكم بها، وما يشك أنّه ردّةٌ لا يحكم بها، إذ الإسلام الثّابت لا يزول بالشّكّ مع أنّ الإسلام يعلو، وينبغي للعالم إذا رفع إليه هذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنّه يقضي بصحّة إسلام المكره إلخ، وفي الفتاوى الصّغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرًا متى وجدت روايةً أنّه لا يكفر أهـ. وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسئلة وجوه توجب التّكفير و وجهٌ واحدٌ يمنعه**

---

(۱) **والصّلاة عليه .... فرض كفاية إلخ و شرطها ستّة: إسلام الميّت وطهارته. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۹۶-۹۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة)** ظفیر

(۲) جواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے۔ ۱۲

فعلی المفتي أن یمیل إلی الوجه الّذي یمنع التّکفیر إلخ[1] ومثل هذه الرّوایات کثیرة .

اس لیے جب تک اس عورت کا مرتد ہونا بہ یقین معلوم نہ ہو اور وہ اپنے کو مسلمان ہی کہتی رہی ہو تو اس کے مرنے پر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، اور اس کو مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: صلّوا علیٰ کلّ بَرّ وفاجر الحدیث[2] قال في شرح المنیة: رواه الدّار قطني: وأعلّه بأنّ مکحولاً لم یسمع من أبي هریرة ومن دونه ثقات، وحاصله أنّه مرسل وهو حجّة عندنا وعند مالك وجمهور الفقهاء[3] (ص:۴۷۹) فقط (۵/۳۳۰-۳۳۱)

سوال: (۲۷۴۹) ایک عورت محض نام کی مسلمان ایک اہل ہنود کی بیوی بن کر رہی، اور کئی سال تک اس سے ہم بستر رہی، اور شراب وکباب وکفر وشرک میں جیسا کہ اہل ہنود کے یہاں رسم ہے مبتلا رہی، اسی عرصہ میں اس کا انتقال ہوگیا، کسی مسلمان نے اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائی، ایک میاں جی جو کہ قاضی بھی کہلاتا ہے طمع نفسیانیت سے اس کی نمازِ جنازہ پڑھادی ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۰۱۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: زنا کاری کافر ومسلمان سے گناہ کبیرہ ہے، اسی طرح شراب خواری حرام قطعی ہے، مرتکب ان افعال کا فاسق ہے کافر نہیں ہے، اور اگر عبادت کرنا اور پوجنا بتوں کو اور پرستش غیر اللہ کی اس کی ثابت ہوجاوے تو پھر اس کے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیے تھی[4] یہ اس میاں جی

(۱) ردّ المحتار: ۶/۲۷۱، کتاب الجهاد، باب المرتد، مطلب: مایشكّ أنّه لا یحکم بها .

(۲) عن أبي هریرة رضي الله عنه أن رسول الله صلّی الله علیه وسلّم قال: صلّوا خلف کلّ برّ و فاجر وصلّوا علیٰ کلّ برّ وفاجر، وجاهدوا مع کل برّ وفاجر. (سنن الدّار قطني: ۱/۱۸۵ کتاب الصّلاة، باب صفة من تجوز الصّلاة معه والصّلاة علیه، المطبوعة: المطبع الأنصاري الواقع في الدّهلي)

(۳) غنیة المستملي، ص:۴۴۲، فصل في الإمامة .

(۴) وشرطها ستّة: إسلام المیّت وطهارته. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۹۷، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة) ظفیر

سے غلطی ہوئی اور خطا ہوئی توبہ کرے؛ لیکن وہ کافر نہیں ہوا، لہٰذا نکاح اس کا فسخ نہیں ہوا، اور اگر پوجنا بتوں کا اس عورت مسلمہ کا ثابت نہیں ہے، محض قیاس اور گمان سے ایسا کہا گیا ہے تو پھر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے تھی۔ لقولہٖ علیه الصّلاة والسّلام: صلّوا علی کلّ بَرّ و فاجر الحدیث[1] یعنی ہر ایک نیک و بد کے جنازہ کی نماز پڑھو[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۹-۳۴۸/۵)

شبہ کی وجہ سے نومسلمہ کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۵۰) ایک بھنگن مسلمان ہوئی، عرصے کے بعد پھر وہ اپنے اصلی مذہب میں چلی گئی، پھر مسلمان ہوئی، علی ہذا تین مرتبہ اس نے ایسا کیا، پھر مسلمان ہوکر بھی اس نے بہ جز و شراب خوری و زنا کے کوئی کام موافق شریعت کے نہیں کیا، بلکہ اپنے بھائی کی بیماری میں ایک بکرا ماتا رانی پر چڑھایا اور سجدہ بھی اس کو کیا، وہ عورت چند یوم بیمار رہ کر مرگئی، اہل محلّہ نے مجھ سے نماز جنازہ کے لیے کہا، میں نے انکار کردیا اور نماز جنازہ نہیں پڑھی اس صورت میں کیا حکم ہے؟ (۶۹۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: حدیث شریف میں حکم ہے: صلّوا علی کلّ برّ وفاجر الحدیث[1] یعنی ہر ایک نیک و بد کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے؛ اس لیے اس نومسلمہ عورت کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھنی چاہیے تھی، اگرچہ وہ فاسقہ فاجرہ ہو، پس اگر اس کے جنازہ کی نماز بعض مسلمانوں نے ادا کرلی تھی تو خیر ورنہ سب گنہ گار ہوئے توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۸/۵-۲۹۹)

خفیہ طور پر مسلمان ہونے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۵۱) ایک شخص قوم ہندو خفیہ طور پر مسلمان ہے، نماز وغیرہ احکام شرع ادا کرتا ہے

---

(۱) قد مرّ تخریجه سابقًا .

(۲) وهي فرض علی کلّ مسلم مات خلا أربعة: بغاة وقطّاع طریق إلخ .(الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟) ظفیر

لیکن ظاہر حال میں وہ ہندو ہے، اور اپنے والدین اہل ہنود کے گھر میں رہتا ہے، اور کھاتا پیتا ہے؛ لیکن بہ وجہ شادی یا تقسیم جائداد یا کسی اور وجہ سے وہ ظاہراً مسلمان نہیں ہوا، کیا وہ مسلمان کہلائے جانے کا مستحق ہے، اور اس کا جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۶/۷۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: جب کہ اس نے کلمہ توحید پڑھ لیا، اور احکام اسلام کو قبول کرلیا مسلمان ہوگیا، عنداللہ وہ مسلمان ہے اس کو مسلمان ہی سمجھنا چاہیے[1] (اور نمازِ اس کی پڑھنی چاہیے۔ظفیر) فقط (۳۶۱/۵)

غیر مسلم کے نابالغ بچہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۷۵۲) ہنود کے نابالغ بچی کی میت پر نماز جنازہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہ؟ (۴۱۰/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نہیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۴/۵)

مسلمان کے لیے نہ کافرہ کے بچہ کو خریدنا درست ہے نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۷۵۳) ایک عورت کافرہ نے اپنے چار ماہ کے بچے کو بہ عوض مبلغ دس روپے کے ایک مسلمان کے ہاتھ بیع کیا، چودہ روز بعد بچہ مرگیا، مسلمان موصوف نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، اس صورت میں نماز پڑھنے پڑھانے والے پر حکم شرعی کیا ہے؟ اور بیع انسان کی ہندوستان میں جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۳۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) والإیمان هو الإقرار أي بلسانه بالتّحقیق والتّصدیق أي بالجنان. (شرح فقه أکبر، ص:۱۴۱ بحث في أنّ الإیمان هو التّصدیق والإقرار، مطبوعة: دار الإیمان، سهارنپور) ظفیر

(۲) وشرطها (أي لصلاة الجنازة) ستّة: إسلام المیّت إلخ کصبيّ سبي مع أحد أبویه لا یصلّی علیه لأنّه تبع له أي في أحکام الدّنیا لا العقبیٰ لما مرّ أنّهم خدم أهل الجنّة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۹۷، و۱۲۲-۱۲۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

الجواب: اس صورت میں اس بچہ کے جنازہ کی نماز درست نہ تھی، جب کہ اس کے والدین کافر تھے، البتہ اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک بھی مسلمان ہوجاتا تو اس کے جنازہ کی نماز واجب تھی، اورخریدنا اس بچہ کا صحیح نہیں ہوا، یہ فعل اس مسلمان کا بہ وجہ جہالت کے خلاف شرع واقع ہوا، آئندہ ایسا نہ کرے اوراس فعل سے جوگناہ ہوااس سےتوبہ کرے۔قال في الدرّ المختار: کصبيّ سبي مع أحد أبويه لا یصلّی علیه إلخ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۲/۵)

کافر کا بچہ جومسلمان کے پاس پلتا تھاوہ مرگیا تواس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی

سوال: (۲۷۵۴) ایک بچہ جس کے ماں باپ کافر تھے،ایک مسلمان کے پاس پلتا تھامسلمان چونکہ لاولد تھا اس بچہ کو متبنّٰی کرلیا، بچے کے ماں باپ کافر بہ وجہ افلاس وعدم استطاعت پرورش مسلمان سے کچھ نذرانہ لے کر بچہ کواس کے حوالے کرکے کہیں چلے گئے، اور بچہ صغیرالسن اور بالکل بےشعور تھا، چندروز بعدمرگیا، اس لڑکے پرنماز پڑھی جائے گی، اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیاجائے گایانہیں؟ (۱۶۲۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: قاعدہ فقھیه کے موافق تو وہ بچہ کافر سمجھا جاوے گا، اس لیے کہ بچہ کومسلمان سمجھنے کے لیے یا اسلام احدالابوین کا شرط ہے یا تبعیتِ دار، یا خود اس بچہ کا بہ حالت شعور وتمیز اسلام لانا، اور جب کہ ان وجوہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے تو حسبِ قواعد فقھیه وہ بچہ مسلمان نہ سمجھا جاوے گا۔ (نہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی نہ اُس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔محمد امین) کذا في الدرّ المختار [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۹/۵-۴۷۰)

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۲/۳-۱۲۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۲) کصبي سبي مع أحد أبويه لا يصلّى عليه لأنّه تبع له أي في أحكام الدّنيا إلخ ولو سبي بدونه فهو مسلم تبعًا للدّار أو للسّبيّ أو به فأسلم هو، أو أسلم الصّبيّ وهو عاقل أي ابن سبع سنين صلّى عليه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۲/۳-۱۲۴، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب: في حمل الميّت) ظفیر

مشرک ومرتد کے بچوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یانہیں؟

سوال:(۲۷۵۵)......(الف) بچہ مشرک کا ہے جوقبل بلوغ مرگیا۔

(ب) دوسرا وہ بچہ ہے کہ زیداس کا قریبی یا بعیدی رشتہ دار ہے مگراس بچہ کے والدین بچہ پیدا ہونے کے بعد مرتد ہوگئے۔

(ج) تیسرا وہ بچہ ہے کہ بعد پیدا ہونے کے حالت اسلام میں والدین میں سے ایک فوت ہوگیا اور ایک مرتد ہوگیا، اب یہ بچہ کس کے تابع رہے گا؟ اور یہ تینوں بہ سبب پرورش زید کے کلمہ طیبہ بہ خوبی پڑھ سکتے ہیں، مگر اتنی عقل اور تمیز نہیں کہ اسلام کی شرطیں سمجھ سکیں، اور اگر یہ تینوں بچے قبل بلوغ فوت ہوجاویں تو تجہیز وتکفین مثل مسلمانوں کے کریں گے یانہیں؟ اور سب کا حکم برابر ہے یا باہم کچھ فرق ہے؟ (۲۱/۴۶۱-۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف-ج) نابالغ بچہ کفر واسلام میں تابع اپنے والدین کے ہوتا ہے۔ کما في الشّامي : قوله : (لتبعيته لأبويه) أي في الإسلام والرّدّة [1] (الشّامي) اور اگر ان میں سے یعنی والدین میں سے کوئی مسلمان ہوتو بچہ اس کے تابع ہوکر مسلمان سمجھا جاوے گا۔ کما في الدّرّ المختار : والولد يتّبع خير الأبوين دينًا إلخ [2] اور بچہ کافر کا اگر ممیّز یعنی سات برس کا ہوجاوے تو اس کا اسلام لانا صحیح اور معتبر ہے۔ کما في الدّرّ المختار : أو أسلم الصّبيّ وهو عاقل أي ابن سبع سنين صُلّي عليه [3] وفيه أيضًا: والعاقل المميّز وهو ابن سبع إلخ [4] (الدّرّ المختار)

(۱) ردّ المحتار: ۳۱۰/۶، كتاب الجهاد، باب المرتدّ، قبيل مطلب في ردّة الصّبيّ وإسلامه.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۶/۴، كتاب النّكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الولد يتّبع خير الأبوين .

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب: في حمل الميّت .

(۴) الدّرّ المختار مع الرّدّ : ۳۱۱/۶، كتاب الجهاد، باب المرتدّ، قبيل مطلب في ردّة الصّبيّ وإسلامه .

پس پہلا بچہ جو کہ مشرک کا ہے وہ اگر سات برس کا ہو کر کلمۂ اسلام پڑھ کر مرا ہے تو اس کو مسلمان سمجھا جاوے اور تجہیز و تکفین اس کی مثل مسلمانوں کے کی جاوے، اور دوسرا بچہ بہ وجہ مرتد ہو جانے والدین کے ارتداد میں ان کے تابع ہوا، لیکن اگر سات برس کا ہو کر وہ کلمۂ اسلام پڑھ لیوے تو مسلمان ہو جاوے گا، اور اس حالت میں مرنے سے اس کی تجہیز و تکفین مثل مسلمانوں کے ہوگی، اور نمازِ جنازہ پڑھی جاوے گی، اور تیسرا بچہ خیر الابوین یعنی مسلمان کے تابع ہو کر مسلمان سمجھا جاوے گا اور مثل مسلمانوں کے اس کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۳۷-۳۳۸)

جو بچہ چند منٹ زندہ رہ کر مر گیا اس کی نمازِ جنازہ اور کفن ضروری ہے

سوال: (۲۷۵۶) ایک عورت کو صرف چھ ماہ کے بعد بچہ پیدا ہوا، یہ بچہ بہ وقت پیدائش زندہ تھا پیدائش کے بعد کچھ حرکت کرنے اور دو ایک مرتبہ رونے کی آواز کرنے کے بعد صرف چند منٹ زندہ رہ کر مر گیا، بچہ کے والدین نے اس کو چمارن سے ایک برتن میں رکھوا کر بلا کفن و غسل کے دفن کرا دیا، آیا ایسے بچے کو غسل و کفن دینا اور نماز جنازہ کی پڑھ کر دفن کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس کے والدین کے لیے کیا حکم ہے؟ (۸/ ۷۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس بچے کو غسل و کفن دینا اور اس پر نماز پڑھنا ضروری تھا[۱] اس کے والدین سے یہ غلطی ہوئی اب اس کا کفارہ توبہ کرنا اور استغفار کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۶۲)

مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۵۷) اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو کفن و دفن کیا جاوے، اور نام رکھا جاوے یا نہیں؟ (۴۲۳/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

---

(۱) ومن استهل بعد الولادة سمّي وغسل وصُلّي عليه. (الهداية: ۱/ ۱۸۱، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، فصل في الصّلاة على الميّت) ظفیر

الجواب: مرا ہوا بچہ پیدا ہوتو نام رکھا جاوے اور غسل دیا جاوے۔(اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کیا جائے اور نمازِ جنازہ نہ پڑھی جائے۔محمد امین پالن پوری) و إلاّ یستھل غسل وسمّي عند الثّاني وھو الأصحّ إلخ ، (وأدرج في خرقة و دفن و لم یصل علیه)(۱) (الدّرّ المختار)فقط واللہ اعلم(۵/۳۱۵)

بغیر نماز کے مردہ کو دفن کر دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال:(۲۷۵۸)ایک شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی،ایک روز زندہ رہ کر مرگئی،لاعلمی کی وجہ سے بلا جنازہ دفن کی گئی،چوتھے یا پانچوے روز علم ہونے پر جنازہ پڑھا گیا،بستی کے لوگوں نے عداوت سے اس کو علیحدہ کر دیا،اور اسے تنگ کرتے ہیں اس بارے میں کیا حکم ہے؟(۱۰۳۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ جو بچہ زندہ پیدا ہوا اور بعد میں مرے،اس کو غسل دے کر اس کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے(۲) اور یہ بھی درمختار میں ہے کہ اگر بغیر نماز کے مردہ کو دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھنی چاہیے کہ میت کے پھٹنے اور گلنے کا گمان نہ ہو اور اس کا اندازہ ہر ایک زمین کی حالت پر ہوسکتا ہے،اور بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ تین دن تک اس کی قبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں،اور بعض نے کہا کہ دس دن تک(۳) بہر حال یہ جو کچھ کہا گیا کہ اس کی قبر پر جنازہ پڑھا

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار:۱۲۲/۳،کتاب الصّلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ .

(۲) ومن ولد فمات یغسل ویصلّی علیه ...... إن استھلّ ...... أي وجد منه ما یدلّ علیٰ حیاتہٖ بعد خروج أکثرہ إلخ وإلاّ ...... غسل وسمّي إلخ وأدرج في خرقة و دفن ولم یصلّ علیه (الدّرّ المختار مع ردّالمحتار: ۱۲۰/۳-۱۲۲، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب مھم: إذا قال:إن شتمتُ فلانًا في المسجد یتوقّف علی کون الشّاتم فیه ، وفي إن قتلتُه بالعکس)

(۳) وإن دفن وأھیل علیه التّراب بغیر صلاۃ أو بھا بلا غسل إلخ صلّي علیٰ قبرہٖ استحسانًا ما لم یغلب علی الظّنّ تفسّخه من غیر تقدیرٍ ھو الأصحّ (الدّرّ المختار) لأنّه یختلف باختلاف الأوقات حرًّا و بردًا، والمیّت سمنًا وھزالاً، والأمکنة ، بحر، وقیل: یقدر بثلاثة أیّام، وقیل : عشرۃ ، وقیل: شھر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۷/۳، کتاب الصّلاۃ ، باب صلاۃ الجنازۃ ، مطلب: تعظیم أولی الأمر واجب)

یہ حکم شرعی ہے، اس کی وجہ سے نماز پڑھنے والوں کو مطعون کرنا اور تنگ کرنا اور ان سے مقاطعت اور متارکت کرنا حرام اور ناجائز ہے، اور ایسا کرنے والے عاصی وفاسق ہیں۔ فقط (۲۹۵/۵)

سوال: (۲۷۵۹) ایک شخص کے گھر میں لڑکا زندہ پیدا ہوا جو ۳، ۴ گھنٹے بعد فوت ہو گیا، انہوں نے اس کو بلا ادائے نمازِ جنازہ دفن کر دیا غسل بھی نہیں دیا، اس صورت میں نمازِ جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اور ان لوگوں کے لیے کیا جرم اور کیا سزا ہے؟ (۲۳۴۰/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جو بچہ زندہ پیدا ہوا اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض ہے[1] بدون نماز کے دفن کر دینے سے وہ لوگ جن کو اطلاع ہوئی گنہ گار ہوئے، اور حکم ایسے جنازہ کی نماز کا جو بلا نماز کے دفن کر دیا گیا یہ ہے کہ اس کی قبر پر نماز پڑھی جاوے جب تک کہ گمان اس کے پھٹنے اور گلنے کا نہ ہو، اس کی تحدید بعض علماء نے تین دن فرمائی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ کچھ مدت مقرر نہیں ہے جب تک کہ پھٹنے کا گمان نہ ہو اس وقت تک نماز پڑھنا فرض ہے[1] پس اب جب کہ وہ مدت بھی گذر گئی تو ان لوگوں پر گناہ رہا، اس کا کفارہ یہ ہے کہ توبہ اور استغفار کریں، اور آئندہ ایسا نہ کریں بس یہی کافی ہے، اس سے زیادہ کچھ تشدد ان لوگوں پر نہ کیا جاوے کیونکہ بہ وجہ جہل کے ایسا ہوا۔ فقط (۲۸۷/۵-۲۸۸)

اگر معلوم نہ ہو کہ بچہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۶۰) ...... (الف) ایک بچہ پورے ایام کا پیدا ہوا نہ معلوم وہ زندہ پیدا ہوا یا مردہ اس کی نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟

(ب) ایک عورت حاملہ کو پورے ایام ہونے کے بعد دردزہ ہو کر بچہ پیدا ہوا نہ معلوم وہ زندہ یا مردہ ہوا؟ اندازاً صرف چار پانچ انگل لانبا ہوگا، ناک، کان، آنکھ، ہاتھ، پیر، ناخن وغیرہ وغیرہ کل جسم انسانی تھا، آنکھیں بند تھیں، اس کو بھنگن سے پھنکوا دیا، کیا ایسے بچے کی نماز اور کفن شرعی ہوتا اور باقاعدہ قبر میں دفن ہوتا یا کیا؟ (۹۵۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) اگر کوئی علامت زندہ پیدا ہونے کی معلوم ہوئی تو نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں[1]

(ب) اگر ایسا بچہ مردہ پیدا ہو تو نماز اس کی نہ پڑھی جاوے لیکن کفن ودفن کرنا چاہیے پھنکوانا نہ چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۹/۵)

---

(۱) حوالے سابقہ جواب کے حاشیہ میں مذکور ہیں۔ ۱۲

جس نے ایک ماہ کے بچے کو غسل اور نماز کے بغیر دفن کر دیا اس کے لیے کیا سزا ہے؟

سوال: (۲۷۶۱) ایک شخص نے اپنا ایک ماہ کا لڑکا بدون غسل وبدون نماز جنازہ دفن کر دیا، بعدہ دوسرے شخص نے بھی اسی طرح اپنے لڑکے کو دبا دیا، ایسا کرنے والوں کے لیے کیا سزا ہے؟

(۵۶۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شرعی حکم یہ ہے کہ ایسے بچوں کو غسل دینا اور نماز جنازہ پڑھنا ضروری ہے جن لوگوں نے ایسا کیا ان کو آئندہ تاکید اور تنبیہ کی جاوے کہ پھر ایسا نہ کریں اور جو کچھ پہلے کیا اس سے توبہ کریں اور کوئی سزا ان کے لیے مقرر نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۲۷)

جس میّت کو غسل اور نماز کے بغیر دفن کر دیا ہو، اُس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۶۲) میت را بلا غسل وبلا ادائے نماز جنازہ دفن کردند؛ آیا بغیر از غسل برقبروے نماز جنازہ خواندن جائز است یانہ؟ (۲۵۸۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: بہ روایت ابن سماعہ تا سہ روز یا تا عدم ظن تفسخ میت بر قبر او نماز ادا کردہ شود، وبعد ازاں ساقط می شود۔ في الدّرّ المختار: أو بها بلا غسل إلخ . في الشّامي : هٰذه رواية ابن سماعة والصّحيح أنّه لا يصلّى علىٰ قبره في هٰذه الحالة إلخ ، ثمّ قال: وقال الكرخيّ:

---

(۱) اگر گمان غالب ہو کہ لاش پھٹی نہ ہوگی تو اس حالت میں اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی، اس کے بعد نہیں وإن دفن وأهيل عليه التّراب بغير صلاة أو بها بلا غسل أو ممّن لا ولاية له صلّي على قبره .... ما لم يغلب على الظّنّ تفسّخه من غير تقدير هو الأصحّ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : تعظيم أولی الأمر واجب) ظفیر

يصلّٰى وهو الاستحسان[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۸/۵)

ترجمہ سوال: (۲۷۶۲) میت کو غسل اور نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا؛ آیا بغیر غسل اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بہ روایت ابن سماعہ تین دن تک یا میت کے پھٹنے کے گمان نہ ہونے تک اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور اس کے بعد ساقط ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے: أوبها بلا غسل . اور شامی میں ہے: هٰذا رواية ابن سماعة والصّحيح أنّه لا يصلّى على قبره إلخ. فقط واللہ اعلم

میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا تو کتنے دنوں تک نماز پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: (۲۷۶۳) اگر میت بلا نماز پڑھے دفن کر دی جائے تو اس کی نماز کتنے عرصہ تک پڑھنی جائز ہے؛ تین روز تک یا زیادہ؟ (۹۲۲/۱۳۴۰ھ)

الجواب: صحیح یہ ہے کہ تین دن کی قید نہیں ہے بلکہ جس وقت تک میت کے پھٹنے اور گلنے کا خیال غالب نہ ہو اس وقت تک قبر پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ درمختار میں ہے: وإن دفن............ بغير صلاة إلخ ، صلّي على قبره إلخ ما لم يغلب على الظّنّ تفسّخه إلخ من غير تقدير هو الأصحّ[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۲/۵-۳۱۳)

سوال: (۲۷۶۴) اگر کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو تو بعد دفن کے کئی روز تک پڑھ سکتے ہیں؟ (۱۶۹۸/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: تین دن تک نماز پڑھنے کا حکم ہے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۸/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: تعظيم أولى الأمر واجب .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۳) ومن دفن ولم يصلّ عليه صلّي على قبره ما لم يغلب على الظّنّ أنّه تفسخ إلخ . (غنية المستملي، ص: ۵۰۸ ، فصل في الجنائز، البحث الرّابع في الصّلاة عليه) ==

چوتھے روز قبر پر نمازِ جنازہ کیوں نہیں پڑھ سکتے؟

سوال: (۲۷۶۵) تین روز تک قبر مردہ پر نماز پڑھی جاتی ہے چوتھے روز کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ (۲۱۳۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: چونکہ بعد اس مدت کے غالباً مردہ کا جسم سالم نہیں رہتا ہے اس لیے یہ حکم ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۴/۵)

مردہ میں بدبو پیدا ہو جائے پھر بھی نمازِ جنازہ فرض ہے

سوال: (۲۷۶۶) جس مردہ میں بہ وجہ دو تین روز پڑے رہنے کے بدبو ہو جاوے اس کی نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہ؟ (۴۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر اس کے جنازہ کی نماز پہلے نہیں پڑھی گئی ہے تو فرض ہے کہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۵/۵)

بھول سے امام نے بلا وضو نمازِ جنازہ پڑھا دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۶۷) نماز جنازہ امام نے سہواً بلا وضو پڑھائی، بعد جنازہ جانے کے امام کو علم ہوا کہ وضو نہیں تھا، ایسی حالت میں کیا حکم ہے؟ (۵۸۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز جنازہ نہیں ہوئی، درمختار میں ہے: فلو أمّ بلا طهارة

== و إن دفن و أهيل عليه التّراب بغير صلاة أو بها بلا غسل إلخ ، صلّي على قبره استحسانًا ما لم يغلب على الظّنّ تفسّخه من غير تقدير هو الأصحّ (الدّرّ المختار) لأنّه يختلف باختلاف الأوقات حرًّا و بردًا، والميّت سمنًا وهزالاً، والأمكنة ، بحر، وقيل: يقدر بثلاثة أيّام، وقيل: عشرة، وقيل: شهر. (الدّرّ المختار وردّ المحتار : ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

والقوم بها أعيدت إلخ [1] لہٰذا نماز جنازہ کا اعادہ چاہیے تھا، اور اس حالت میں دفن کرنے کے بعد قبر پر اس وقت تک نماز پڑھنا لازم ہے کہ میت کے سڑنے اور پھٹنے کا گمان غالب نہ ہو، اور بعض فقہاء نے تین دن کی تحدید کی ہے، اور اگر یہ مدت گذر چکی ہے تو اب کچھ نہیں ہوسکتا [2] فقط واللہ اعلم (۳۱۶/۵-۳۱۷)

امام نے جنابت کی حالت میں نمازِ جنازہ پڑھائی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۶۸) ایک شخص نے امام ہوکر نماز جنازہ پڑھائی اور اس نے اپنے کپڑے پر دھبہ دیکھا اور غسل کی حاجت معلوم ہوگئی تو وہ نماز درست ہوئی یا دوبارہ قبر پر پڑھے؟ (۱۸۸/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھی جاوے، اگر دفن ہو چکا تو اس کی قبر پر نماز پڑھنی چاہیے، یعنی پھٹنے سے پہلے اور بعض نے تین دن تک کا حکم دیا ہے یعنی تین دن کے اندر اندر نماز قبر پر درست ہے پھر نہیں [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۸/۵)

خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۷۶۹) جو شخص خودکشی کرلے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی جاوے یا نہیں؟ (۱۵۲۰/ ۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس میں اختلاف ہے اور پڑھنے پر بھی فتویٰ ہے۔ **كما في الدّرّ المختار: من قتل نفسه ولو عمدًا يغسل و يصلّى عليه ، به يفتىٰ** [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۸/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹۸/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟

(۲) وإن دفن وأهيل عليه التّراب بغير صلاة إلخ ، صلّي علىٰ قبره استحسانًا ما لم يغلب على الظّنّ تفسّخه من غير تقدير هو الأصحّ (الدّرّ المختار) وقيل: يقدر بثلاثة أيّام . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟

سوال: (۲۷۷۰) جو شخص خودکشی کرے اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۵۴۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **من قتل نفسه ولو عمدًا يغسل و يصلّى عليه** (۱) ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو مار ڈالا اگر چہ (عمداً) ایسا کیا ہو اس کو غسل دیا جاوے اور نماز اس کی پڑھی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۹/۵)

نمازِ جنازہ میں مقتدیوں کا فاصلے سے کھڑا ہونا مکروہ ہے

سوال: (۲۷۷۱) ہمارے ملک میں یہ مسئلہ شائع ہے کہ جنازہ پڑھنے کے وقت مقتدی فاصلہ سے کھڑے ہوتے ہیں، کیا نماز جنازہ اور دوسری نمازوں میں فرق ہے؟ (۴۰۹/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس بارے میں جنازہ کی نماز اور دوسری نمازوں میں کچھ فرق نہیں ہے، صف متصل ہونی چاہیے، درمیان میں فاصلہ چھوڑنا مکروہ ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۹/۵)

سوال: (۲۷۷۲) مقتدی نمازِ جنازہ میں ایک دوسرے سے فاصلہ کے ساتھ کھڑے ہوں یا مثل صلاۃ وقتیہ کے متصل ہو کر کھڑے ہوں؟ (۲۹/۷-۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: صف متصل ہونی چاہیے مثل جماعت فرائض وقتیہ کے۔ فقط واللہ اعلم (۳۷۰/۵)

نمازِ جنازہ کی صفوں میں سجدہ کی جگہ چھوڑنا بے اصل ہے

سوال: (۲۷۷۳) مشہور ہے کہ جنازہ کی نماز میں صف بندی کرتے وقت صفوں کے درمیان ایک سجدہ کی جگہ چھوڑنی چاہیے اس کی کیا اصل ہے؟ (۶۰۳/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور کچھ ضرورت نہیں ہے (۳) فقط واللہ اعلم (۲۸۹/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۲) و ينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدّوا الخلل و يسووا مناكبهم . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، قبيل مطلب : في كراهة قيام الإمام في غير المحراب) ظفیر

(۳) جب اس میں سجدہ نہیں ہے تو پھر جگہ چھوڑنے کا حاصل کیا ہوگا۔ ظفیر

نمازِ جنازہ میں صفوں کے درمیان فاصلہ چھوڑنا ضروری نہیں

سوال: (۲۷۷۴) نمازِ جنازہ میں بین الصفوف کس قدر بعد لازمی ہے؟ (۴۸۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: نماز جنازہ کی صفوف کے درمیان زیادہ فاصلہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ قریب قریب صفوف کرلینی چاہئیں [۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۶/۵)

عورت جنازہ کی نماز پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۷۵) عورت جنازہ کی نماز پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟ (۱۹۸۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ تو ظاہر ہے عورت مردوں کی امام نہیں ہوسکتی لیکن جنازہ کی نماز کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اگر عورت مردوں کی امام جنازہ کی نماز میں ہوئی تو اگرچہ امامت اس کی صحیح نہیں ہوئی، اور مردوں کی نماز اس کے پیچھے نہیں ہوئی، لیکن چونکہ خود اس کی نماز ہوگئی ہے اس لیے فرضیت ساقط ہو گئی کیونکہ جنازہ کی نماز اگر صرف ایک عورت بھی پڑھ لے تو فرض کفایہ ادا ہوجاتا ہے: **لسقوط فرضها بواحد إلخ (الدّرّ المختار) قوله: (كما لو أمّت امرأة) أي أمّت رجلاً فإنّ صلاتها تصحّ وإن لم يصحّ الاقتداء بها إلخ** [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۹/۵)

صرف عورتیں نمازِ جنازہ پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اور مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہونے کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۷۶) صرف عورتیں جنازہ کی نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ اور عورتوں کا شریک ہونا مردوں کی جماعت میں درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا؟ (۳۴۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی میں فتح القدیر سے منقول ہے کہ تنہا عورتوں کی جماعت جنازہ میں مکروہ

---

(۱) اس لیے کہ اس میں سجدہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کہ درمیان میں کافی فاصلہ کی ضرورت پڑے۔ ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۹۸/۳، كتاب الصّلاة، قبيل باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟**

نہیں ہے، اور نماز جنازہ ادا ہوجاتی ہے بلکہ تنہا ایک عورت بھی اگر نماز جنازہ پڑھ لیوے تو فرض ساقط ہوجاتا ہے۔ و اعلم أن جماعتهنّ لا تكره في صلاة الجنازة[1] (شامی) اور حاضر ہونا عورتوں کا مردوں کی جماعت میں مطلقاً مکروہ ہے۔ کما في الدرّ المختار: ويكره حضورهنّ الجماعة إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۱/۵-۳۷۲)

نابالغ کے پیچھے نمازِ جنازہ صحیح نہیں

سوال: (۲۷۷۷) نابالغ کے پیچھے جنازہ کی نماز جائز ہے یا نہیں؟ (۹۲۰/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا يصحّ اقتداء رجل بامرأة وخنثٰى وصبيّ مطلقًا ولو في جنازة ونفل على الأصحّ إلخ[2] اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ کے پیچھے نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔ فقط (۳۵۱/۵)

نمازِ جنازہ پڑھانے کی وصیت باطل ہے

سوال: (۲۷۷۸) ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے جنازہ کی نماز فلاں شخص پڑھاوے، کسی وجہ سے وہ شخص نماز نہ پڑھا سکا بلکہ دوسرے شخص نے نماز پڑھائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۴۶۴/۱۳۳۹ھ)

الجواب: نماز درست ہوگئی اور فرض ادا ہوگیا[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۰/۵)

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۶۲/۲-۲۶۳، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، مطلب: إذا صلّى الشّافعيّ قبل الحنفيّ هل الأفضل الصّلاة مع الشّافعيّ أم لا؟

(۲) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۶/۲-۲۷۷، كتاب الصّلاة، باب الإمامة، قبيل مطلب: الواجب كفاية هل يسقط بفعل الصّبي وحده.

(۳) وفي الكبرى: الميّت إذا أوصٰى بأن يصلّي عليه فلان فالوصيّة باطلة، وعليه الفتوى. (الفتاوى الهندية: ۱۶۳/۱، كتاب الصّلاة، الباب الحادي و العشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفیر

سوال: (۲۷۷۹) اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ نماز جنازہ اس کی فلاں شخص پڑھاوے بہ وجہ تقوی اور دیانت کے؛ یہ وصیت صحیح اور معتبر ہوگی یا نہیں؟ (۱۲۱۳/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: کسی کو مقرر کرنا کہ میری صلاۃ جنازہ فلاں پڑھاوے یہ وصیت باطل ہے۔شامی جلد اوّل،ص:۶۵۰، **والفتوی علی بطلان الوصیة لغسله والصّلاة علیه**[۱] فقط (۵/۳۲۰)

نمازِ جنازہ کے بعد میّت کو گھر میں لاکر دعا کرنا بدعت ہے

سوال: (۲۷۸۰) نماز جنازہ کے بعد میت کو گھر میں لاکر دعا مانگتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۷۹۲/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: جب کہ میت کے جنازہ کی نماز ہوگئی تو پھر گھر آ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا نہ چاہیے کہ یہ بدعت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۱)

نمازِ جنازہ میں چار تکبیرات ہیں،مگر پانچ کہنے والا کافر نہیں

سوال: (۲۷۸۱) ایک شخص سنی نماز جنازہ میں پانچ تکبیرات پڑھتا ہے، وہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟ (۱۱۹۰/ ۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: پانچ تکبیرات کا کہنا نماز جنازہ میں عندالحنفیہ مشروع نہیں ہے،نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہیں اور جس روایت میں پانچ تکبیر وارد ہوئی ہیں وہ منسوخ ہے[۲] لیکن اس وجہ سے

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۵، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: تعظیم أولي الأمر واجب .

(۲) و هي أربع تکبیرات إلخ ، یرفع یدیه في الأولٰی فقط إلخ ویثني بعدها إلخ ، و یصلّي علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم کما في التّشهّد بعد الثّانیة إلخ ، و یدعو بعد الثّالثة إلخ ، ویسلّم بلا دعاء بعد الرّابعة إلخ ، ولو کبّر إمامه خمسًا لم یتّبع لأنّه منسوخ (الدّرّ المختار) لأنّ الآثار اختلف في فعل رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم فروي الخمس والسّبع والتّسع وأکثر من ذٰلك ، ==

تکفیر مسلمان کی نہ کی جاوے گی[1] البتہ رافضی سبّی[2] کو بعض فقہاء نے کافر کہا ہے۔ وتفصیله في كتب الفقه[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۱)

نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہنا درست نہیں

سوال: (۲۷۸۲) پانچ تکبیر نماز جنازہ میں جائز ہیں یا نہیں؟ (۱۲۰۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

== إلّا أن آخر فعله عليه الصّلاة والسّلام كان أربع تكبيرات فكان ناسخًا لما قبله ، ح عن الإمداد وفي الزّيلعي : أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حين صلّى على النّجاشي كبّر أربع تكبيرات وثبت عليها إلى أن توفّي فنسخت ما قبلها . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۰۳-۱۰۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) ظفیر

(۱) روى الطّحاوي عن أصحابنا: لا يخرج الرّجل من الإيمان إلّا جحود ما أدخله فيه ثمّ ما تيقّن أنه رِدَّةٌ يحكم بها، وما يشك أنه ردّةٌ لا يحكم بها، إذ الإسلام الثّابت لا يزول بالشّكّ مع أنّ الإسلام يعلو، وينبغي للعالم إذا رفع إليه هٰذا أن لا يبادر بتكفير أهل الإسلام مع أنه يقضي بصحّة إسلام المكره إلخ ، وفي الفتاوى الصّغرى: الكفر شيء عظيم فلا أجعل المؤمن كافرًا متٰى وجدت روايةً أنّه لا يكفر أهـ . وفي الخلاصة وغيرها: إذا كان في المسئلة وجوه توجب التّكفير و وجهٌ واحدٌ يمنعه فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الّذي يمنع التّكفير إلخ . (ردّ المحتار: ۶/۲۷۱، كتاب الجهاد ، باب المرتد ، مطلب : مايشكّ أنّه لا يحكم بها)

(۲) رافضی سبّی: یعنی وہ شیعہ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا ہے۔

(۳) وبهٰذا ظهر أنّ الرّافضي إن كان ممّن يعتقد الألوهية في علي أو أنّ جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصّدّيق أو يقذف السّيّدة الصّدّيقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدّين بالضّرورة. (ردّ المحتار: ۴/۱۰۲، كتاب النّكاح ، فصل في المحرمات، مطلب مهم في وطء السّراري اللاتي يؤخذن غنيمةً في زماننا)

إنّ الرّافضي إذا كان يسبّ الشّيخين و يلعنهما فهو كافر .... لا شكّ في تكفير من قذف السّيّدة عائشة رضي اللّٰه تعالٰى عنها أوأنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في علي إلخ. (الشّامي: ۶/۲۸۷-۲۸۸، كتاب الجهاد ، مطلب مهم في حكم سبّ الشّيخين)

الجواب: پانچ تکبیر جنازہ میں درست نہیں ہے کہ وہ منسوخ ہوگئی ہیں، چار سے زیادہ تکبیرات نہ کہے اگر چہ امام زیادہ بھی کہے تب بھی اس کا اتباع نہ کرے خاموش کھڑا رہے۔ درمختار میں ہے:

ولو كبّر إمامه خمسًا لم يتبع لأنّه منسوخ فيمكث المؤتمّ حتّى يسلّم معه إذا سلّم به يفتىٰ [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۲-۳۵۳)

امام نے نمازِ جنازہ میں چار کے بجائے پانچ تکبیریں کہیں تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۷۸۳) کسے امام نماز جنازہ بود پنج تکبیرات بجائے چہار تکبیرات گفت؛ نماز او و مقتدیانش صحیح شد یا نہ؟ واعادہ باید یا نہ؟ بینوا توجروا (۱۳۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: نماز او ونماز مقتدیانش صحیح است واعادہ آن لازم نیست۔ **كما في الدّرّ المختار:**

ولو كبّر إمامه خمسًا لم يتّبع لأنّه منسوخ فيمكث المؤتم حتّى يسلّم معه إذا سلّم به يفتىٰ. قوله (به يفتى) رجّحه في فتح القدير بأنّ البقاء في حرمة الصّلاة بعد فراغها ليس بخطاء مطلقًا إنّما الخطاء في المتابعة في الخامسة ، بحر [1] (شامي) پس معلوم شد کہ دریں صورت نماز ہمہ صحیح است ومقتدی متابعت امام در تکبیر خامس نہ کند۔ فقط (۵/۳۱۸)

ترجمہ سوال: (۲۷۸۳) ایک شخص نماز جنازہ کا امام تھا اس نے بجائے چار تکبیرات کے پانچ کہہ دیں، اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور اعادہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز (جنازہ) صحیح ہے اور اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: **ولو كبّر إمامه خمسًا لم يتّبع إلخ** ، پس معلوم ہوا کہ اس صورت میں سب کی نماز صحیح ہے، اور مقتدی پانچویں تکبیر میں امام کی اقتداء نہیں کریں گے۔ فقط

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۰۵-۱۰۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟

نمازِ جنازہ میں دو تکبیر کے بعد شریک ہوا وہ کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: (۲۷۸۴) اگر امام جنازہ میں دو تکبیر کہہ چکا ہو اور پھر کوئی شریک ہو تو امام کے ساتھ سلام پھیرے یا باقی دو تکبیر پوری کرے؟ (۲۶۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: باقی دو تکبیر کہہ کر سلام پھیرے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۹/۵)

سوال: (۲۷۸۵) نمازِ جنازہ میں ایک دو تکبیرات فوت ہو جانے سے مقتدی بعد سلام امام کے خالی تکبیر کہے یا دعا بھی پڑھے؟ (۶۵۵/۳۶-۱۳۳۵ھ)

الجواب: جو شخص نمازِ جنازہ میں بعد میں آ کر شامل ہوا وہ بعد فراغ امام صرف تکبیرات کہہ کر سلام پھیر دے دعا نہ پڑھے اگر جنازہ کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔ **كما في الدّرّ المختار**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۰/۵)

نمازِ جنازہ میں جس نے دعا وغیرہ نہ جاننے کی وجہ سے صرف چار تکبیریں کہیں اُس کی نماز صحیح ہے

سوال: (۲۷۸۶) اگر مقتدی در صلاۃ جنازہ بہ وجہ نہ دانستن یا بہ وجہ فراموشی؛ ثنا و صلاۃ و دعا را نخواند فقط بہ امام بعد نیت اقتداء تکبیرات اربعہ را بگوید نماز او بہ وجہ ضرورت ہمچوں نماز مسبوق صحیح خواہد شد یا نہ؟ (۱۴۱۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) والمسبوق ببعض التّكبيرات لا يكبّر في الحال بل ينتظر تكبير الإمام ليكبّر معه للافتتاح إلخ ، والمسبوق لا يبدأ بما فاته، وقال أبو يوسف: يكبّر حين يحضر كما لا ينتظر الحاضر في حال التّحريمة بل يكبّر اتّفاقًا للتّحريمة لأنّه كالمدرك ثمّ يكبّران ما فاتهما بعد الفراغ نَسَقًا بلا دعاء إن خشيا رَفْعَ الميّت على الأعناق. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۸/۳-۱۰۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) ظفیر

الجواب: قال في الدّرّ المختار في صلاة الجنازة: ورکنها شیئان التّکبیرات الأربع والقیام إلخ ....(۱) پس معلوم شد کہ بناءً علیٰ هٰذه الرّوایة نمازش صحیح است۔ وانظر ما قاله الشّامي بتحقیق ما قاله المحقّق ابن الهمام(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۳/۵)

ترجمہ سوال: (۲۷۸۶) اگر مقتدی نمازِ جنازہ میں نہ جاننے یا بھول جانے کی وجہ سے ثنا، درود اور دعا نہ پڑھے، اقتداء کی نیت کے بعد صرف امام کے ساتھ چار تکبیریں کہے، اس کی نماز ضرورت کے پیش نظر مسبوق کی نماز کی طرح صحیح ہوجائے گی یا نہ؟

الجواب: درمختار صلاۃ الجنازہ میں ہے: ورکنها شیئان التّکبیرات إلخ (نمازِ جنازہ کا رکن یعنی فرض دو چیزیں ہیں: چار تکبیریں .... اور قیام) پس معلوم ہوا کہ بناء علی ہذہ الروایہ اس کی نماز صحیح ہے، مزید تفصیل کے لیے علامہ شامی نے ابن ہمام کی جو تحقیق بیان کی ہے اس کو دیکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر سے پہلے ایک سلام پھیرا پھر یاددہانی پر چوتھی تکبیر کہی، تو نماز ہوگئی

سوال: (۲۷۸۷) نماز جنازہ میں تکبیر اخیر کہے بغیر ایک طرف سلام پھیرا بعد یاددہانی تکبیر کہی اور پھر سلام پھیرا (تو کیا نماز ہوگئی)؟ (۱۴۴۴/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اس صورت میں بھی نماز ہوگئی(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۵/۵)

کتاب میں دیکھ کر دعا وغیرہ پڑھنے سے نمازِ جنازہ نہیں ہوتی

سوال: (۲۷۸۸) چند مسلمان نماز جنازہ کتاب میں دیکھ کر پڑھتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۴۱-۱۳۳۶/۳۵ھ)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹۹/۳-۱۰۰، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: هل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟

الجواب: اس طرح نماز جنازہ نہیں ہوتی اگر کسی کو دعائیں یاد نہ ہوں محض تکبیرات کہہ کر امام کے ساتھ سلام پھیر دے کتاب میں دیکھ کر دعا پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ کما في الشامي: وأمّا الشّروط الّتي ترجع إلی المصلّي فهي شروط بقية الصّلاة إلخ (۱) (۱/۵۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۲)

جنازہ کی نماز میں مقتدی کو کیا پڑھنا چاہیے؟

سوال: (۲۷۸۹) جنازہ کی نماز میں مقتدی کو کیا پڑھنا چاہیے؟ (۶۲۶/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: مقتدی بھی وہی پڑھتا ہے جو امام، جنازہ کی نماز کی ترکیب کسی اردو رسالہ میں دیکھ لی جاوے، مختصر یہ کہ اوّل تکبیر کے بعد سبحانك اللّٰهم إلخ، اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، اور تیسری تکبیر کے بعد دعا، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳) (۵/۳۳۳)

نمازِ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ

سوال: (۲۷۹۰) ہمارے یہاں جنازہ کی نماز میں جب امام اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھتا ہے تو مقتدی بھی تکبیر کہہ کر باندھ لیتے ہیں، پھر جب تحمید (یعنی ثنا) پڑھ کر اللہ اکبر امام کہتا ہے تو مقتدی بھی اشارہ سے کہتے ہیں، پھر امام درود شریف پڑھ کر اللہ اکبر کہتا ہے، ایسا ہی مقتدی کرتے ہیں، پھر امام درود شریف کے بعد اللہ اکبر کہہ کر اگر میت بالغ ہے یا نابالغ اور مؤنث ہے یا مذکر جو دعا پڑھی جاتی ہے دعا پڑھ کر اللہ اکبر کہہ کر سلام پھیرتا ہے، اسی طرح سے مقتدی بھی کرتے رہتے ہیں اس طور سے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مقتدیوں کا سوائے اللہ اکبر کے کچھ نہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۹۰۳/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۹۷، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في صلاة الجنازة.

(۲) فيكبّر للافتتاح ويقول: سبحانك اللّٰهمّ إلخ، ثمّ يكبّر أخری ويصلّي علی النّبيّ صلّی اللّٰه عليه وسلّم، ثمّ يكبّر أخری ويدعو للميّت وجميع المسلمين (إلی قوله:) ثمّ يكبّر الرّابعة، ثمّ يسلّم تسليمتين. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۴، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة علی الميّت) ظفیر

(۳) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیے گئے ہیں۔ ۱۲

الجواب: جنازہ کی نماز میں چار تکبیرات ہیں: پہلی تکبیر کے بعد سبحانك اللّٰھمّ إلخ پڑھنا چاہیے، اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف، اور تیسری تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہے پڑھنی چاہیے، اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دینا چاہیے، اور یہ تمام افعال امام اور مقتدیوں کو سب کو کرنا چاہیے مقتدی بھی امام کے ساتھ ساتھ جو امام پڑھتا ہے پڑھیں [۱] البتہ جس کو دعائے ماثورہ یاد نہ ہو وہ اس کی جگہ اللّٰھمّ اغفر لنا ولوالدینا وله وللمؤمنین والمؤمنات پڑھے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۸/۵)

جولوگ جنازہ کی نماز نہیں جانتے وہ امام کے ساتھ تکبیر کہتے رہیں

سوال: (۲۷۹۱) جولوگ جنازہ کی نماز نہیں جانتے وہ لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوں یا نہیں؟ شریک ہوں تو کیا پڑھیں؟ (۶۲۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: جولوگ ترکیب نماز جنازہ کی نہیں جانتے وہ بھی شریک نماز ہوجاویں، اللہ اکبر امام کے ساتھ کہتے رہیں، اور دعائے ماثور اگر یاد نہ ہو تو اللّٰھمّ اغفرلنا ولوالدینا و له وللمؤمنین والمؤمنات دعائے ماثور کی جگہ پڑھ لینا بھی درست ہے [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۸/۵-۳۶۹)

---

(۱) و صلاة الجنازة أربع تکبیرات إلخ ، فیکبّر للافتتاح و یقول : سبحانك اللّٰھمّ إلخ ، ثمّ یکبّر أخری و یصلّي علی النّبيّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم، ثمّ یکبّر أخری ویدعو للمیّت وجمیع المسلمین إلخ ، ولیس بعد التّکبیرة الرّابعة قبل السّلام دعاء إلخ ، والإمام والقوم فیه سواء (الفتاوی الھندیة: ۱/۱۶۴، کتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس في الصّلاة علی المیّت) ظفیر

(۲) فإن کان لا یحسن یأتي بأي دعاء شاء ثمّ یکبّر الرّابعة (حوالہ سابقہ)

ثمّ أفاد أنّ من لم یحسن الدّعاء بالمأثور یقول: اللّٰھمّ اغفر لنا ولوالدینا وله وللمؤمنین والمؤمنات. (ردّ المحتار: ۳/۱۰۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: ھل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟) ظفیر

ناپاک زمین پر نمازِ جنازہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۹۲) نمازِ جنازہ مسجد کے باہر جہاں نجس پڑا رہتا ہے پڑھائی جاتی ہے، وہ جگہ پاک نہیں رہتی ایسی جگہ نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۱۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: زمین خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے۔ کما في الحدیث: زکاۃ الأرض یبسها [۱] پس جب کہ زمین خشک ہو اور ظاہراً اس پر کچھ نجاست نہ ہو تو وہاں نمازِ جنازہ درست ہے، اگر خشک زمین پر کچھ نجاست خشک پڑی ہوئی ہو چاہیے کہ اس کو علیحدہ کر دیا جاوے۔ فقط (۳۲۳/۵)

جوتے پہن کر نمازِ جنازہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۹۳) نماز جنازہ امام ومقتدیوں کو جوتے پہن کر یا جوتے کے اوپر پاؤں رکھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ (۲۱۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: جوتا مستعملہ جو ناپاک جگہ پر رکھا جاتا ہے، اس جوتے کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنی جائز نہیں ہے، اور اس جوتے کے اوپر پیر رکھ کر بھی نماز پڑھنا درست نہیں ہے، غرض یہ ہے کہ جس طرح تمام نمازیں مستعملہ ناپاک جوتے کے ساتھ جائز نہیں ہیں اسی طرح جنازہ کی نماز بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ پاکی لباس اور جوتا وغیرہ کی ہر ایک نماز میں شرط ہے [۲] فقط (۳۱۸/۵-۳۱۹)

---

(۱) مصنّف ابن أبي شیبة: ۴۳۰/۱-۴۳۱، باب في الرّجل یطأ الموضع القذر یطأ بعده ما أنظف، رقم الباب: (۷۱) رقم الحدیث: ۶۲۹، المطبوعة: دار قرطبة، بیروت، لبنان.

قال الزّرکشيّ: حدیث: "زَکَاةُ الأرضِ یُبْسُهَا" لا أصل لهٗ، إنّما هو قول محمّد ابن الحنفیّة، أخرجه ابن جریر في تهذیب الآثار، وقال السّیوطيّ: و أخرجهٗ ابن أبي شیبة في المصنّف عنهٗ، و أخرجهٗ أیضًا عن أبي جعفر و عن أبي قِلابة قولَهما اهـ. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۱۸۱/۲، کتاب الطّهارة، باب تطهیر النّجاسات، الفصل الأوّل)

(۲) ثمّ الشّرط إلخ، وشرعًا ما یتوقّف علیه الشّيء ولا یدخل فیه هي ستّة طهارة بدنه إلخ، من حدث بنوعیه إلخ، وخبث مانع کذلك إلخ، ومکانه أي موضع قدمیه إلخ، وموضع سجوده اتّفاقًا في الأصحّ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶۷/۲-۶۸، کتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة) ظفیر

وضاحت: استعمال شدہ جوتے اگر ناپاک ہیں تو جوتے پہن کر یا جوتوں کے اوپر پیر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں؛ لیکن جوتے پاک ہیں تو جوتے پہن کر یا جوتوں کے اوپر پیر رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا درست ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

ولو افترش نعليه وقام عليهما جازت ، وبهذا يُعلم ما يُفعل في زماننا من القيام على النّعلين في صلاة الجنازة ؛ لكن لابُدّ من طهارة النّعلين . (البحر الرّائق: ۲/۳۱۵، كتاب الجنائز، فصل السّلطان أحقّ بصلاته) محمد امین پالن پوری

سوال: (۲۷۹۴) نمازِ جنازہ جوتے سے جائز ہے یا نہیں؟ (۲۱۲۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: جوتوں کا چوں کہ اعتبار نہیں ہوتا اس وجہ سے جوتا پہن کر یا جوتا پر پیر رکھ کر نماز جنازہ نہ پڑھے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۱-۲۹۲)

نمازِ جنازہ سے کسی مسلمان کو روکنا جائز نہیں

اگرچہ وہ فاسق وفاجر ہو

سوال: (۲۷۹۵) ایک شخص ایک عورت منکوحہ کو چرا کر لے گیا، پھر اس عورت سے ایک فرزند پیدا ہوا، چند ماہ کے بعد فوت ہوگیا، اور وہ شخص جنازہ میں شریک ہوگیا امام کو لازم ہے کہ اس کو نمازِ جنازہ سے روک دے یا نہیں؟ (۱۴۰۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ سے منع نہ کرے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور ادائے فرض سے روکنا کسی مسلمان کو اگرچہ وہ فاسق ہو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۲)

سوال: (۲۷۹۶) ایک شخص شارب الخمر وآکل مال سرقہ وزانی وتارک الصلاۃ ومانع الزکاۃ از شمولیت جنازہ مسلمان منع کیا جاوے یا نہیں؟ اور مواکلت ومشاربت کی جاوے یا نہیں؟ ایک مولوی نے ایسے شخص کو جنازہ سے نکال کر جنازہ پڑھا اور وہ مولوی جنازہ کو دعا کہتا ہے؛ لیکن دوسرا مولوی

(۱) حوالۂ سابقہ۔

جنازہ کو عبادت کہہ کر فتوی دیتا ہے کہ اس شخص کو جنازہ اور دوسری عبادات سے نہیں روکنا چاہیے، آیا صلاۃ جنازہ دعا ہے یا عبادت؟ اور اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ (۱۲۴۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: صلاۃ جنازہ نماز بھی ہے اور دعا بھی ہے، اور عبادت ہونا اس کا ظاہر ہے کیونکہ صلاۃ جنازہ فرض کفایہ ہے، پس جو امر فرض ہے وہ عبادت کیسے نہ ہوگا، عبادت ہونا اس کا اظہر من الشّمس ہے، اور فرض سے روکنا کسی مسلمان کو اگرچہ وہ فاسق اور مرتکب کبائر مثل سرقہ وزنا وشرب خمر وغیرہ کا ہو جائز نہیں ہے، لہٰذا اس کو شرکت نماز جنازہ اور دیگر عبادات سے منع کرنا جائز نہیں ہے اور اگر وہ مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز بھی مسلمانوں کو پڑھنی چاہیے۔ لقوله عليه الصّلاة والسّلام: صلّوا علىٰ كلّ بَرّ وفاجر الحديث [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۴/۵-۳۵۵)

جو شخص نماز وروزہ وغیرہ عبادات سے روکتا ہے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۹۷) زید مدعی ہے کہ وہ اپنے کامل صوفی وعارف ہونے کا دعوی رکھتا ہے، اور اپنے مریدوں کو نماز، روزہ، زکاۃ، حج، تلاوت قرآن مجید وغیرہ سے منع کرتا ہے، اپنے طالب کو کہتا ہے کہ مرشد کو سجدہ تعظیمی کرے، اور مستورات کو بے پردگی کی ہدایت کرتا ہے وغیرہ وغیرہ ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مؤمنین کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۳۱۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: زید کا دعوی مخالف ہے نصوص قطعیہ صریحہ کے اور اس کے کلمات سے انکار شریعت ظاہر ہے، اور انکار نماز وروزہ وزکاۃ وغیرہ قطعیات سے خود کفر ہے [2] اور تجویز سجدہ لغیر اللہ کفر ہے۔ قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ الآية﴾ (حم سجدہ، آیت: ۳۷)

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۷۲۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) مَن قال: لا أصلّي جحودًا أو استخفافًا أو على أنّه لم يؤمر أو ليس بواجب انتهى، فلا شكّ أنّه كفر في الكلّ. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۸۳، فصل من ذلك فيما يتعلّق بالقرآن والصّلاة، المطبوعة: دار الإيمان، سهارنفور) ظفیر

پس زید جو کہ قائل ہے کلمات کفریہ کا اور معتقد ہے اعتقادات کفریہ محدثہ ومحرمہ کا وہ عارف وصوفی نہیں ہے بلکہ ملحد ومضل ہے، اور مصداق حدیث: اتّخذوا رؤسًا جهّالاً فضلّوا وأضلّوا[1] کا ہے پس اس کو پیر بنانا اور اس سے بیعت ہونا حرام ہے۔ ع:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ❁ پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست[2]

اور اگر شخص مذکور اسی اعتقاد پر مرجاوے تو اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور اہل اسلام کے قبرستان میں دفن نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۶/۵-۲۹۷)

قبرستان کی مسجد جس میں پانچوں نمازیں باجماعت ادا کی جاتی ہیں اس میں نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۷۹۸) ہمارے قبرستان میں ایک مسجد ہے جس کی تین محرابیں اور دو منار ہیں، کرسی کسی قدر اونچی ہے، صحن پختہ ہے، چڑھنے کے لیے مشرق کی طرف زینہ ہے، مگر چھت اور چھپر نہ ہونے کی وجہ سے طرف ثانی اسے چبوترہ کہتے ہیں، جب سے وہ بنی ہے برابر اذان وجماعت اس میں ہوتی چلی آئی ہے اور مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے ہم اس میں ۱۳۳۶ھ تک نماز جنازہ بھی ادا کرتے رہے، آیا نماز جنازہ اس میں جائز ہے یا نہیں؟ (۲۵۳۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: نزاع مذکور کے بارے میں امر فیصلہ کن مختصراً یہ ہے کہ اگر چبوترہ مذکورہ جس میں محرابیں وغیرہ ہیں بہ غرض ادائے نماز پنج گانہ بہ جماعت بنایا گیا ہے، اور اسی لیے وقف کیا گیا ہے

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه قال : سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول : إنّ الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتّى إذا لم يبق عالم اتّخذ النّاس رء وسًا جهّالا، فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بغير علم ، فَضَلُّوا و أَضَلُّوا (صحيح البخاري:۲۰/۱، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم؟)

(۲) ترجمہ: او! بہت سے شیطان انسان کی شکل میں ہوتے ہیں، پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے، یعنی بہت سے بدباطن بزرگوں کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آتے ہیں، پس بیعت ہونے سے پہلے اچھی طرح پرکھ لینا چاہیے۔

تو وہ مسجد جماعت حسب اصطلاح فقہاء ہے اور مسجد جماعت میں عند الحنفیہ نمازِ جنازہ مکروہ ہے۔
كما في الدّرّ المختار: وكرهت تحريمًا، وقيل: تنزيهًا في مسجد جماعة هو أي الميّت فيه وحده أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده، أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقًا خلاصة، بناءً علٰى أنّ المسجد إنّما بني للمكتوبة وتوابعها إلخ لإطلاق حديث أبي داؤد: من صلّى علٰى ميّت في المسجد فلا صلاة له إلخ (۱) وفي الشّامي مزيد تفصيل لهٰذا فليراجع (۱)

اور اگر وہ چبوترہ بہ غرض نماز جنازہ بنایا گیا ہے تو اس میں نماز جنازہ بلا کراہت درست ہے۔
كما هو مذكور في كتب الفقه: وأمّا المتّخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حقّ جواز الاقتداء إلخ لا في حقّ غيره إلخ (۲) پس لفظ **المتّخذ لصلاة جنازة** سے جواز صلاۃ جنازہ اس میں واضح ہوتا ہے، باقی یہ امر کہ وہ چبوترہ پنج گانہ نمازوں کے لیے بنایا گیا ہے یا نماز جنازہ کے لیے بنایا گیا ہے، بانی اور واقف کی نیت اور اس کے زمانہ کے اور اس کے بعد کے ازمنہ کے تعامل سے معلوم ہوسکتا ہے، اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو وہاں کے رہنے والے ہیں اس کو کوئی دور کا شخص متعین نہیں کرسکتا، ہاں اس قدر ضرور کہا جاسکتا ہے کہ بہ صورت اشتباہ واحتمال امرین احوط یہ ہے کہ نمازِ جنازہ اس میں نہ پڑھی جاوے، کیونکہ پڑھنے میں احتمال حصول کراہت مذکورہ و وعید مذکور فی الحدیث ہے، اور نہ پڑھنے میں کچھ حرج اور اندیشہ نہیں ہے، بلکہ اس میں اتقاء عن الشبہات ہے جو کہ احادیث میں مأمور بہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۵-۳۰۷)

نمازِ جنازہ مسجدِ جماعت میں مکروہ ہے اور مسجدِ جنازہ میں جائز ہے

سوال: (۲۷۹۹) جس مسجد میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہے، اس مسجد کے اندر یا سائبان میں میت کو

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۸-۱۲۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد.
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/۳۷۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد.

رکھ کر اگر نمازِ جنازہ پڑھیں تو نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر قبرستان میں مسجد ہو اور اس میں نماز پنج وقتہ نہ ہوتی ہو، اور وہ نمازِ جنازہ کے لیے بنائی گئی ہو تو اس مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(۱۷۴۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: نماز پڑھنا جنازہ کی مسجد جماعت میں مکروہ ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وكرهت تحريمًا، وقيل: تنزيهًا في مسجد جماعةٍ هو أي الميّت فيه وحده أو مع القوم إلخ**[1] اور جو مسجد جنازہ کی نماز کے لیے ہی بنائی گئی ہے وہ درحقیقت بہ حکم مسجد نہیں ہے، اس میں نماز جنازہ درست ہے۔ **كما في الدرّ المختار: وأمّا المتّخذ لصلاة جنازة أو عيد فهو مسجد في حقّ جواز الاقتداء إلخ لا في حقّ غيره، به يفتى ؛ نهاية إلخ**[2] فقط واللہ اعلم (۳۴۳/۵-۳۴۴)

مسجد جماعت میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے

سوال: (۲۸۰۰) حنفیوں کے نزدیک ان مساجد میں کہ جن میں فرائض با جماعت ہوتے ہیں جنازہ کی نماز؛ جنازہ مسجد میں رکھ کر جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قال في الدرّ المختار: وكرهت تحريمًا، وقيل: تنزيهًا في مسجد جماعة هو أي الميّت فيه وحده أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقًا، خلاصة، بناءً علىٰ أنّ المسجد إنّما بني للمكتوبة وتوابعها إلخ، وهو الموافق لإطلاق حديث أبي داؤد: من صلّى على ميّت في المسجد فلا صلاة له. قال في ردّ المحتار: قوله: (فلا صلاة له) هٰذه رواية ابن أبي شيبة، ورواية أحمد وأبي داؤد: فلا شيء له، وابن ماجة فليس له شيءٌ، و روي فلا أجر له،

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۸/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد.

(۲) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳۷۲/۲، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد.

وقال ابن عبد البرّ: هي خطاء فاحش والصّحيح فلا شيء له إلخ [1] وفيه قبيلهٗ: من صلّى على ميّت في مسجد يقتضي كون المصلّي في المسجد سواءٌ كان الميّت فيه أولا، فيكره ذٰلك أخذًا من منطوق الحديث، ويؤيّده ما ذكره العلّامة قاسم في رسالتهٖ من أنّه روي أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم لمّا نعى النّجاشي إلى أصحابهٖ خرج فصلّى عليه في المصلّٰى، قال: و لو جازت في المسجد لم يكن للخروج معنىً أهـ. مع أنّ الميّت كان خارج المسجد [1] (شامي: ۵۹۴/۱، باب الجنازة) ان روایات سے واضح ہے کہ عندالحنفیہ مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی [2] فقط (۲۹۳/۵-۲۹۴)

نمازِ جنازہ مسجد میں عذر ہو یا نہ ہو ہر حال مکروہ ہے

سوال: (۲۸۰۱)...... (الف) رمضان المبارک کے الوداعی جمعہ کو جامع مسجد میں جنازہ آیا، نمازیوں کی بہت زیادہ کثرت تھی، نمازِ جنازہ اگر بیرون مسجد پڑھائی جائے گی تو صفیں سیدھی نہ ہوں گی بہ وجہ قبروں اور درختوں کے، اور نہ نمازی آسکیں گے، اور دھوپ تکلیف دہ تھی، اس صورت میں نمازِ جنازہ فرش مسجد پر پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ اور ثواب ہوگا یا نہ؟

(ب) جو شخص باوجود عذرات مذکورہ کے جنازہ کو مسجد سے باہر کر کے نمازِ جنازہ پڑھاتا ہے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(ج) اگر کوئی عذر نہ ہو بلکہ اتفاقیہ نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھ لی جائے تو نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ (۲۰۴۲/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۸/۳-۱۲۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد.

(۲) ويظهر أنّ الأولٰى كونها تنزيهًا إذ الحديث ليس هو نهيًا غير مصروف ولا قرن الفعل بوعيد. (حاشية المشكاة، ص:۱۴۵، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها، الفصل الأوّل، رقم الحاشية: ۴) اس سے معلوم ہوا کہ مکروہ تنزیہی کو ترجیح ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

الجواب: (الف) صحیح یہ ہے کہ نماز جنازہ فرش مسجد پر بہ صورت مذکورہ مکروہ ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے سے ثواب حاصل نہیں ہوتا(۱)

(ب) ایسا ہی حکم شریعت ہے کہ جنازہ کو مسجد سے باہر لے جا کر نماز ادا کرنی چاہیے، اور عذرات مذکورہ سے کوئی عذر سبب جواز نماز جنازہ در مسجد نہیں ہوسکتا، حنفیہ کا صحیح مذہب یہی ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں ہر حال مکروہ ہے(۱)

(ج) نماز جنازہ ادا ہوجاوے گی اور فرض کفایہ ساقط ہوجاوے گا؛ لیکن ثواب حاصل نہ ہوگا(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۶-۳۶۷)

اہلِ حرمین کے عمل کو حجت بنا کر مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۸۰۲) نماز جنازہ در مسجد خواندن جائز است یا مکروہ؟ اہل حرمین شریفین کہ در حرم مطہرۂ مسجد نبوی بہ عین صحن مسجد نبوی نماز جنازہ می خوانند اگر تمسکاً بفعلہم در صحن مسجد نماز جنازہ ادا کردہ شود بلا کراہت جائز است یا نہ؟ (۱۱۰۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: در مسجد جماعت ادائے صلاۃ جنازہ مکروہ است ۔ بناءً علیٰ أنّ المسجد إنّما بني للمكتوبة وتوابعها كنافلة و ذكر وتدريس علم.................. وهو الموافق لإطلاق

(۱) حوالہ؛ سابقہ جواب میں آچکا ہے۔

(۲) مَن صلّى على ميّت في المسجد فلا صلاة له (الدّرّ المختار) ورواية أحمد وأبي داؤد فلا شيء له وابن ماجة فليس له شيء، وروي فلا أجر له، وقال ابن عبد البر هي خطأ فاحش والصّحيح فلا شيء له إلخ، وليس الحديث نهيًا غير مصروف ولا مقرونًا بوعيد لأن سلب الأجر لا يستلزم ثبوت استحقاق العقاب إلخ لأنّه علم قطعًا أنّها صحيحة. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۱۹-۱۲۰، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد) ظفیر

حدیث أبي داؤد مَن صلّی علی میّت في المسجد فلا صلاۃ له [1] (الدّر المختار) وباوجود تصریح فقہاء احناف بہ کراہت نماز جنازہ در مسجد، دریں بارہ از عمل اہل حرمین استدلال کردہ قائل بہ جواز آں در ہمہ بلاد و ہمہ اوقات شدن صحیح نخواہد بود۔ فقط (۵/۳۱۹-۳۲۰)

ترجمہ سوال: (۲۸۰۲) مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا مکروہ؟ اہل حرمین شریفین جو مسجد نبوی کے حرم پاک میں مسجد نبوی کے صحن میں نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں، اگر ان کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے مسجد کے صحن میں نمازِ جنازہ ادا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یا نہ؟

الجواب: مسجد جماعت میں نماز جنازہ ادا کرنا مکروہ ہے۔ بناءً علی أنّ المسجد إلخ. اور فقہائے احناف کے مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت کی صراحت کرنے کے باوجود اس سلسلے میں اہل حرمین کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے اس کے جواز کا قائل ہونا تمام شہروں اور جملہ اوقات میں صحیح نہیں ہونا چاہیے۔ فقط

جنازہ مسجد سے باہر رکھا ہو پھر بھی لوگوں کا مسجد میں کھڑے ہوکر نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۲۸۰۳) ایک مسجد کے نمازی چاہتے ہیں کہ محراب کی جگہ ایک چھوٹا دروازہ بنایا جاوے اور اس میں کواڑ لگائے جائیں اور میت کو باہر محراب مسجد کے سامنے رکھا جاوے اور دروازہ کھولا جاوے اس طریق سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۴۶۵/۱۳۳۹ھ)

الجواب: صحیح ومختار یہ ہے کہ اس سے کراہت مرتفع نہیں ہوتی۔ کما في الدّر المختار: والمختار الکراهة مطلقًا إلخ (الدّر المختار) أي ...... سواء کان المیّت فیه أو خارجه هو ظاهر الرّوایة إلخ (شامي) وهو الموافق لإطلاق حدیث أبي داؤد من صلّی علی میّت في المسجد فلا صلاۃ له [2] (الدّر المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۴-۳۰۵)

---

(۱) الدّر المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۸-۱۲۰، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في کراهة صلاۃ الجنازۃ في المسجد.

(۲) الدّر المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۱۸-۱۲۰، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في کراهة صلاۃ الجنازۃ في المسجد.

عیدگاہ میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۰۴) عیدگاہ میں نمازِ جنازہ مکروہ ہے یا نہ؟ (۲۶۴۵/۱۳۴۳ھ)

الجواب: کتب فقہ میں تصریح کی ہے کہ نمازِ جنازہ مسجد جماعت میں مکروہ ہے، یعنی جس مسجد میں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا جمعہ اور پنج وقتی نماز باجماعت ہوتی ہو؛ چنانچہ درمختار میں ہے: **وكرهت تحريمًا ، وقيل : تنزيهًا في مسجد جماعة إلخ** [۱] پس اس قید **في مسجد جماعة** سے معلوم ہوتا ہے کہ عیدگاہ میں جماعت جنازہ جائز ہو؛ لیکن احوط یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ بانی عیدگاہ نے اس کو جنازہ کی نماز کے لیے نہیں بنایا تو نمازِ جنازہ اس میں نہ پڑھنی چاہیے، البتہ جو مسجد نمازِ جنازہ کے لیے ہی مخصوص کی گئی ہو اس میں درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۰-۳۰۱)

سوال: (۲۸۰۵) عیدگاہ جو ایک جگہ محدود ہے جیسے دیوبند کی عیدگاہ یہ حکم میں مسجد کے ہے یا نہیں؟ اور اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مولویوں نے اس کو مسجد قرار دی ہے کہ عیدگاہ بھی حکم میں مسجد کے ہے اور نمازِ جنازہ پڑھنے کو منع کر دیا ہے؛ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بہ حوالہ کتاب تحریر ہو۔ بعض قصبات میں قبرستان کے متصل ہی عیدگاہ بنی ہوئی ہے وہاں عیدین کی نماز ہوتی ہے اور نمازِ جنازہ بھی وہاں ہوتی ہے، اور ایک مدت دراز سے ایسا کرتے چلے آئے ہیں، اب بعض حضرات نے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنے سے روکا ہے شرعًا کیا حکم ہے؟ (۲۰۷۱/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وأمّا المتّخذ لصلاة جنازة أوعيد فهو مسجد في حقّ جواز الاقتداء وإن انفصل الصّفوف رفقًا بالنّاس لا في حقّ غيره به يفتىٰ،نهاية، فحلّ دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد ورباط ومدرسة ومساجد حياض وأسواق إلخ** [۲] **وأيضًا فيه في صلاة الجنازة : وكرهت تحريمًا ، وقيل : تنزيهًا في مسجد جماعةإلخ ،**

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/۳۷۲، كتاب الصّلاة ، باب ما يفسد الصّلاة ومايكره فيها مطلب في أحكام المسجد .

قوله: (في مسجد جماعة) أي المسجد الجامع ومسجد المحلّة إلخ [1] ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صلاۃ جنازہ عیدگاہ میں ادا کرنا درست ہے خاص کر وہ عیدگاہ کہ اس کو دونوں کاموں کے لیے بنایا ہو، یعنی نماز عیدین کے لیے بھی اور نمازِ جنازہ کے ادا کے لیے بھی تو اس میں ادائے نمازِ جنازہ بلا کراہت بلاتردد درست ہے، لیکن اگر اس وجہ سے کہ بعض فقہاء نے عیدگاہ کو من جمیع الوجوہ مسجد کا حکم دیا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے نقل کیا ہے نماز جنازہ اس میں ادا کرنے سے احتیاط کی جاوے خصوصًا جبکہ دوسرا موقع ادائے نماز جنازہ کے لیے موجود ہو تو یہ بہتر واحوط ہے۔
قال في الشّامي: ومقابل هٰذا المختار ما صحّحه في المحيط في مصلّى الجنازة أنّه ليس له حكم المسجد أصلاً وما صحّحه تاج الشّريعة أن مصلّى العيد له حكم المساجد إلخ [1]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۰/۵-۳۲۲)

نمازِ جمعہ کے انتظار میں نمازِ جنازہ میں تاخیر کرنا مکروہ ہے

سوال: (۲۸۰۶) عوام میں مروج ہے کہ شب جمعہ میں یا جمعہ کی صبح کو میت ہوجاتی ہے تو اس کی تجہیز وتکفین جلدی نہیں کرتے، اس وجہ سے کہ جمعہ پڑھ کر بہت لوگ نماز جنازہ پڑھیں گے؛ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (۸۵۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: تجہیز وتکفین میں جلدی کرنی چاہیے جمعہ کی نماز کا انتظار نہ کرنا چاہیے مسئلہ یہ ہے [2]
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۶۵/۵)

سوال: (۲۸۰۷) اگر جمعہ کی صبح کو کوئی مسلمان انتقال کرے تو اس کو جمعہ کی نماز سے پہلے

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۱۸/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الجنازة في المسجد.
(۲) وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلّى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة إلّا إذا خيف فوتها بسبب دفنه (الدّرّ المختار) والأفضل أن يعجّل بتجهيزه كلّه من حين يموت، بحر. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميّت) ظفير

دفن کرنا اولیٰ ہے یا زیادتی ثواب کے خیال سے جمعہ کی نماز کے ساتھ اس کی نماز پڑھی جاوے؟ (۱۴۱۶/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ اگر جمعہ کی رات یا صبح کو کوئی شخص مرے تو اس کی تجہیز وتکفین میں جلدی کی جاوے، اور تاخیر نہ کی جاوے کہ جمعہ کے بعد بڑے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ ہو یہ مکروہ ہے، بلکہ چاہیے کہ حتی الوسع قبل جمعہ ہی دفن کیا جاوے، البتہ اگر جمعہ کا وقت قریب آ گیا ہو اور پہلے دفن کرنے میں جمعہ کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پھر بعد جمعہ کے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جاوے۔ عبارت درمختار کی یہ ہے: **وکره تأخير صلاته ودفنه ليصلّي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة إلّا إذا خيف فوتها بسبب دفنه إلخ**[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۶/۵-۴۰۷)

جمعہ کے دن فرضوں کے بعد نمازِ جنازہ پڑھنا پھر جمعہ کی سنتیں پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۸۰۸) چھاؤنی انبالہ کی جامع مسجد میں جب کوئی جنازہ آ جاتا ہے جمعہ کے روز تو اس کی نماز؛ جمعہ کے فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے پڑھ لیتے ہیں، اور جنازہ کو مسجد سے باہر رکھ کر پڑھتے ہیں؛ یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۱۹۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ صورت کہ جنازہ باہر مسجد سے رہے اور نمازی مسجد میں اس کو بعض فقہاء نے جائز فرمایا ہے؛ لیکن اصح یہ ہے کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ **كذا في الدرّ المختار**[2] باقی یہ کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد نمازِ جنازہ پڑھیں اور سنت جمعہ کی بعد نماز جنازہ کے پڑھیں یہ جائز ہے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۶/۵)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) **وكرهت تحريمًا، وقيل: تنزيهًا في مسجد جماعة هو أي الميّت فيه وحده أو مع القوم، واختلف في الخارجة عن المسجد وحده أو مع بعض القوم، والمختار الكراهة مطلقًا، خلاصة، بناءً على أنّ المسجد إنّما بني للمكتوبة وتوابعها إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۸/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة صلاة الجنازة في المسجد)**

مسجد کے فرش پر نمازِ جنازہ مکروہ ہے

سوال: (۲۸۰۹) مسجد کے چبوترہ پر نماز جنازہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۱۲۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسجد کے فرش پر نماز جنازہ مکروہ ہے، مسجد سے بالکل خارج ہونی چاہیے (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۷)

مسجد میں نمازِ جنازہ کے بارے میں مسلم شریف کی حدیث سے استدلال درست نہیں

سوال: (۲۸۱۰) مسلم شریف کی حدیث ذیل ہم حنفیوں کے لیے قابل حجت اور واجب العمل ہوسکتی ہے یا نہیں؟ عن أبي سلمة بن عبد الرّحمٰن أنّ عائشة لما توفّي سعد بن أبي وقّاص قالت: ادخلوا به المسجدَ إلخ (۲) (۲۴۵/۱۳۳۵ھ)

الجواب: نہیں ہوسکتی کہ وہ مؤول ہے اور مبنی علی العذر ہے علاوہ بریں دیگر حضرات نے اس پر انکار فرمایا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۹۴-۲۹۵)

---

(۱) وکرهت تحريمًا ، وقيل : تنزيهًا في مسجد جماعة إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۱۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة)

(۲) پوری حدیث اس طرح ہے: قالت: ادخلوا به المسجد حتّى أصلّي عليه فأُنكر ذٰلك عليها فقالت: والله ! لقد صلّى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم على ابني بيضاء في المسجد سهيل وأخيه ، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۱۴۵، كتاب الصّلاة ، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها ، الفصل الأوّل)

و ما روته عائشة رضي الله عنها يجوز أن يكون ذٰلك لضرورة دعت إليه ، وقد يروى أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كان معتكفًا لهٰذا صلّى في المسجد ، و أيضًا قالوا : إنّ مصلّى المسجد كان مكانًا متّصل المسجد ، فيحتمل أن رواية الصّلاة في المسجد باعتبار كونه قريبًا من المسجد ، اللّمعات . (حاشية مشكاة المصابيح ، ص: ۱۴۵، رقم الحاشية: ۴)

ہندو مسلم ایک جگہ جل کر مر جائیں اور تمیز نہ ہو سکے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۱۱) چند اشخاص ہندو اور مسلمان آگ میں جل کر مر گئے اور کسی عضو سے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ ہندو ہے یا مسلمان تو نماز جنازہ کیوں کر پڑھی جاوے؟ (۶۴۲/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: مسلمانوں کی نیت سے نماز پڑھی جائے۔ کذا في الشامي [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۹۸/۵)

سوال: (۲۸۱۲) ایک مکان میں دس پانچ ہندو، اور دس پانچ مسلمان تھے، آگ لگ کر سب جل گئے، اور کوئی نشان ایسا نہیں جو پہنچانا جاوے؛ اب کیا کرنا چاہیے؟ (۱۸۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اگر مسلمان زیادہ تھے تو سب مردوں کو مسلمانوں کی طرح کفن دے کر نماز پڑھی جائے، اور نماز میں صرف مسلمانوں کی نیت کی جائے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیے جائیں، اور اگر کافر زیادہ تھے تو بھی یہی معاملہ کیا جائے، مگر مقابر مشرکین میں دفن کیے جائیں، اور اگر کسی مستقل علیحدہ جگہ میں ان کا قبرستان بنا دیا جائے تو احتیاط ہے [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۳/۵)

سوال: (۲۸۱۳) ایک مکان میں ہندو اور مسلمان جل جاویں تو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کو لکھا ہے [2] مگر ہندو کہتے ہیں کہ ہمارے ہم کو دو تو کیا کرنا چاہیے؟ (۴۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ہندو اگر کہتے ہیں تو ان سے کہہ دیا جاوے کہ وہ پہچان کر اپنے مردوں کو لے جاویں فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۴/۵)

---

(۱) اختلط موتانا بكفّار، ولا علامة اعتبر الأكثر، فإن استووا غسّلوا، واختلف في الصّلاة عليهم ومحلّ دفنهم كدفن ذمّية حبلٰى من مسلم، قالوا: والأحوط دفنها على حدة (الدّرّ المختار) واختلف في الصّلاة عليهم قال في الحلبة: فإن كان بالمسلمين علامة فلا إشكال في إجراء أحكام المسلمين عليهم وإلّا فلو المسلمون أكثر صلّى عليهم وينوي بالدّعاء المسلمين إلخ. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۸۸/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلّا سببي ونسبي) ظفیر

(۲) اس سوال میں سابقہ جواب کی طرف اشارہ ہے؛ اس لیے کہ اس سوال اور سابقہ سوال کا سائل ایک ہی شخص ہے۔ محمد امین پالن پوری

جل کر مرنے کی وجہ سے ہندو اور مسلمان میں امتیاز باقی نہ رہے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۱۴) ایک مکان کے کسی کمرہ میں دو آدمی رہتے ہوں جس میں ایک ہندو اور دوسرا مسلمان ہو، بہ مشیت ایزدی مکان مذکور میں آگ لگ جائے جس کے ہمراہ دونوں مردمان اس قدر جل جائیں کہ ان کا گوشت و پوست باقی نہ رہے، جس کو دونوں کے وارثان علامت ظاہری سے نہ شناخت کر سکیں کہ کون مسلمان و کون ہندو تھا، اور یہ دونوں وارثوں کو منظور ہے کہ اگر شناخت ہوجاوے تو ہم دونوں اپنے اپنے دین کے مطابق ہر دو کی تجہیز و تکفین کریں، اور بہ حکم شرع شریف کے ہم کو شناخت بتلائی جاوے کہ کوئی شک باقی نہ رہے؟ (۱۷۱/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ کوئی علامت شناخت کی باقی نہیں رہی تو اس کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ کے بارے میں شرعاً یہ حکم ہے کہ ان دونوں کو غسل دیا جاوے اگر قابل غسل ہوں، اور دونوں کو کفن پہنایا جاوے اور نماز جنازہ کی؛ بہ نیت نماز جنازہ مسلمان پڑھی جاوے، جو ان میں سے مسلمان ہے اس کے جنازہ کی نماز ہوجاوے گی اور کافر کی نہ ہوگی۔ **هكذا فصله وحقّقه في الشّامي: ۱/ ۸۰۵، باب صلاة الجنازة[1] فقط والله تعالىٰ أعلم** (۳۵۳/۵-۳۵۴)

سوال: (۲۸۱۵) دو ہندو اور ایک مسلمان ایک مکان میں رہتے تھے، اتفاقاً آگ لگ کر سب جل مر گئے، کوئی علامت امتیازی باقی نہ رہی اس مسلمان کی نماز کیوں کر پڑھی جاوے؟

(۲۵۶۶/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) اختلط موتانا بكفّار ، ولا علامة اعتبر الأكثر، فإن استووا غسّلوا ، واختلف في الصّلاة عليهم إلخ (الدّرّ المختار) قال الشّامي: بعد ذكر التّفصيل عن شرح مختصر الطّحاوي للاسبيجابي في قوله اعتبر الأكثر: لكن يغسلون ويكفون إلخ ، ثمّ قال: قوله: (واختلف الصّلاة عليهم) فقيل: لا يصلّى —— إلىٰ أن قال —— وقيل : يصلّى ويقصد المسلمين إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۸۸، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلاّ سببي ونسبي) ظفیر

الجواب: دونوں کو سامنے رکھ کر مسلمان کی نیت سے اس کے جنازہ کی نماز پڑھیں [1] فقط (۳۰۷/۵)

اوقاتِ ثلاثہ مکروہہ میں نمازِ جنازہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۱۶) جناب کے ایک خط کی نقل بندہ کے پاس آئی اس میں لکھا ہے کہ صلاۃ جنازہ کو اوقات ثلاثہ میں ادا کرنا چاہیے، اور یہ دلیل لکھی ہے **ثلاث لا یؤخّرن** اور حدیث عقبہ بن عامر کو مقابل قرار دیکر تطبیق فرمائی ہے اور تاویل کردی ہے، احقر کو اس میں شبہ ہے اولاً شبہ یہ ہے کہ حدیث: **ثلاث لا یؤخّرن.** صریح دلالت نہیں کرتی ہے اس بات پر کہ اوقات مکروہہ میں صلاۃ جنازہ پڑھی جاوے اور حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ کی صریح دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اوقات ثلاثہ میں صلاۃ جنازہ نہ پڑھے، دوسرا شبہ یہ ہے کہ اگر مباح اور منہی میں تقابل ہو تو منہی کو ترجیح دی جاتی ہے، پھر کس طرح اوقات ثلاثہ مکروہہ میں صلاۃ جنازہ بلا کراہت تنزیہی ادا ہوگی۔ (۲۲۴۴/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: مسئلہ یہ ہے کہ اگر حضور جنازہ جو کہ سبب ہے وجوب صلاۃ جنازہ کا عین اوقات ثلاثہ میں ہو تو حنفیہ کے نزدیک نماز کو مؤخر کرنا نہیں چاہیے؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ فوراً ادا کرلی جاوے، اور اگر حضور جنازہ اوقات ثلاثہ سے پہلے ہو چکا ہے تو حنفیہ کے نزدیک اوقات ثلاثہ میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، وجہ فرق کی یہ ہے کہ صورت اولیٰ میں وجوب ناقصاً ہوا اور ادا بھی ناقصاً ہوئی، اور صورت ثانیہ میں وجوب کاملاً تھا اور ادا ناقصاً ہوئی، اس لیے مکروہ تحریمی ہوئی، بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک بالکل صحیح نہیں ہوئی، پس اصل صلاۃ جنازہ میں یہی ہے کہ مؤخر نہ کی جائے؛ جیسا کہ حدیث:

---

(۱) لو لم یدرأ مسلم أم کافر ولا علامة فإنّ في دارنا غسل وصلّی علیه وإلّا لا (الدّرّ المختار) إنّ العلامة مقدّمة وعند فقدها یعتبر المکان في الصّحیح لأنّه یحصل به غلبة الظّنّ کما في النّهر عن البدائع، وفیها أنّ علامة المسلمین أربعة: الختان والخضاب ولبس السّواد وحلق العانة أهـ، قلت في زماننا لبس السّواد لم یبق علامةً للمسلمین. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۸۸/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حدیث کلّ سبب و نسب منقطع إلّا سببي ونسبي) ظفیر

ثلاث لا یؤخّرن[۱] سے معلوم ہوتا ہے، ہاں جس جگہ مانع موجود ہو وہاں تاخیر کی جائے گی؛ جیسا کہ صورت ثانیہ میں جو ہم نے ذکر کی؛ یعنی اس صورت میں جس میں حضور جنازہ اوقات ثلاثہ سے پہلے ہوا ہو، پس حدیث عقبہ بن عامر[۲] کی اس صورت پر محمول ہوگی، اور حدیث: ثلاث لا یؤخّرن پہلی صورت پر یعنی اس پر جس میں حضور جنازہ ان ہی اوقات میں ہو، گویا ہر ایک کے عموم میں دوسری روایت سے تخصیص کی گئی، کیونکہ خبر واحد کی تخصیص خبر واحد سے ہوسکتی ہے، اور قیاس اسی کے موافق ہے، الغرض اس تعلیل کے موافق جو پہلے لکھی گئی ہے دونوں حدیثوں کا محمل متعین کیا گیا، اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ حدیث عقبہ کی صریح ہے اور حدیث ثلاث لا یؤخرن صریح نہیں، کیونکہ حدیث عقبہ اوقات ثلاثہ کے ذکر میں تو بلا شبہ صریح ہے، لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضور جنازہ کس وقت میں ہوا، اور حدیث: ثلاث لا یؤخّرن اگر چہ حضور جنازہ کے ذکر میں صریح ہے مگر اوقات کے ذکر میں صریح نہیں، اور یہ شبہ کہ اباحت وحرمت میں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے؛ یہ جب ہے جب کہ مبیح ومحرم متعارض ہوں، اور کوئی دوسری وجہ ترجیح مبیح کی نہ ہو اور مسئلہ مذکورہ میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایک صورت میں مبیح کو ترجیح ہونی چاہیے، اور ایک میں محرم کو اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ طلوع وغروب کے وقت بعض روایات سے فجر وعصر کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے اباحت، تو صدر الشریعہ وغیرہ نے فجر میں حدیث تحریم کو ترجیح دی اور عصر میں حدیث اباحت کو[۳] اسی طرح یہاں بھی

(۱) عن عليّ رضي الله عنه أنّ النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال : يا عليّ ! ثلاث لا تؤخّرها: الصّلاة إذا أتت ، والجنازة إذا حضرت ، والأيّم إذا وجدت لها كفوًا، رواه التّرمذي (مشكاة المصابيح، ص:۶۱، كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّاني) ظفیر

(۲) عن عقبة بن عامر قال : ثلاثُ ساعاتٍ كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ينهانا أن نصلّي فيهنّ أو أن نَقْبُرَ فيهنّ موتانا حين تطلع الشّمسُ بازغةً حتّى ترتفع، وحين يقوم قائمُ الظّهيرة حتّى تميلَ الشّمسُ، وحين تضيف الشّمسُ للغروب حتّى تغرب، رواه مسلم. (مشكاة المصابيح، ص:۹۴، كتاب الصّلاة ، باب أوقات النّهي ، الفصل الأوّل)

(۳) قلنا: لمّا وقع التّعارض بين هذا الحديث وبين النّهي الوارد عن الصّلاة في الأوقات الثلاثة ، رجعنا إلى القياس كما هو حكم التّعارض ، والقياس رجّح هذا الحديث في صلاة العصر وحديث النّهي في صلاة الفجر (شرح الوقاية: ۱/۱۳۲، كتاب الصّلاة ، قبل باب الأذان)

کوئی اشکال نہیں، اب بعض عبارات فقہیہ نقل کرتا ہوں جس میں مضمون بالا کی بھی تصریح ہوگی اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ صورتین مذکورتین میں سے صورت اولیٰ میں تاخیر کا بلا کراہت جائز ہونا بلکہ افضل عدم تاخیر کا ہونا کن کن محققین کی رائے ہے، علامہ ابن عابدینؒ درمختار کے قول و في التّحفة الأفضل أن لا تؤخّر الجنازة کے تحت میں لکھتے ہیں: وما في التّحفة أقرّهٗ في البحر والنّهر والفتح والمعراج لحديث ثلاث لا يؤخّرن منها الجنازة إذا حضرت، وقال في شرح المنية: والفرق بينها وبين سجدة التّلاوة ظاهر لأنّ التّعجيل فيها مطلوب مطلقًا إلّا لمانع، وحضورها (في وقت مباح مانع من الصّلاة عليها في وقت مكروه بخلاف حضورها في وقت مكروه و)[1] بخلاف سجدة التّلاوة لأنّ التّعجيل لا يستحبّ فيها مطلقًا أهـ [2] (ردّ المحتار: ۱/ ۵۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۲۳-۳۲۵)

غروبِ آفتاب کے وقت نمازِ جنازہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۱۷) شخصے نماز جنازہ بہ وقت غروب می خواند؛ آیا شخص مذکور مصیب است ونماز جنازہ را اجر ہست یا نہ؟ ونماز جنازہ را اعادہ کردن لازم است یا نہ؟ (۱۳۳۹/۸۲ھ)

الجواب: آن شخص در ادائے نماز جنازہ مصیب است و اجر نماز جنازہ اورا حاصل است وحاجت اعادہ نیست بلکہ اعادہ جائز نیست۔ لما مرّ من الرّوايات [3] ونقل في الشّامي عن شرح المنية: بخلاف حضورها في وقت مكروه إلخ [4] أي تجوز الصّلاة عليها في هذه الصّورة بلا كراهة. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۷۱)

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۳۲، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

(۳) روایات؛ سابقہ جواب کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) ردّ المحتار: ۲/ ۳۲، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

ترجمہ سوال: (۲۸۱۷) ایک شخص نمازِ جنازہ غروب کے وقت پڑھتا ہے، کیا شخص مذکور مصیب ہے اور نمازِ جنازہ کا کوئی ثواب ہے یا نہ؟ اور نمازِ جنازہ کا اعادہ کرنا لازم ہے یا نہ؟

الجواب: وہ شخص نمازِ جنازہ ادا کرنے میں مصیب ہے، اور نمازِ جنازہ کا اجر اس کو حاصل ہے، اور اعادہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ اعادہ جائز نہیں ہے، ان روایات کی وجہ سے جو گزریں، اور شامی میں شرح منیہ سے منقول ہے: **بخلاف حضورها في وقت مكروه إلخ.** فقط واللہ اعلم

وضاحت: غروبِ آفتاب کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا اس وقت درست ہے، جب جنازہ غروبِ آفتاب کے وقت آیا ہو، لیکن جنازہ غروبِ آفتاب سے پہلے آیا ہو تو غروبِ آفتاب کے وقت نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، جیسا کہ سابقہ جواب میں مذکور ہے۔ محمد امین پالن پوری

طلوع و غروب اور استواء آفتاب کے وقت جنازہ آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۱۸) اگر بہ وقت طلوع و غروب و استواء آفتاب جنازہ حاضر شود بلا انتظار وقت مباح دریں اوقات نماز جنازہ ادا کردن جائز است یا نہ؟ بلا کراہت جائز است یا مع الکراہت؟

(۱۳۳۶-۳۵/۸۰۱ھ)

الجواب: اگر جنازہ دریں اوقات حاضر شود بلا انتظار وقت مباح نماز جنازہ گذاردن درآں اوقات جائز است بلا کراہت تحریمی، و در شامی گفتہ کہ کراہت تنزیہی است کہ مآلش غیر اولیٰ است یعنی بہتر ایں است کہ در وقت مباح نماز گذارند۔ **في الدّرّ المختار: فلو وجبتا فيها لم يكره فعلهما أي تحريمًا (الدّرّ المختار) قوله: (أي تحريمًا) أفاد ثبوت الكراهة التّنزيهيّة** [۱] **وفي التّحفة: ما يدلّ على نفي الكراهة أيضًا** [۱] فقط واللہ اعلم (۳۴۰/۵-۳۴۱)

ترجمہ سوال: (۲۸۱۸) اگر طلوع و غروب اور استواء آفتاب کے وقت جنازہ آجائے تو وقت مباح کا انتظار کیے بغیر ان اوقات میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز ہے یا نہ؟ بلا کراہت جائز ہے یا مع الکراہت؟

---

(۱) الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۳۲/۲، كتاب الصّلاة، مطلب: يشترط العلم بدخول الوقت.

الجواب: اگر جنازہ ان اوقات میں آجائے تو وقت مباح کا انتظار کیے بغیر ان اوقات میں نمازِ جنازہ ادا کرنا بلا کراہت تحریمی جائز ہے، اور شامی میں کہا ہے کہ کراہت تنزیہی ہے، جس کا حاصل غیر اولیٰ ہے، یعنی بہتر یہ ہے کہ وقت مباح میں نمازِ جنازہ پڑھیں، درمختار میں ہے: **فلو وجبتا فيها إلخ .** فقط

سوال: (۲۸۱۹) اگر جنازہ در وقت مکروہ رسید؛ آیا رسیدن مذکور زیر مفہوم **إذا حضرت** (۱) داخل است یا نہ؟ (۱۳۳۹/۸۲ھ)

الجواب: داخل نیست۔ فقط (۳۷۱/۵)

ترجمہ سوال: (۲۸۱۹) اگر جنازہ وقت مکروہ میں پہنچے تو کیا مذکورہ پہنچنا **إذا حضرت** کے مفہوم میں داخل ہے یا نہ؟

الجواب: داخل نہیں ہے۔ فقط

وضاحت: اس میں تسامح ہے، سائل یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں جنازہ آجائے تو مباح وقت کا انتظار کیے بغیر نمازِ جنازہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جائز نہیں۔ مگر سابقہ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اوقات میں نمازِ جنازہ ادا کرنا بلا کراہت تحریمی جائز ہے، اور یہی صحیح ہے، یعنی اوقاتِ مکروہہ میں جنازہ آجائے تو **إذا حضرت** کے مفہوم میں داخل ہے۔ محمد امین پالن پوری

نمازِ جنازہ عصر ومغرب کے درمیان درست ہے

سوال: (۲۸۲۰) جنازہ کی نماز مابین عصر ومغرب جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۴-۳۳/۵۹۳ھ)

الجواب: مابین عصر ومغرب کے جنازہ کی نماز مکروہ نہیں ہے۔ **كما في الدرّ المختار: لا يكره قضاء فائتة إلخ وصلاة جنازة إلخ** (۲) **(الدرّ المختار)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۳۵/۵)

---

(۱) **عن عليّ رضي الله عنه أنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال : يا عليّ ! ثلاث لا تؤخّرها: الصّلاة إذا أتت ، والجنازة إذا حضرت ، والأيّم إذا وجدت لها كفوًا، رواه التّرمذي (مشكاة المصابيح ،** ص:۶۱، **كتاب الصّلاة ، باب تعجيل الصّلاة ، الفصل الثّاني)**

(۲) **الدرّ المختار مع الرّدّ:** ۳۴/۲، **كتاب الصّلاة ، مطلب : يشترط العلم بدخول الوقت .**

نمازِ جنازہ سنتوں سے پہلے پڑھے یا بعد میں؟

سوال: (۲۸۲۱) ظہر کے وقت یا کسی دوسرے وقت اگر جنازہ آوے تو پہلے فرض اور سنت پڑھ کر پھر نمازِ جنازہ پڑھے یا فرضوں کے بعد اور سنت سے پہلے یا کیا کرنا چاہیے؟ (۳۳/۱۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں اوّل یہ نقل کیا ہے کہ صلاۃ جنازہ سنتوں سے مقدم کرے، اور شامی میں ہے کہ سنت ظہر اور جمعہ اور عشاء سے پہلے پڑھے[۱] پھر درمختار میں ہے: **لکن في البحر .... عن الحلبي : الفتوی علی تأخیر الجنازة عن السّنّة إلخ**[۱] اس کا حاصل یہ ہے کہ فتوی اس پر ہے کہ نمازِ جنازہ کو سنت کے بعد ادا کرے؛ اس پر کچھ شبہ کیا ہے، غرض یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے جیسی ضرورت ہو ویسا کرلیا جاوے کچھ حرج نہیں ہے (مثلاً اگر یہ صورت ہو کہ نماز ظہر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھ کر جنازہ کے ساتھ جانا ہے اس کے اٹھانے وغیرہ کی وجہ سے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ سنتِ ظہر سے فارغ ہو کر نمازِ جنازہ پڑھے اور پھر جنازہ کے ساتھ چلا جاوے)[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۵۸/۵)

نمازِ جنازہ جمعہ کی سنتوں سے پہلے پڑھنی چاہیے یا بعد میں؟

سوال: (۲۸۲۲) بعد نماز جمعہ فوراً نماز جنازہ پڑھ لی جائے یا سنت وغیرہ پڑھ کر؟[۳] (۲۰۴۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وتقدم صلاة الجنازة علی الخطبة وعلی سنّة المغرب وغیرها إلخ . قوله: (وغیرها) کسنّة الظّهر والجمعة والعشاء إلخ**[۴] (شامي) اس سے

---

(۱) **وتقدّم صلاة الجنازة علی الخطبة وعلی سنّة المغرب وغیرها (الدّرّ المختار) قوله: (وغیرها) کسنّة الظّهر والجمعة والعشاء (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۴۳/۳-۴۴، کتاب الصّلاة ، باب العیدین، مطلب فیما یترجّح تقدیمُه من صلاة عیدٍ وجنازةٍ أو کسوفٍ أو فرضٍ أو سنّةٍ)**

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۴) حوالہ کی تخریج سابقہ جوابات میں آچکی ہے۔

معلوم ہوا کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد پہلے صلاۃ جنازہ ادا کر کے پھر سنتیں پڑھیں۔ فقط (۳۶۷/۵)

ظہر میں دیر ہو تو نمازِ جنازہ ظہر سے پہلے پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۸۲۳) یہاں ایک اعلیٰ عہدہ دار کی صاحب زادی کا انتقال ہو گیا، نمازِ جنازہ وغیرہ کی شرکت کے لیے نو بجے کا وقت مشتہر کر دیا گیا تھا؛ چنانچہ وقت معینہ پر لوگ آ گئے؛ لیکن یہاں پر خلاف امید کئی گھنٹہ کی دیر لگ گئی، بہت سے آدمی کھانا کھا کر نہیں گئے تھے، وہ دل ہی دل میں گھبرا رہے تھے، گیارہ بجے کے بعد جنازہ اٹھا، اور بارہ بجے قبرستان میں پہنچ گیا، قبر بالکل تیار تھی، اکثر لوگوں نے چاہا کہ اوّل نماز جنازہ پڑھ لی جائے، مگر زید نے اصرار کیا کہ اوّل ظہر کی نماز پڑھی جائے، اس کے بعد نماز جنازہ آیا، ایسی حالت میں جب کہ بارہ بجے ہوں، اور لوگ بھی گھنٹوں سے رکے ہوئے ہوں اور قبر بھی تیار ہو تو اوّل نماز جنازہ پڑھنا بہتر ہے یا نماز ظہر۔ بینوا توجروا؟

(۹۶۷/۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس میں دونوں قول ہیں تقدیم فرض وقت جنازہ کی نماز پر، اور تقدیم نمازِ جنازہ فرض وقت پر، چنانچہ درمختار میں ہے: **لکن في البحر قبیل الأذان عن الحلبي الفتوی علی تاخیر الجنازة عن السّنة ، وأقرّه المصّنف کأنه إلحاقًا لها بالصّلاة ، لکن في آخر أحکام دین الأشباه: ینبغي تقدیم الجنازة والکسوف حتّی علی الفرض ما لم یضق وقته إلخ** (۱) اور اس طرح دونوں قول شامی میں مذکور ہیں، پس جب کہ اس بارے میں دونوں طرح کے اقوال ہیں یعنی بعض فقہاء نمازِ جنازہ کے تقدیم کا حکم کرتے ہیں، اور بعض فرض وقت اور سنن مؤکدہ کی تقدیم کا حکم کرتے ہیں، جیسا موقع اور جیسی ضرورت ہو ویسا کیا جا سکتا ہے، پس صورت مسئولہ میں بہتر یہ تھا کہ نمازِ جنازہ پہلے ادا کی جاتی کیونکہ ظہر کی نماز کا وقت بہت باقی تھا، اور جنازہ میں تاخیر زیادہ ہو چکی تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۲/۵-۳۶۳)

---

(۱) الدّر المختار مع ردّ المحتار: ۴۳/۳-۴۴، کتاب الصّلاة ، باب العیدین ، مطلب فیما یترجّح تقدیمُه من صلاة عیدٍ وجنازةٍ أو کسوفٍ أو فرضٍ أو سنّةٍ .

زوال کے بعد پہلے ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے یا جنازہ کی؟

سوال: (۲۸۲۴) بعد زوال کے پہلے ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے یا جنازہ کی؟ اور بالخصوص ولی کے لیے اور اولیٰ کیا ہے؟ (۱۳۳۸/۸۴۰ھ)

الجواب: پہلے ظہر کی نماز مع سنت کے پڑھ لیں، اس کے بعد جنازہ کی نماز پڑھیں، ولی اور غیر ولی سب کے لیے حکم برابر ہے، لیکن اگر کسی ضرورت سے جنازہ کی نماز پہلے پڑھ لی جاوے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ پہلے ظہر کی نماز پڑھ لیں۔ کذا في الدّرّ المختار [1] فقط (۳۶۹/۵-۳۷۰)

نمازِ جنازہ عیدین کے خطبہ سے پہلے پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۸۲۵) اگر نمازِ جنازہ اور عیدین کی نماز مجتمع ہوجاویں تو بعد نماز عید اوّل نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا خطبہ؟ (۱۳۴۳/۲۵۷۴ھ)

الجواب: نمازِ جنازہ خطبہ سے پہلے پڑھنی چاہیے، اس سے فراغت کے بعد پھر خطبہ پڑھا جائے کیونکہ جنازہ کی نماز فرض ہے، اور خطبۂ عید سنت ہے، ظاہر ہے کہ فرض سنت سے مقدم ہوتا ہے قال الشّامي تحت قول الدّرّ المختار وتقدّم صلاة الجنازة علی الخطبة: وذٰلك لفرضيّتها وسنّيّة الخطبة إلخ [1] (شامي: ۱/ ۵۵۵) فقط واللہ اعلم (۳۰۰/۵)

سوال: (۲۸۲۶) اگر عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے روز کوئی موت ہوجاوے اور جنازہ عیدگاہ میں اس وقت پہنچے جب نماز پڑھ چکے ہوں تو نماز جنازہ قبل از خطبہ پڑھنے میں کچھ نقص شرعی تو نہیں ہے؟ یہاں بعد خطبہ کے پڑھی گئی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۷۳۰ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا ہے کہ نماز عیدین نماز جنازہ سے پہلے پڑھیں اور نماز جنازہ خطبہ سے پہلے پڑھیں [1] لیکن اگر خطبہ کے بعد پڑھی گئی تب بھی نماز ہوگئی کچھ وہم نہ کریں۔ فقط (۳۲۹/۵)

---

(۱) وتقدّم صلاتها علی صلاة الجنازة إذا اجتمعا إلخ، لکن في البحر: قبيل الأذان عن الحلبي: الفتوی علی تأخير الجنازة عن السّنّة. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۳/۳-۴۴، کتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب فيما يترجّح تقديمه من صلاة عيدٍ وجنازةٍ إلخ) ظفیر

نمازِ جنازہ عیدین کی نماز کے بعد پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۸۲۷) عید کی نماز سے قبل اگر کوئی جنازہ عیدگاہ میں آجاوے تو پہلے نماز جنازہ پڑھی جاوے یا عید کی؟ (۲۲۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز؛ جنازہ کی نماز سے پہلے ادا کریں، پھر جنازہ کی نماز پڑھیں، پھر خطبۂ عیدین کا پڑھا جاوے۔

وتقدّم صلاتها على صلاة الجنازة إلخ وتقدّم صلاة الجنازة على الخطبة إلخ (۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۱/۵)

سوال: (۲۸۲۸) اگر کوئی جنازہ عید کے روز احاطۂ مسجد عیدگاہ کے اندر قبل از نماز عید لاکر رکھا جاوے تو نماز جنازہ کس وقت پڑھنی چاہیے؟ اگر بعد نماز عید پڑھی جاوے تو خطبہ سے پہلے یا بعد میں؟ (۱۷۱۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **وتقدم صلاتها على صلاة الجنازة إذا اجتمعا لأنّه واجب عينًا إلخ وتقدّم صلاة الجنازة على الخطبة إلخ** (۱) اس سے معلوم ہوا کہ صلاۃ جنازہ نماز عیدین کے بعد پڑھنی چاہیے اور خطبہ سے پہلے پڑھنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۵/۵-۳۲۶)

سوال: (۲۸۲۹) بعد ادائے عید قبل از خطبہ صلاۃ جنازہ بہ کراہت جائز ہے یا بلا کراہت یا خلافِ اولیٰ ہے؟ (۲۰۹۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درمختار میں ہے عید کی نمازِ جنازہ کی نماز سے پہلے ہونی چاہیے، اور جنازہ کی نماز خطبہ سے پہلے ہونی چاہیے، پس مقدم کرنا جنازہ کا خطبۂ عیدین پر ضروری ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۴/۵-۳۶۵)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) یعنی اولیٰ اور بہتر ہے واجب نہیں۔ ۱۲ محمد امین پالن پوری

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۳۰) نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو کون سی تکبیر کے وقت؟ (۱۳۳۵/۶۰۰ھ)

الجواب: سورۂ فاتحہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں پڑھنا درست نہیں ہے مگر بہ نیت دعا پڑھے تو درست ہے اور محل اس کا تکبیر اولیٰ کے بعد ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۰/۵)

سوال: (۲۸۳۱) جنازہ کی نماز میں فاتحہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ فتاویٰ عالمگیریہ میں جواز لکھا ہے، اور قاضی ثناء اللہ صاحب قدس سرہٗ نے بھی اپنے وصیت نامہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کو جائز لکھا ہے۔ (۱۳۳۳-۳۲/۹۶۱ھ)

الجواب: فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ اگر بہ نیت دعا سورۂ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھیں تو درست ہے، یہی مطلب عالمگیریہ کی روایت کا ہے[۲] اور قاضی صاحب کی تحریر کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۶/۵)

سوال: (۲۸۳۲) نابالغ کی نمازِ جنازہ میں تیسری تکبیر کے بعد بجائے دعا فاتحہ پڑھنا کہاں تک صحیح ہے؟ (۱۳۴۲/۲۵۳ھ)

الجواب: نابالغ کے جنازہ کی نماز کا طریق یہ ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سبحانك اللّٰهمّ إلخ پڑھے، اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف اور تیسری تکبیر کے بعد دعا اللّٰهمّ اجعله لنا فرطًا إلخ اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا تیسری تکبیر کے بعد ضروری نہیں ہے،

---

(۱) وعيّن الشّافعي الفاتحة في الأولىٰ وعندنا تجوز بنيّة الدّعاء ، وتكره بنيّة القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه الصّلاة والسّلام . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۵/۳، كتاب الصّلاة باب صلاة الجنازة ، مطلب : هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) ظفیر

(۲) ولو قرأ الفاتحة بنيّة الدّعاء فلا بأس به إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱۶۴/۱، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفیر

اور اگر بہ طریق دعا سورۂ فاتحہ کو پڑھے تو درست ہے[۱] وعليه حمل ما ورد في الحديث[۲] فقط (۳۱۷/۵)

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ دعا کی نیت سے پڑھنا احناف کے نزدیک مکروہ نہیں اور دعا کی جگہ یارب! یارب! کہنا کافی نہیں؟

سوال: (۲۸۳۳) فاتحہ کو صلاۃ جنازہ میں بعد تکبیر ثالث کے اگر بجائے دعا بہ نیت دعا پڑھا جاوے عند الحنفیہ بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ بالتصریح تحریر فرمائیں، اگر بجائے ادعیہ بعد تکبیر ثالث لفظ یاربّ! یاربّ! یاربّ! کہہ دیا جاوے تو دعا کا کام دے گا یا نہ؟ کسی کتاب میں اس کے متعلق کچھ لکھا ہے یا نہیں؟ (۸۲۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: سورۂ فاتحہ کو بہ نیت دعا پڑھنا عند الحنفیہ مکروہ نہیں ہے، مکروہ بہ نیت قراءت قرآن پڑھنا ہے اور موقع سورۂ فاتحہ کا بعد تکبیر اوّل کے ہے[۳] والظاهر أنها حينئذٍ تقوم مقام الثناء

(۱) وصلاة الجنازة أربع تكبيرات ولو ترك واحدة منها لم تجز صلاته............فيكبّر للافتتاح ويقول : سبحانك اللّٰهمّ إلخ ، ثمّ يكبّر أخرى و يصلّي على النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، ثمّ يكبّر أخرى ويدعو للميّت وجميع المسلمين إلخ فإن كان الميّت صغيرًا عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ أنّه يقول: اللّٰهمّ اجعله لنا فرطًا إلخ، هٰذا إذا كان يحسن ذلك فإن كان لا يحسن يأتي بأي دعاء شاء ، ثمّ يكبّر الرّابعة ، ثمّ يسلّم تسليمتين إلخ ، ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدّعا فلا بأس به . (الفتاوى الهندية:۱/۱۶۴، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفیر

(۲) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب. (جامع التّرمذي :۱/ ۱۹۸-۱۹۹، أبواب الجنائز، باب ماجاء في القراءة على الجنازة بفاتحة الكتاب)

(۳) وعيّن الشّافعي الفاتحة في الأولىٰ وعندنا تجوز بنيّة الدّعاء ، وتكره بنيّة القراءة لعدم ثبوتها فيها عنه عليه الصّلاة والسّلام . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/ ۱۰۵، كتاب الصّلاة باب صلاة الجنازة ، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟) ظفیر

علیٰ ظاهر الرّواية من أنّه يسنّ بعد الأولیٰ التّحميد إلخ [۱] (شامي) پس تکبیر ثالث کے بعد اس کا محل نہیں ہے۔ اگر دعائے ماثورہ یاد نہ ہو بعد تکبیر ثالث اللّٰهمّ اغفر لنا إلخ، پڑھے جیسا کہ سابقاً شامی سے نقل کیا گیا تھا [۲] اور یارب! یارب! یارب! یارب! پر اکتفاء کرنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا گیا، اور اس میں نماز جنازہ اگر چہ ہو جاوے گی مگر سنت دعا حاصل نہ ہوگی۔ قال في الشّامي: قوله: (ويدعو إلخ) أي لنفسه وللميّت وللمسلمين لكي يغفر له فيستجاب دعاؤه في حقّ غيره ولأنّ من سنّة الدّعاء أن يبدأ بنفسه قال تعالیٰ: ﴿رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ الآية﴾ [۳] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۴۷-۳۴۸)

چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان دعا ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۳۴) نماز جنازہ میں چوتھی تکبیر اور سلام کے درمیان کوئی دعا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض کتب احناف میں جائز لکھا ہے اور بعض میں ناجائز۔ (۹/۷-۱۳۳۹ھ)

الجواب: ظاہر مذہب حنفیہ یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی دعا نہیں ہے، لہٰذا ترک ہی احوط ہے، اگر چہ جواز کی بھی روایات ہیں۔ درمختار میں ہے: ويسلّم بلادعاء إلخ، و في الشّامي: قوله: (بلادعاء) هو ظاهر المذهب [۴] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷۰-۳۷۱)

نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ سورتوں اور آیتوں کا پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۲۸۳۵) ایک شخص بے علم نمازِ جنازہ پڑھاوے اور بجائے ثنا و دعا کے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اور اِنَّا اَعْطَيْنَا سے نماز پڑھاوے اس کے لیے کیا حکم ہے؛ نماز ہوئی یا نہیں؟ (۱۵۳۰/۱۳۴۲ھ)

(۱) ردّ المحتار: ۳/۱۰۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط إلخ.
(۲) ثمّ أفاد أنّ من لم يحسن الدّعاء بالمأثور يقول: اللّٰهمّ اغفر لنا ولوالدينا وله والمؤمنين والمؤمنات. (ردّ المحتار: ۳/۱۰۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر
(۳) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۰۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.
(۴) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۰۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

الجواب: اس صورت میں نماز جنازہ ہوگئی، لیکن اس نے برا کیا کیونکہ قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں کا پڑھنا نمازِ جنازہ میں مکروہ ہے سوائے سورۂ فاتحہ کے کہ اس میں خلاف ہے، پس آئندہ ایسے شخص کو امام نہ ہونا چاہیے اور اس کو بھی چاہیے کہ ثنا و دعائے جنازہ یاد کرلیوے، اور کچھ سزا نہیں ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۱۷-۳۱۸)

فاسق کی امامت نمازِ جنازہ میں بھی مکروہ ہے

سوال: (۲۸۳۶) اگر دو چار شخص کسی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں تو ان کی نماز جنازہ امام مذکور کے پیچھے ہوجاتی ہے یا نہیں؟ (۹۳۵/ ۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس کے پیچھے نماز جنازہ ہوجاتی ہے، لیکن اگر اس امام کے عیوب اور نقص شرعی کی وجہ سے اس کو امامت سے علیحدہ کردیا ہے یعنی اس وجہ سے کہ وہ فاسق ہے تو اس کی امامت تمام نمازوں میں مکروہ ہے جنازہ کی نماز میں بھی مکروہ ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۰۱-۳۰۲)

کوئی نمازِ جنازہ پڑھانے والا نہ ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال: (۲۸۳۷) اگر بستی میں کوئی میت ہوگئی اور نماز جنازہ پڑھانے والا کوئی نہ ہو یا اگر کوئی آدمی پڑھا ہوا بھی ہو مگر نمازِ جنازہ نہیں پڑھا سکتا تو کیا کرنا چاہیے؟ (۱۲۸/ ۴۵-۱۳۴۴ھ)

الجواب: نماز میت کی ضرور ہونی چاہیے کم سے کم ایک آدمی بھی نمازِ جنازہ پڑھ لے گا تو فرضیت ادا ہوجاوے گی ورنہ سب گنہ گار ہوں گے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۰۲)

---

(۱) ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنيّة الدّعاء فلا بأس به إلخ . (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۶۴، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفير

(۲) ويكره.................إمامة عبد إلخ وفاسق. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲/ ۲۵۴-۲۵۵، كتاب الصّلاة ، باب الإمامة ، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد) ظفير

(۳) والصّلاة عليه صفتها فرض كفاية بالإجماع (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۹۶-۹۷ كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في صلاة الجنازة) ظفير

فوت شدہ عورت کا شوہر اور باپ دونوں موجود ہوں تو کس کی اجازت معتبر ہوگی؟

سوال: (۲۸۳۸) ایک عورت فوت ہوئی اس کا شوہر اور باپ دونوں موجود ہوں تو نمازِ جنازہ کے لیے کس کی اجازت معتبر ہوگی؟ (۵۷۵/۱۳۴۵ھ)

الجواب: اس صورت میں باپ احق ہے خود نماز جنازہ پڑھادے یا کسی کو اجازت دے۔ در مختار میں ہے: **ثمّ الوليّ بترتيب عصوبة الإنكاح إلخ وله إلخ الإذن لغيره فيها لأنّه حقّه فيملك إبطاله إلخ** [1] (الدّرّ المختار) وأقرّه الشّامي [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۲/۵)

شوہر کو اپنی فوت شدہ بیوی کی نمازِ جنازہ ضرور پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۸۳۹) خاوند کو اپنی زوجۂ متوفیہ کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ (۳۲/۲۱-۱۳۳۴ھ)

الجواب: شوہر کو اپنی زوجۂ متوفیہ کی نماز جنازہ پڑھنا درست ہے ضرور پڑھنی چاہیے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۵/۵)

ولی کے نمازِ جنازہ پڑھ لینے کے بعد اعادہ درست نہیں

سوال: (۲۸۴۰) ولی نے اگر نماز جنازہ کسی غیر عالم کو امام بنا کر پڑھ لی ہو تو اعادہ نمازِ جنازہ کا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۱۰۱۴/۱۳۳۹ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۳/۳-۱۱۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب تعظيم أولي الأمر واجب.

(۲) قوله عليه الصّلاة والسّلام لعائشة أمّ المؤمنين: لو متِ قبلي فغسلتكِ وكفنتكِ وصلّيتُ عليكِ الحديث. (مشكاة المصابيح، ص:۵۴۹، كتاب الفتن، باب وفاة النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم، الفصل الثّالث) ظفیر

الجواب: اقول وباللہ التوفیق: ولی کے نماز پڑھ لینے کے بعد راجح واحوط یہی ہے کہ اعادہ نہ کیا جاوے۔ **کما حقّقه في الشّامي: و إن صلّی الوليّ لم يجز لأحد أن يصلّي بعده أهـ، ونحوه في الكنز وغيره، فقوله: (لم يجز لأحد) يشمل السّلطان، ثمّ رأيت في غاية البيان قال ما نصّه: هذا على سبيل العموم حتّی لا تجوز الإعادة لا للسّلطان ولا لغيره** (۱) اور چونکہ تکرار نمازِ جنازہ عندالحنفیہ مشروع نہیں ہے؛ اس لیے بھی احوط بہ صورت اختلافِ روایات عدم اعادہ ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۰/۵)

منکرات کی وجہ سے نمازِ جنازہ ترک نہ کی جائے

سوال: (۲۸۴۱) اگر کسی کے پیر ومرشد کے جنازہ کے آگے اہل ہنود باجا بجاویں اور اہل خانہ کے منع کرنے کی وجہ سے وہ باز نہ آویں تو ایسی صورت میں عام مسلمانوں کو اور علماء کو اس جنازہ میں شرکت کرنی چاہیے یا نہیں؟ (۱۳۲۰/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: شامی میں منقول ہے کہ اتباع جنازہ منکرات کی وجہ سے نہ چھوڑا جاوے، بلکہ منکرات سے منع کیا جاوے۔ **ولا تترك لما يحصل عندها من منكراتٍ ومفاسدَ كاختلاط الرّجال بالنّساء وغير ذٰلك، لأنّ القربات لا تترك لمثل ذٰلك، بل على الإنسان فعلها، وانكار البدع، بل وإزالتها إن أمكن أهـ. قلت: ويؤيّد ما مرّ من عدم ترك اتّباع الجنازة وإن كان معها نساءٌ نائحاتٌ** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۰۲/۵-۳۰۳)

نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد پیشاب آنے کے شبہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی

سوال: (۲۸۴۲) زید نے نماز جنازہ پڑھائی پھر چند قدم چل کر معلوم ہوا کہ ذکر کے اوپر قطرہ

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۱۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب تعظيم أولي الأمر واجب.

(۲) ولذا قلنا: ليس لمن صلّى عليها أن يعيد مع الولي لأنّ تكرارها غير مشروع. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

(۳) ردّ المحتار: ۱۴۱/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور.

پیشاب آ گیا اور بعد دفن اس نے تنہا نماز قبر پر پڑھ لی تو وہ نماز ہوگئی یا نہیں؟ (۱۵/۱۷۱۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: پہلے ہی نماز ہوگئی تھی ایسے شبہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی [(۱)] اور دوبارہ قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھنی چاہیے تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۳)

رات میں نمازِ جنازہ درست ہے

سوال: (۲۸۴۳) رات کو نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۸۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: رات میں نماز جنازہ درست ہے [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۳)

مردہ کی ہڈیوں پر غسل ونماز نہیں

سوال: (۲۸۴۴) ایک شخص جنگل میں فوت ہوا پانچ روز بعد خبر معلوم ہوئی لیکن مردہ کا تمام جسم دستیاب نہیں ہوا، صرف سر کی کچھ ہڈیاں ملی ہیں، وہ بھی سرکار کے قبضہ میں ہیں، اس مردہ کی تجہیز وتکفین کی کیا صورت ہے؟ (۲۰۳۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: اس صورت میں ان ہڈیوں کے غسل وکفن کی کوئی صورت نہیں ہے، پس ان ہڈیوں کو جب کہ وہ سرکار سے مل جاویں ویسے ہی کسی جگہ دفن کردیا جاوے۔ درمختار میں ہے: **وجد رأس آدمي أو أحد شقّيه لا يغسل ولا يصلّی علیه بل یدفن، إلّا أن يوجد أكثر من نصفه ولو بلا رأسٍ إلخ** [(۳)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۳-۳۰۴)

---

(۱) وشكّ بالحدث أو بالعكس أخذ باليقين. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱/۲۵۴، كتاب الطّهارة، مطلب في أبحاث الغسل) ظفیر

(۲) عن ابن عبّاس أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم مرّ بقبر دُفن ليلاً فقال: متىٰ دُفن هٰذا؟ قالوا: البارحة، قال: أ فلا آذنتموني؟ قالوا: دفنّاه في ظلمة اللّيل فكرهنا أن نوقظك فقام فصففنا خلفه فصلّى عليه، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح، ص: ۱۴۵، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة، الفصل الأوّل)

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلّا سببي ونسبي.

جوعضو زندہ انسان سے الگ ہوگیا اس پر نمازِ جنازہ نہیں اور تنہا سر پر بھی نمازِ جنازہ نہیں

سوال: (۲۸۴۵) انسان کے جسم میں سے اگر کوئی عضو علیحدہ ہوجاوے، اور وہ انسان زندہ ہے تو اس عضو پر بھی نمازِ جنازہ کی ہونی چاہیے یا نہیں؟ یا اگر جسم سر سے علیحدہ ہوگیا، دھڑ علیحدہ ہے اور سر الگ ان دونوں میں سے ایک کا پتا ملتا ہے؛ ایک کا نہیں یعنی جسم ہے تو سر نہیں ملتا اور سر ہے تو جسم کا پتا نہیں ملتا، ایسی حالت میں جنازہ کی نماز کا کیا کیا جاوے؟[1] (۱۹۵۶/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: جوعضو زندہ انسان سے علیحدہ ہوا اس پر نمازِ جنازہ نہیں ہے، اور تنہا سر ملے تو بھی جنازہ کی نماز نہیں، اور اگر باقی جسم موجود ہے سوائے سر کے تو دھڑ کے جنازہ کی نماز پڑھے، الغرض قاعدہ یہ ہے کہ نصف سے زیادہ ملے تو جنازہ کی نماز ہے ورنہ نہیں۔ کذا في الدّرّ المختار: وجد رأس آدمي أو أحد شقّيه لا يغسل ولا يصلّى عليه ، إلاّ أن يوجد أكثر من نصفهٖ ولو بلا رأس إلخ[2] (درمختار: ۱/۸۰۴) فقط، واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۱۴-۳۱۵)

کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند، بہ روز سہ شنبہ، ۸/ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

میت کا اکثر حصہ جل کر خاکستر ہوگیا ہو تو غسل اور نماز واجب نہیں

سوال: (۲۸۴۶) مکان میں آگ لگ جانے کی وجہ سے اگر اکثر حصہ میت کا جل جاوے اور جو باقی ہو وہ بھی سیاہ مانند کوئلہ ہوگیا ہو، چہرہ ندارد ہو تو اس کو غسل وکفن دیا جاوے اور نماز اس پر پڑھی جاوے یا نہیں؟ بہ صورت جوازِ غسل وغیرہ اگر امام مسجد نے اس برائے نام لاش کو یونہی کپڑے

---

(۱) سوال وجواب رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیے گئے ہیں۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۸۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلاّ سببي ونسبي .

میں لپیٹ کر دفن کر دیا ہو تو اس کی اقتداء فی الصلاۃ کا کیا حکم ہے؟ بہ صورت عدم جواز غسل وکفن ونمازِ جنازہ کے ایسے امام کو جن نے بلا غسل کفن اور نماز کے مذکورہ بالا لاش کو دفنا دیا، اگر کوئی شخص خود غرضی اور شرارت کی وجہ سے خواہ مخواہ عوام میں ذلیل اور رسوا کرنے کے درپے ہو تو اس کی کیا سزا ہے؟
(۵۹۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: مسئلہ اس بارے میں یہ ہے کہ اگر اکثر حصہ میت کا باقی ہو یعنی نصف سے زیادہ باقی ہو اگر چہ بدون سر کے باقی ہو تو اس کو غسل دیا جاوے اور نماز اس پر پڑھی جاوے، اور اگر زیادہ حصہ جسم میت کا جل کر خاکستر ہو گیا اور کم حصہ باقی ہے تو غسل ونماز کچھ لازم نہیں ہے، درمختار میں ہے: **وجد رأس آدمي أو أحد شقّيه لا يغسل ولا يصلّى عليه بل يدفن، إلّا أن يوجد أكثر من نصفه ولو بلا رأس إلخ** (۱) پس جب کہ اس میت کا اکثر حصہ جل کر خاکستر ہو گیا تو غسل ونماز اس کی واجب نہیں ہے، ویسے ہی دفن کر دینا چاہیے، اور جس امام نے ایسا کیا کہ بہ وجہ مذکورہ بلا غسل ونماز اس کو دفن کرا دیا اس پر کچھ مؤاخذہ نہیں، اور اس کی امامت میں کچھ خلل اور کراہت نہیں ہے، اور اعتراض کرنا اس کے اس فعل پر اگر خود غرضی سے اور عداوت کی وجہ سے ہے تو سخت گناہ اور معصیت ہے، اس سے توبہ کرے، اور اگر بہ وجہ جہل کے ہے تو معذور ہے، لیکن جاہل کو کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرنا چاہیے خود ہی کوئی حکم نہ کر دینا چاہیے۔ **فإنّما شفاء العيّ السّوال** (۲) یعنی شفاء جہل سے دریافت کرنا ہے جاننے والوں سے۔ **قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَاسْئَلُوْآ اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾** (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۴/۵-۳۴۵)

غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں

سوال: (۲۸۴۷) نماز جنازہ غائبانہ کا کیا حکم ہے؟ (۳۲۰/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) **عن جابر رضي اللّٰه عنه قال:............ فإنّما شفاء العيّ الحديث. (سنن أبي داوٗد، ص:۴۹، كتاب الطّهارة – باب المجدور يتيمّم)**

(۳) سورۂ نحل، آیت: ۴۳۔ سورۂ انبیاء، آیت: ۷۔

الجواب: جنازۂ غائب پر عندالحنفیہ نماز صحیح نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: **فلا تصحّ على غائب إلخ**[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۸)

سوال: (۲۸۴۸) میت غائب پر نماز جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۷۴۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: میت غائب پر عندالحنفیہ نماز صحیح نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۴۴)

نجاشی پر غائبانہ نمازِ جنازہ کی وجہ

سوال: (۲۸۴۹) جنازہ کی نماز غائبانہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ (۵۶/۱۳۳۷ھ)

الجواب: غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھنی درست نہیں ہے، اور آنحضرت ﷺ نے جو نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی تو جنازہ نجاشی کا سامنے کردیا گیا تھا، یا وہ خصوصیت تھی آنحضرت ﷺ کی دوسروں کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ **کذا في الدّرّ المختار**[۲] فقط واللہ اعلم (۵/۳۴۶-۳۴۷)

دوبارہ نمازِ جنازہ درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۵۰) نماز جنازہ پڑھ کر جب میت کو دفن کردیا جائے تو پھر اس میت کی قبر پر نماز جنازہ جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو جن لوگوں نے پہلے نماز جنازہ پڑھی تھی وہ بھی نماز میں شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور پہلا ہی امام نماز جنازہ دوبارہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ (۱۴۳۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: اگر پہلی نماز ولی نے پڑھی یا اس کی اجازت سے دوسرے نے پڑھائی اور ولی شامل جماعت ہوا تو پھر کسی دوسرے کو دوبارہ اس میت پر یا اس کی قبر پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۹۹، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟ .

(۲) فلا تصحّ على غائب إلخ وصلاة النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم على النّجاشي لغويّة أوخصوصيّة (الدّرّ المختار) قوله: (لغويّة) أي المراد بها مجرّد الدّعاء وهو بعيد، قوله: (أو خصوصيّة) أو لأنّه رفع سريره حتّى رآه عليه الصّلاة والسّلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميّت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين وهٰذا غير مانع من الاقتداء . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۹۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة) ظفیر

درمختار میں ہے: وإنْ صلّی هو أي الوليّ بحقّ إلخ لا يصلّي غيره بعده إلخ (۱) اور اگر ولی نے نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی تو اس کو اعادہ کا حق ہے، لیکن جو لوگ پہلے نماز پڑھ چکے ہیں وہ شریک نہ ہوں (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۸/۵)

سوال: (۲۸۵۱) نمازِ جنازہ دوبارہ پڑھنے کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور مردہ کا منہ وقت دفن دکھانا کیسا ہے؟ (۱۳۳۵/۱۹۹ھ)

الجواب: جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی درست نہیں، اور اس میں کچھ تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہے کہ اگر پہلے ولی نے نماز نہیں پڑھی اور نہ اس کی اجازت سے نماز پڑھی گئی، بلکہ ایسے لوگوں نے نماز پڑھی کہ جن کو حق تقدم نہیں تھا تو ولی دوبارہ نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر ولی اوّل نماز پڑھ لے تو پھر دوسروں کو اجازت نہیں کہ مکرّر نماز پڑھیں۔ درمختار میں ہے: و إن صلّی هو أي الولي بحقّ بأن لم يحضر من يقدّم عليه لا يصلّي غيره بعدهٗ إلخ ، و فيه أيضًا : لأنّ تكرارها غير مشروع إلخ (۳) اور مُنہ دیکھنا میت کا درست ہے لیکن بعد کفن میں ڈھکنے کے کھولنا چہرہ کا اچھا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۹/۵-۲۹۰)

نمازِ جنازہ میں تکرار درست نہیں

سوال: (۲۸۵۲) ایک میت کے جنازہ کی نماز دو تین بار پڑھنا کیسا ہے؟ (۲۸۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: اگر نماز جنازہ اس جنازہ کی اسی نے پڑھائی ہے جس کا حق ہے تو پھر کوئی شخص دوبارہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ كما في الدّرّ المختار: و إن صلّی من له حقّ التّقدّم .... لا يعيد إلخ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۱۳/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب .

(۲) وفيه حكم صلاة مَن لا ولاية له كعدم الصّلاة إلخ (الدّرّ المختار) والمراد يصلّي عليه الولي إن شاء لأجل حقّه لا لإسقاط الفرض. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۱۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب : تعظيم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۱۶/۳-۱۱۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظيم أولي الأمر .

سوال: (۲۸۵۳) جنازہ کی نماز مکرر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۶۱۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جنازہ کی نماز کا تکرار درست نہیں ہے، یعنی جب کہ ایک بار ولی نے نماز پڑھ لی یا ولی کی اجازت سے نماز ہوگئی تو اب دوبارہ نماز اس کی نہ پڑھی جاوے حنفیہ کا مذہب یہی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۲۷)

سوال: (۲۸۵۴) حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر ستر (۷۰) یا کئی بار نمازِ جنازہ پڑھی یا دعا کی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ نے ستر (۷۰) یا کئی بار نماز یا دعا کی، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر بعد غسل قاضی بغداد نے دعائے رحمت کی اور جنازہ پر چھ بار قبل دفن اور بعد دفن بیس روز تک نماز پر نماز پڑھی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے جنازہ پر ۵۵ دفعہ نماز جنازہ کی ہوئی، مرقومہ بالا باتیں صحیح ہیں یا نہیں؟ مرقومہ بالا چاروں موقعے میں پہلی نماز فرض کفایہ ہے، اور باقی نمازیں مستحب ہیں یا کیا؟ اگر مستحب ہیں تو فرض نماز کے بعد مستحب دعاؤں کے لیے اجتماع واہتمام اور دعا پر دعا کرنا مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں یا کیا؟ کیا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فعل صحابہ بھی معمول ہو یا اتفاقی کبھی بدعت سیئہ ہوتا ہے؟ (۱۴۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عند الحنفیہ تکرار صلاۃ جنازہ مشروع نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: **وإلاّ أي وإن صلّى من له حقّ التّقدّم كقاض أو نائبه أو إمام الحيّ أو من ليس له حقّ التّقدّم وتابعه الوليّ لا يعيد إلخ، وإن صلّى هو أي الولي بحقّ بأن لم يحضر من يقدّم عليه لا يصلّي غيره بعده إلخ**[2] **(الدّرّ المختار) وفيه قبيله: ولذا قلنا: ليس لمن صلّى عليها أن يعيد مع الولي لأنّ تكرارها غير مشروع إلخ، وفي ردّ المحتار: وإن صلّى الوليّ لم يجز لأحدٍ أن يصلّي بعده إلخ**[2] **وفي الهامش للمصنّف: إنّ تأويل صلاة الصّحابة على النّبيّ صلّى اللّه عليه وسلّم أنّ أبا بكر رضي اللّه تعالىٰ عنه كان مشغولاً بتسوية الأمور وتسكين الفتنة فكانوا يصلّون عليه قبل حضوره وكان الحقّ له فلمّا فرغ صلّى عليه،**

---

(۱) **و إن صلّى مَن له حقّ التّقدّم ــــ إلىٰ قوله ــــ أو من ليس له حقّ التّقدّم و تابعه الولي لا يعيد. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۳/۱۱۶-۱۱۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)** ظفیر

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۱۶-۱۱۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.**

ثمّ لم یصلّ أحد بعده (۱) اس عبارت سے تاویل نماز صحابہ تو معلوم ہوگئی، باقی رسول اللہ ﷺ کی نماز چند بار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر اگر ثابت ہو تو وہ خصوصیت رسول اللہ ﷺ کی ہے، دوسروں کے لیے یہ مشروع نہیں ہے۔ **قال اللّٰہ تعالیٰ:** ﴿إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ (سورۂ توبہ، آیت:۱۰۳) اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ پر یا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے جنازہ پر اگر بالفرض نماز کا تکرار رہا ہو تو یہ فعل تکرار کرنے والوں کا حجت نہیں ہے، حنفیہ پر اس سے الزام نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: عزیز الرحمٰن مفتی دارالعلوم دیوبند

نوٹ: نبی کریم ﷺ پر تکرار صلاۃ آپ کی خصوصیت ہے، اور حمزہ رضی اللہ عنہ پر نماز مکرر ہوئی ہی نہیں ایک ہی نماز ان پر ہوئی ہے پھر اور شہداء پر، لیکن جنازہ سید الشہداء کا وہاں رکھا رہا، اس شمول کو راوی نے ستر (۷۰) نماز سے تعبیر کیا ہے، اور نماز سے مراد تکبیر لی ہے، باقی سوال میں کوئی روایت حدیثی یا مذہبی نہیں جس کا جواب دیا جاوے۔ فقط، دستخط: احقر انور شاہ کشمیری عفا اللہ عنہ

(۳۶۱-۳۶۰/۵)

جوشخص نمازِ جنازہ پڑھ چکا ہے وہ دوبارہ نماز نہیں پڑھا سکتا

سوال: (۲۸۵۵) جوشخص نماز جنازہ پڑھ چکا ہو بعد میں دس پانچ آدمی ناواقف آجائیں تو ان کو پھر نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے یا نہ؟ (۶۲۶/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: پھر نہیں پڑھا سکتا کیونکہ جنازہ کی نماز مکرر نہیں ہوتی (۲) فقط واللہ اعلم (۳۶۸/۵)

---

(۱) هامش ردّ المحتار: ۸۲۵/۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب، المطبوعة، مطبعة عثمانية، استنبول.

(۲) ولذا قلنا: ليس لمن صلّى عليها أن يعيد مع الولي لأنّ تكرارها (أي صلاة الجنازة) غير مشروع (الدّرّ المختار) وإن صلّى الولي لم يجز لأحد أن يصلّي بعده إلخ، حتّى لا تجوز الإعادة لا للسّلطان ولا لغيره. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۱۶/۳، كتاب الصّلاة باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب) ظفیر

دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا کارِ ثواب نہیں

سوال: (۲۸۵۶) ایک بستی میں مسلمان متوفی کا جنازہ پڑھا گیا، جب دوسری بستی اس کو لے جاویں جس جگہ اس کی سکونت تھی اس جگہ کے مسلمان بطور ہمدردی اگر دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں جو کہ نامشروع ہے تو دوبارہ جنازہ پڑھنے والوں پر گناہ لازم آتا ہے یا نہیں؟ اگر گناہ ہوتا ہے تو صغیرہ یا کبیرہ؟ یا مستحق ثواب ہوتے ہیں؟ (۱۰۴۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جنازہ کی نماز دوبارہ پڑھنی غیر مشروع اور ناجائز ہے، اور ظاہر ہے کہ فعل غیر مشروع اور حرام کا مرتکب گنہ گار ہوتا ہے نہ مستحق ثواب کا، اور فعل حرام گناہ کبیرہ ہے۔ ولا يصلّي علي ميّت إلّا مرةً واحدةً إلخ والتّنفّل بصلاة الجنازة غير مشروع إلخ[1] (عالم کیریة) فقط (۳۴۹/۵-۳۵۰)

کن مسلمانوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے؟

سوال: (۲۸۵۷) مسلمان مرد کے جنازہ کی نماز کن وجوہ سے نہ پڑھنا چاہیے؟ (۲۹۱۷/۱۳۴۲ھ)

الجواب: بغاۃ اور قطاع طریق وغیرہما کے لیے یہ حکم ہے کہ ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جاوے، درمختار میں ہے کہ وہ چار ہیں: باغی، قاطع طریق، مکابر، اہل عصبہ[2] قاتل احد الابوین،

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱/۱۶۳، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة علی الميّت .

(۲) مکابر: وہ شخص ہے جو کسی جگہ میں کھڑا ہو جائے اور جو اس طرف کو نکلے اس کا مال چھین لے، اور اہل عصبہ: وہ ہیں جو اپنی قوم کی ظلم پر حمایت واعانت کریں۔ (ماخوذ از غایۃ الاوطار: ۱/۴۵۶، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ)

عبارت اس کی یہ ہے: وهي فرض علىٰ مسلم مات خلا أربعة: بغاة وقطّاع طريق إلخ و مكابر في مصر ليلاً بسلاح وخنّاق إلخ ، من قتل نفسه ولو عمدًا يغسل ويصلّى عليه به يفتىٰ إلخ لا يصلّى على قاتل أحد أبويه إلخ[1] (الدرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۰۹-۳۱۰)

مخنث اور ہجڑے کی نمازِ جنازہ پڑھنا فرض ہے

سوال: (۲۸۵۸) مخنث متوفی کے جنازہ کی نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟ (۲۲۴۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: مخنث متوفی کے جنازہ کی نماز پڑھنا فرض ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۱۰)

سوال: (۲۸۵۹) ہجڑے کی نمازِ جنازہ پڑھی جاوے یا نہیں؟ اور اگر پڑھی جاوے تو کیسے پڑھی جاوے؟ (۶۱/۱۳۳۵ھ)

الجواب: پڑھی جاوے جیسے اور مسلمانوں کی پڑھی جاتی ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۹)

ہجڑوں کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست ہے

سوال: (۲۸۶۰) قوم ہجڑا جو لواطت وغیرہ کی کمائی کھاتے ہیں، ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا، اور ان کی کمائی سے خیرات لینا کیسا ہے؟ (۲۴۴۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے: صلُّوا علىٰ كلّ بَرّ و فاجر الحديث[2] اس سے معلوم ہوا کہ ہر ایک نیک وبد کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، اور فقہاء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ سوائے بغاۃ وغیرہم کے جن کو فقہاء نے مستثنیٰ فرمایا ہے، ہر ایک مسلمان کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے، اگرچہ وہ فاسق وبدکار ہو، پس قوم ہجڑا مذکور جو کہ مسلمانوں کے اقوام میں سے ہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنی چاہیے[3] اگرچہ افعال شنیعہ کے ارتکاب کی وجہ سے وہ فاسق ہیں، اور نماز پڑھ کر ان کو

---

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۰۱-۱۰۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟ .

(۲) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۶۵۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) حوالہ؛ سابقہ جوابات میں آچکا ہے۔

مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے، اور ماسواء اس کے ان کی مجالس میں شریک ہونا اور دعوت کھانا وغیرہ درست نہیں ہے، صرف ان کی تجہیز وتکفین جو کہ حق اسلام ہے کر دینی چاہیے، ویسے ان سے علیحدگی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۶۷-۳۶۸)

نمازِ جنازہ میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہیے یا باندھے ہوئے؟

سوال: (۲۸۶۱) زید کہتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں بعد چوتھی تکبیر کے ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرنا چاہیے، اور عمر اس بارے میں زید کی سخت مخالفت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ اس مقام پر ارسال درست نہیں ہے، پس صورتِ مسئولہ میں کس کا قول صحیح ہے؟ (۵۹۴/ ۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: زید کا قول قاعدہ فقہیہ کے موافق ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم نے سعایہ جلد ثانی باب صفة الصّلاة میں بالتصریح بیان کیا ہے: **و من ھٰھنا یخرج الجواب عمّا سئلت في سنة ستّ وثمانین أیضًا من أنّه ھل یضع مصلّي الجنازة بعد التّکبیر الأخیر من تکبیراتہٖ ثمّ یسلّم أم یرسل ثمّ یسلّم؟ وھو أنّه لیس بعد التّکبیر الأخیر ذکر مسنون فیسنّ فیه الإرسال**[1] انتھیٰ (ص:۱۵۹. مطبوعه: مطبع مصطفائي) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: ابوالقاسم محمد عبدالسلام، مدرس، مدرسہ انجمن ہدایت الاسلام، مالیگاؤں۔

جواب قابلِ تأمل ہے۔ واللہ اعلم۔ کتبہ: ابوالامجد محمد محمد عبدالعلیم عفی عنہ۔

پہلا جواب قواعد سے درست ہے، جزئی نہیں دیکھی، واللہ اعلم اشرف علی عفی عنہ تھانوی۔

أقول وبہٖ نستعین: عمر کا قول صحیح ہے، اور موافق ہےتصریح فقہاء رحمہم اللہ کے؛ **حیث قال في الدّرّ المختار: یضع حالة الثّناء وفي القنوت وتکبیرات الجنازة**[2]

(۱) السّعایة في کشف ما في شرح الوقایة: ۲/ ۱۵۹، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، المطبوعة : المکتبة الأشرفیة ، دیوبند .

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۲/ ۱۶۶، کتاب الصّلاة ، باب صفة الصّلاة ، مطلب في بیان المتواتر و الشّاذ .

پس لفظ تکبیرات ہر چہار تکبیرات کو عام ہے، چوتھی تکبیر کو اس سے کسی نے مستثنیٰ نہیں فرمایا، اور قاعدہ وضع ید کے بھی موافق ہے، اور عمل اُمت کے مطابق ہے، واضح ہو کہ جنازہ کی ہر تکبیر کے بعد ذکر مسنون ہے، اوّل کے بعد ثنا، اور دوسری کے بعد درود شریف، تیسری کے بعد دعا، چوتھی کے بعد تسلیم، ان میں سے ہر ایک ذکر مسنون ہے۔ درمختار میں ہے: **وهو (أي الوضع) سنّة قيام ـــــ إلٰى أن قال ـــــ فيه ذكر مسنون. قال في الشّامي: قوله: (فيه ذكر مسنون) أي مشروع فرضًا كان أو واجبًا أو سنّةً**[1] **(شامي: ۱/ ۴۵۵، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة)** اور درمختار میں بھی **باب صلاة الجنازة** میں ہے: **ويسلّم بلا دعاء بعد الرّابعة. قال الشّامي: قوله: (بلا دعاء) هو ظاهر المذهب، وقيل: يقول: اللّٰهمّ ربّنا آتنا في الدّنيا حسنة إلخ**[2]

الحاصل زید جو بعد تکبیر رابع ارسال کا قائل ہے، یہ قول روایۃً ودرایۃً صحیح نہیں ہے، عمر کا قول جو کہ وضع کا قائل ہے صحیح ہے، چوتھی تکبیر کے بعد ذکر کے مشروع ہونے میں کلام نہیں، اگر خلاف ہے تو دعا کی مشروعیت میں ہے اور ذکر عام ہے جو سلام کو بھی شامل ہے، اور فقہاء کا عمومًا تکبیرات جنازہ میں وضع کو مسنون فرمانا دلیل کافی ہے، بغیر تصریح خلاف کے خلاف کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (۵/۳۱۳-۳۱۴)

نمازِ جنازہ کی اجرت لینا درست نہیں

سوال: (۲۸۶۲) ایک شخص نے عمر بھر نماز وروزہ نہیں کیا، بعد مرنے کے ایک عالم نے مشکل سے پانچ روپیہ فدیہ کے لے کر نماز جنازہ پڑھائی ایسا فدیہ لینا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

(۱۹۹۵/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) **الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۰۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل يسقط فرض الكفاية بفعل الصّبي؟**

الجواب: اس مسلمان بے نمازی کے جنازہ کا پڑھنا فرض تھا۔ لقوله عليه السّلام: صلّوا على كلّ بَرّ و فاجرٍ الحديث [۱] اور معاوضہ لینا اور فدیہ لینا نمازِ جنازہ کا حرام ہے [۲] یہ لینے والے کی جہالت ہے، اور طمع دنیاوی نے اس کو اندھا کردیا ہے کہ جنازہ مسلمان کی نماز پڑھنے پر اجرت لیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت فرماوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۲۰/۵)

اجرت پر نمازِ جنازہ پڑھی گئی ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۶۳) صلاۃِ جنازہ بہ اُجرت خواندہ شود آیا صلاۃ جنازہ ادا شود یا نہ و از مصلیان فرضِ کفایہ ساقط شود یا نہ؟ (۱۶۹۰/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: صلاۃ جنازہ ادا شود و فرضیت ساقط شود، لیکن اخذ اجرت براں حرام و معصیت است درحق آخذ، وآنچہ معروف است نیز بہ حکم مشروط شدہ حرام خواہد شد [۳] فقط (۳۶۵/۵)

ترجمہ سوال: (۲۸۶۳) نماز جنازہ اجرت لے کر پڑھی گئی ہو تو نمازِ جنازہ ادا ہوجائے گی یا نہ؟ اور نمازیوں کی طرف سے فرض کفایہ ساقط ہوجائے گا یا نہ؟

الجواب: نمازِ جنازہ ادا ہوجائے گی اور فرضیت ساقط ہوجائے گی؛ لیکن لینے والے کے حق میں اس پر اجرت لینا حرام اور گناہ ہے، اور جو کچھ معروف ہے وہ بھی بہ حکم مشروط ہوکر حرام ہوجائے گا۔

---

(۱) حدیث شریف کی تخریج کتاب الصلاۃ کے سوال: (۲۶۵۰) کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ولا تصحّ الإجارة لِعَسْب التّيس إلخ ولا لأجل الطّاعات إلخ (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۹/ ۶۴-۶۵، كتاب الإجارة، مطلب في الاستجار على المعاصي) ظفیر

(۳) ولا يجوز أخذ الأجرة على الطّاعة كالمعصية، وفيه أنّ أخذ الأجرة على الطّاعة لا يجوز مطلقًا عند المتقدّمين، وأجازه المتأخّرون على تعليم القرآن والأذان والإمامة للضّرورة كما بُيّن في محلّه، ومقتضاه عدم الجواز هُنا وإن وُجد غيره لأنّه طاعة تعيّن أولا ولا يختصّ عدم الجواز بالواجب، نعم الاستيجار على الواجب غير جائز اتّفاقًا إلخ، وعبارة الفتح: ولا يجوز الاستيجار على غسل الميّت ويجوز على الحمل والدّفن، وأجازه بعضهم في الغسل أيضًا. (ردّ المحتار: ۳/ ۸۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حديث كلّ سبب و نسب منقطع إلّا سببي ونسبي) ظفیر

مردوعورت پرایک ساتھ نمازِ جنازہ درست ہے

سوال: (۲۸۶۴) ایک میت مرد اور ایک میت عورت دونوں بالغ ہر دو کا جنازہ ایک دفعہ پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ زید نے ہر دو میت مذکورہ کا جنازہ آگے پیچھے رکھ کر پڑھایا اور بکر نے کہا کہ میت مؤنث کو علیحدہ کرکے اس پر پھر نماز پڑھی جاوے؟ (۱۶۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: دونوں کا جنازہ ایک دفعہ پڑھنا درست ہے اگر چہ بہتر یہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ پڑھیں لیکن بہ صورت کثرت اموات ووبائے عام جواز پر عمل کرنے میں یعنی ایک دفعہ سب جنازوں کی نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: **و إذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصّلاة إلخ أولٰی وإن جمع جاز إلخ** [1] پس جب کہ ہر دو جنازہ پر ایک دفعہ نماز ہوگئی تو بکر کا نمازِ جنازۂ عورت کو اعادہ کرنا خلاف مشروع ہوا کیونکہ جنازہ کی نماز جب ایک بار ہو جاوے تو دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے [2] پس یہ بکر کی ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۲۷-۳۲۸)

چند جنازوں کی ایک ساتھ نماز پڑھنا درست ہے

سوال: (۲۸۶۵) دو تین میت کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ (۶۰۰/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: جائز ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: **وإذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصّلاة علی کلّ واحدة أولٰی من الجمع ـــ إلٰی أن قال: ـــ وإن جمع جاز إلخ** [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۲۸-۳۲۹)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۱۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: هل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟.

(۲) و إن صلّی الوليّ لم یجز لأحد أن یصلّي بعده. (ردّ المحتار: ۳/ ۱۱۶، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظیم أولي الأمر واجب) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/ ۱۱۱، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

بالغ ونابالغ کے جنازے جمع ہوں تو دونوں کی دعا پڑھنی چاہیے

سوال: (۲۸۶۶) چند جنازے مردوں، عورتوں اور لڑکے، لڑکیوں کے ایک ہی جگہ ہیں تو ان سب کی نماز کس طرح پڑھی جاوے؟ (۸۴۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ علیحدہ علیحدہ پڑھے اور اگر سب کی نماز اکٹھی پڑھی یہ بھی درست ہے (۱) اگر بالغین اور نابالغین دونوں قسم کے جنازے ہوں تو دونوں کی دعا پڑھے۔ فقط واللہ اعلم (۳۶۳/۵)

چند جنازے جمع ہوں تو ہر ایک کی نماز علیحدہ پڑھنا بہتر ہے

سوال: (۲۸۶۷) دو جنازے یکجا پڑھے جاسکتے ہیں یا نہ؟ جیسا کہ مرد وعورت، یا عورت و بچہ یا بچی، یا مرد و لڑکا یا لڑکی؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: بہتر یہ ہے کہ ہر ایک جنازہ کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھے، اگر اکٹھی پڑھی یہ بھی درست ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۴/۵-۳۶۵)

سوال: (۲۸۶۸) دو چار جنازے کی نماز ایک ساتھ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ (۶۵۵/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایک ساتھ دو، چار، دس، بیس جنازوں کی نماز پڑھنا درست ہے، اور سب کی نماز ادا ہو جاتی ہے اگرچہ بہتر علاحدہ علاحدہ پڑھنا ہے۔ درمختار میں ہے: **و إذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصّلاة علی کلّ واحدة أولیٰ إلخ وإن جمع جاز إلخ** (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۰/۵)

طاعون کی وجہ سے کوئی شخص بھاگ کر دوسری جگہ گیا اور وہاں مر گیا اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھنا ضروری ہے

سوال: (۲۸۶۹) بے نمازی یا جو لوگ طاعون سے بھاگ جاتے ہیں اگر وہ دوسری جگہ جا کر مر جاویں تو ان کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے یا نہ؟ (۹۵۸/۱۳۴۱ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

الجواب: نمازِ جنازہ ان کی پڑھنی چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۸۶/۵)

طاعون والی جگہ میں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے اور اطباء کا علاج کے لیے جانا درست ہے

سوال: (۲۸۷۰) جس جگہ طاعون ہو وہاں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے جانا درست ہے یانہیں؟ جب کہ اس کے بلا جائے نماز جنازہ نہ ہو، ایسے موضع میں اطباء کو جانا کیسا ہے؟ (۱۳۵۸/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في الدّرّ المختار، مسائل شتّٰی من آخر الکتاب: وإذا خرج (أو دخل فیھا. شامي) من بلدة بھا الطّاعون فإن علم أن کلّ شيء بقَدَر اللّٰه تعالیٰ فلا بأس بأن یخرج ویدخل، وإن کان عنده أنّه لو خرج نجا ولو دخل ابتلي به کره له ذٰلك فلا یدخل ولا یخرج صیانةً لاعتقاده، وعلیه حمل النّھيّ في الحدیث الشّریف؛ مجمع الفتاوی إلخ[2]

اس عبارت سے واضح ہوا کہ جس کا اعتقاد درست ہو، خروج عن موضع الطاعون کو سبب نجات اور دخول کو سبب ابتلاء و ہلاک نہ جانتا ہو تو اس کے حق میں خروج و دخول ممنوع نہیں ہے، اور ادائے نمازِ جنازہ تو فرض کفایہ ہے، اس کے لیے وہاں بہ غرض ادائے نماز جانا ضروری ہے، جب کہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ نہ جاوے گا تو نماز جنازہ نہ ہوگی، اسی طرح اطباء کو بھی بہ غرض علاج وہاں جانا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۴۱/۵-۳۴۲)

نمازِ جنازہ کے لیے قبرستان میں گھر بنانے میں کچھ مضائقہ نہیں

سوال: (۲۸۷۱) برائے صلاۃ جنازہ قبرستان میں گھر بنانا اور اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا اور وقت دفنانے میت کے وہاں بیٹھنا جائز ہے یانہیں؟ اور اس میں تشبّہ ممنوع ہے یانہیں؟ (۱۳۳۵/۱۰۶۶ھ)

---

(۱) ھي فرض علیٰ کلّ مسلم مات. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰۱/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب: ھل یسقط فرض الکفایة بفعل الصّبي؟) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۴۰۶/۱۰، کتاب الخنثیٰ، قبیل کتاب الفرائض.

الجواب: اگر محض نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے اور بارش اور دھوپ وغیرہ میں بیٹھنے کے لیے کوئی مکان قبرستان میں بنایا جاوے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، اور اس میں کچھ تشبّــہ ممنوع نہیں ہے لیکن قبرستان میں نمازِ جنازہ کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ سامنے قبریں نہ ہوں، اور بہتر یہ ہے کہ نمازِ جنازہ دوسری جگہ پڑھیں[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۵۰-۳۵۱)

مزار کے پہلو میں مسجد بنانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۸۷۲) پہلو مزار پر مسجد بنانا اور مستفیضان کے لیے حجرہ تعمیر کرانا کیسا ہے؟
(۱۳۳۴-۳۳/۱۱۲۷ھ)

الجواب: قریب مزار کے مسجد کا ہونا اور حجروں کا ہونا کچھ حرج نہیں ہے، قبر سامنے نمازی کے نہ ہو تو قبرستان میں نماز پڑھنے میں کچھ حرج نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۵۴-۴۵۵)

جہاں پر چاروں طرف قبریں ہوں نمازِ جنازہ یا نمازِ فرض پڑھنا مکروہ ہے

سوال: (۲۸۷۳) آگے پیچھے چاروں طرف قبور ہوں وہاں نماز فرض یا نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے یا نہیں؟ (۲۳۱۰/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۶۷)

---

(۱) ولا بأس بالصّلاة فيها (أي في المقبرة) إذا كان فيها موضع أعدّ للصّلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا قبلته إلى قبر، حلبة . (ردّ المحتار : ۲/۳۹، كتاب الصّلاة ، مطلب في إعراب كائنا ما كان) ظفیر

(۲) وكذا تكره في أماكن كفوق كعبة وفي طريق ومزبلة ومجزرة ومقبرة ومغتسل وحمّام إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۲/۳۹، كتاب الصّلاة ، مطلب في إعراب كائنا ما كان) ظفیر

قبر، دفن اور ان کے متعلقات

کچی اینٹ سے لحد تیار کرنا جائز ہے

سوال: (۲۸۷۴) ریتیلی زمین میں قبر قائم نہیں رہ سکتی، فوراً بعد تیار ہونے کے یا مٹی ڈالتے وقت گر پڑتی ہے، ایسی صورت میں اگر خشت خام سے لحد تیار کی جائے تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۸۱ھ)

الجواب: ایسی حالت اور صورت میں کچی اینٹ سے لحد قائم کرنا جائز ہے، اور اس میں سنت لحد ادا ہو جاوے گی اور کچھ کراہت نہ ہوگی، کیونکہ خشت خام کے رکھنے کا اور اس سے لحد کے مُنہ بند کرنے کا حکم حدیث و فقہ سے ثابت ہے، اور آنحضرت ﷺ کے قبر مبارک میں خشت خام استعمال کی گئی ہیں [۱] پس اگر ضرورت مذکورہ کی وجہ سے ہر جانب لحد میں خشت خام رکھی جاویں تو یہ بلاشبہ جائز اور مستحب ہے جیسا کہ عبارت کتب فقہ سے ظاہر ہے۔ و يسوّى اللّبن عليه إلخ (الدرّ المختار) أي على اللّحد بأن يسدّ من جهة القبر ويقام اللّبن فيه ، حلبة[۲] (شامي) ولا بأس باتّخاذ تابوت و لو من حجر أو حديد له عند الحاجة كرخاوة الأرض إلخ

---

(۱) عن عامر بن سعد بن أبي وقّاص أن سعد بن أبي وقّاص قال في مرضه الذّي هلك فيه: الحَدُوا لي لَحْدًا وانصِبوا عليّ اللّبِنَ نَصْبًا كما صُنع برسول الله صلّى الله عليه وسلّم (الصّحيح لمسلم :۱/۳۱۱، كتاب الجنائز ، فصل في استحباب اللّحد)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

(الدّرّ المختار) وفي ردّ المحتار: قوله: (ولا بأس باتّخاذ تابوت إلخ) أي يرخص ذلك عند الحاجة والإكراه كما قدّمناه آنفًا، قال في الحلبة: نقل غير واحدٍ عن الإمام ابن الفضل أنّه جوّزه في أراضيهم لرخاوتها، وقال: لكن ينبغي أن يفرش فيه التّراب، وتطين الطّبقة العليا ممّا يلي الميّت، ويجعل اللّبن الخفيف على يمين الميّت ويساره ليصير بمنزلة اللّحد والمراد بقوله: (ينبغي) يسنّ إلخ [۱] شامی کی اس عبارت کے آخر حصہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ صورت جو سوال میں درج ہے عین مطابق سنت ہے، اور کسی قسم کی کراہت کا اس میں شبہ نہیں ہے کیونکہ یہ حقیقۃً لحد ہی ہے، صرف بہ خوف گر جانے لحد کے اس کے روک کے لیے کچی اینٹیں ہر طرف قائم کی گئی ہیں جو کہ خلاف سنت نہیں، پس اس عمل کے ذریعہ سے عمل بالسنۃ بہ خوبی حاصل ہوگا۔ وهو المطلوب. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۲/۵-۳۷۳)

ورثاءِ میت سے ایسا عہد نامہ لکھوانا کہ فاتحہ کی اجازت نہ ہوگی اور قبر کا نشان مٹا دیا جائے گا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۷۵) ایک قبر کسی مقام پر جو کہ جدید اور چند روز کی ہے جو لوگوں نے ورثاء میت سے بہ جبر ایک اسٹامپ لکھا لیا، اور اس شرط پر دفن کی اجازت دی کہ ورثاء کو کسی قسم کی اجازت فاتحہ وغیرہ کی نہ دی جاوے گی، اور قبر کا نشان بھی اس طرح سے قصداً مٹا دیا جاوے گا کہ کوئی علامت قبر کی باقی نہ رہے گی، تا کہ لوگ اس پر نماز بھی پڑھ سکیں، اور لوگوں کی آمد ورفت میں بھی وہ قبر مانع نہ ہو، اور نہ نماز کی حارج ہو، لہٰذا کسی قبر کی علامت مٹانا بہ وجہ عذر مذکور اور ورثاء سے بہ جبر ایسا اسٹامٹ لکھانا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ اور جدید قبر کی علامت مٹانے والے از روئے شرع خاطی ہیں یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۱۱۱۰ھ)

الجواب: قبر کو مسنم یعنی بہ شکل سنام الجمل (اونٹ کے کوہان کے مانند) کرنا مسنون اور مستحب ہے، اور بعض نے اس کو لازم وواجب کہا ہے۔ ويسنّم ندبًا، وفي الظّهيرية: وجوبًا

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۰/۳-۱۳۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

قدرشبر (الدرّ المختار) أو أكثر شيئًا قليلاً ، بدائع (شامی) وفيه قبيله: قوله: (ويسنّم) أي يُجعل ترابه مرتفعًا عليه كسَنام الجَمل لما روي البخاري عن سفيان النِمّار أنّه رأى قبر النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم مُسنّمًا إلخ [(۱)] (شامی) اور یہ بھی درمختار میں ہے: ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض إلخ [(۲)] اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی مملوکہ زمین میں اگر بلا اجازت اس کے مالک کی میت کو دفن کردیا جاوے تو مالک کو اختیار ہے کہ اس میت کو وہاں سے نکلوادے یا زمین کو برابر کرادے صورتِ قبر نہ رکھے، پس کسی کی مملوکہ زمین میں کسی کو اگر میت دفن کرنے کا خیال ہو اور مالک اس قسم کی شرائط لگادے تو ہوسکتا ہے، اور قبرستان موقوفہ میں کوئی ایسا نہیں کرسکتا، اور شرط مذکور نہیں لکھوا سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷۳-۳۷۴)

قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے

سوال: (۲۸۷۶) جب مردہ کو قبر میں رکھ دیتے ہیں، اور قبر تیار ہوجاتی ہے، اس وقت دو آدمی: ایک مردہ کے سر کی طرف کھڑا ہوکر (سورۂ بقرہ کی اوّل کی تین آیتیں پڑھتا ہے، اور) [(۳)] انگلی سے اشارہ بھی کرتا ہے، اور دوسرا پیروں کی طرف کھڑا ہوکر سورۂ بقرہ کا اخیر رکوع پڑھتا ہے، اس کے پڑھنے سے مردہ کو کچھ ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث سے اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ انگلی سے قبر کی طرف اشارہ کرنا کیسا ہے؟ جو لوگ نہیں پڑھتے وہ موردِ عتاب ہیں یا نہیں؟ یعنی جو اس کے تارک ہیں وہ کچھ گنہ گار ہیں یا نہیں؟ (۹۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی اوّل کی آیتیں اور پیروں کی طرف سورۂ بقرہ کی اخیر کی آیتیں پڑھنا مستحب ہے۔ شامی میں ہے: وكان ابن عمرؓ يستحبّ أن يقرء على القبر بعد الدّفن أوّل سورة البقرة و خاتمها [(۴)]

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۴/۳، كتاب الصّلاة، مطلب في دفن الميّت .
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة .
(۳) قوسین والی عبارت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ کی اضافہ کی ہوئی ہے۔۱۲
(۴) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۳۳/۳-۱۳۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت .

اورمشکاۃ شریف میں اس روایت کو مرفوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کی طرف، پھر نقل کیا بیہقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے ابن عمرؓ پر[1] بہر حال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت ہوا؛ لیکن انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے، اور جب کہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب ہے؛ تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن وعتاب نہیں ہے، اور تارک گنہ گار نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم
(۵/۳۹۰-۳۹۱)

دفن کرنے کے بعد سورۂ بقرہ کی ابتدائی اوراخیر کی آیتیں آہستہ پڑھنی چاہئیں

سوال: (۲۸۷۷) دفن کرنے کے بعد اوّل سورۂ بقرہ اور آخر سورۂ مذکورہ کا جو مسنون ہے، جہر سے پڑھا جاوے یا بلا جہر؟ (۱۳۳۵/۲۳۴ھ)

الجواب: بلا جہر (پڑھا جاوے۔ ظفیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۰۵)

جس قبر میں ہڈی نکلے اس میں نیا مردہ دفن کرنا درست ہے

سوال: (۲۸۷۸) ایک قبر کھودی اس میں سے مردہ کی ہڈی ملی، اس میں نیا مردہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۱۴۸ھ)

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال : سمعت النّبيَّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقول : إذا مات أحدكم فلا تَحسِبوه ، و أسرِعوا به إلى قبرهٖ ، و ليُقرأ عند رأسهٖ فاتحةَ البقرة و عند رجليه بخاتمة البقرة ، رواه البيهقيّ في شعب الإيمان ، وقال : و الصّحيح أنّه موقوف عليه . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۴۹، كتاب الجنائز ، باب دفن الميّت ، الفصل الثّالث)

فقد ثبت أنّه عليه الصّلاة والسّلام قرأ أوّل سورة البقرة عند رأس ميّت وآخرها عند رجليه. (ردّ المحتار على الدّر المختار: ۱۴۱/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور) ظفير

الجواب: ہڈیوں کو ایک طرف رکھ کر جدید میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے[(۱)] فقط واللہ اعلم
(۳۷۹-۳۷۸/۵)

پرانی قبر میں مردہ کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۷۹) اگر اتفاقیہ قبر کھودتے ہوئے لحد میں جا کر کسی کہنہ مردہ کی ہڈیاں یا نعش نکل آوے تو اس لحد میں مردہ جدید رکھا جاوے یا دوسری قبر کھود کر رکھا جاوے؟[(۲)] (۱۱۴۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بہ حالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں، اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں، اور کسی قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے، کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے، چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوال علماء کے یہ لکھا ہے: **فالأولیٰ إناطة الجواز بالبِلا إذ لا یمکن أن یعدّ لکلّ میّت قبر لا یدفن فیه غیره إلخ**[(۳)] (۹۳۳/۱) اور قبل البلاء ایسا کرنا ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: **وما یفعله جهلة الحفّارین من نَبش القبور الّتي لم تَبْلُ أربابُها وإدخال أجانب علیهم فهو من المنکر الظّاهر إلخ**[(۳)] فقط واللہ اعلم (۳۸۵-۳۸۴/۵)

---

(۱) **کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار ترابًا (الدّرّ المختار) قوله: (کما جاز زرعه) أي القبر ولو غیر مغصوب وکذا یجوز دفن غیره. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۶/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت)**

قال في الفتح: ولا یحفر قبر لدفن آخر إلّا إن بلي الأوّل فلم یبق له عظم إلّا أن لا یوجد فتضمّ عظام الأوّل و یجعل بینهما حاجز من تراب إلخ، فالأولیٰ إناطة الجواز بالبِلا إذ لا یمکن أن یعدّ لکلّ میّت قبر لا یدفن فیه غیره وإن صار الأوّل ترابًا لا سیّما في الأمصار الکبیرة الجامعة وإلّا لزم أن تعمّ القبورُ السّهلَ والوعرَ علی أنّ المنع من الحفر إلی أن لا یبقیٰ عَظْمٌ عَسِرٌ جدًّا إلخ. (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۱۲۹/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت) ظفیر

(۲) یہ سوال رجسٹر نقول فتاوی کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) **ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت.**

سوال: (۲۸۸۰) پرانی قبر میں میت کو دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۱۱۶۱ھ)

الجواب: پرانی قبر جس میں نشان میت کا باقی نہ رہے اس میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے۔ کما في الشّامي : وقال الزّيلعي : ولو بلي الميّت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره إلخ [1] (باب الجنازة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۷/۵)

غیر کی زمین میں بلا اجازت مردے کو دفنانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۸۸۱) اگر کوئی شخص غیر کی زمین میں بدون دریافت کرنے مالک کے مردہ دفن کردے تو ایسی حالت میں شرعًا کیا حکم ہے؟ اور مردہ کو عذاب ہوگا یا نہیں؟ اور مالک زمین کو اجر وثواب ہوگا یا نہیں؟ (۱۳۳۶/۳۵-۵۳۶ھ)

الجواب: اگر غیر کی زمین میں بلا اجازت کوئی اپنا مردہ دفن کردے تو حکم اس میں یہ ہے کہ مالک زمین؛ یا اس مردہ کو نکلوادے، یا زمین کو برابر کردے، اور اپنے کام لاوے، مردہ کو کچھ عذاب اس میں نہیں ہے، اور اگر مالک رضامندی سے اجازت دےدے تو اس کو ثواب ہے، درمختار میں ہے: ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابًا، زيلعي [2] (الدّرّ المختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۴/۵-۳۷۵)

سوال: (۲۸۸۲) جو ایک گاؤں ملکیت زمین داری ہے، اس میں مردہ دفن کرنا بلا قیمت کے جائز ہے یا نہیں؟ اور حاکم حکم دیتا ہے کہ مردہ بلا قیمت دفن کرو، زمین دار رضامند نہیں، تب بھی بلا قیمت رکھنا حکمًا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چند زمین دار رضامند ہیں اور چند رضامند نہیں تب بھی بلا قیمت دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۷/۲۱۶۴ھ)

الجواب: جن کی ملکیت ہے ان کی اجازت اور رضامندی سے دفن کرسکتے ہیں، جو لوگ رضامند ہیں وہ اپنے حصہ میں اس زمین کو لگا کر اس کام کے لیے کردیویں تاکہ پھر کسی کو گنجائش انکار کی نہ رہے، حکام یہ کام کرسکتے ہیں کہ ان زمین داروں کا حصہ علیحدہ کردیویں جو کہ رضامند ہیں، اور اس میں اموات دفن کیے جاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۶/۵)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۶/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

مسجد کی زمین میں مردہ دفن کرنا درست نہیں
مگر جو دفن ہو گیا اس کو نکالا نہ جائے

سوال: (۲۸۸۳) اس شہر میں ایک جامع مسجد ہے، اور کچھ زمین مسجد ہی کے قریب مسجد کی مملوک ہے، اس مسجد کا پریذیڈنٹ منشی عبداللہ نامی تھا، اب وہ فوت ہو گیا اور وہ بہت اعلانیہ سودخوار آدمی تھا تو ایسے فاجر فاسق کو ـــــ بعض لوگوں نے اسٹنٹ صاحب بہادر کو بہکا کر کہ عام مسلمان راضی ہیں ـــــ مسجد کی اس مملوکہ زمین میں دفن کرادیا اور بہ طرز نصاری یعنی لکڑی کے بکس میں بند کر کے دفن کیا تو مسجد کی زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہ؟ (۱۵۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: مسجد کی زمین میں دفن کرنا اس کو جائز نہ تھا لیکن بعد دفن کے وہاں سے نکالا نہ جاوے، البتہ بہ ضرورت مسجد اس قبر کو برابر کرنا جائز ہے، اور بعد ایک زمانہ کے جب کہ میت خاک ہو جاوے، اس جگہ مکان وغیرہ مسجد کا بنانا بھی درست ہے[1] (درمختار وشامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۸/۵-۴۰۹)

قبر سے میّت کو نکالنا کب درست ہے؟

سوال: (۲۸۸۴) قبر سے مردہ کسی صورت میں نکالا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نکالا جائے تو وہ کیا مجبوری ہوگی؟ (۱۲۷۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب إلّا لحقّ آدميّ كأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشُفعةٍ ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابًا إلخ** [2] اس کا حاصل یہ ہے کہ میت کو قبر سے بعد مٹی ڈالنے کے نہ نکالا جاوے مگر حقوق عباد کی وجہ سے کہ مثلاً زمین مغصوبہ اور غیر کی زمین میں

(۱) قال الزّيلعيّ: ولو بلي الميّت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه أهـ (ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیر
(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۵/۳-۱۳۶، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

بدون مالک کی اجازت کے دفن کردیا جاوے الخ، سو مالک کو اختیار ہے کہ میت کو نکلوادے یا زمین کو برابر کردے اور نشان قبر کا نہ کرنے دے الخ، پس یہی جواب ہے سوال مذکورہ کا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۴/۵)

مردہ کو دفن کرنے کے بعد نکالنا درست نہیں

سوال: (۲۸۸۵) ایک مردہ کو ایک جگہ امانت کرکے دفن کیا، بعد چندروز کے وہاں سے نکال کراور جگہ لے گئے اور دفن کردیا، یہ صورت (کسی کتاب میں)[۱] بندہ کی نگاہ سے نہیں گذری، مہربانی فرماکر تحریر فرماویں کہ یہ صورت کون سی کتاب میں ہے؟ اور یہ صورت درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۵/۱۹۹ھ)

الجواب: دفن کرنے کے بعد شرعاً نکالنا میت کا قبر سے اور دوسری جگہ دفن کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: ولا یخرج منه بعد إهالة التّراب إلخ[۲] اس کا حاصل یہ ہے کہ دفن کرنے کے بعد میت کا نکالنا درست نہیں ہے، اور یہ حکم عام ہے اس سے کہ امانۃً دفن کیا جاوے یا نہیں، اور امانۃً دفن کرنا شریعت سے ثابت نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۳/۵)

تین چار سال کے بعد مردے کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۸۸۶) زید جس کو مرے ہوئے عرصہ تین چار سال کا ہوگیا، اور وہ مغصوبہ زمین میں دفن نہیں ہوا بلکہ عام قبرستان میں دفن ہوا، اب اس کو قبر سے نکال کر اور لاش وہڈیوں کو کفن پہنا کر جنازہ کی نماز پڑھ کر سات آٹھ میل کے فاصلہ پر لے جاکر دفن کیا، یہ فعل کیسا ہے؟ اور اس فعل کے مرتکب کی امامت وبیعت درست ہے یا نہ؟ (۱۳۴۳/۱۸۲ھ)

الجواب: فقہاءؒ اس بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ میت کو بعد دفن کرنے کے سوائے چند مخصوص

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۵/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

صورتوں کے نہ نکالا جاوے؛ چنانچہ درمختار کی عبارت یہ ہے: ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب إلّا لحقّ آدميّ كأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشُفعة إلخ[1] اورشامی میں ہے: وكما إذا سقط في القبر متاع أو كفن بثوب مغصوب أو دفن معه مال ؛ قالوا: ولو كان المال درهمًا ، بحر. قال الرّمليّ: واستفيد منه جواب حادثة الفتوى: امرءة دفنت مع بنتها من المصاغ والأمتعة المشتركة إرثًا عنها بغيبة الزّوج أنّه ينبش لحقّه إلخ[1] الغرض اخراج میت بعدالدفن کی چند وجوہ اور مصالح ہوسکتے ہیں؛ اس لیے جس بزرگ نے ایسا کیا ہے، اس سے مصلحت اس کی دریافت کی جاوے، شاید کوئی وجہ جواز کی اور کوئی مصلحت اورضرورت ہو، کتب احادیث میں مروی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو چند ماہ کے بعدان کی قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا، محض اس وجہ سے کی وہ کسی دوسری میت کے ساتھ ایک قبر میں مدفون تھے[2] الغرض اس قسم کے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں، لہٰذا بدون دریافت عذر اعتراض میں جلدی نہ کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۰/۵-۴۱۱)

بلاضرورت قبر سے نعش کو نکالنا اور دوبارہ نمازِ جنازہ پڑھنا درست نہیں

سوال: (۲۸۸۷) زید کے والد کے انتقال کو پندرہ سال ہوئے، اس کا غسل اور تجہیز وتکفین بہ دستور شرع شریف کی گئی، بعد عرصہ مذکورہ کے زید نے اپنے والد کی نعش کو بلاضرورت قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا ارادہ کیا، اور دوبارہ نماز جنازہ پڑھی، اوراس فعل کو جائز بتلاتا ہے، اور ناواقف لوگ منع کرنے والے کو کافر اور وہابی کہتے ہیں؛ شرعًا اس کا حکم کیا ہے؟ (۱۵۷۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: بلاضرورت نعش کو قبر سے نکالنا بھی ممنوع ہے[3] اور نماز دوبارہ پڑھنا بالکل

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۵/۳-۱۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۲) عن جابر رضي الله عنه قال : دفن مع أبي رجل فلم تطب نفسي حتّى أخرجتُه فجعلتُه في قبر على حدة. (صحيح البخاري: ۱۸۰/۱، كتاب الجنائز ، باب هل يُخرج الميّت من القبر واللّحد لعلّةٍ)

(۳) ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب إلا لحق آدمي كان تكون الأرض مغصوبة إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۵/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة) ظفير

غیر مشروع ہے ہرگز درست نہیں ہے [۱] پس یہ فعل اس شخص کا بہت برا ہے، اور منع کرنے والے کو برا کہنا اور مشرک، وہابی، بدعتی کہنا جہالت اور گمراہی ہے، اس سے توبہ کرنا لازم ہے، اور آئندہ ایسی حرکت نہ کی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۱۳-۴۱۴)

دفن کے بعد میّت کو یا اُس کے تابوت کو قبر سے نکالنا درست نہیں

سوال: (۲۸۸۸) اگر بہ وجہ عذر کے مردہ کو تابوت میں رکھ کر گھر میں دفن کرے، اور بعد زائل ہونے عذر کے اس تابوت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۴/۷-۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: دفن کے بعد میت کو یا اس کے تابوت کو قبر سے نکالنا درست نہیں ہے۔ **ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب إلّا لحقّ آدميّ كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة** [۲] **(الدّرّ المختار)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۸)

میّت کو صندوق میں رکھ کر دفن کرنا اور زمین کی سپردگی میں دینا کیسا ہے؟

سوال: (۲۸۸۹) بعض شخص میت کو بعد کفن پہنانے کے ایک صندوق چوبی میں رکھ کر دفن کرتے ہیں، اور زمین کی سپردگی میں دیتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ جس مدت تک سپرد کرتے ہیں اس وقت تک نعش میت کی گلتی سڑتی نہیں، اس کی شریعت میں کچھ اصل ہے یا نہیں؟ اور صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۷/۲۲۶۷-۱۳۴۳ھ)

الجواب: شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور ایسا کرنا جائز نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں بہ اعتقاد مذکور وہ گنہ گار ہیں، البتہ ان زمینوں میں جو کہ نرم اور کمزور ہیں تابوت رکھنا جائز ہے

---

(۱) ولا يصلّى على ميّت إلّا مرّة واحدة والتّنفّل بصلاة الجنازة غير مشروع كذا في الإيضاح. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۳، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الخامس في الصّلاة على الميّت) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

غرضیکہ اس کی اجازت بھی بہ ضرورت ہے ورنہ یہ بھی بے ضرورت مکروہ ہے۔ کما في الخانية: وحكى عن الشّيخ الإمام أبي بكر محمّد بن فضل رحمه الله تعالى أنه جوّز اتّخاذ التّابوت في بلادنا لرخاوة الأرض إلخ [۱] وهٰكذا في الدّرّ المختار [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۰۸)

دریا برد ہونے والی لاش نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا

سوال: (۲۸۹۰) اگر قبر دریا برد ہو جاوے تو میت کو اس میں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۳۹/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب إلّا لحقّ آدميّ كأن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة إلخ [۳] پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ فی السوال میں میت کا نکالنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۰۵)

وصیت کی وجہ سے نعش کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا درست نہیں

سوال: (۲۸۹۱) میرے بھائی عرصے سے بیمار تھے، مرض یہاں تک ترقی کر گیا کہ زندگی سے ناامیدی ہوگئی، ایسی حالت میں مریض نے یہ وصیت کی کہ مجھ کو میرے باغ میں دفن کرنا، میں حکیم کو لینے گیا تھا، میری عدم موجودگی میں میرے بھائی کا انتقال ہو گیا، چونکہ میں موجود نہیں تھا برادری کے اور بھائیوں نے مرحوم کو اس کی وصیت کے خلاف دوسری جگہ دفن کر دیا، اب میں اپنے بھائی کی قبر اکھاڑ کر اس کی نعش یا ہڈیاں جو کچھ ہوں بہ موجب اس کی وصیت کے باغ میں دفن کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اگر نہیں تو بروز قیامت مجھ سے وصیت کے بارے میں مؤاخذہ اور مجھے گناہ ہوگا یا نہیں؟ (۱۵۸/۱۳۳۷ھ)

---

(۱) الفتاوى الخانية مع الفتاوى الهنديّة: ۱/۱۹۴، كتاب الصّلاة، باب في غسل الميّت وما يتعلّق به إلخ. وهٰكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة.

(۲) ولا بأس باتّخاذ تابوت ولو من حجر أو حديد له عند الحاجة كرخاوة الأرض. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۰-۱۳۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

الجواب: اس صورت میں اس کی نعش یا ہڈیوں کو نکال کر باغ میں دفن کرنا درست نہیں ہے، میت کی قبر کو اس وجہ سے اودھیڑنا اور کھودنا حرام ہے[1] ایسی وصیت کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اور آپ پر کچھ گناہ دوسری جگہ دفن کرنے کی وجہ سے نہیں ہوا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۱/۵-۳۹۲)

جو شخص غیر وطن میں مرا ہو، اُس کو وطن میں لے جا کر دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۹۲) مردہ کو بہ موجب وصیت اس کی؛ غیر وطن میں مرا ہو اس کے وطن میں لے جا کر دفن کرنا، اور وطن ۵۰ میل فاصلہ پر ہو، کیا یہ بالکل حرام ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟ ولی وطن میں ہو اس خیال سے لے جانا درست ہے یا نہ؟ بعض احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام نے مکہ معظمہ میں لا کر دفن کیا، یہ فعل صحابہ ہے؛ جواز کے لیے اتنی حجت کافی ہے یا نہیں؟ شامی و درمختار میں لا بأس به لکھا ہے، غرض میری یہ ہے کہ اس کے متعلق بڑا فتنہ ہوا ہے، لہٰذا جواز یا عدم جواز جو جانب راجح ہو مفصل طور سے تحریر فرمائیں۔ (۴۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: قال في شرح المنية الكبير: ويستحبّ في القتيل والميّت دفنه في المكان الّذي مات فيه في مقابر أولٰئك القوم، وإن نقل قبل الدّفن قدر ميل أو ميلين فلا بأس به، قيل: هٰذا التّقدير من محمّد يدلّ على أنّ نقله من بلد إلى بلد لايجوز أومكروه، ولأنّ مقابر بعض البلدان ربّما بلغت هذه المسافة ففيه ضرورة، ولا ضرورة في النّقل إلٰى بلد اٰخر،

---

(۱) وأمّا نقله بعد دفنه فلا مطلقًا. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۳۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت)

ولا يخرج منه بعد إهالة التّراب. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

(۲) أوصى بأن يصلّي عليه فلان أو يحمل بعد موته إلى بلد آخر أو يكفن في ثوب كذا إلخ فهي باطلة. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۰/۲۹۷، كتاب الوصايا، قبل باب الوصيّة بثلث المال) ظفیر

وقيل : يجوز ذلك ما دون السّفر لما روي أن سعد بن أبي وقّاص مات في قرية على أربعة فراسخ من المدينة فحمل على أعناق الرّجال إليها، و قيل : لا يكره في مدّة السّفر أيضًا ، و أمّا بعد الدّفن فلا يجوز إخراجه إلخ [(۱)] اور شامی نے درمختار کے اس قول ولا بأس بنقله قبل دفنه کی شرح میں لکھا ہے: قيل: مطلقًا، وقيل إلى ما دون مدّة السّفر، وقيّده محمّدؒ بقدر ميل أو ميلين لأنّ مقابر البلد ربّما بلغت هذه المسافة ، فيكره فيما زاد ، قال في النّهر عن عقد الفرائد وهو الظّاهر إلخ [(۲)] ان عبارات سے واضح ہے کہ قبل دفن میت کے نقل کرنے میں اختلاف ہے، بعض علماء جائز کہتے ہیں، اور بعض ناجائز اور مکروہ، اور ظاہراً مراد ان کی مکروہ سے مکروہ تحریمی ہے، اور صاحب نہر کا اس کو هو الظّاهر کہنا اس کی ترجیح کو مقتضی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۷۹-۳۸۰)

جس کا دہلی میں وصال ہوا اُس کو دیوبند میں لے جا کر دفنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۸۹۳) اگر کسی شخص کا وصال دہلی میں ہوتو اس کو مثلاً دیوبند میں لے جا کر دفنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۶۶/ ۱۳۴۰ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۱۵)

وضاحت: دفن سے پہلے میّت کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے میں اختلاف ہے بعض علماء جائز کہتے ہیں اور بعض ناجائز اور مکروہ تحریمی اور یہی راجح ہے جیسا کہ سابقہ جواب میں مذکور ہے اور اس جواب میں درست لکھا ہے؛ اس لیے درست سے مراد جائز مع الکراہت ہوگا۔ نعمت اللہ اعظمی

(۱) غنية المستملي ، ص: ۵۲۳، فصل في الجنائز ، البحث الثّامن في مسائل متفرّقة من الجنائز .

(۲) ردّ المحتار: ۳/ ۱۳۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

مکان کی بنیاد کھودتے وقت لاش نکلے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۹۴) ایک مکان کی بنیاد کھودتے وقت ایک نعش مرد مسلمان کی سالم نمودار ہوئی ہے آیا وہ نعش اسی جگہ دفن رہے یا وہاں سے نکال کر قبرستان میں دفن کی جاوے؟ (۱۵۰۰/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: نعش مذکور کو اسی جگہ رکھنا چاہیے کیونکہ منتقل کرنا نعش کا اس جگہ سے جس جگہ وہ دفن ہے بلاضرورت شدیدہ جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ شامی میں ہے: **وأمّا نقله بعد دفنه فلا (أي لايجوز) مطلقًا** [(۱)] البتہ اگر وہاں اس نعش کا رکھنا دشوار ہے اور خوف بے حرمتی کا ہے مثلاً یہ کہ عین بنیاد میں وہ نعش ہے یا اور کوئی مجبوری ایسی ہی ہے تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ دوسری جگہ قبرستان میں اس کو دفن کر دیا جاوے تاکہ احترام میت کا باقی رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۹/۵)

دفن کے دوران یا دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر بیٹھ جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۹۵)...... (الف) اگر میت کو دفن کرتے ہوئے نصف قبر کی تیاری پر قبر بیٹھ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ (۲۷۱/۱۳۴۳ھ)

(ب) قبر میں مردہ کو رکھ کر مٹی دے کر تیاری کے وقت قبر بیٹھ جائے تو مردہ کو نکال کر دوسری قبر میں رکھا جائے یا کیا؟ (۲۷۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب:...... (الف ـ ب) پہلی صورت میں دوسری جگہ قبر کھود دی جاوے یا اسی کو صاف کر کے درست کی جاوے، اور دوسری صورت میں میت کو نہ نکالا جاوے اوپر سے مٹی درست کر دی جاوے؛ کیونکہ **إخراج المیّت عن القبر بعد الدّفن** (میّت کو دفن کے بعد قبر سے نکالنا) اس وجہ سے درست نہیں ہے۔ **کما في الدّرّ المختار: ولا یخرج منه بعد إهالة التّراب إلاّ لِحقّ آدميّ إلخ** [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۷/۵)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۱۳۷/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۵/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

حاملہ عورت مرجائے تو اس کے بچے کو پیٹ چاک کرکے نکالا جائے یا نہیں؟

سوال:(۲۸۹۶) اگر حاملہ عورت کا چار ماہ یا چھ ماہ یا سات ماہ یا نو ماہ کے اثناء میں انتقال ہوجائے تو اس کے بچے کو پیٹ چاک کرکے نکالا جائے یا نہیں؟ (۲۲۰۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں لکھا ہے کہ اگر حاملہ عورت مرجاوے اور بچہ اس کے پیٹ میں زندہ ہو کہ حرکت کرتا ہو تو اس کے پیٹ کو چاک کرکے بچہ کو نکالا جاوے، پس جس وقت حمل کو اتنی مدت ہوجاوے کہ بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگے، اور ماں کے مرنے پر بھی اس میں حرکت اور اضطراب باقی ہو؛ اس وقت یہ حکم ہے جو مذکور ہوا، کسی مدت کی قید نہیں ہے، بلکہ اگر نواں مہینہ بھی حاملہ کو ہو اور اس کے مرنے پر بچہ پیٹ میں حرکت کرتا اور اضطراب کرتا ہوا معلوم نہ ہو تو پیٹ کو چاک نہ کیا جاوے گا بلکہ مدار بچے کے زندہ ہونے پر اور حرکت واضطراب پر ہے نہ کسی مدت پر، چنانچہ عبارت درمختار کی یہ ہے: **حامل ماتت وولدها حيّ يضطرب شقّ بطنها من الأيسر ويخرج ولدها إلخ** (۱) ترجمہ اس کا یہ ہے کہ حاملہ عورت مرگئی، اور اس کا بچہ پیٹ میں زندہ ہے کہ حرکت کرتا ہے تو بائیں جانب سے عورت کے شکم کو چاک کرکے بچہ کو نکالا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۶/۵)

سوال:(۲۸۹۷) جب عورت حاملہ کا انتقال ہوجاوے تو اس کو مع بچہ کے دفن کیا جاوے یا عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ کو نکالا جاوے؟ (۱۵۳۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: عورت حاملہ اگر مرجاوے تو دیکھا جاوے اگر بچہ پورا ہے اور پیٹ میں زندہ ہے کہ حرکت کرتا ہے تو متوفیہ عورت کا پیٹ چاک کرکے زندہ بچہ کو نکال لیا جاوے، اور اگر بچہ میں ابھی جان ہی نہیں پڑی یا پڑی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرگیا زندہ نہیں ہے، اور کوئی حرکت اس میں نہیں ہے تو اس متوفیہ حاملہ کو مع بچے کے دفن کردیا جاوے۔ درمختار میں ہے: **حامل ماتت**

(۱) الدرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

وولدها حيٌّ يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها ولو بالعكس وخيف على الأمِّ قطع و أخرج إلخ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۱/۵)

عورت کے پیٹ سے بچہ کا کچھ حصہ نکلا اور دونوں مر گئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۲۸۹۸) عورت کے پیٹ سے لڑکے کا ایک پیر پیدا ہوا، اور دونوں مر گئے تو لڑکے کو اس کے پیٹ سے جدا کیا جاوے یا ایک ہی غسل وکفن میں دفن کریں؟ (۱۴۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: لڑکے کو جدا نہ کیا جاوے صرف عورت کا غسل وکفن ونماز پڑھنا کافی ہے۔ فقط (۴۶۹/۵)

جو بچہ مردہ پیدا ہو، اُس کو کس طرح دفن کرنا چاہیے؟

سوال: (۲۸۹۹) جو بچہ مردہ پیدا ہوا اس کو قبر میں لحد کھود کر رکھا جاوے یا گڑھا کھود کر کفار کی طرح دبا دیا جاوے؟ (۱۱۴۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: گڑھا کھود کر مردہ کو اس میں ڈالنا صرف کافر یا مرتد کے لیے کہا گیا ہے، اولاد مسلمین کے لیے جب کہ وہ مردہ پیدا ہوں ایسا کرنا کہیں نظر سے نہیں گذرا، صرف نماز اور کفن کے متعلق یہ ذکر کرتے ہیں: أدرج في خرقة ودفن ولم يصلّ عليه إلخ[2] (الدّرّ المختار) بلکہ دفن کا اطلاق اور حفر کا نہ کہنا مشعر ہے کہ دفن معہود ہی مراد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۴/۵-۳۸۵)

ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہے تو فوت شدہ بچہ مسلمان سمجھا جائے گا

سوال: (۲۹۰۰) ایک لڑکا بہ عمر یک سالہ جس کا باپ مسلم اور ماں غیر مسلمہ ہے، انتقال کر گیا،

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۲/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب مهم: إذا قال: إن شتمتُ فلانًا في المسجد يتوقّف على كون الشّاتم فيه، وفي إن قتلتُه بالعكس.

اس کو قبرستان اہلِ اسلام میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۲۴۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: وہ لڑکا مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ لأنّ الولد یتبع خیر الأبوین[۱] لہٰذا اس کو مقبرہ اہلِ اسلام میں ہی دفن کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۸/۵)

فوت شدہ بچہ والدین کے تابع ہوتا ہے

سوال: (۲۹۰۱) زید کو شیعہ سمجھ کر اس کا مردہ گورستان میں دفن نہ ہونے دینا، مردہ زید کا صرف تین سال کا تھا، وہ معصوم تھا یا نہ؟ اگر معصوم تھا تو اس کے دفن میں کیا حرج تھا؟

(۶۸۸/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ایسا بچہ تابع اپنے والدین کے سمجھا جاتا ہے، اگر والدین میں سے کوئی بھی مسلمان اور سنی ہو تو بچہ کو بھی مسلمان سنی کہا جاوے گا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۴/۵)

لحد کتنی کشادہ اور اونچی ہونی چاہیے؟

سوال: (۲۹۰۲) لحد قبر کی کتنی فراخ اور کتنی اونچی ہو؟ (۱۱۹۷/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: لحد کے بارے میں اسی قدر حکم ہے کہ وسیع اور فراخ ہو جس میں مردہ اچھی طرح لٹا دیا جاوے، اور کوئی خاص تحدید لحد کے بارے میں نہیں ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ لحد اس قدر اونچی ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے یہ کچھ ضروری شرط نہیں ہے[۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۶/۵)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۲۷۶/۴، کتاب النّکاح، باب نکاح الکافر، مطلب: الولد یتّبع خیر الأبوین .

(۲) واللّحد أن یحفر القبر في جانب القبلة من الأرض حفیرة فیوضعُ فیها المیّت وینصب علیها اللّبن. (غنیة المستملي، ص: ۵۱۳، فصل في الجنائز، البحث السّادس في الدّفن)

ویلحد لأنّه السّنّة ، وصفته یحفر القبر ثمّ یحفر في جانب القبلة منه حفیرة فیوضع فیها المیّت ویجعل ذٰلك کالبیت المسقّف ، حلبة . (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۱۳۰/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن المیّت)

قبر کی گہرائی کتنی ہونی چاہیے؟

سوال: (۲۹۰۳) قبر بغلی ہو یا ہودا ہو، بغلی یا ہودا تو اتنا گہرا ہوتا ہے جس میں انسان بیٹھ جاوے لیکن یہ سنداً فرمائے کہ بغلی یا ہودے سے اوپر کتنا گہرا کھودنا چاہیے؟ مفصل تحریر فرمائے کہ جھگڑا رفع ہو کر فیصلہ ہو۔ (۸۳۷/۳۴-۱۳۳۳ھ)

الجواب: حدیث شریف میں اس بارے میں یہ وارد ہوا ہے: **أحفروا وأوسعوا وأعمقوا وأحسنوا الحديث** [1] یعنی قبر کو کھودو، اور اس کو وسیع کرو، اور گہری کرو، اور اچھا کرو، فقہ کی کتابوں میں یہ لکھا ہے: **وحفر قبره............مقدار نصف قامة وإن زاد فحسن** [2] (درمختار) یعنی مقدار گہرائی قبر کی آدھے قد کے برابر ہو، اور شامی میں ہے کہ اگر پورے قد کے برابر گہرائی قبر کی ہو تو بہت اچھا ہے، الغرض ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدھے قد کے برابر ہو، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ پورے قد کے برابر ہو [3] اور لحد کے بارے میں اسی قدر ہے کہ وسیع ہو کہ میت کو اس میں لٹا دیا جاوے، اس میں یہ قید بھی ضروری نہیں ہے کہ اتنی گہری ہو کہ میت اس میں بیٹھ سکے اگر ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ کچھ کم ہو تب بھی کچھ حرج نہیں ہے، اور ہمارے مذہب میں لحد کا ہونا یعنی بغلی کا ہونا افضل ہے، یعنی قبر کے اندر ایک جانب کو لحد کھودی جاوے جس میں میت کو رکھا جائے، باقی اس میں جھگڑا کرنے کی کوئی بات نہیں ہے، مختصر یہ ہے کہ قبر کو گہری کی جاوے، اور اس میں لحد بنائی جاوے تو یہ بہتر ہے، اور اگر زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے درمیان میں شق کر دیویں، یعنی قبر کے درمیان میں ایک گہرا گڑھا کھودا جاوے جس میں میت کو رکھ کر اس پر بانس یا کچی اینٹیں رکھ دی جاویں جس سے

---

(۱) عن هشام بن عامر أنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال يوم أحد: أحفروا وأوسعوا الحديث. (المشكاة، ص:۱۴۸، كتاب الجنائز، باب دفن الميّت، الفصل الثّاني) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

(۳) قوله: (مقدار نصف قامة إلخ) أو إلى حدّ الصّدر، وإن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن كما في الذّخيرة، فعلم أن الأدنىٰ نصف القامة والأعلى القامة. (ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت)

وہ ڈھک جاوے یہ بھی درست ہے، پھراوپر مٹی ڈال دی جاوے، پس یہ طریقہ قبر کھودنے کا ہے، اس میں کوئی جھگڑے کی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۵-۳۸۶)

قبر کو گہرا کھودنے کی وجہ

سوال: (۲۹۰۴) صندوقی قبر کی گہرائی جو نصف قامت مراد ہے تو یہ کل قبر کی گہرائی ہے یا کیا؟ (۱۳۴۳/۱۷ھ)

الجواب: فقہاء کی مراد نصف قامت گہرائی سے کل قبر کی گہرائی مراد ہے، اور یہ ادنیٰ درجہ گہرائی کا ہے، اس سے زیادہ پوری قامت تک بہتر ہے، اور علت اس کی یہ ہے کہ بدبو باہر نہ پھیلے اور درندوں سے محفوظ رہے۔ **والمقصود منه المبالغة في منع الرّائحة ونبش السّباع**[1] **(شامي)** (۵/۴۱۲)

سوال: (۲۹۰۵) قبر میں جو فرشتے آ کر میت کو بیٹھاتے ہیں، کیا اس وجہ سے قبر کو گہرا کھودا جاتا ہے یا کیا؟ (۱۳۴۳/۱۷ھ)

الجواب: قبر کو گہرا کرنے کی یہ وجہ نہیں ہے جیسا کہ شامی سے منقول ہوا[1] اور اس عالم میں میت کو بٹھانے کے لیے گہرائی مذکور کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ عالم اس عاسم کے مثل نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۱۲)

جو قبر بیٹھ گئی ہو، اُس پر مٹی ڈالنے میں مضائقہ نہیں

سوال: (۲۹۰۶) قبر جو بیٹھ گئی ہو یا بالکل زمین کے برابر ہو کر متمیز نہ ہوتی ہو اس پر مٹی ڈالنا مستحب ہے تاکہ زمین سے متمیز ہو جاوے اور حفاظت قبر من الاہانۃ یعنی وطی وغیرہ سے ہو سکے، اس کی سند شامی وغیرہ کتب فقہ سے مرحمت فرمائی جاوے۔ (۱۳۳۸/۶۹۴ھ)

الجواب: یہ تصریح شامی وغیرہ میں نہیں دیکھی گئی کہ جو قبر بیٹھ گئی ہو اُس پر پھر مٹی ڈالنا مستحب ہے، البتہ جواز اس کا علت سے ثابت ہوسکتا ہے جو کہ کتابت علی القبر کے جواز میں

(۱) ردّ المحتار: ۱۲۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

منقول ہے، شامی میں ہے: وإن احتيج إلى الكتابة حتّى لا يذهب الأثر ولا يمتهن فلا بأس به إلخ [(۱)] (۱/۲۰۱) اور نیز شامی وشرح منیہ میں ہے: ولا يزاد على التّراب الّذي خرج من القبر وتكره الزّيادة وعن محمّد لا بأس بها [(۲)] سو اگر چہ یہ روایت بہ وقت حثیٔ تراب فی القبر (قبر میں مٹی ڈالنے کے وقت) ہے، لیکن اس کے عموم سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ دوسری مٹی قبر پر ڈالنا موافق روایت امام محمدؒ کے لا بأس میں داخل ہے۔ فقط واللہ اعلم (۵/۳۷۵-۳۷۶)

سوال: (۲۹۰۷) جو قبر بیٹھ جاوے یا گر جاوے اس کو پوری قبر از سر نو تیار کراتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۳۴۴ھ)

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں ہے [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۴)

جو لاش کھل جائے اسے کس طرح بند کیا جائے؟

سوال: (۲۹۰۸) پہاڑی ملک میں قبریں صندوقی بنائی جاتی ہیں، اور تختے سال چھ ماہ میں گل کر ٹوٹ جاتے ہیں، اور نعشیں اکثر کھل جاتی ہیں، یہ قبریں کیوں کر بند کی جائیں؛ آیا اوپر سے لکڑی لگا کر مٹی بھری جائے یا یوں ہی نعش پر مٹی ڈال دی جائے؟ (۱۳۴۲/۱۳۳۲ھ)

الجواب: یہ بہتر ہے کہ لکڑی یا پتھر رکھ کر مٹی ڈالی جاوے [(۳)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۶)

قبر پاٹتے وقت تختہ کی جگہ پتھر استعمال کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۰۹) چونکہ تختے قبروں میں لگانے سے قبریں بہ وجہ کثرت بارش کے بہت جلد

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

(۲) غنية المستملي شرح منية المصلّي، ص:۵۱۵، البحث السّادس في الدّفن. و هٰكذا في ردّ المحتار: ۳/۱۳۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

(۳) ولا بأس باتّخاذ تابوت ولو من حجر أوحديد له عند الحاجة كرخاوة الأرض إلخ وتحل العقدة إلخ ويسوّى اللّبن عليه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لوحوله، أمّا فوقه فلا يكره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۰-۱۳۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

کھل جاتی ہیں تو بجائے تختوں کے پتھر کی سلیں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۱۳۳۲ھ)

الجواب: درست ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۶/۵)

سوال: (۲۹۱۰) قبر پر بہ عوض تختوں کے پتھر جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۹۰۴ھ)

الجواب: بہ ضرورت جائز ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۷/۵)

قبر کے پاٹتے وقت آگ میں پکا ہوا کونڈا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۱۱) قبر کے پٹاؤ میں مٹی کا پختہ کونڈا (مٹی کا تھال) دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۰/۵۹۵ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ويسوّي اللّبن عليه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لوحوله امّا فوقه فلا يكره إلخ** [2] اس عبارت سے واضح ہے کہ پکی اینٹ اور کونڈا آگ میں پکا ہوا قبر کے ماحول رکھنا مکروہ ہے، اور اگر ضرورت ہو تو درست ہے۔ **قال مشائخ بخاری: لا يكره الآجر في بلدتنا للحاجة إليه لضعف الأراضي** [2] (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/۵)

بانس پر بوریا ڈال کر مٹی ڈالنا درست ہے

سوال: (۲۹۱۲) میت کو قبر میں رکھ کر اس پر بوریا ڈال کر مٹی ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) ولا بأس باتّخاذ تابوت ولو من حجر أوحديد له عند الحاجة كرخاوة الأرض إلخ وتحل العقدة إلخ ويسوّى اللّبن عليه والقصب لا الآجر المطبوخ والخشب لوحوله ، أمّا فوقه فلا يكره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۰/۳-۱۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

اور ہدایہ میں ہے: ولا بأس بالقصب وفي الجامع الصّغير و يستحبّ اللّبن والقصب لأنّه صلّى اللّٰه عليه وآلہٖ وسلّم جعل علٰى قبرہٖ طُن من قصب[1] لفظ طن کے کیا معنی ہیں؟ (۱۶۵۷/۱۳۴۵ھ)

الجواب: یہ صورت دفن کی صحیح ہے اور طُن کے معنی حزمة القصب (بانس کا گٹھا) ہے[2] (قاموس) قال في الدّرّ المختار: ويسوّي اللّبن عليه و القصب لا الأجر إلخ (الدّرّ المختار) ونصّوا على استحباب القصب فيها كاللّبن[3] (شامي، جنائز) فقط (۴۰۴/۵)

پختہ قبر کو اُکھاڑ کر ہموار کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۱۴) زید کی دکان کے صحن میں ایک قبر پرانی کچی ہے، بعض لوگوں نے زید کے پیچھے اس قبر کو پختہ کرادیا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے چراغ روشن کیے جائیں گے، اور پرستش کی جائے گی زید کو شرعاً اس قبر کا اکھاڑ کر ہموار کردینا واجب ہے یا نہیں؟ (۱۴۱۲/۱۳۳۹ھ)

الجواب: زید اس قبر کو اکھاڑ کر برابر کرسکتا ہے اور اس کو ایسا کرنا درست ہے، بلکہ پختہ باقی رکھنا اس قبر کا جائز نہیں ہے[4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۷۸/۵)

---

(۱) الهداية: ۱۸۳/۱، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، قبيل باب الشّهيد .

(۲) القاموس المحيط، ص: ۱۲۱۳، باب النّون، فصل الطّاء، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت ـــــــ مطبوعہ فتاوی میں (حزمة القصب) کی جگہ ''خرقة من القصب'' تھا، اس کی تصحیح القاموس المحيط سے کی گئی ہے۔ محمد امین

(۳) ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة .

(۴) ولا يجصّص للنّهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناءٌ (الدّرّ المختار) أي لا يُطلٰي بالجصّ بالفتح ويكسر...... قوله: (ولا يرفع عليه بناءٌ) أي يحرم لو للزّينة ويكره لو للإحكام بعد الدّفن . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۳۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت)

لما في صحيح مسلم عن جابر قال: نهٰى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن يجصّص القبر وأن يبنٰى عليه. (ردّ المحتار: ۱۳۳/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

پرانی قبروں پر پھل دار درخت لگانا اور اس کا پھل کھانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۱۴) مقابر میں جو قبریں ہموار ہوجاتی ہیں ان پر پھلواری لگانے میں کچھ حرج تونہیں اور خوردنی اشیاء اس پر سے کھالینا کیسا ہے؟ (۱۶۵۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: پرانی قبور پر ایسا کرنا درست ہے، اور پھل کے کھانے میں اس وجہ سے کہ وہ درخت قبر پر ہے کچھ حرج نہیں ہے[1] البتہ اگر قبرستان وقف ہے تو اس کے پھلوں کے متعلق جو کچھ شرطِ (واقف ہو)[2] یا تعامل ہو ویسا کرے یعنی اگر فروخت کرنے کی شرط ہو تو بلا قیمت نہ کھاوے یا فقراء کے لیے وقف ہے تو غنی نہ کھاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۱۱-۴۱۲)

قبر کے اطراف کو پختہ کرنا درست نہیں

سوال: (۲۹۱۵) زید حفاظت اور علامت کے لیے اپنے والد مرحوم کی قبر کے اطراف اربعہ کو پختہ اور بیچ میں کچی اور سنگ مرمر پر تاریخ کندہ کرانا چاہتا ہے، کوئی صورت جواز کی ممکن ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: شامی میں صحیح مسلم کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے: **نهٰی رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنٰى عليها، رواه مسلم**[3] یعنی منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کے پختہ کرنے سے اوران پر کچھ لکھنے سے اور تعمیر کرنے سے، پس صورتِ مذکورہ فی السوال شرعًا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷۷-۳۷۸)

---

(۱) ولو بلى الميّت وصار ترابًا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه كذا في التّبيين . (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۷، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل السّادس في القبر والدّفن والنّقل من مكان إلى آخر) ظفیر

(۲) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں ۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

سوال: (۲۹۱۶)......(الف) لحد کو خام رکھنا اور باقی گرداگرد قبر کو پختہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) متقدمین و بزرگان دین کے جو مقابر بلادعرب وہندوغیرہ میں موجود ہیں علماء نے ان کی پختگی کیسے جائز فرمائی؟ (۱۲۷/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: (الف) عن جابر رضي الله عنه قال: نهى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يجصّص القبور وأن يكتب عليها وأن توطأ، رواه التّرمذي [1] وفي الدّرّ المختار: لا الآجر المطبوخ إلخ [2] اس حدیث اور روایت کتب فقہ سے معلوم ہوا کہ کسی میت کی قبر کو پختہ کرنا درست نہیں ہے، اور تعویذ قبر کو خام چھوڑنا اور گرداگرد پختہ کرنا بھی درست نہیں ہے۔

(ب) حکم شرعی حدیث مذکور و روایت فقہیہ مذکور سے واضح ہوگیا، اور علامہ شامی نے بدائع سے نقل فرمایا ہے: وقوله المطبوخ صفة كاشفة، قال في البدائع: لأنّه يستعمل للزّينة، ولا حاجة للميّت إليها ولأنّه ممّا مسّته النّار فيكره أن يجعل على الميّت تفاؤلاً [3] اس روایت بدائع سے یہ امر بہ خوبی واضح ہوگیا کہ پختہ اینٹ قبر پر لگانا دووجہ سے مکروہ ہے؛ ایک یہ کہ میت کو اس زینت اور آراستگی کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہ آگ میں پکی ہے، تفاؤلاً میت کے قریب ایسی چیز نہ رکھی جائے جس کو آگ میں پکایا ہو، اور بزرگان دین نے اس کو پسند نہیں فرمایا، کسی دوسرے شخص نے اگر کسی بزرگ کی قبر کو پختہ کردیا تو اس میں اس بزرگ کے ذمہ کچھ مؤاخذہ نہیں (یہ دوسروں کا فعل ہے) [4] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۴/۵-۴۵۵)

قبر کو پختہ بنانا اور اس پر قبہ وغیرہ تعمیر کرنا ممنوع ہے

سوال: (۲۹۱۷) قبر کو پختہ بنانے اور ان پر قبہ وغیرہ بنانا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور ایک بالشت کے برابر اگر بہ طور آثار بنا دیا جاوے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ حضور ﷺ کا

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ۱۴۸-۱۴۹، كتاب الجنائز، باب دفن الميّت، الفصل الثّاني.

(۲) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۳) ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصّلاة، باب الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

روضۂ مبارک کب سے بنایا گیا ہے؟ اور بنے ہوئے کو گرانا کیسا ہے؟ (۱۲۰۳/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: قبر کو پختہ بنانے اور اس پر کچھ بناء کرنے کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **نهىٰ رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها ، وأن يبنىٰ عليها ، رواه مسلم** [۱] اور شامی میں نقل کیا ہے: **وقيل: لا يكره البناء إذا كان الميّت من المشائخ والعلماء والسّادات إلخ** [۲] لیکن قبوں [۳] کے انہدام کا حکم فقہاء رحمہم اللہ نے کہیں نہیں کیا، اور بعض آثار سے ثبوت قبہ کا معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی قبر پر پہنچے، وہاں دو رکعت نفل پڑھی اور انہدام قبہ کا حکم نہیں فرمایا [۴] لہٰذا یہ فعل انہدام قبات کا جس نے کیا اچھا نہ کیا، اور قبر پر کوئی علامت رکھنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہے۔ **كما ورد في الصّحاح** [۵] اور اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوا کہ ان کے زمانے میں بھی وجود قبے کا تھا۔ **والتّفصيل في كتب السّير**. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۹-۳۹۰)

وضاحت: حضرت مجیب کا یہ جواب شاید اس بات پر مبنی ہے کہ جہاں پر احتمالِ فساد واختلاف ہو تو اس سے احتراز بہتر ہے، اگر اس طرح کا احتمال نہ ہو تو حدیث وفقہ دونوں میں تجصیص قبور اور اس پر بناء کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، اور خود حضرت مجیب نے قبہ بنانے کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: **عن جابر قال: نهىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن يجصّص القبر وأن يبنىٰ عليه (ردّ المحتار: ۳/۱۳۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة)** اور ادھر حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قبر اونچی ہو اُس کو ڈھانے کا حکم دیا ہے، جس کی بناء پر گرانا جائز

---

(۱) ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۳۴، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

(۳) مطبوعہ فتاویٰ میں (قبوں) کی جگہ 'قبور' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاویٰ سے کی گئی ہے۔۱۲

(۴) اس کا حوالہ ہمیں نہیں مل سکا۔۱۲

(۵) أخرجه أبوداؤد بإسناد جيّد أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حمل حجرًا فوضعه عند رأس عثمان بن مظعون ، و قال : أ تعلم بهٖ قبر أخي و أدفنُ إليه من مات من أهلي . (ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة) ظفیر

بلکہ بہتر ہوگا، البتہ اگر فساد و اختلاف کا ڈر ہے تو گریز بہتر ہے، کفایت المفتی میں اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے: ''ممکن ہو اور کسی اختلاف وفساد کا احتمال نہ ہو تو یہ کٹہرا علیحدہ کر دیا جائے''۔(۷/ ۱۳۸، کتاب الوقف) لہٰذا حضرت مجیب قدس سرہٗ کے اس ارشاد کو کہ: ''فعل انہدام قبات کا جس نے کیا اچھا نہ کیا'' اسی صورت پر محمول کرنا چاہیے۔نعمت اللہ اعظمی

انبیاء کے علاوہ کسی کو مکان میں دفن کرنا یا قبہ بنانا جائز نہیں

سوال: (۲۹۱۸) مزارات سلاطین واولیاء کرام پر جو قبے تعمیر ہیں موافق کتاب کے ہیں یا ان میں کچھ کلام ہے؟ اگر بہ اتباع قبۂ مزارِ پُر انوار آنحضرت ﷺ کے؛ بزرگوں کے مزار پر قبے قائم کریں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور میت کو یا کسی بزرگ کو اندرون مکان مسقّف دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۳/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قبہ بنانا یا مکان میں دفن کرنا سوائے انبیاء کے اور کسی کو جائز نہیں ہے۔شامي:۱/ ٦٦٠:
ولا ينبغي أن يدفن الميّت في الدّار ولو كان صغيرًا لاختصاص هذه السّنّة بالأنبياء إلخ، ويهال التّراب عليه، وتكره الزّيادة عليه من التّراب لأنّه بمنزلة البناء (الدّرّ المختار) لما في صحيح مسلم عن جابر قال: نهٰى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يجصّص القبر وأن يبنٰى عليه[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۳۹۴-۳۹۵)

میت کو گھر میں دفن کرنا بہتر نہیں

سوال: (۲۹۱۹) میت کو مکان مسکونہ میں دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟ (۱۶۰۸/ ۱۳۴۲ھ)

الجواب: گھر میں دفن کرنا بھی جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ قبرستان موقوفہ میں دفن کیا جاوے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۰۷)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/ ۱۳۱-۱۳۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

(۲) ولا ينبغي أن يدفن الميّت في الدّار ولو كان صغيرًا ، لاختصاص هٰذه السّنّة بالأنبياء (الدّرّ المختار) قوله : (في الدّار) كذا في الحلبة عن منية المفتي وغيرها ==

وضاحت: میّت کو گھر میں دفن کرنا جائز ہے، مگر کراہت سے خالی نہیں؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ موقوفہ قبرستان میں دفن کیا جائے۔ محمد امین

قبر کی حفاظت کی غرض سے چہار دیواری وغیرہ بنانا ممنوع ہے

سوال: (۲۹۲۰) اگر کسی بزرگ کا مزار مبارک ایسی جگہ پر واقع ہو کہ وہاں پر راستہ عوام الناس وحیوانات وغیرہ ہو، ایسی صورت میں اگر اس کی حفاظت کے لیے چہار طرف دیوار پختہ بنوادی جائے یا جنگلا بنوادیا جائے اس طور سے کہ اس کے چاروں کونوں پر ستون پختہ ہو جائیں اور درمیان میں لکڑی لگ جائے تو یہ دونوں صورت جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کون سی صورت اولیٰ ہے؟ اور دیگر ضروریات کی وجہ سے اس کے چہار طرف فرش پختہ بھی بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲۳۸۸/۱۳۳۷ھ)

الجواب: شامی میں ہے: وعن أبي حنيفة يكره أن يبنیٰ عليه بناء من بيت أو قبّة أو نحو ذلك لما روی جابر نهی رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنیٰ عليها، رواه مسلم وغيره انتهیٰ (۱) پس قبر کے گرد چہار دیواری پختہ، یا چبوترہ پختہ، یا ستون پختہ بنانا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۵/۵)

بزرگ کی قبر پر پختہ چہار دیواری بنانا درست نہیں

سوال: (۲۹۲۱) ایک بزرگ فوت ہوئے ان کی قبر پر محض چہار دیواری پختہ ونیز ایک مکان پختہ چھوٹا بنادیا جاوے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بنوانا نہیں چاہیے،

= = وهو أعمّ من قول الفتح ، ولايدفن صغير ولا كبير في البيت الّذي مات فيه فإنّ ذٰلك خاصّ بالأنبياء بل ينقل إلى مقابر المسلمين أهـ. ومقتضاه أنّه لا يدفن في مدفن خاصّ كما يفعله من يبني مدرسة ونحوها ويبني له لقربها مدفنًا؛ تأمّل . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۳۱/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

(۱) ردّ المحتار: ۱۳۵/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

کیوں کہ (آئندہ)[1] شاید بدعت ہونے لگے۔ (۳۳۵/۲۳۸ھ)

الجواب: پختہ چہار دیواری قبر پر بنوانا درست نہیں ہے[2] اور یہ خیال صحیح ہے کہ رفتہ رفتہ کچھ بدعات وہاں ہونے لگیں گی اور بانی کو بھی گناہ کا حصہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۶/۵)

بارش وغیرہ سے حفاظت کے لیے قبر پر ٹین لگانا درست نہیں

سوال: (۲۹۲۲) ایک قبر کا ٹین ہوا سے اڑ گیا، جو قبر مذکور کی حفاظت کے لیے تھا تاکہ برف اور بارش سے محفوظ رہے، اب دوبارہ وہی ٹین اس قبر پر ڈلوانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس ٹین کو کسی مسجد وغیرہ میں لگا دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۳۵۵ھ)

الجواب: قبر پر بناء وغیرہ کی چونکہ ممانعت ہے، اس لیے پھر اس ٹین کو قبر پر قائم نہ کیا جاوے بلکہ جس نے وہ ڈالا تھا وہ اسی کی ملک ہے وہ جہاں چاہے اس کو لگا سکتا ہے اور کام میں لا سکتا ہے[2] فقط (۴۰۵/۵)

مٹی ہوئی قبر کو تازہ کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۲۳) مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے عارضہ طاعون میں رحلت کی ۲۲ صفر ۱۳۳۶ھ میں، اب مولوی صاحب کے والد نے قبر کھدوائی اور کہا کہ نہ کفن ہے نہ ہڈی ہے، از سرنو خالی قبر بنا کر تیار کردی؛ آیا خالی قبر پر فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہ؟ ڈیڑھ سال میں مردہ کی کیا حالت

---

(۱) مطبوعہ فتاوی میں (آئندہ) کی جگہ ''اس طرح'' تھا، اس کی تصحیح رجسٹر نقول فتاوی سے کی گئی ہے۔۱۲

(۲) ولا يجصّص للنّهي عنه ولا يطين ولا يرفع عليه بناء، وقيل: لا بأس به وهو المختار (الدّرّ المختار) قوله: (ولا يرفع عليه بناء) أي يحرم لو للزّينة ويكره لو للإحكام بعد الدّفن، وأمّا قبله فليس بقبر إلخ ، قوله: (وقيل: لا بأس به إلخ) المناسب ذكره عقب قوله ولا يطين إلخ ، وأمّا البناء عليه فلم أر من اختار جوازه إلخ ، وعن أبي حنيفة يكره أن يبنى عليه بناءً من بيت أو قبّة أو نحو ذٰلك لما روى جابر نهٰى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن تجصيص القبور وأن يكتب عليها وأن يبنٰى عليها، رواه مسلم وغيره. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۳۴/۳-۱۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

ہوجاتی ہے؟ ایسا کرنے میں کچھ گناہ تو نہیں ہے؟ (۱۹۶۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ ظاہر ہے کہ اس قدر عرصہ تک مردہ کی ہڈی اور جسم اور کفن کہاں رہ سکتا ہے، سب خاک ہوجاتا ہے اور چونکہ قبر مولوی صاحب کی وہی تھی جس میں وہ دفن ہوئے تھے اگر چہ وہ خاک ہوگئے تو اب اس کی نشانی کی تجدید بہ غرض علامت اور سلام وفاتحہ خوانی کے درست ہے [(۱)] فقط (۵/ ۳۹۶)

قبر پر چراغ جلانا ممنوع ہے

سوال: (۲۹۲۴) قبر پختہ بنانا اور اس پر چراغ روشن کرنا شرعًا حرام ہے یا نہیں؟ ایسے امور کا مرتکب اور اس فعل کو اچھا سمجھنے والا عنداللہ کسی جرم کا مورد سمجھا جائے گا؟ (۱۴۱۲/ ۱۳۳۹ھ)

الجواب: قبر پختہ بنانا اور قبر پر چراغ جلانا شرعًا ممنوع ومکروہ ہے خصوصًا قبر پر چراغ جلانے والے پر حدیث شریف میں لعنت وارد ہوئی ہے [(۲)] فقط (اضافہ از رجسٹر نقول فتاوی)

وقف قبرستان کی زمین کرایہ پر دینا اور عورت کو جاروب کشی کے لیے مقرر کرنا درست نہیں

سوال: (۲۹۲۵) ہندہ بہ طور جاروب کش ایک بزرگ کے مزار پر ہے، مزار کے قریب مسلمانوں کی قبریں ہیں، مسلمانوں کی قبروں کو مسمار کرکے اور زمین کو ہموار کرکے اس کو ایک انجن کے ذریعہ سے چکّی چلانے کے واسطے کرایہ پر دیا کیا یہ فعل اس کا جائز ہے؟ کیا بزرگوں کے مزار پر عورت کو جاروب کش مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۹۲/ ۱۳۴۰ھ)

---

(۱) وفي شرح المنية عن منية المفتي : المختار أنّه لا يكره التّطيين . (ردّ المحتار: ۳/ ۱۳۵، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت)

(۲) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنهما قال: لعن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم زائراتِ القبور، والمتّخذين عليها المساجدَ والسّرجَ ، رواه أبوداؤد والتّرمذي والنّسائي. (مشكاة المصابيح، ص:۷۱، كتاب الصّلاة ، باب المساجد ومواضع الصّلاة ، الفصل الثّاني)

الجواب: پرانی قبور کو برابر کرنا اور اس میں تعمیر وزراعت وغیرہ کرنا فقہاء نے جائز لکھا ہے (۱) لیکن موقوفہ قبرستان میں ایسا کرنا کہ قبور کو برابر کر کے اس زمین کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے (۲) اور عورت کو مزار پر جاروب کش مقرر کرنا درست نہیں ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷۸-۳۷۹)

میّت کو دفن کرنے کا ایک غلط طریقہ

سوال: (۲۹۲۶) میت کو دفن کرتے وقت مسلمانوں کے ہاتھ کی مٹی سر کے نیچے اور اہل ہنود کے ہاتھ کی پیر کے نیچے رکھ کر اوپر تختہ رکھ کر قبر تیار کرتے ہیں یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسلمان میت کے لیے لحد بنانا مسنون ہے، اور اگر لحد تیار نہ ہو سکے بہ وجہ نرم ہونے زمین کے تو قبر کے درمیان میں صندوقی شق کھود کر اس میں میت کو رکھ کر اوپر تختہ یا پتھر رکھ دیں یہ بھی درست ہے (۴) باقی امور جو خلاف سنت ہیں ان کو ترک کیا جاوے (۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۷۷)

(۱) كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابًا. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۶، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

(۲) فإذا تمّ ولزم لا يملك ولا يعار ولا يرهن . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۶/۴۲۱، كتاب الوقف ، مطلب مهمّ : فرق أبو يوسف بين قوله موقوفة إلخ) ظفیر

(۳) ولا بأس إلخ ...... بزيارة القبور ولو للنّساء (الدّرّ المختار) وقيل : تحرم عليهنّ إلخ وإن كان للاعتبار والترحّم من غير بكاء إلخ، فلا بأس إذا كنّ عجائز، ويكره إذا كنّ شوابّ كحضور الجماعة في المساجد أهـ . وهو توفيق حسن .(الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۳۷-۱۴۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور)

اس سے معلوم ہوا کہ جاروب کشی عورت کی بہ درجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی کہ فتنے کا اندیشہ ہے، واللہ اعلم ظفیر

(۴) وحفر قبره في غير دارمقدار نصف قامة فإن زاد فحسن، ويلحد ولا يشقّ إلاّ في أرض رخوة إلخ ، ولا بأس باتّخاذ تابوت ولو من حجر أو حديد له عند الحاجة كرخاوة الأرض إلخ ويسوّي اللّبن عليه والقصب عليه إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۲۹-۱۳۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

(۵) لہٰذا سوال میں جس رسم کا ذکر ہے وہ بدعت ہے، اسے ترک کر دینا ضروری ہے۔ ظفیر

قبر میں کنکریاں رکھنے کا رواج غلط ہے

سوال: (۲۹۲۷) یہاں عام دستور ہے کہ میت کے ساتھ قبر میں کنکریاں رکھتے ہیں اس غرض سے کہ میت منکر نکیر کو یہ جواب دے کہ دیکھو میرے وارثوں نے میرے لیے اس قدر قرآن شریف پڑھوائے ہیں اور ہم بخشے گئے تم جاؤ؛ اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۲/۶۳۴ھ)

الجواب: کنکریوں کے رکھنے کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے[1] اور جو خیالات کنکریوں کے رکھنے میں کر رکھے ہیں یہ جہالت کی باتیں ہیں اس سے کچھ نفع نہیں ہے۔ فقط (۴۰۳/۵)

قبر میں گارا کر کے میّت کو اس پر رکھنا غلط ہے

سوال: (۲۹۲۸) ایک مسلمان میت کی قبر کے اندر یعنی لحد میں پانی ڈالا گیا، اور پھر مٹی ڈال کر لت پت کر دیا تب اس میں چٹائی ڈال کر میت کو لٹایا، قاضی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح دفن کرنے سے قبر کا حساب کتاب نہیں ہوتا؛ شرعاً قاضی کے لیے کیا حکم ہے؟ (۱۳۳۸/۱۴۶۳ھ)

الجواب: قاضی صاحب کا خیال غلط ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے کہ لحد میں گارا کر کے اور اس پر چٹائی بچھا کر میت کو رکھا جاوے، اور اس طریق کو یوں سمجھنا کہ اس طرح دفن کرنے سے حساب و کتاب میت سے کچھ نہیں ہوتا بالکل بے اصل بات ہے، اور جہالت کا خیال ہے اور اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے، اور اس عقیدہ سے بہ طریق مذکور دفن کرنا درست نہیں ہے۔ فقط (۳۹۵/۵-۳۹۶)

قبر پر پانی چھڑکنے کی ایک غلط رسم

سوال: (۲۹۲۹) در اکثر مواضع چاٹگام رسم است کہ مردمان چوں بعد مدفون میت از کار سازی قبر فارغ شوند، پس خوند کارے جانب شمال قبر نزد سرہانۂ میت بایستد، وہم شخصے دیگر جانب

---

(۱) عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص:۲۷، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الأوّل)

مغربِ قبر کہ برابر میانہ قبر فتیلہ پرآب گرفتہ بایستد، او ہمہ آب فتیلہ را بہ حسب اشارہ خوند کار بر سطح قبر سہ دفعہ از کف خود می افشاند، صورتش ہمیں است کہ خوند کار صاحب ہیچ دعا خواندہ از انگشت دست راست خود از جانب سر میت بہ طرفِ پائے او اشارہ کند، پس مرد فتیلہ گر مسطور بہ مطابق ایماء خوند کار از جانب سرہانہ بہ طرف پائے بیش وکم مقدار ثلث آب فتیلہ غرفۃً غرفۃً می افشاند، باز بطور سابق خوند کار ہیچ دعا خواندہ (بیش وکم نصف آب بقیہ را می افشاند، باز خوند کار ہیچ دعا خواندہ)[۱] فتیلہ گر آب بقیہ را بہ طریق مذکور می افشاند، حاصل آنکہ ایں عمل سہ بار کردہ شود، خیال مردماں بریں آب افشانی ہمیں است کہ ازیں تخفیفِ عذابِ میت خواہد شد؛ ایں رسم جائز است یا چہ؟ (۱۳۳۷/۶۶ھ)

الجواب: ایں رسم وایں طریق آب افشاندن بر قبر از رسول اکرم ﷺ واز صحابہ وتابعین وائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ثابت نہ شدہ، لاجرم طریق محدث است کہ لازم الترک است، وآنچہ در احادیث در بارۂ انداختن آب بر قبر آمدہ است[۲] نہ بہ ایں طریق ورسم خاص است ونہ خواندن چیزے بہ وقت انداختن آب وارد شدہ است، لاجرم مجموعہ ایں رسم محدث است، وانداختن آب بر قبر ممکن است کہ برائے امساک غبار وتراب باشد وہمیں راجح است۔ کما اختارہ في الدّرّ المختار[۳] وممکن است کہ برائے تفاول بہ نزول رحمت باشد، بہر حال خواندن چیزے بہ وقت انداختن آب ثابت نہ شدہ است، ودر نفس انداختن آب بر قبر مضائقہ نیست بل مندوب است ولا بأس برشّ الماء حفظًا لترابه عن الإندراس[۳] (درّ مختار) وخواندن اوّل سورۂ بقرہ بہ جانب رأس وآخر سورۂ بقرہ بہ جانب قدم از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منقول است ومستحب است[۴]

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) قوله: (ولا بأس برشّ الماء عليه) ...... لأنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فعله بقبر سعد كما رواه ابن ماجة وبقبر ولده إبراهيم كما رواه أبوداؤد في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون كما رواه البزّار (ردّ المحتار: ۱۳۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)

(۳) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۴/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة.

(۴) وكان ابن عمر رضی اللہ عنہ يستحبّ أن يقرء على القبر بعد الدّفن أوّل سورة البقرة وخاتمها (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۳-۱۳۴، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة)

ولیکن نہ بہ آں کیفیت کہ در سوال مذکور است، الحاصل کیفیتے کہ در سوال مذکور است بدعت است ومحدث است (فیجب ترکھا إلخ)(۱) فقط واللہ اعلم (۵/ ۴۳۹-۴۴۰)

ترجمہ سوال: (۲۹۲۹) چاٹگام کی اکثر جگہوں میں یہ رسم ہے کہ لوگ جب میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کو ہموار کرنے سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ایک ذمہ دار قبر کی شمالی جانب میں میت کے سرہانے کے قریب کھڑا ہوجاتا ہے، اور نیز ایک دوسرا شخص قبر کی مغربی جانب میں قبر کے درمیان پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر کھڑا ہوجاتا ہے، وہ برتن کے سارے پانی کو ذمہ دار کے اشارہ کے مطابق قبر کی سطح پر تین مرتبہ اپنی ہتھیلی سے چھڑکتا ہے، اس کی صورت یہی ہے کہ ذمہ دار صاحب کوئی دعا پڑھ کر اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے میت کے سرہانے سے اس کی پائینتی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، پھر مذکورہ برتن بردار شخص ذمہ دار کے اشارہ کے مطابق سراہانے کی جانب سے پائینتی کی جانب کم وبیش برتن کے پانی کی ایک تہائی مقدار چلّو چلّو چھڑکتا ہے، دوبارہ سابقہ طریقہ سے ذمہ دار کچھ دعا پڑھ کر کم وبیش بقیہ پانی کے آدھے کو چھڑکتا ہے، پھر ذمہ دار کچھ دعا پڑھتا ہے اور برتن بردار بقیہ پانی کو مذکورہ طریقہ سے چھڑک دیتا ہے، خلاصہ یہ کہ یہ عمل تین بار کیا جاتا ہے، لوگوں کا خیال اس پانی چھڑکنے پر یہی ہے کہ اس سے میت کے عذاب کی تخفیف ہوجاوے گی، یہ رسم جائز ہے یا کیا؟

الجواب: قبر پر پانی چھڑکنے کی یہ رسم اور یہ طریقہ رسول اکرم ﷺ، صحابہ، تابعین اور ائمہ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہے، بلاشبہ نیا طریقہ ہے جو کہ واجب الترک ہے، قبر پر پانی ڈالنے کے سلسلے میں جو کچھ احادیث میں آیا ہے وہ نہ تو اس خاص رسم ورواج کے ساتھ ہے اور نہ پانی ڈالتے وقت کسی چیز کا پڑھنا وارد ہوا ہے، بلاشبہ یہ پوری رسم ایجادِ بندہ ہے، اور ممکن ہے کہ قبر پر پانی ڈالنا دھول مٹی کو جمانے کی غرض سے ہو، اور یہی راجح ہے۔ کما اختاره في الدرّ المختار اور ممکن ہے کہ نزول رحمت کی نیک فالی کے واسطے ہو، بہر حال پانی ڈالتے وقت کسی چیز کا

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

عن عائشة رضي اللّٰه تعالیٰ عنها قالت : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : من أحدث في أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردّ ، متّفق علیه . (مشکاة المصابیح ، ص:۲۷، کتاب الإیمان ، باب الاعتصام بالکتاب والسّنّة ، الفصل الأوّل)

پڑھنا ثابت نہیں ہے، اور فی نفسہ قبر پر پانی ڈالنے میں مضائقہ نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے، ولا بأس برشّ الماء إلخ (درّ مختار) اور سورۂ بقرہ کا اوّل سرہانے کی طرف اور سورۂ بقرہ کا آخر پائینتی کی طرف پڑھنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور مستحب ہے، لیکن اس کیفیت سے نہیں جو سوال میں مذکور ہے، الغرض وہ کیفیت جو سوال میں مذکور ہے بدعت ہے اور ایجادِ بندہ ہے، پس اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔

مردہ کو قبر میں خوشبو لگانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۳۰) مردہ کو قبر میں خوشبو لگانا کیسا ہے؟ (۵۹۹/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: کچھ حرج نہیں ہے[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۳/۵)

دفن کے بعد ستّر قدم ہٹ کر دعا کرنا بدعت ہے

سوال: (۲۹۳۱) میت کو دفن کر کے ستر قدم پیچھے ہٹ کر دعا مانگنا کیسا ہے؟[۲]
(۲۵۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: میت کو دفن کر کے ستر قدم پیچھے ہٹ کر دعا مانگنا بدعت اور مذموم اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/۵)

قبر پر اذان دینا بدعت ہے

سوال: (۲۹۳۲) اذان قبر میت پر مسنون ہے یا بدعت سیئہ تحریمیہ ہے؟ اگر مسنون ہو تو عبارت درمختار باب الاذان وباب الجنازہ، وعبارت مأۃ مسائل، وعبارت تفسیر مظہر العجائب، و عبارت توشیح، وعبارت درر البحار بالحروف والصفحہ نقل فرما کر بالتصریح جواب دینا، اور اگر بدعت سیئہ

---

(۱) ويوضع الحنوط في رأسه ولحيته وسائر جسده. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۱، كتاب الصّلاة الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثّالث في التّكفين) ظفیر

(۲) اس سوال کی عبارت رجسٹر نقول فتاویٰ میں نہیں ہے۔۱۲

تحریمیہ ہوتو وجوہات زید: اذان ذکر ہے، اذان تلقین بعد الدفن ہے، اذان منکر نکیر کے وقت نفع دیتی ہے، اذان تکبیر ہے جو سعد بن معاذ کی قبر پر ہوئی ہے، اور حدیث: إذا رأيتم الحريقَ فكبّروا [(۱)] سے ثابت ہے، اذان دعا ہے، اذان عمل صالح ہے، اذان سبب اجابت دعا ہے، اذان ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اذان سبب رحمت ہے، اذان وحشتِ میت کی دافع ہے، اذان غم و وہم کو دافع ہے۔ (۹۶۳/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: قبر میّت پر اذان کہنا خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے جیسا کہ تصریحات فقہاء سے ثابت ہے، اور وجوہات جو زید بیان کرتا ہے سب باطل ہیں، اور اس کے عدم تدبر اور جہل پر دال ہیں، اذان بے شک ذکر ہے، لیکن جس ذکر کے لیے جو موقع شارع علیہ السلام نے مقرر فرما دیئے ہیں ان کو وہیں رکھنا لازم ہے، ورنہ یہ تعدّی عن حدود اللہ ہوگا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۲۲۹) احداث فی الدین یہی ہے کہ دین میں اپنی رائے اور قیاس سے تخصیصات اور تقییدات مقرر کرنا اور جو موقع کسی ذکر کا نہیں ہے اس کو اس موقع میں معمول بہ بنانا۔ عن نافع أنّ رجلاً عطس إلٰى جنب ابن عمر فقال: الحمد للّٰه والسّلام علٰى رسول اللّٰه، قال ابن عمر: وأنا أقول: الحمد للّٰه والسّلام على رسول اللّٰه، وليس هٰكذا، علّمنا رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أن نقول: الحمد للّٰه علٰى كلّ حال [(۲)] صاحب لمعات اس کی شرح میں لکھتے ہیں: قوله: (وليس هٰكذا) أي ولكن ليس المسنون في هذا الحال هذا القول وإنّما الّذي علّمنا فيه أن نقول: الحمد للّٰه علٰى كلّ حال فقط من غير زيادة السّلام فيه ــــــ إلى أن قال: ــــــ فإنّ الزيادة في مثله نقصان في الحقيقة كما لا يزاد في الأذان بعد التّهليل محمّد رسول اللّٰه، وأمثال ذٰلك كثيرة انتهٰى [(۳)] پس معلوم ہوا کہ

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه و سلّم: إذا رايتم الحَريقَ فكبّروا، فأن التّكبير يُطفئه. (الدّعاء للطّبراني: ص:۳۰۷، باب القول عند وقوع الحريق، رقم الحديث: ۱۰۰۲، المطبوعة: دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۴۰۶، كتاب الآداب، باب العطاس والتّثاؤب، الفصل الثّالث.

(۳) حاشية مشكاة المصابيح، ص:۴۰۶، باب العطاس والتّثاؤب، رقم الحاشية: ۷.

اپنی طرف سے اس قسم کے اختراعات کرنا درحقیقت تشریع جدید ہے، یہ قیاسات زید کے بعینہٖ ایسے ہیں کہ کوئی شخص مغرب کی نماز میں مثلاً تین رکعت کی چار رکعت مقرر کرے کہ اس میں قرآن کا پڑھنا اور رکوع وسجود وتسبیح وتحمید وغیرہ ہیں کہ جملہ عبادات اوراذکار ہیں، الحاصل مبتدعین کا یہی حال ہے کہ ایسے ہی استدلالات سے امورمحدثہ مخترعہ فی الدین کو جائز کہا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بدعت اور مبتدع کی نہایت مذمت فرمائی ہے۔ قال علیه الصّلاة والسّلام: ما أحدث قومٌ بدعةً إلاّ رفع مثلها من السّنّة فتمسّك بسنّة خير من إحداث بدعةٍ (۱) وعن إبراهيم بن ميسرة قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : من وقّر صاحب بدعة فقد أعان علىٰ هدم الإسلام ، رواه البيهقيّ في شعب الإيمان مرسلاً (۱)

پس اذان قبر پر کہنا اپنے قیاسات فاسدہ کی بناء پر احداث فی الدین ہے۔ شامی میں ہے: تنبيه: في الاقتصار على ما ذُكر من الوارد إشارة إلى أنّه لا يُسنّ الأذانُ عند إدخال الميّت في قبرهٖ كما هوالمعتاد الآن ، و قد صرّح ابن حجر في فتاويه بأنّه بدعة ، وقال: و من ظنّ أنّه سنّة قياسًا على ندبهما للمولود إلحاقًا لخاتمة الأمر بابتدائهٖ فلم يُصِب أهـ ، وقد صرّح بعض علمائنا وغيرهم بكراهة المصافحة المعتادة عقب الصّلوات مع أنّ المصافحة سنّة ، وما ذاك إلاّ لكونها لم تؤثر في خصوص هذا الموضع ، فالمواظبة عليها فيه توهّم العوام بأنّها سنّة فيه ، ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرّغائب الّتي أحدثها بعض المتعبّدين لأنّها لم تؤثر على هذه الكيفية في تلك اللّيالي المخصوصة وإن كانت الصّلاة خير موضوع انتهىٰ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۲-۳۸۴)

سوال: (۲۹۳۳) مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کہنا درست ہے یا نہ؟

(۱۱۳۹/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: درست نہیں۔ کذا في الشّامي (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۲)

سوال: (۲۹۳۴) میت کو دفن کرنے کے بعد اذان دینا کیسا ہے؟ (۴۷۷/۱۳۳۵ھ)

(۱) المشكاة ، ص:۳۱، كتاب الإيمان ، باب الإعتصام بالكتاب والسّنّة ، الفصل الثّالث .
(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۳۲، كتاب الصلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت .

الجواب: ردّ المحتار : المعروف بالشّامي جلد أوّل كتاب الجنائز میں ہے: في الاقتصار على ما ذكر من الوارد إشارة إلى أنّه لا يسنّ الأذان عند إدخال الميّت في قبره إلخ [1] اس عبارت سے واضح ہوا کہ اذان دفن کے بعد مشروع نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔ فقط (۴۱۳/۵)

تدفین کی چند بے اصل رسمیں

سوال: (۲۹۳۵) میت کی کفنی پر کلمہ شریف مٹی سے لکھا کرتے ہیں اور میت کو قبر میں رکھنے کے بعد ایک خام اینٹ پر کلمہ شریف لکڑی سے لکھ کر میت کے سر کے پاس مغرب کی جانب رکھتے ہیں، نیز مٹی کے چند چھوٹے ڈھیلوں پر ہر ایک شخص موجودین میں سے قل شریف پڑھ کر کل ڈھیلوں کو میت کے ساتھ لحد میں ڈالتے ہیں یہ امور جائز ہیں یا کیا؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ سب امور خلاف شریعت ہیں اور ان کی کچھ اصل نہیں ہے ایسی رسوم کو چھوڑنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۱/۵)

کفن پر کلمۂ شہادت لکھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۳۶) میت کے کفن پر کلمہ شہادت پنڈول (سفید مٹی) سے لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: کفن میت پر یا سینہ یا جبہ پر انگشت سے بغیر سیاہی بعد الغسل قبل تکفین جائز ہے۔ (مگر سیاہی اور سفید مٹی وغیرہ سے لکھنا ناجائز ہے۔ محمد امین) شامی جلد اوّل، ص: ۶۶۹، نعم نقل بعض المحشّين عن فوائد الشّرجي أنّ ممّا يكتب على جبهة الميّت بغير مداد بالأصبع المسبّحة بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم، وعلى الصّدر لآ إله إلاّ اللّٰه محمّد رسول اللّٰه، وذٰلك بعد الغسل قبل التّكفين [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۷/۵-۴۳۸)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۳۲/۳، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت.

(۲) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۴۷/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب على كفن الميّت، قبيل باب الشّهيد.

کفن پر کلمہ لکھنا بے ادبی ہے

سوال: (۲۹۳۷) کفن میت پر کلمہ شریف لکھنے کا کیا حکم ہے؟ (۴۱۲/۱۳۳۷ھ)

الجواب: کلمہ شریف لکھنے میں سوء ادبی ہے اور ملوث بالنجاسۃ کرنا ہے؛ اس لیے محققین نے اس سے منع کیا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۰/۵)

عہد نامہ لکھوا کر مردہ کے ساتھ قبر میں رکھنا جائز نہیں

سوال: (۲۹۳۸) مردہ کے ساتھ عہد نامہ وغیرہ لکھوا کر قبر میں ساتھ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۹۲۱/۱۳۳۷ھ)

الجواب: جائز نہیں ہے اس کو فقہاء نے منع فرمایا ہے بہ خوف تلویث بالنجاسۃ، اس کی تفصیل شامی میں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۷/۵)

کعبہ کے غلاف کا کفن دینا اور قبر میں رکھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۳۹) کعبہ شریف کے غلاف کے نیچے کی تہ سے میت کو کفن دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اوپر کے غلاف کے ٹکڑے کو جس پر کلمہ شریف لکھا ہوتا ہے میت کے ساتھ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ (۱۵۴۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس کے پارچہ متبرکہ سے کفن میت کرنا جائز ہے اور موجبِ برکات ہے، اور

---

(۱) وفي فتاوی المحقّق ابن حجر المكّي الشّافعي سئل عن كتابة العهد على الكفن وهو لآ إلٰه إلّا اللّٰه إلخ، والقياس المذكور ممنوع لأنّ القصد ثمّ التّمييز وهنا التّبرّك إلخ فلا يجوز تعريضها للنّجاسة . (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۴۶/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب فيما يكتب علیٰ كفن الميّت) ظفیر

(۲) وفي فتاوی المحقّق ابن الحجر المكّي الشّافعي سئل عن كتابة العهد إلخ ، هل يجوز ولذٰلك أصل؟ فأجاب إلخ وقد أفتى ابن الصّلاح بأنّه لا يجوز إلخ خوفًا من صديد الميّت إلخ .(ردّ المحتار: ۱۴۷/۳، كتاب الصّلاة ، قبيل باب الشّهيد) ظفیر

کلمہ شریف لکھا ہوا غلاف کا ٹکڑا میت کی چھاتی پر رکھ کر دفن کرنا بھی اگر چہ درست ہے مگر بہتر یہ ہے کہ میت کے سینہ پر غلاف خانہ کعبہ کا ایسا ٹکڑا رکھا جاوے جس پر کلمہ شریف مکتوب نہ ہو۔ لخوف تلويثه كما علّل به في الشّامي [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۲۶۴-۲۶۵)

وضاحت: سابقہ جوابوں اور حوالوں کے پیش نظر کلمہ شریف لکھا ہوا غلافِ کعبہ کا ٹکڑا میّت کی چھاتی پر رکھ کر دفن کرنا سوء ادبی اور ملوث بالنجاسۃ کرنا ہے، یہی محققین کی رائے ہے؛ اس لیے میّت کے سینہ پر غلاف کعبہ کا ایسا ٹکڑا رکھا جائے جس پر کلمہ شریف مکتوب نہ ہو، اور جس پر کلمہ شریف لکھا ہو اُس کو میّت کی چھاتی پر رکھنے سے احتراز کیا جائے۔ محمد امین پالن پوری

کفن پر عہد نامہ لکھنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۴۰) عہد نامہ بر کفن میت نوشتن ثابت است یا نہ؟ اگر ہست بہ سیاہی بہتر است یا بہ خاک؟ (۶۱۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: علامہ شامی از بزازیہ نقل کردہ است: (وفي الزّازيّة قبيل كتاب الجنايات: وذكر الإمام الصَّفّار لو كُتب على جبهة الميت أو علىٰ عمامته أو كفنه عهدُ نامه يُرجىٰ أن يَغفر اللّٰه تعالىٰ للميّت ويجعله آمنًا من عذاب القبر) [2] ...... وقد أفتىٰ ابن الصّلاح بأنّه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰسٓ والكهف وغيرهما خوفًا من صديد الميّت ـــــ إلى أن قال ـــــ فالمنع هنا بالأولىٰ [3] پس معلوم شد کہ عہد نامہ وغیرہ اگر بہ نویسند از سیاہی نہ نویسند کہ ایں خوب نیست، بلکہ از انگشت بلا مداد نویسند۔ كما في الشّامي أيضًا: أن ممّا يكتب علىٰ جبهة الميّت بغيرمداد بالأصبع المسبّحة: بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم إلخ [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۳۸-۴۳۹)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) قوسین والی عبارت فتاوی شامی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) ردّ المحتار: ۳/۱۴۶-۱۴۷، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فيما يكتب علىٰ كفن الميّت.

ترجمہ سوال: (۲۹۴۰) میت کے کفن پر عہد نامہ لکھنا ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو سیاہی سے بہتر ہے یا مٹی سے؟

الجواب: علامہ شامی نے بزازیہ سے نقل کیا ہے: (وفي البزّازيّة قبيل كتاب الجنايات: وذكر الإمام الصّفّار لو كُتب على جبهة الميّت إلخ) وقد أفتى ابن الصّلاح بأنّه لا يجوز إلخ . پس معلوم ہوا عہد نامہ وغیرہ اگر لکھیں تو سیاہی سے نہ لکھیں کہ یہ بہتر نہیں ہے، بلکہ انگلی سے بغیر سیاہی کے لکھیں جیسا کہ شامی میں بھی ہے: أن ممّا يكتب على جبهة الميّت إلخ . فقط

قبر کی دیوار پر کلمۂ شہادت انگلی سے لکھنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۴۱) مردہ کو قبر میں رکھنے سے پہلے قبر کی دیواروں میں کلمہ شہادت انگلی شہادت سے لکھ دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: بغیر سیاہی وغیرہ کے اگر صرف انگلی سے اشارہ کر دے اس طرح کہ نشان دیواروں پر حروف کا نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اور شامی میں ہے: نقلاً عن فوائد الشّرجيّ أن ممّا يكتب على جبهة الميّت بغير مداد بالأصبع المسبّحة: بسم الله الرّحمٰن الرّحيم . وعلى الصّدر لآ إله إلّا الله محمّد رسول الله إلخ [1] یعنی میت کی پیشانی پر انگشت مسبحہ سے بدون سیاہی کے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور سینہ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، پس یہ بہ نسبت دیواروں پر لکھنے کے اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۹/۵)

قبر میں امان نامہ رکھنا درست نہیں

سوال: (۲۹۴۲) امان میت قبر میں چاہے جتنی مدت کے لیے ہو، رکھنا طریقہ مسنون ہے یا نہیں؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: یہ مسنون نہیں اور درست بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۶۴/۵)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۴۷/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشّهيد .

قبر میں شجرہ رکھنا درست نہیں

سوال: (۲۹۴۳) شجرۂ پیران عظام؛ میت کے ساتھ اندرون قبر رکھنا جائز ہے یا ناجائز یا موجب بے ادبی ہے؟ (۱۲۱۳/۱۳۳۵ھ)

الجواب: شجرۂ پیران کرام رکھنا قبر میں جائز نہیں، اس واسطے کہ سوائے اکفان؛ میت کے ساتھ کوئی چیز رکھنا جائز نہیں (شامی: ۱/۶۵۹): ولا یجوز أن یوضع فیه مضربة[1] فقط واللہ اعلم (۵/۴۳۸)

قبر میں قرآن شریف رکھنا جائز نہیں

سوال: (۲۹۴۴) ایک بزرگ کی قبر میں بہ وقت دفن کرنے کے ایک حمائل یعنی قرآن شریف اور مہر نقرئی ایک شخص نے رکھ دی ہے، شرع شریف اس بارے میں کیا ارشاد فرماتی ہے؟

(۴۱۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: قرآن شریف اور مہر نقرئی قبر سے نکالی جاوے یہ فعل برا ہوا جس نے ایسا کیا برا کیا، یہ فعل جائز نہ تھا۔ وکما إذا سقط في القبر متاع أو کفن بثوب مغصوب أو دفن معه مال قالوا: ولو کان المال درهمًا إلخ[2] (شامي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۴۱)

قبر کے اوپر بیری کی شاخ گاڑنا درست ہے

سوال: (۲۹۴۵) مردہ کو دفن کرنے کے بعد مردہ کے سینہ کے برابر قبر کے اوپر بیر کی ڈالی گاڑ دینا درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۶۰/۱۳۳۸ھ)

الجواب: درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۹)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۰، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت.

(۲) ردّ المحتار: ۳/۱۳۵، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت.

قبر پر درخت کی شاخ گاڑنے سے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی

سوال: (۲۹۴۶)......(الف) بعد دفن میت قبر پر شاخِ درخت تخفیفِ عذاب کے لیے گاڑنا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک پر شاخ کسی درخت کی لگائی گئی تھی یا نہیں؟(۱)

(۳۱۰۹/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) علماء حنفیہؒ نے و نیز محققین نے اس کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھا ہے، اور رفعِ عذاب کو آپ کی برکت کی وجہ سے مخصوص کیا ہے، لہٰذا احوط اس کا ترک کرنا ہے(۲)

(ب) یہ ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۱۵-۴۱۶)

---

(۱) یہ سوال رجسٹر نقول فتاویٰ کے مطابق کیا گیا ہے۔۱۲

(۲) وضاحت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ایسی دو قبروں پر سے گزر ہوا جن میں عذاب ہو رہا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے ایک شاخِ خرما کو چیر کر دو حصے کیے، اور ہر ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی، متفق علیہ۔ (مشکاۃ، ص:۴۲، **كتاب الطّهارة ، باب آداب الخلاء**)

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کی کہ: ''جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہیں ہوں گی امید ہے کہ ان قبر والوں کے عذاب میں تخفیف رہے گی'' شارحین حدیث نے مختلف وجوہات بیان کی ہیں، محققین کے نزدیک اس تحدید و توقیت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تخفیفِ عذاب کی دعا فرمائی تھی، آپ ﷺ کی شفاعت شاخوں کے خشک ہونے تک قبول کر لی گئی؛ اس لیے آپ ﷺ نے شاخوں کو گاڑا تھا —— اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے اللہ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے، **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ** اس لیے آپ ﷺ نے شاخ گاڑی تھی، تا کہ اُن کی تسبیح سے عذاب میں تخفیف رہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مشکاۃ کی عربی شرح **لمعات التّنقيح** میں مشہور حنفی فقیہ و محدث امام فضل اللہ تورپشتی کے حوالہ سے ارقام فرماتے ہیں: **وقال التّور فشتي : وجه هٰذا التّحديد أن يقال: إنّه سأل التّخفيف عنها مدّة بقاء النّداوة فيهما ، وقول من قال : وجه ذٰلك أنّ الغصن الرّطب ليسبح للّٰه ما دام فيه النّداوة فيكون مجيرًا عن عذاب القبر؛ قول لا طائل تحته ولا عبرة به عند أهل العلم.** (لمعات التّنقيح: ۲/۴۴، **كتاب الصّلاة ، باب آداب الخلاء**) ==

قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھنا ثابت نہیں

سوال: (۲۹۴۷) مردہ کے لحد میں کھجور کی ٹہنی رکھنی کیسی ہے؟ (۱۰۶۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اس کی ضرورت نہیں ہے (اور ثابت نہیں ہے)(۱) اور علماء محققین نے اس سے منع فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۵/۵)

عذابِ قبر حق ہے

سوال: (۲۹۴۸) عذاب قبر حق ہے یا نہیں؟ اور عذاب قبر کب ہوتا ہے؟ (۲۴۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: عذاب قبر حق ہے، اور اسی وقت شروع ہوجاتا ہے، جس وقت دفن کر کے

== ترجمہ: امام تورپشتیؒ نے فرمایا کہ اس تحدید کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان شاخوں کے تر رہنے تک ان قبروں سے تخفیفِ عذاب کی شفاعت کی تھی ــــــ رہا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاخ جب تک تر ہوتی ہے اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے، پس وہ عذابِ قبر سے بچانے والی ہوگی؛ بالکل بے مقصد اور بے فائدہ بات ہے اور اہلِ علم کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

الحاصل شارحینِ حدیث کے نزدیک پہلی توجیہ ہی صحیح ہے، اور مسلم شریف کے آخر میں احادیث متفرقہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں خود حضور اکرم ﷺ نے شاخیں گاڑنے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

آنحضرت ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے درخت کی شاخ منگوائی، وہ پتھر سے کاٹ کر لے آئے اور دریافت کیا: **عَمَّ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰه !** یہ شاخ کیوں منگوائی گئی؟ **قَالَ : مَرَرْتُ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِيْ أَنْ يُرَفَّهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ** (۱۴/۸) آپ ﷺ نے جواب دیا کہ: میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گزرا جن کو عذاب ہو رہا تھا، پس میں نے سفارش کے ذریعہ پسند کیا کہ ان دونوں سے نرمی کی جائے جب تک وہ دونوں شاخیں تر رہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دفن کے بعد قبر پر شاخ گاڑنے سے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی؛ اس لیے احوط اس کا ترک کرنا ہے۔ محمد امین پالن پوری

(۱) قوسین والے الفاظ رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ ۱۲

واپس آتے ہیں [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۲/۵-۳۹۳)

جہاں شیعہ، ہجڑے وغیرہ دفن ہوتے ہوں معزز مسلمانوں کو دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۴۹) جو زمین گورستان کی قیمت دے کر ہر مذہب وفرقہ اختیار تدفین کا رکھتا ہے، اس میں معزز حنفی کو دفن کرنا جہاں شیعہ، ہجڑے وغیرہ وغیرہ بھی دفن ہوں کیسا ہے؟

(۶۸۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: بہ ضرورت درست ہے لیکن اگر قرب صالحین کا نصیب ہو سکے تو یہ اچھا ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۴/۵)

جہاں سکھ، عیسائی دفن ہوتے ہوں مسلمان کو دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۵۰) ایسے قبرستان میں کہ جہاں ہندو مسلمان سکھ عیسائی دفن ہوتے ہیں، مسلمانوں کو دفن کرنا، اور نماز جنازہ وہاں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بہ صورت عدم جواز مکروہ ہے یا حرام؟

(۲۴۱/۱۳۴۳ھ)

الجواب: مسلمان میت کو ایسے قبرستان میں (دفن کرنا) جہاں ہندو، سکھ عیسائی بھی مدفون ہوں اچھا نہیں ہے یعنی مکروہ ہے، جب کہ دوسری جگہ علیحدہ دفن کرنے کی مل سکے، اور اگر مجبوری ہو کہ سوائے قبرستان مذکور کے جو کہ مخلوط ہے اور کوئی جگہ دفن کی نہیں ہے، اور خالص مسلمانوں کا قبرستان

---

(۱) وضغطة القبر وعذابه حقّ إلخ (وعذابه) أي أيلامه حقّ كائن للكفّار كلّهم أجمعين ولبعض المسلمين أي عصاة المسلمين .... فقد ورد أنّ القبر روضة من رياض الجنّة أو حفرة من حفر النّيران ، رواه التّرمذي . (شرح فقه أكبر، ص:۱۷۱-۱۷۲، بحث في أنّ عذاب القبر حقّ إلخ) ظفیر

(۲) والأفضل الدّفن في المقبرة الّتي فيها قبور الصّالحين . (الفتاوى الهندية:۱/۱۶۶، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السّادس في القبر والدّفن إلخ) ظفیر

وہاں نہیں ہے تو بہ مجبوری اسی قبرستان مذکور میں دفن کردیا جاوے، اورنماز جنازہ پڑھنا بھی وہاں مکروہ ہے، لیکن اگر وہاں کوئی جگہ صاف ہو کہ جہاں نشان قبور کے نہ ہوں اور آگے قبلہ کی طرف کوئی قبر نہ ہو تو نماز جنازہ وغیرہ وہاں درست ہے۔ شامی میں ہے: **ولا بأس بالصّلاة فيها إذا كان فيها موضع أعدّ للصّلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا قبلته إلٰى قبر، حلبة**(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۹-۴۰۰)

بول وبراز والی زمین میں مٹی ڈالنے کے بعد میّت کو دفن کرنا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۵۱) جس گڑھے میں عرصہ سے بول وبراز پڑتا ہے، اس میں مٹی ڈال کراس کے بعد اس میں مردہ دفن کرنا درست ہے یا نہ؟ (۱۴۴۹/۱۳۴۰ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے: زكاة الأرض يبسها (۲) یعنی زمین نجس خشک ہونے سے پاک ہوجاتی ہے، پس جب کہ اس گڑھے میں مٹی ڈال دی جاوے گی اور وہ زمین خشک ہے تو وہ پاک ہے اس میں میت کو دفن کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۲)

میّت کو قبر میں دائیں کروٹ پر قبلہ رخ لٹانا چاہیے

سوال: (۲۹۵۲) میت کا منہ قبر میں قبلہ کی طرف کرنا ضروری ہے یا کہ داہنی کروٹ پر لٹانا سنت ہے؟ (۴۶۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

---

(۱) ردّ المحتار: ۲/۳۹، كتاب الصّلاة، قبيل مطلب تكره الصّلاة في الكنيسة.

(۲) مصنّف ابن أبي شيبة: ۱/۴۳۰-۴۳۱، باب في الرّجل يطأ الموضع القذر يطأ بعده ما أنظف رقم الباب: (۷۱) رقم الحديث: ۶۲۹، المطبوعة: دار قرطبة، بيروت، لبنان.

قال الزّركشيّ: حديث: "زَكَاةُ الأرضِ يُبْسُهَا" لا أصل لهٗ، إنّما هو قول محمّد ابن الحنفيّة، أخرجه ابن جرير في تهذيب الآثار، و قال السّيوطيّ: و أخرجهٗ ابن أبي شيبة في المصنّف عنهٗ، وأخرجهٗ أيضًا عن أبي جعفر و عن أبي قِلابة قولَهما اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۲/۱۸۱، كتاب الطّهارة، باب تطهير النّجاسات، الفصل الأوّل)

الجواب: کتب فقہ میں یہ لکھا ہے: ویوجّه إلیها وجوبًا [(۱)] یعنی میت کو متوجہ کیا جاوے قبلہ کی طرف اور یہ واجب ہے، اور شامی میں لکھا ہے: لكن صرّح في التحفة بأنّه سنّة [(۱)] یعنی تحفہ میں یہ تصریح کی ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ کرنا میت کو سنت ہے، اور درمختار میں ہے: وینبغي كونه علی شقّه الأیمن [(۱)] اور لائق ہے ہونا میت کا داہنی کروٹ پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۸۰-۳۸۱)

سوال: (۲۹۵۳) شامی وغیرہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ میت کو قبر میں دائیں کروٹ قبلہ رخ لٹائیں، حالانکہ یہاں تعامل اور توارث یہ ہے کہ چت لٹا کر قبلہ رخ کر دیتے ہیں، دریافت طلب دو امر ہیں: اوّل یہ کہ تعامل وہاں کیا ہے؟ دوم یہ کہ اگر تعامل صحیح ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

(۱۹۲۲/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: تعامل یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ چت لٹا کر قبلہ کی طرف کر دیا جاتا ہے، ہدایہ میں ہے: ویوجّه إلی القبلة بذٰلك أمر رسول الله صلّی الله علیه وسلّم [(۲)] اور تنویر الابصار متن درمختار میں ہے: ویوجّه إلیها اور درمختار میں یہ لفظ بڑھایا ہے: وینبغي كونه علی شقه الأیمن [(۳)] لفظ ویوجّه إلیها سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ قبلہ کی طرف متوجہ کیا جاوے؛ خواہ کروٹ دیکر یا بلا کروٹ کے، اور جس حدیث سے اس بارے میں استدلال کیا گیا ہے، اس کے الفاظ بھی اس پر دال ہیں کہ مُنہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے کیونکہ اس میں یہ لفظ ہے: قبلتكم أحیاءً وأمواتًا [(۴)] یعنی خانہ کعبہ کو قبلہ احیاء واموات کا فرمایا، اس وجہ سے میت کا مُنہ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے، باقی تمام میت کو داہنی کروٹ پر کرنا اس میں شک نہیں ہے کہ یہ عمدہ ہے۔ كما صرّح به الفقهاء لیکن اگر مُنہ قبلہ کی طرف ہو جاوے اور داہنی کروٹ پر لٹانا مشکل ہو تو یہ توجہ الی القبلہ

(۱) الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۳۱-۱۳۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت .

(۲) الهداية: ۱/۱۸۲، كتاب الصّلاة، فصل في الدّفن، قبيل باب الشّهيد .

(۳) تنوير الأبصار والدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۱-۱۳۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت .

(۴) سنن أبي داؤد: ۲/۳۹۷، كتاب الوصايا، باب ماجاء في التّشديد في آكل مال اليتيم، عن أبي هريرة رضي الله عنه .

یعنی مُنہ قبلہ کی طرف کردینا بھی کافی معلوم ہوتا ہے۔ فقط (فتاوی ہندیہ میں بھی دائیں کروٹ پر لٹانے کی صراحت موجود ہے: ویوضع في القبر علیٰ جنبهِ الأیمن مستقبل القبلة[1] الفتاوی الهندیة مصري:۱/۱۵۵، الباب الحادي والعشرون) ظفیر (۴۰۱/۵)

مردہ کو جنوبًا شمالاً کیوں دفن کرتے ہیں؟

سوال: (۲۹۵۴) مردہ کو جنوبًا شمالاً کیوں دفن کرتے ہیں؟ (۲۸۹۴/۱۳۴۰ھ)

الجواب: مردہ کو شمالاً جنوباً دفن کرنا اس طریق سے کہ مُنہ قبلہ کی طرف ہو مسنون ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ کعبہ مکرمہ قبلہ ہے زندگی میں بھی اور بعد مرنے کے بھی حیث ورد: قبلتکم أحیاءً و أمواتًا [2] اور یہ تفاؤلاً ہے؛ کیونکہ مسلمان کی طرف یہی گمان کرنا چاہیے کہ وہ اسلام اور ایمان پر فوت ہوا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۴/۵)

میت پر ہر شخص کتنی مٹی ڈالے؟

سوال: (۲۹۵۵) میت کو دفن کر کے ہر شخص کو کتنی مٹی ڈالنی چاہیے؟ (۹۱۴/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس میں کچھ تحدید نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ تین دو ہتڑ (لپ) مٹی ڈالے[3] فقط واللہ اعلم (۳۸۸/۵)

---

(۱) الفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۶، کتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل السّادس في القبر والدّفن والنّقل إلخ .

(۲) ویوجّه إلیها وجوبًا وینبغي کونه علی شقّه الأیمن (الدّرّ المختار) بحدیث أبي داؤد والنّسائي أنّ رجلاً قال: یا رسول اللّٰه ! ما الکبائر؟ قال : هي تسع فذکر منه استحلال البیت الحرام قبلتکم أحیاءً و أمواتًا أهـ .قلت : ووجهه أنّ ظاهره التّسویة بین الحیاة والموت في وجوب استقباله . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۳۱-۱۳۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن المیّت) ظفیر

(۳) ویستحبّ حثیه من قبل رأسه ثلاثًا (الدّرّ المختار) قوله: (ویستحبّ حثیه) أي بیدیه جمیعًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۳۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة) ظفیر

دفن کرتے وقت تین مٹھی مٹی ڈالنا مستحب ہے

سوال: (۲۹۵۶) میت کودفن کرکے تین تین مٹھی مٹی کی قبر میں ڈالنا کیسا ہے؟ (۱۳۴۱/۱۵۲۰ھ)

الجواب: تین تین مٹھی مٹی کی قبر میں ڈالنا تمام حاضرین کو مستحب ہے۔ کذا في العالم کیریة وغیرہ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۴/۵)

مردہ کے سرہانہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کرمٹی ڈالنا درست نہیں

سوال: (۲۹۵۷) مردہ کے سرہانے قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھ کرمٹی رکھنی کیسی ہے؟ (۱۳۴۰/۱۰۶۹ھ)

الجواب: درست نہیں ہے اور ثابت نہیں ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۵/۵)

قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد ہاتھ دھونا درست ہے

سوال: (۲۹۵۸) مردہ کوقبر میں رکھ کرمٹی دینے کے بعد ہاتھ دھونا جائز ہے یا نہ؟ بکر جائز کہتا ہے اور زید ناجائز بتلاتا ہے؟ (۱۳۴۱/۵۰۸ھ)

---

(۱) ويستحبّ لمن شهد دفن الميّت أن يحثو في قبره ثلاث حثيات من التّراب بيديه جميعًا ويكون من قبل رأس الميّت، ويقول في الحثية الأولىٰ: "منها خلقنكم" وفي الثّانية: "وفيها نعيدكم" وفي الثّالثة: "ومنها نخرجكم تارةً أخرى" كذا في الجوهرة النّيّرة. (الفتاوى الهندية: ١/١٦٦، كتاب الصّلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السّادس في القبر والدّفن إلخ) ظفیر

(۲) مستحب طریقہ یہ ہے کہ سر کی جانب سے تین لپ مٹی دونوں ہاتھوں سے ڈالے، اور پہلے میں منها خلقنكم دوسرے میں وفيها نعيدكم، اور تیسرے میں ومنها نخرجكم تارةً أخرى پڑھے۔ ويستحبّ حثيه من قبل رأسه ثلاثًا (الدّرّ المختار) لما في ابن ماجة عن أبي هريرة رضي الله عنه أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم صلّى على جنازة، ثمّ أتى القبر فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثا. شرح المنية قال في الجوهرة، و يقول في الحثية الأولىٰ: "منها خلقنكم" وفي الثّانية: "وفيها نعيدكم" وفي الثّالثة: "ومنها نخرجكم تارةً أخرى" إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ٣/١٣٣، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

الجواب: اس بارے میں بکر کا قول صحیح ہے، ہاتھ دھونے میں اس صورت میں شرعًا کچھ حرج نہیں ہے، اور کچھ ممانعت اس کی نہیں ہے، ناجائز کہنا بلا دلیل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۴/۵)

بلا لحد اور شق کے میّت پر مٹی ڈال دینا خلافِ سنت ہے

سوال: (۲۹۵۹) اس اطراف میں میت کو اس طرح دفن کیا جاتا ہے کہ ایک گھڑا تیار کر کے اسی میں میت کو قبلہ رو سلا دیتے ہیں، اور لحد یا شق وغیرہ نہیں کرتے بلکہ ویسے ہی مٹی ڈال دیتے ہیں؛ ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟ (۱۳۴۵-۴۴/۸۳۹ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ويلحد إلخ، قوله: (و يلحد) لأنّه السّنّة إلخ** [1] **(شامي)** پس معلوم ہوا کہ لحد کھودنا سنت ہے، اور لحد کے متعذر رہونے کی صورت میں شق ہونا چاہیے، بلا لحد اور شق کے میت پر ایسے ہی مٹی ڈال دینا خلاف سنت ہے، پس جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ تارک سنت ہیں، ان کو طریقۂ سنت بتلا دینا چاہیے اور آئندہ کو نصیحت کرنی چاہیے کہ ایسا نہ کریں بلکہ طریقۂ سنت کے موافق دفن کریں، جاہلوں کو احکام شریعت کی تعلیم کرنا علماء کے ذمہ ہے، یہ غفلت ان علماء کی ہے جنہوں نے ان کو طریقہ مسنونہ دفن کی تعلیم نہ کی ہو۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۸۸/۵-۳۸۹)

قبر کے مکمل ہوجانے کے بعد مٹی دینے کی ضرورت نہیں

سوال: (۲۹۶۰) اگر میت کو مٹی دینے کے بعد کوئی شخص آوے تو بعد میں اس کو مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۱/۳۴۴ھ)

الجواب: قبر کے مکمل ہوجانے کے بعد پھر مٹی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔فقط (۳۸۴/۵)

مرنے کے وقت کا شمار کب سے ہوگا؟

سوال: (۲۹۶۱) ایک شخص کا انتقال بہ وقت عصر ہوا، اور رات کو گیارہ بجے دفن کیا، اس کو کونسے دن گن سکتے ہیں؟ (۱۳۳۸/۶ھ)

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۰/۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة .

الجواب: منشا سوال معلوم نہیں ہوا، اگر مثلاً اس قسم کا جھگڑا ہے کہ ثواب جمعہ کا ملتا ہے یا نہیں؛ تو یہ مرنے پر ہے، یعنی مرنے کے وقت کا اعتبار ہے، اور مردہ کے دن ورات کو عدّت وغیرہ کے لیے شمار کرنا جائز ہے جس وقت انتقال ہوا ہے وہی وقت شمار ہوگا (۱) اور سویم، چہارم، تیجے، دسویں کے لیے شمار کرنا گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۷)

قبر کے پاس یا قبر میں اتارنے کے بعد مُنہ دیکھنا ثابت نہیں

سوال: (۲۹۶۲) میت کو لب گور یا قبر میں اتارنے کے بعد کفن کھول کر ورثہ وغیرہ کو صورت دیکھنا ثابت ہے یا نہ؟ (۱۳۲۶/۱۳۳۸ھ)

الجواب: ثابت نہیں ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۳۹۸)

سوال: (۲۹۶۳) میت کو قبر میں اتارنے کے بعد مُنہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: قبر میں اتارنے کے بعد پھر مُنہ دیکھنا نہ چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۰۶)

نمازِ جنازہ کے بعد نصیحت کرنا درست ہے مگر دعا مانگنا درست نہیں

سوال: (۲۹۶۴) فتح الباری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: أتی النّبيّ صلّی اللّه علیه وسلّم بجنازة فلمّا قام یکبّر سأل صلّی اللّه علیه وسلّم هل علیٰ صاحبکم دَین؟ قالوا: نعم ! دیناران فعدل النّبيّ صلّی اللّه علیه وسلّم وقال: صلّوا علیٰ صاحبکم، فقال عليّ رضي اللّه عنه: دَینه عليّ رهانك کما فککت رهان أخیك إنّه لیس من میّت یموت وعلیه دَین إلاّ وهو مرتهن بدَینه ، ومن فكّ رهان**

---

(۱) سوال مذکور میں عصر کے وقت کا اعتبار ہوگا۔ **ابتداء العدّة في الطّلاق عقیب الطّلاق وفي الوفاة عقیب الوفاة. (الفتاوی الهندیّة: ۱/۵۳۱-۵۳۲، کتاب الطّلاق ، الباب الثّالث عشر في العدّة)** ظفیر

(۲) البتہ کفن کے بند کھول دینے کی اجازت ہے۔ **وتحل العقدة للاستغناء عنها (الدّرّ المختار) لأنّها تعقد لخوف الانتشار عند الحمل . (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۳۲، کتاب الصّلاة باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن المیّت)** ظفیر

میّت فكّ اللّٰه رهانه يوم القيامة ، فقال بعض القوم : يا رسول اللّٰه! هٰذا لعلي خاصةً أم للمسلمين عامّةً ؟ قال: بل للمسلمين عامّة [1] اس حدیث سے بعد نماز قبل دفن اسی جگہ دعا کرنی اور وعظ ونصیحت وتعلیم وتعلم مخاطبین موجودین سنت ہے یا نہیں؟ (۱۵۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: تعلیم مسائل دین میں کسی وقت بھی کچھ روک نہیں ہوسکتی، لیکن دعا بعد صلاۃ الجنازہ بہ ہیئت مرسومہ اس سے کسی طرح ثابت نہیں ہے، اور ایجاد واختراع والتزام مالا یلزم ہے، اور ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد صلاۃ جنازہ دعا کی ہو فإنّ صلاة الجنازة هو الدّعاء للميّت وفيها دعاء جامع مأثور لا يساويه دعاء. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۰/۵)

میّت کو دفن کرنے کے بعد دعاء مانگنا جائز ہے

سوال: (۲۹۶۵) میت کے لیے دعا کرنا کہ جواب منکر ونکیر میں ثابت قدم رہے، اور تخفیف کے لیے کلمہ پڑھنا بعد دفن کے جائز ہے یا نہ؟ (۱۶۱۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: یہ جائز ہے کلمہ پڑھتے رہیں اور میت کے لیے جواب منکر ونکیر میں ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے رہیں [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۳/۵)

---

(۱) یہ روایت فتح الباری میں ہمیں نہیں مل سکی، البتہ فتح القدیر میں حضرت ابوسعید خدری سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: روى أبو سعيد الخدريّ رضي اللّٰه عنه أنّه صلّى اللّٰه عليه وسلّم حضر جنازة فقال: هل علٰى صاحبكم دَين؟ فقالوا: نعم! درهمان فقال: صلّوا علىٰ صاحبكم، فقال عليّ رضي اللّٰه عنه: أنا لهما ضامنٌ فقام صلّى اللّٰه عليه وسلّم وصلّى عليه، ثمّ أقبل علٰى عليّ رضي اللّٰه عنه فقال: جزاك اللّٰه خيرًا وفكَّ رهانك كما فككت رهان أخيك، فقيل: يا رسول اللّٰه! ألهُ خاصّةً أم للنّاس كافّةً ؟ فقال: للنّاس كافّةً. (فتح القدير: ۱۵۵/۷، كتاب الكفالة)

(۲) و يستحبّ حثيه من قبل رأسه ثلاثًا ، و جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرّق لحمه (الدّرّ المختار) لما في سنن أبي داؤد كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا فرغ من دفن الميّت وقف على قبره وقال ؛ استغفروا لأخيكم واسألوا اللّٰه له التّثبيت فإنّه الآن يُسئل. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت) ظفیر

سوال: (۲۹۶۶) بعد فراغت دفن میت رسم عام ہے کہ جملہ حاضرین کھڑے ہوکر فاتحہ بہ بسط الیدین پڑھتے ہیں یہ رسم مسنون ثابت بالحدیث ہے یا نہیں؟ (۱۱۰۶/۱۳۳۵ھ)

الجواب: اس بارے میں حدیث شریف میں اس قدر وارد ہے: **و عن عثمان قال : كان النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم إذا فرغ من دفن الميّت وقف عليه ، فقال : استغفروا لأخيكم ثمّ سلوا له بالتّثبيت فإنّه الآن يُسئل، رواه أبو داؤد**(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۰۰-۴۰۱)

شیعوں کو ممبر بنانا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۶۷) مقام مٹیلہ ملک برما میں انجمن مسلم کمیٹی قائم ہے جس کے اغراض ومقاصد میں ابھی صرف انتظام تجہیز وتکفین میت مسافرین و نادار مسلمان ہیں، جس میں پانچ ممبر ہیں، ایک ان میں اثنا عشری ہیں، کیا ایسے شخص کو ممبر بنانا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

فتاویٰ مولانا عبدالحی (۲) اور فتاوی مولانا عبدالشکور صاحب میں لکھا ہے کہ شیخین کو گالی دینے سے کفر لازم نہیں آتا؛ کیا یہ ٹھیک ہے؟ (۲۰۲۳/۱۳۴۳ھ)

الجواب: شیخین کو سبّ وشتم کرنے والے روافض کو بہت سے فقہاء نے کافر لکھا ہے (۳)

---

(۱) **مشكاة المصابيح ،ص:۲۶، كتاب الإيمان ، باب إثبات عذاب القبر ، الفصل الثّاني .**

(۲) مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی میں شیخین کو گالی دینے والے کے سلسلے میں کفر کا حکم مذکور ہے، عبارت ملاحظہ ہو:

سوال: روافض را کافر اعتقاد باید کرد، یا مسلم؟

جواب: ایں مسئلہ قدیما وحدیثا مختلف فیہ است، وتحقیق ایں است کہ کسے کہ فضیلت دہد حضرت علی مرتضیٰ را بر حضرت ابوبکر او مبتدع است کافر نیست، وکسے کہ منکر خلافتِ صدیق اکبر یا منکر استحقاقِ جناب ایشاں برائے خلافت یا حلال دانندۂ سبّ شیخین باشد، در اکثر کتب فقہ اورا کافر نوشتہ اند الخ۔ (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی: ۱۲/۳، باب العقائد، مطبوعہ: مطبع شوکت اسلام)

(۳) **قد ذكر في كتب الفتاوى أنّ سبّ الشّيخين كفر ، وكذا إنكار إمامتهما كفر . (شرح فقه أكبر، ص:۲۵۷، مسئلة استحلال المعصية ولو صغيرة كفر)** ظفیر

اور جو روافض حضرت عائشہ صدیقہ کے افک کے قائل ہیں یا حضرت ابوبکر صدیق کی صحابیت کے منکر ہیں یا حضرت علی کی اولوہیت کے قائل ہیں وہ بہ اتفاق کافر ہیں[۱] (درمختار وشامی) پس ایسے روافض کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ہے اور ممبر بنانا ان کو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۲/۵)

سوال: (۲۹۶۸) اگر شیعہ اثنا عشری فرقہ کی میت لاوارث ہو تو ہم اس کو انجمن کے روپیہ سے جو اسی کام کے لیے ہے تجہیز وتکفین کر سکتے ہیں، اور اپنے قبرستان میں اس کو دفن کر سکتے ہیں، اور شیعہ اثنا عشری سے انجمن میں چندہ لے سکتے ہیں، اور اس کو ممبر رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ (۱۹۷۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: روافض کا وہ فرقہ جو بہ سبب سبّ شیخین وتکفیر صحابہ کافر ہے، ان کی تجہیز وتکفین میں امداد کرنا اوران کے جنازہ کی نماز پڑھنا اوران کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں ہے، اوران سے بالکل متارکت اور مقاطعت کی جاوے تاکہ ان کو تنبیہ ہو اور وہ سنی ہو جاویں[۱] فقط (۴۰۲/۵-۴۰۳)

مسجد کے باہر قبلہ کی طرف قبرستان بنانا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۶۹) مسجد کے باہر قبلہ کی طرف دس یا بارہ ہاتھ کے اندر قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ (۲۰۴۱/۱۳۴۱ھ)

الجواب: مسجد کی دیوار غربی سے باہر جو زمین مسجد سے اور مسجد کے اوقاف سے خارج ہے اس میں قبر کرنا ممنوع ومکروہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۳/۵-۴۰۴)

سوال: (۲۹۷۰) مسجد کے سامنے مردوں کو دفن کرنا اور قبریں بنانا جائز ہے یا نہ؟ (۲۸۵/۴۴-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) وبهٰذا ظهر أنّ الرّافضي إن كان ممّن يعتقد الألوهية في علي أو أنّ جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصّدّيق أو يقذف السّيّدة الصّدّيقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدّين بالضّرورة . (ردّ المحتار: ۱۰۲/۴، كتاب النّكاح ، فصل في المحرمات ، مطلب مهم في وطء السّراريّ اللاّتي يؤخذن غنيمةً في زماننا) ظفیر

الجواب: اگر مسجد کے قریب کوئی خاص جگہ دفن موتی کے لیے بنادی گئی ہے تو وہاں دفن کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، دفن ایسی ہی جگہ کرنا چاہیے کہ جو جگہ خاص اسی لیے ہو[1] فقط (۴۰۹/۵)

جذامی کی لاش کو جلانا نہیں چاہیے، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے

سوال: (۲۹۷۱)...... (الف) جذامی کی نعش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کی جائے یا علیحدہ؟

(ب) اور اس کو نمک ڈال کر جلایا جائے یا نہیں؟ (۸۱۴/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف) مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنی چاہیے۔

(ب) یہ حکم شرعاً نہیں ہے، بلکہ مثل دیگر اموات اہل اسلام کے اس کو بھی دفن کیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۴/۵)

زندگی میں اپنے لیے کفن اور قبر تیار کرنا جائز ہے

سوال: (۲۹۷۲) کسی شخص کو اپنی زندگی میں کفن اور قبر تیار کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: **ويحفر قبرًا لنفسه، وقيل: يكره والّذي ينبغي أنّ لا يكره تهيئة نحو الكفن بخلاف القبر**[2] (صفحہ:۱۲۹) اور شامی کے نزدیک راجح یہ ہے کہ قبر کا کھودوانا جائز ہے۔ **وفي التّاتارخانية : لا بأس به ويؤجر عليه ، هٰكذا عمل عمر بن عبد العزيز والرّبيع بن خيثم وغيرهما**[2] **(الشّامي)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۵۷/۵)

---

(۱) ويستحبّ في القتيل والميّت دفنه في المكان الّذي مات فيه في مقابر أولٰئك القوم إلخ (غنية المستملي، ص:۵۲۳، فصل في الجنائز ، البحث الثّامن في مسائل متفرّقة)

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۴۴/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

مریض کے مرنے سے پہلے ورثاء کا کفن اور قبر تیار کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۷۳) اگر بہ حالت مریض ہونے کے تیاری قبر وکفن وغیرہ بہ غرض سہولت عمداً اس طرح کی جائے کہ مریض کو خبر نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ ہے یا نہیں؟ (۴۲۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: پہلے سے قبر اور کفن کے تیار کرنے میں کچھ حرج نہیں اور گناہ نہیں ہے(۱) فقط (۴۰۶/۵-۴۰۷)

عورتوں کے لیے الگ قبرستان بنانے کی ضرورت نہیں

سوال: (۲۹۷۴) بعض جگہ عورتوں کے قبرستان مردوں سے علیحدہ احاطہ کھینچ کر بناتے ہیں؛ اس کا کیا حکم ہے؟ (۱۵۵۲/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس کی کچھ ضرورت نہیں ہے، مسلمان مردوں اور عورتوں کی قبریں ایک قبرستان میں ہوسکتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۰۷/۵-۴۰۸)

دفن کرتے وقت پردہ کا حکم سب عورتوں کے لیے ہے

سوال: (۲۹۷۵) جب کوئی عورت مرجاتی ہے تو بہ وقت دفن پردہ کیا جاتا ہے یہ حکم سب عورتوں کے لیے ہے یا پردہ والی عورتوں کے لیے؟ (۱۷۲۶/۱۳۴۲ھ)

الجواب: یہ حکم یعنی عورت کے دفن کرتے وقت پردہ کا حکم سب عورتوں کے لیے ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۲/۵)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) ویُسجّی أي یُغطّی قبرُها ولو خنثیٰ لا قبره. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۳۳/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن المیّت) ظفیر

تعزیت کا بیان

قبرستان سے آکر ورثاءِ میت کو صبر کی تلقین کرنا مکروہ ہے

سوال: (۲۹۷۶) یہاں ہمیشہ سے یہ رواج ہے کہ میت کے دفن کرنے کے بعد قبر سے واپس آکر وارثِ میت کو تسلی وتشفی اور صبر کی تلقین کیا کرتے ہیں، اب بعض اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ دفن کی واپسی پر وارث میت کے گھر آنا نہیں چاہیے؛ یہ بدعت ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۲۹۲ھ)

الجواب: شامی میں اس کو مکروہ لکھا ہے: **و یکره له الجلوس في بیته حتّی یأتي إلیه من یعزي بل إذا فرغ و رجع النّاس من الدّفن فلیتفرّقوا ویشتغل النّاس بأمورهم وصاحب البیت بأمره**(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۶/۵)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر غم کی توجیہ

سوال: (۲۹۷۷) شوہر کے سوا کسی دوسرے کے مرنے پر تین دن سے زیادہ غم کرنا ناجائز ہے؛ لیکن جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر چھ ماہ تک غم کرتی رہیں اس کی توجیہ کیا ہوگی؟ (۱۳۳۴-۳۳/۲۱۱۵ھ)

الجواب: رنج وغم بے اختیاری ہے اس میں شرعًا کچھ تحدید نہیں اور روک بھی نہیں ہے، ممنوع یہ ہے کہ لباس ماتمی وغیرہ پہنا جائے سو یہ ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۷/۵)

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۴۰/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في زیارة القبور.

تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے مگر غیر حاضر کے لیے مکروہ نہیں

سوال: (۲۹۷۸) ...... (الف) در بہشتی گوہر است [۱] تعزیت بعد از سہ روز مکروہ است مگر برائے کسے کہ در سفر باشد پس کراہت نیست ایں از کدام کتاب منقول است؟

(ب) ایضاً در کتاب مذکور است دوبارہ تعزیت مکروہ است [۱] جناب اگر بہ ذریعہ خط تعزیت دادہ شد بار دیگر تعزیت مشافہۃً بلسان بلا کراہت جائز است یا نہ؟ (۱۱۴۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: (الف) ایں در کتاب درمختار است: **وتكره بعدها إلّا لغائب إلخ** [۲]

(ب) **في الدّرّ المختار أيضًا: وتكره التّعزية ثانيًا** [۲] ایں عام است کہ **أوّلاً بكتابة وثانيًا بالمشافهة** باشد یا برعکس۔ فقط (۴۱۷/۵)

ترجمہ سوال: (۲۹۷۸) .... (الف) بہشتی گوہر میں ہے کہ تین دن کے بعد تعزیت مکروہ ہے، مگر ایسے شخص کے لیے جو سفر میں ہو پس اس کے لیے مکروہ نہیں، یہ مسئلہ کس کتاب سے منقول ہے؟

(ب) نیز کتاب مذکور میں ہے: دوبارہ تعزیت مکروہ ہے، جناب! اگر بہ ذریعہ خط تعزیت کر دی گئی ہو تو دوبارہ تعزیت مشافہۃً زبان سے بلا کراہت جائز ہے یا نہ؟

---

(۱) مسئلہ: میت کے اعزہ کو تسکین وتسلی دینا اور صبر کے فضائل اور اس کا ثواب ان کو سنا کر ان کو صبر پر رغبت دلانا اور ان کے اور نیز میت کے لیے دعا کرنا جائز ہے، اسی کو تعزیت کہتے ہیں، تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر تعزیت کرنے والا یا میت کے اعزہ سفر میں ہوں اور تین دن کے بعد آئیں؛ تو اس صورت میں تین دن کے بعد بھی تعزیت مکروہ نہیں، جو شخص ایک مرتبہ تعزیت کر چکا ہو اس کو پھر دوبارہ تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ (اختری بہشتی گوہر یعنی بہشتی زیور کا گیارہواں حصہ، ص:۱۰۲، جنازے کے متفرق مسائل، مسئلہ نمبر:۱۲)

(۲) **الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴۰/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبيل مطلب في زيارة القبور.**

الجواب: (الف) یہ مسئلہ کتاب درمختار میں ہے: **وتکرہ بعدها إلّا لغائب إلخ .**

(ب) نیز درمختار میں ہے: **وتکرہ التّعزیة ثانیًا.** یہ عام ہے کہ پہلے (تعزیت) خط وکتابت سے ہو، اور دوبارہ روبہ رو ہو یا برعکس صورت ہو۔ فقط

تعزیت تین دن تک ہے

سوال: (۲۹۷۹) فاتحہ خوانی اور تعزیت کتنے دن تک کن لفظوں سے مسنون ہے؟ ماتم والوں کے گھر پر یا مسجد؟ (۱۳۴۲/۱۶۵۳ھ)

الجواب: تعزیت تین دن تک ہے، اس کے بعد مکروہ ہے مگر جو شخص اس وقت نہ ہو وہ بعد میں کرسکتا ہے، تعزیت میں تسلی کے کلمات ہوں یعنی اس قسم کے کہ صبر کرو اللہ تم کو اس صبر کا اجر دے گا وغیرہ، اور تعزیت کے لیے مسجد میں بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ گھر پر ہو[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۱۷)

تعزیت کے دنوں میں صاحبِ تعزیت کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۸۰) درایام ہائے ثلاثہ تعزیت خورونوش از خانہ صاحب تعزیہ جائز است یا نہ؟ درکشمیر عام مسلمانان مساوی دانند۔ **قال في الدّرّ المختار: و یحلّ لمن طال مقامه ومسافته لا لمن لم یطل**[۲] مسئلہ مذکورہ مفتی بہ است یا نہ؟ (۱۴۲۴/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: علامہ شامی دریں موقع فرمودہ: **أقول: قدّمنا أنّ القول الأوّل هو الأصحّ وظاهره الإطلاق ویؤیّده ما في آخر الجنائز من فتح القدیر، حیث قال: ویکره اتّخاذ الضّیافة من الطّعام من أهل المیّت لأنّه شرع في السّرور لا في الشّرور وهي بدعة مستقبحة إلخ**[۲]

---

(۱) ولا بأس إلخ بالجلوس لها في غیر مسجد ثلاثة أیّام و أوّلها أفضل، وتکره بعدها إلّا لغائب .... ویقول: عظّم اللّٰه أجرك وأحسن عزاءك وغفر لمیّتك . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۳۷-۱۴۰، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة) ظفیر

(۲) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۰/۲۹۶-۲۹۷، کتاب الوصایا .

پس معلوم شد کہ حکم و یحلّ لمن طال مقامه إلخ متفرع برقول غیر اصح است وحسب تصریح علامہ صاحب فتح القدیر ایں اتخاذ طعام مکروہ وبدعت مستقبحہ است۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(۵/۳۴۵-۳۴۶)

ترجمہ سوال: (۲۹۸۰) تعزیت کے تین دنوں میں صاحب تعزیت کے گھر سے کھانا پینا جائز ہے یا نہ؟ کشمیر میں عام مسلمان برابر سمجھتے ہیں۔ درمختار میں ہے: ویحلّ لمن طال مقامه إلخ (یعنی کھانا جائز ہے اس شخص کے لیے جس کا گھر اور اس کی مسافت دور ہو نہ کہ اس کے لیے جس کا گھر دور نہیں ہے) مسئلہ مذکورہ مفتی بہ ہے یا نہ؟

الجواب: علامہ شامی نے اس موقع میں فرمایا ہے: أقول: قدّمنا أنّ القول الأوّل إلخ. پس معلوم ہوا کہ حکم ویحلّ لمن طال مقامه إلخ غیر اصح قول پر متفرع ہے، اور علامہ صاحب فتح القدیر کی تصریح کے مطابق اہل میت کی طرف سے کھانا تیار کرنا مکروہ اور بدعت قبیحہ ہے۔ فقط

وضاحت: اہلِ میت کی طرف سے آنے والے تمام لوگوں کو ضیافت کے طور پر جو کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس میں قریب وبعید ہر طرح کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور عام طور پر اس کا رواج ہے یہ درست نہیں بدعت قبیحہ ہے، البتہ جو مہمان دور دراز سے جنازے میں شرکت یا تعزیت کے لیے آئے ہیں اور کسی وجہ سے وہ واپس نہیں جا سکتے ان کے لیے اہلِ میّت یا اُن کے پڑوسی کھانے کا نظم کر دیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اور عوام میں جو بات مشہور ہے کہ تین روز تک اہل میّت کے گھر کوئی چیز نہ کھانی چاہیے وہ غلط اور بے اصل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ محمد امین پالن پوری

تدفین میں شریک ہونے والے اہلِ میّت کے گھر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۲۹۸۱) ایک شخص مر گیا، اس کے جو دفن کرنے والے ہیں اسی روز اس کے گھر کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ (۶۰۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: میت کے گھر والوں کے لیے جو اقرباء میں سے کھانا آوے اس کا کھانا اہل میت کو درست ہے (اور اہلِ میّت کی طرف سے تدفین میں شریک ہونے والوں کی جو دعوت کی جاتی ہے اور عام طور پر اس کا رواج ہے یہ درست نہیں [۱] محمد امین پالن پوری) فقط واللہ اعلم (۵/۴۴۸-۴۴۹)
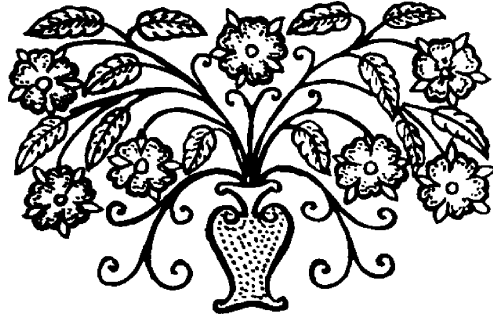
(۱) قال في الفتح : ويستحبّ لجيران أهل الميّت والأقرباء الأباعِد تهئية طعام لهم ليشبعهم يومهم وليلتهم لقوله: صلّى الله عليه وسلّم : اصنعوا لآل جعفر طعامًا فقد جاء هم ما يشغلهم ، حسنّه التّرمذي وصحّحه الحاكم ولأنّه برّ ومعروف إلخ ، وقال أيضًا: ويكره اتّخاذ الضّيافة من الطّعام من أهل الميّت لأنّه شُرع في السّرور لا في الشّرور وهي بدعة مستقبحة إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۳۷-۱۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في كراهة الضّيافة من أهل الميّت) ظفیر

زیارتِ قبور اور ایصالِ ثواب کا بیان

عورت کو قبر پر جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

سوال: (۲۹۸۲) میری ہمشیرہ کی قبر مردانہ مکان میں ہے، میری والدہ زنانہ مکان سے جو بہت قریب ہے، اس کی قبر پر جانا چاہتی ہیں، کسی قسم کی آہ وبکاء اور بے صبری وغیرہ نہ ہوگی؛ جانا جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۴۲/۳۵۵ھ)

الجواب: بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، بہ شرطیکہ آہ وبکاء نہ ہو؛ لیکن احوط نہ جانا ہی ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۳۱-۴۳۲)

عورتوں کو قبروں پر نہ جانا چاہیے

سوال: (۲۹۸۳) جو شخص مستورات کو اپنے ہمراہ قبرستان میں لے جاوے اور زیارتِ قبور کراوے اس کے لیے کیا حکم ہے؟ (۴۴/۱۱۷۹-۱۳۴۵ھ)

---

(۱) و بزيارة القبور ولو للنّساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها (الدّرّ المختار) قوله: (وبزيارة القبور) أي لا بأس بها بل تندب إلخ ، قوله: (ولو للنّساء) وقيل: تحرمُ عليهنّ والأصحّ أنّ الرّخصة ثابتة لهنّ ، بحر ، وجزم في شرح المنية بالكراهة إلخ ، وقال الخير الرّملّي : إن كان ذٰلك لتجديد الحزن والبكاء والنّدب على ما جرت به عادتهنّ فلا تجوز إلخ ، وإن كان للاعتبار والتّرحّم من غير بكاء إلخ ، فلا بأس إذا كنّ عجائز ويكره إذا كنّ شوابّ كحضور الجماعة في المساجد. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار : ۳/۱۴۰-۱۴۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

الجواب: صحیح بات یہی ہے کہ عورتوں کو قبروں پر نہ جانا چاہیے، کیوں کہ ان میں صبر کم ہوتا ہے وہ وہاں جزع فزع کریں گی، باقی اس میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ عورت زیارتِ قبور کو نہ جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۸/۵)

میت کو نفل کا ثواب پہنچانا درست ہے

سوال: (۲۹۸۴) میت کو نفل کا ثواب پہنچا سکتا ہے؟ (۲۵/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: پہنچا سکتا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۲/۵)

بے نمازی کو بھی ثواب پہنچتا ہے

سوال: (۲۹۸۵) اگر کوئی شخص بے نمازی مر جاوے، اور (اس کے اقارب)[3] اس کی روح کو صدقہ وغیرہ کا ثواب پہنچاویں تو پہنچتا ہے یا نہیں؟ (۱۶۱۱/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: جو مسلمان مرا ہے اس کو ثواب پہنچ سکتا ہے، بے نمازی مسلمان کو بھی (ثواب)[3] پہنچ سکتا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۰/۵)

میت کو نفع پہنچانے کا طریقہ

سوال: (۲۹۸۶) اگر میت عذاب میں مبتلا ہو تو اس کی نجات کے لیے اس کے اعزّہ کو کونسا فعل کرنا چاہیے؟ (۱۶۱۴/۱۳۳۸ھ)

الجواب: قرآن شریف اور کلمہ طیبہ اور صدقہ خیرات سے ثواب پہنچاوے، یہی ذریعہ میت کو کچھ نفع پہنچنے کا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۴/۵)

---

(۱) حوالہ سابقہ۔۱۲

(۲) وفي البحر : من صامَ أو صلّى أو تصدّق وجعل ثوابه لغيرهِ من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السّنّة والجماعة، كذا في البدائع . (ردّ المحتار: ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراء ة للميّت وإهداءِ ثوابها له) ظفیر

(۳) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

ایک عمل کا ثواب یکے بعد دیگرے مختلف آدمیوں کو پہنچانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۸۷) اگر ثواب کلام مجید یا طعام یا کسوہ (کپڑا) ایک وقت میں ایک شخص کو پہنچا دے پھر دوسرے وقت دوسری میت کو اور تیسرے وقت تیسری میت کو پہنچاوے تو یہ ثواب تینوں میتوں کو پہنچے گا یا میت اوّل کو پہنچ کر منقطع ہوجاوے گا، ثانی اور ثالث کو کچھ نہ ملے گا؟ (۹۹۷/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: ایک وقت میں اگر چند اموات کو ثواب پہنچاوے تو سب کو پہنچتا ہے، لیکن اگر اوّل وہ ثواب ایک میت کو پہنچا دیا تو پھر دوسرے وقت میں اسی صدقہ وکلام مجید کا ثواب دوسری میت کو نہیں پہنچا سکتا کیونکہ وہ ثواب اوّل میت کو پہنچ گیا[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۱۹)

چند لوگوں کو ایصالِ ثواب کرنے کی صورت میں ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا یا تقسیم ہوکر؟

سوال: (۲۹۸۸) وصولِ ثواب الی ارواح الموتی میں تقسیم ہے یا مساوات؛ مثلاً ایک ختم کلام مجید کا پڑھ کر تین شخصوں کی روحوں کو ایصالِ ثواب کیا؛ آیا ہر ایک کو علی السویہ پورے پورے ختم کلام مجید کا ثواب ملے گا، یا منقسم ہوکر ایک ختم کا ثواب تینوں آدمیوں کو ملے گا؟ بینوا توجروا (۱۲۲۲/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: شامی میں دونوں قول نقل کیے ہیں؛ قیاس کے موافق تقسیم ہونا چاہیے۔ کما قال في ردّ المحتار : و یُوضّحه أنّه لو أهدی الکلّ إلٰی أربعة یحصل لکلّ منها رُبعه فکذا لو أهدی الرُّبع لواحد وأبقی الباقي لنفسه إلخ[۲] پھر ابن حجر مکی سے یہ نقل کیا ہے کہ

---

(۱) نعم إذا فعله لنفسه ثمّ نوی جعل ثوابه لغیره لم یکف إلخ . (ردّ المحتار: ۳/ ۱۴۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبیل مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبي اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم) ظفیر

(۲) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/ ۱۴۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبي اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم.

ایک جماعت نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ ہر ایک کو پورا ثواب پہنچتا ہے، اور اس کو وسعتِ فضل کے لائق کہا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۱۹/۵-۴۲۰)

سوال: (۲۹۸۹) ایک مولوی صاحب وعظ میں فرمار ہے تھے کہ اگر ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر جملہ مؤمنین کو ثواب بخش دے گا تو ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ایک کلام مجید کا ثواب پہنچے گا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۳/۲۰۰۲ھ)

الجواب: اس میں فقہاء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ ہر ایک میت کو پورا پورا ثواب پہنچتا ہے، اور ایک روایت یہ ہے کہ تقسیم ہو کر پہنچتا ہے اور اس دوسرے قول کو موافق قیاس کے لکھا ہے، اور اللہ کے فضل سے بعید نہیں ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ثواب پہنچے[2] اور یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے ایک مرتبہ پڑھنے سے ایک تہائی قرآن کا ثواب حاصل ہوتا ہے[3] فقط (۴۴۹/۵-۴۵۰)

---

(۱) لٰكن سئل ابن حجر المكّيّ عمّا لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثّواب بينهم أو يصل لكلّ منهم مثل ثواب ذٰلك كاملاً ؟ فأجاب بأنّه أفتٰى جمع بالثّاني ، و هو اللاّئق بسعة الفضل . (ردّ المحتار: ۱۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبيل مطلب في إهداء ثواب القراء ة للنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم) ظفیر

(۲) بل في زكاة التّاترخانية عن المحيط : والأفضل لمن يتصدّق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنّها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء . (ردّ المحتار: ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، زيارة القبور)

لٰكن سئل ابن حجر المكّيّ عمّا لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثّواب بينهم أو يصل لكلّ منهم مثل ثواب ذٰلك كاملاً ؟ فأجاب بأنّه أفتٰى جمع بالثّاني، وهو اللاّئق بسعة الفضل . (ردّ المحتار: ۱۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبيل مطلب في إهداء ثواب القراء ة للنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم) ظفیر

(۳) عن ابن عبّاس وأنس بن مالك رضي الله عنهما ، قالا: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم : إِذَا زُلْزِلَتْ تعدل نصف القرآن ، وقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تعدل ثلث القرآن ، وقُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ تعدل ربع القرآن ، رواه التّرمذي . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۸۸، كتاب فضائل القرآن ، الفصل الثّاني) ظفیر

سوال: (۲۹۹۰)......(الف) اگر سوالاکھ درود شریف ایک شخص نے پڑھے اور ثواب اس کا پچیس موتی کو پہنچایا تو فرمایئے ہر موتی کو ثواب سوالاکھ پہنچے گا یا اس کے پچیس حصے ہوکر ہر ایک کو پہنچے گا۔

(ب) کیا قرآن مجید کے ثواب رسانی کی بھی یہی صورت ہوگی؟ (۳۸۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) پچیس حصہ ہوکر ہر ایک میت کو پانچ ہزار کا ثواب پہنچے گا، اور بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا۔ والأوّل أقیس والثّاني أوسع كذا في الشّامي(۱)

(ب) یہ ہی صورت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۵/۵-۴۲۶)

اگر سب مؤمنین کو ثواب پہنچایا تو حصہ رسد سب کو پہنچے گا

سوال: (۲۹۹۱) ایک شخص نے سورۂ فاتحہ یا اور کوئی سورت یا دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے باپ یا ماں یا پیر یا استاد کی روح کو ثواب مع سب مؤمنین ومؤمنات کے بخشا، یہ ثواب باپ ہی کی روح کو پہنچا؛ یا سب کو؟ اسی طرح ثواب پہنچایا جائے یا خاص کر کے یعنی باپ ہی یا استاد ہی کا نام لیا جاوے تب پورا ثواب ملے گا؟ (۴۷۷/۱۳۳۷ھ)

الجواب: اگر سب کو ثواب پہنچایا سب کو پہنچا، حصۂ رسد ثواب سب کو پہنچتا ہے، اور بہتر سب کو شریک کرنا ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۰/۵)

شرکت میں ثواب پہنچانا کیسا ہے؟

سوال: (۲۹۹۲) میں اپنی سابقہ معلومات سے تلاوت قرآن کا ثواب بہ روح پاک رسول اللہ ﷺ بہ شراکت دیگر انبیاء و بزرگان دین و دوست آشنا و رشتہ داران کی ارواح کو ہدیہ کرتا رہا ہوں،

(۱) لٰكن سئل ابن حجر المكّيّ عمّا لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثّواب بينهم أو يصلّ لكلّ منهم مثل ثواب ذٰلك كاملاً ؟ فأجاب بأنّه أفتىٰ جمع بالثّاني ، وهو اللاّئق بسعة الفضل . (ردّ المحتار: ۱۴۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، قبيل مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبيّ صلّى الله عليه وسلّم) ظفیر

اب مطالعہ میں آیا ہے کہ اشتراک بہتر نہیں ہے، اِفراد بہتر ہے، ملاحظہ ہو مکتوب: ۱۸، جلد سوم از مکتوبات شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، آئندہ مجھ کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟

(۱۳۳۹/۱۳۳۷ھ)

الجواب: یہ مضمون مکتوب: ۱۸ کا نہیں ہے، بلکہ مکتوب: ۲۸، صفحہ: ۶۷، جلد سوم [(۱)] کا یہ مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مستقل طور سے بلا شرکت غیر ایصال ثواب کیا جاوے کہ دیگر میت کو بہ واسطہ آپ کے ثواب پہنچاوے بہتر تو یہی ہے، رہا یہ کہ شرکت میں ثواب پہنچانا کیسا ہے، سو ظاہر ہے کہ ہر طریق سے جائز ہے اس میں کسی کو کلام نہیں [(۲)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۲/۵-۴۲۳)

تمام مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۹۳) زید بعد تلاوت قرآن مجید ثواب اس کا بہ توسط آنحضرت ﷺ و ازواج مطہرات و جملہ بزرگان دین کو بخش کر اپنے خاندان کے جملہ مُردوں اور جمیع مؤمنین و مؤمنات کی روح کو بخش دیتا ہے، ایسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور بہتر طریقہ ایصالِ ثواب کا کیا ہے؟ (۱۳۴۳/۱۴۳۲ھ)

الجواب: یہ طریقہ ایصال ثواب کا جس طرح زید کرتا ہے اچھا ہے اس میں کچھ حرج نہیں ہے اور زید کو بھی ثواب حاصل ہوتا ہے [(۳)] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۹/۵)

---

(۱) مکتوبات امام ربانی: ۳/۵۳-۵۵، مکتوب بست و ہشتم در بیان کیفیت تصدق بہ ارواح موتی، مطبوعہ: مطبع منشی نول کشور، لکھنؤ۔

(۲) قال: يُستحبّ إهداؤها له صلّى الله عليه وسلّم أهـ، قلت: وقول علمائنا له أن يجعل لغيره يدخل فيه النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم فإنّه أحقّ بذلك إلخ. (ردّ المحتار: ۳/۱۴۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبيّ إلخ) ظفیر

(۳) ويقرأ من القرآن ما تيسّر له من الفاتحة إلخ، ثمّ يقول: اللّٰهمّ أَوْصِلْ ثواب ما قرأناه إلى فلان أَوْ إليهم أهـ إلخ، الأفضل لمن يتصدّق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنّها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. (ردّ المحتار: ۳/۱۴۱-۱۴۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، زيارة القبور) ظفیر

وضاحت: لیکن ہر ایک کو پورا ثواب ملتا ہے یا تقسیم ہو کر پہنچتا ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ حصۂ رسد پہنچتا ہے، شامی میں ہے: و یُوضّحه أنّه لو أهدی الکلّ إلی أربعة یحصل لکلّ منها رُبعه فکذا لو أهدی الرُّبع لواحد و أبقی الباقي لنفسه إلخ[1] محمد امین

سوا لاکھ دفعہ کلمہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنا درست ہے

سوال: (۲۹۹۴) سوا لاکھ دفعہ کلمہ شریف پڑھ کر اگر میت کو بخشا جاوے تو امید مغفرت کی ہے؛ یہ روایت کون سی کتاب میں ہے؟ لآ إلٰه إلاّ اللّٰہ پڑھنا چاہیے یا محمّد رّسول اللّٰہ بھی ملایا جاوے؟ (۳۹۸/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری، بعض مشائخ نے اس کو نقل فرمایا ہے، لہٰذا عمل اس پر درست ہے، اور معمول لآ إلٰه إلاّ اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم پڑھنے کا (نہیں)[2] بلکہ صرف لآ إلٰه إلاّ اللّٰہ کا اور کبھی کبھی محمّد رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم ملانے کا ہے، اور حدیث ترمذی و ابن ماجہ میں ہے: أفضل الذّکر لآ إلٰه إلاّ اللّٰہ الحدیث[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۲/۵-۴۴۳)

مردوں کو ثواب کس ذریعہ سے پہنچتا ہے؟

سوال: (۲۹۹۵) ثواب کس ذریعہ سے موتی کو پہنچتا ہے؟ (۳۸۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: بہ ذریعہ ملائکہ یا جس ذریعہ سے حق تعالیٰ چاہے پہنچا تا ہے۔ فقط (۴۲۶/۵)

---

(۱) ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۱۴۳/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، قبیل مطلب في إهداء ثواب القراءة للنّبي صلّی اللّٰہ علیه وسلّم.

(۲) 'نہیں' کو مفتی ظفیر الدین صاحب نے بدلا ہے، کیوں کہ رجسٹر میں 'ہے' تھا۔۱۲

(۳) عن جابر رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم: أفضل الذّکر لآ إلٰه إلاّ اللّٰہ الحدیث، رواه التّرمذي وابن ماجة. (مشکاة المصابیح، ص:۲۰۱، کتاب أسماء اللّٰہ تعالٰی، باب ثواب التّسبیح والتّحمید والتّهلیل والتّکبیر، الفصل الثّاني)

دس پارے تین بار پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے سے پورے قرآن کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال:(۲۹۹۶) اگر کسی شخص کو پورا قرآن یاد نہ ہو اور صرف دس پارے یاد ہوں، اور وہ ان کو تین مرتبہ پڑھ دے تو اس صورت میں پورے قرآن شریف کا ثواب میت کو پہنچ جاوے گا یا صرف دس ہی کا؟ (۱۳۷۲/۴۴-۱۳۴۵ھ)

الجواب: پورے قرآن شریف کا ثواب تو اس سے حاصل نہ ہوگا، البتہ دس پارہ کا سہ گونہ ثواب حاصل ہو جاوے گا، بہرحال اگر پورا قرآن شریف نہ ہوسکے تو یہی بہتر ہے کہ دس پاروں کو بار بار پڑھے، اور ثواب پہنچادے ثواب میت کو پہنچ جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۲/۵)

قبر پر قرآن پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا درست ہے

سوال:(۲۹۹۷) قبر پر قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ (۴۷۷/۱۳۳۵ھ)

الجواب: ایصال ثواب میت کے لیے قبر پر قرآن شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانا درست ہے۔ کذا في الشّامي[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۸/۵)

کلام مجید اور کتب تفسیر ہدیہ کر کے مرحومین کو ثواب پہنچانا درست ہے

سوال:(۲۹۹۸) ہندہ بیوہ عورت اپنے شوہر متوفی کی روح کو ثواب پہنچانا چاہتی ہے، اور ہندہ خود مالک ومختار ہے کوئی لڑکا وغیرہ نہیں ہے، لہٰذا جس طرح جائز ہو ویسا کیا جاوے، کلام مجید و

(۱) وبزيارة القبور إلخ ويقول : السّلام عليكم إلخ ويقرأ يٰسٓ (الدّرّ المختار) لما ورد: من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ خفّف اللّٰه عنهم يومئذ إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۳/۱۴۰-۱۴۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

تفسیر وحدیث شریف کی کتابیں ہدیہ لے کر کسی عالم یا حافظ یا طالب علم کو دے کر موتی کو ثواب بخشنا جائز ہے یا نہ؟ اور کچھ روپیہ مسجد کی مرمت اور مدارس اسلامیہ میں دے کر موتی کو ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہ؟ یا بلا تاریخ مقررہ کے دعوت عالم حافظ نمازی وغیرہ کی کر کے کھانا کھلا کر موتی کو ثواب بخش دینا جائز ہے یا جو طریقہ مناسب ہو اس طریق سے کیا جاوے؟ (۱۶۳۴/۱۳۴۱ھ)

الجواب: یہ سب طریقے ثواب رسانی کے عمدہ اور مستحسن ہیں، خواہ مدارس اسلامیہ میں طلبہ مساکین کی امداد کے لیے کچھ نقد و کپڑا وغیرہ دیں یا کتب حدیث و تفسیر وفقہ خرید کر مدرسہ میں وقف کر دیں، تاکہ طلبہ ان سے ہمیشہ نفع اٹھاتے رہیں، اور میت کو ہمیشہ ثواب پہنچتا رہے، اور بلا تعیین تاریخ و دن فقراء کو کھانا کھلانا اور ثواب میت کو پہنچانا بھی درست ہے، اور میت کو ثواب پہنچے گا، اور قرآن شریف وکلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا بھی اچھا ہے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۵/۵-۴۵۶)

ایصال ثواب میں فلاں ابن فلاں کہنا ضروری نہیں

سوال: (۲۹۹۹) (یہ وقت) (۲) ایصال ثواب فلاں ابن فلاں کہنے کی ضرورت ہوگی یا محض اس کا نام لے لینا کافی ہوگا؟ اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو ایصال ثواب کا کیا طریقہ ہوگا؟
(۱۳۰۵/۱۳۳۷ھ)

الجواب: فلاں ابن فلاں کہنا مناسب ہے، لیکن اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو صرف اسی کا نام لینا کافی ہے، نیت میں جو کچھ ہے اللہ کو معلوم ہے، اگر باپ کا نام معلوم نہ ہو تو کچھ حرج نہیں ہے (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۱/۵)

---

(۱) صرّح علماؤنا في باب الحجّ عن الغير بأنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أو صدقةً أو غيرها ، كذا في الهداية إلخ . (ردّ المحتار : ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له) ظفير

(۲) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۳) وفي الحديث مَن قرأ الإخلاص أحد عشر مرّةً، ثمّ وهب أجرها للأموات (الدّرّ المختار) وفي شرح اللّباب: ويقرأ من القرآن ما تيسّر له من الفاتحة وأوّل البقرة إلى المفلحون إلخ، ثمّ يقول: اللّٰهمّ أوصِل ثوابَ ما قرأ ناه إلى فلان أو إليهم . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۴۱/۳-۱۴۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداء ثوابها له) ظفير

کیا مردہ کو بتلایا جاتا ہے کہ کس نے ثواب پہنچایا ہے؟

سوال: (۳۰۰۰) کیا میت سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تیرے فلاں عزیز یا احباب نے یہ تحفہ بھیجا ہے اور قائل اس کا کون ہوتا ہے وہ فرشتہ ہے یا اور کوئی؟ (۳۸۸/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: ایسا بھی وارد ہوا ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے اور کہنے والا فرشتہ ہوتا ہے[1] فقط (۴۲۶/۵)

ایصالِ ثواب وزیارت کی اطلاع مردہ کو ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۰۱)......(الف) جب کہ میت کے اعزّہ فاتحہ دلاتے ہیں تو میت کو معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(ب) جب میت کے اعزّہ قبرستان جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں اس کو معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(ج) اگر میت کی طرف سے قربانی یا حج کرایا جاوے تو کیا اس کو معلوم ہوتا ہے کہ میرے فلاں عزیز نے یہ کام کرایا ہے؟ (۱۶۱۴/ ۱۳۳۸ھ)

الجواب: (الف) اگر معلوم ہوتا ہو تو کچھ عجب نہیں ہے[2]

(ب) ایسا بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے[3]

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إنّ الله عزّ وجلّ لَيَرفع الدّرجة للعبد الصّالح في الجنّة ، فيقول : يارَبّ! أنّى لي هذه؟ فيقول باستغفار ولدك لك. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ۱۶/۳۵۶-۳۵۷، مسند أبي هريرة رضي الله عنه ، رقم الحديث: ۱۰۶۱۰، المطبوعة : مؤسّسة الرّسالة ، بيروت)

(۲) و إنّما الكلام في وصول ثواب غيره إليه والموصل للثّواب إلى الميّت هو الله تعالىٰ سبحانه لأنّ الميّت لا يسمع بنفسه والقرب والبعد سواء. (شرح الفقه الأكبر، ص:۲۲۵، مسئلة في أنّ الدّعاء للميّت ينفع خلافًا للمعتزلة) ظفیر

(۳) وفي شرح اللّباب للمنلا علي القاري: ثمّ من آداب الزّيارة ما قالوا، مِن أنّه يأتي الزّائر مِن قبل رجلي المتوفّى لا من قبل رأسه لأنّه أتعَبُ لِبَصَرِ الميّت . (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۴۱، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

(ج) ایسا بعض روایات میں وارد ہے کہ میت کو یہ معلوم ہوتا ہے، یعنی کہ ملائکہ بتلاتے ہیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۳/۵-۴۴۴)

رات میں زیارتِ قبور جائز ہے

سوال: (۳۰۰۲) رات کے وقت قبور کی زیارت کرنا، یعنی مردوں کے واسطے کچھ پڑھ کر بخشنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۹/۱۸۷۲ھ)

الجواب: جائز ہے۔ **لإطلاق قوله علیه الصّلاة والسّلام : ألا فزوروها الحدیث** (۱)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۳/۵)

ایصالِ ثواب سے متعلق چند بے اصل روایات

سوال: (۳۰۰۳) **تصدّقوا لموتاکم قبل الدّفن إلخ تفدوا لموتاکم بعد الدّفن إلخ .** شرح برزخ وزاد الآخرۃ (۲) وغیرہ کتب فقہ میں ہے، دستور یہاں پر یہ ہے کہ ورثۂ میت حسبِ مقدور حفاظ وقرّاء وعلماء وطلباء ودیگر فقراءِ مساکین کو دعوت دے کر جمع کر کے خیرات کبھی تو بعد الدفن، اور کبھی قبل الدفن، اور کبھی بعد جنازہ، اور کبھی قبل جنازہ واسطے آسانی اور فائدہ کے مردہ کو دے دیا کرتے ہیں، اور طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں ہے: **والسّنة أن یتصدّق وليّ المیّت له قبل مضيّ اللّیلة الأولیٰ بشيء ممّا تیسّر إلخ** (۳) کیا یہ روایتیں صحیح ہیں؟ اور یہ صورت مسئولہ جائز ہے یا کیا؟ (۱۳۳۷/۲۶۷۱ھ)

الجواب: یہ روایات بے اصل ہیں، اور وہ خرابی استیجار علی التلاوۃ یہاں بھی ہے،

---

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴۱/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في زیارۃ القبور. وفي المشکاۃ المصابیح، ص:۱۵۴، باب زیارۃ القبور، الفصل الأوّل .

(۲) یہ کتاب ہمیں نہیں مل سکی۔۱۲

(۳) حاشیۃ الطّحطاوي علی مراقي الفلاح، ص:۶۱۷، کتاب الصّلاۃ، باب أحکام الجنائز قبل فصل في زیارۃ القبور .

اور المعروف کالمشروط[1] مسئلہ (مسلمہ)[2] ہے، اور ایسے پڑھنے سے ثواب نہیں ہوتا۔ کما حقّقه في الشّامي بما لا مزيد عليه[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۲۴-۴۲۵)

کتاب وسنت سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

سوال: (۳۰۰۴) میت کو ثواب صدقہ و خیرات (وقراءت قرآن شریف وغیرہ)[4] کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ (بادلائل بیان کیا جائے)[4] اور دعا اَحیاء کی اموات کے لیے نافع ہے یا نہیں؟ (۱۰۶۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: میت کو ثواب صدقہ وخیرات اور تلاوت قرآن شریف وغیرہ کا پہنچتا ہے، اہل سنت وجماعت اصل ایصال ثواب میں متفق ہیں (صرف فرقہ معتزلہ کا اس میں خلاف ہے، البتہ باہم اہل سنت میں بعد اس کے کہ اصل ایصال ثواب میں سب متفق ہیں)[4] عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام احمد اور جمہور سلف وصول ثواب کے قائل اور امام شافعی اور امام مالک عدم وصول کے قائل ہیں، صدقات مالیہ کے ثواب (پہنچنے)[4] میں کچھ اختلاف نہیں ہے، اس میں سب (ائمہ)[4] متفق ہیں۔

دلائل ایصال ثواب الی المیت کے اور اس امر کے کہ اموات کو اَحیاء کی دعا اور صدقہ وخیرات سے

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۴/۲۰۱، كتاب النّكاح، باب المهر، مطلب: مسئلة دراهم النقش والحمام ولفافة الكتاب ونحوها.

(۲) قوسین والا لفظ رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۳) فالحاصل: أنّ ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز، لأنّ فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثّواب للآمر والقراءة لأجل المال؛ فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النّية الصّحيحة فأين يصل الثّواب إلى المستأجر؟! ولو لا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزّمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبًا و وسيلة إلى جمع الدّنيا، إنّا لله و إنّا إليه راجعون اهـ. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۹/۷۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهمّ في عدم جواز الاستئجار على التّلاوة إلخ)

(۴) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

اور قرآن شریف وغیرہ کا ثواب پہنچانے سے نفع ہوتا ہے بہ کثرت ہیں (أمّا الآیات :) ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ (الإسراء:۲۴) ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (النّوح:۲۸) ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ﴾ (الحشر:۱۰) (وأمّا الأحادیث:) وعن سعد بن عبادة رضي اللّٰه تعالٰی عنه أنّه قال: یا رسول اللّٰه ! إنّ أمّ سعد ماتت ، فأيّ الصّدقة أفضل؟ قال علیه الصّلاة والسّلام: الماء ، فحفر بئرًا، وقال: هذا لأمّ سعد ، أخرجه أبوداؤد والنّسائي رحمهما اللّٰه ....

قال القونوي رحمه اللّٰه: والأصل في ذٰلك عند أهل السّنّة أنّ للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أو صومًا أو حجًّا أو صدقةً أو غیرَها، والشّافعيّ رحمه اللّٰه جوّز هذا في الصّدقة والعبادة المالیّة ، وجوّزه في الحجّ ، وإذا قرأ علی القبر فللمیّت أجر المستمع ، ومنع وصول ثواب القرآن إلی الموتٰی وثواب الصّلاة والصّوم وجمیع الطّاعات والعبادات غیر المالیّة، وعند أبي حنیفة رحمه اللّٰه وأصحابه:یجوز ذٰلك، ویصل ثوابه إلی المیّت ، وتمسّك المانع من ذلك بقوله تعالٰی:﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾(النّجم:۳۹) وبقوله علیه الصّلاة والسّلام : إذا مات ابن آدم انقطع عمله الحدیث والجواب : أنّ الآیة حجّة لنا، لأنّ الّذي أهدی ثواب عمله لغیره سعٰی في إیصال الثّواب إلٰی ذٰلك الغیر ، فیکون له ما سعٰی بهذه الآیة ، ولا یکون له ما سعٰی إلّا بوصول الثّواب إلیه ، فکانت الآیة حجّةً لنا لا علینا، وأمّا الحدیث فیدلّ علی انقطاع عمله، ونحن نقول به، وإنّما الکلام في وصول ثواب غیره إلیه ، والموصل للثّواب إلی المیّت هو اللّٰه تعالٰی سبحانه لأنّ المیّت لا یسمع بنفسه ، والقرب والبعد سواء في قدرة الحقّ سبحانه[1] انتهٰی .

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۰/۵-۴۳۱)

آیت: ﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ سے ایصالِ ثواب کا ثبوت

سوال: (۳۰۰۵) آیت: ﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (سورۂ نجم، آیت:۳۹) ﴾)

(۱) شرح الفقه الأکبر، ص:۲۲۴-۲۲۵، مسئلة في أنّ الدّعاء للمیّت ینفع خلافًا للمعتزلة .

اور ﴿قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۳۴ و ۱۴۱) ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا﴾ (سورۂ حم سجدہ، آیت: ۴۶، وسورۂ جاثیہ، آیت: ۱۵) کیا ان آیات سے موتی کو ایصالِ ثواب کرنے کا بطلان ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (۸۹۱/ ۱۳۳۵ھ)

الجواب: شرح فقہ اکبر میں اس اعتراض (متعلق آیت: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (سورۂ نجم، آیت: ۳۹)﴾) کو نقل کر کے یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت سے ایصالِ ثواب ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب یہ فرمایا کہ ہر ایک انسان کے لیے وہ ہے جو اس نے سعی کی تو ثواب پہنچانے والا سعی کرتا ہے اعمالِ خیر کا ثواب پہنچانے میں اموات کو، لہٰذا وہ سعی اس کی رائیگاں نہ جاوے گی بہ موجب اس آیت کے، اور جس کو اس نے ثواب پہنچایا وہ پہنچے گا، انتہی [۱] اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ ﴿مَا سَعٰى﴾ سے سعی ایمان مراد ہے؛ یعنی جس نے سعی ایمانی حاصل کی یعنی ایمان لایا اور مؤمن مرا اسی کو دوسروں کے ثواب پہنچانے سے ثواب پہنچ سکتا ہے نہ کافر کو، اور جب کہ احادیث صحیحہ سے ثواب پہنچنا اموات کو ثابت ہوگیا تو پھر ایسے شبہات واہیہ کی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ آنحضرت ﷺ ہر معنی قرآن شریف کے خوب سمجھتے تھے، اور یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ ﴿لِلْاِنْسَانِ﴾ سے مراد کافر ہے یعنی کافر کو ثواب نہیں پہنچتا [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۴۷-۴۴۸)

---

(۱) اختلف في العبادات البدنيّة كالصّوم، وقراءة القرآن والذّكر، فذهب أبوحنيفة رحمه اللّٰه وأحمد وجمهور السّلف رحمهم اللّٰه إلى وصولها إلخ، واستدلاله بقوله سبحانهٗ: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ مدفوع بأنّه لم ينف انتفاع الرّجل بسعي غيره وإنّما نفي ملكه بغير سعيه وبين الأمرين فرق بين، فأخبر اللّٰه تعالىٰ أنّه لا يملك إلّا سعيه وأمّا سعي غيره فهو ملك لسعيهٖ فإن شاء أن يبذله لغيرهٖ وإن شاء أن يبقيه لنفسهٖ، وهو سبحانهٗ لم يقل لا ينتفع إلّا بما سعىٰ إلخ. (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۲۶، مسئلة في أنّ الدّعاء للميّت ينفع خلافًا للمعتزلة) ظفیر

(۲) وأمّا قوله تعالىٰ: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النّجم: ۳۹) أي إلّا إذا وهبه له كما حقّقه الكمال (الدّرّ المختار) قوله: (كما حقّقه الكمال) حيث قال ما حاصله: إنّ الآية وإن كانت ظاهرةً فيما قاله المعتزلة، لكن يحتمل أنّها منسوخة أو مقيّدةٌ، وقد ثبت ما يوجب المصير إلى ذلك وهو ما صحّ عنه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه ضحّى بكبشين أملحين أحدهما عنه و الآخر عن أمّتهٖ. ==

عباداتِ بدنیہ کے ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال: (۳۰۰۶) طریقۂ ایصال ثواب عبادات بدنیہ چیست؟ وثواب عبادات بدنیہ بہ میت برسد یانہ؟ (۱۲۳۳/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: نزد حنفیہ ثواب طاعاتِ بدنیہ مثل تلاوت قرآن شریف، وتسبیح، وتہلیل از احیاء بہ اموات می رسد، پس صورت ایصال ثواب ایں است کہ ولیٔ میت از قاریاں وغیرہم بگوید کہ شما ثواب کلام اللہ بہ فلاں میت بہ بخشید، یا اوشاں خود بلا امر ولی ثوابِ تلاوتِ قرآن شریف وغیرہ

== فقد رُوي هذا عن عدّة من الصّحابة وانتشر مخرّجوه فلا يبعد أن يكون مشهورًا يجوز تقييد الكتاب به بما لم يجعله صاحبه لغيره ، وروى الدّارقطني : أنّ رجلاً سأله عليه الصّلاة والسّلام فقال: كان لي أبوان أبرّهما حال حياتهما فكيف لي ببرّهما بعد موتهما ؛ فقال صلّى اللّٰه عليه وسلّم: إنّ من البرّ بعد الموت أن تُصلّي لهما مع صلاتك وأن تصوم لهما مع صومك إلخ .... فهذا كلّه و نحوه ممّا تركناه خوف الإطالة يبلغ القدر المشترك بينه وهو النّفع بعمل الغير مبلغ التّواتر، وكذا ما في الكتاب العزيز من الأمر بالدّعاء للوالدين، ومن الإخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين قطعيّ في حصول النّفع ، فيخالف ظاهر الآية الّتي استدلّوا بها إذ ظاهرها أنّه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجهٍ من الوجوه لأنّه ليس من سعيه ، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها فقيدناها بما لم يهبه العامل ، وهذا أولى من النّسخ إلخ .... وأجيب بأجوبة أخرى ذكرها الزّيلعي وغيره:

منها: النّسخ بآية ﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيْمَانٍ﴾ (الطّور: ۲۱) وعلمت ما فيه.

ومنها: أنّها خاصّة بقوم موسىٰ وإبراهيم عليهما السّلام؛ لأنّها حكاية عمّا في صحفهما.

ومنها: أنّ المراد بالإنسان: الكافر .

ومنها: أنّه ليس من طريق العدل ، وله من طريق الفضل .

ومنها: أنّه ليس له إلاّ سعيه ، لكن قد يكون سعيه بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان وتحصيل الإيمان . (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۲/۴-۱۳، كتاب الحجّ ، باب الحجّ عن الغير، مطلب فيمن أخذ في عبادته شيئًا من الدّنيا)

بہ اموات بہ بخشند، مگر باید کہ غرض قاریاں کہ ایصال ثواب بہ اموات می کنند، اخذ معاوضہ واجرت از ولی میت نباشد وگرنہ ثواب نیست۔ فقط (۵/۴۳۸)

ترجمہ سوال: (۳۰۰۶) عبادات بدنیہ کے ایصال ثواب کا طریقہ کیا ہے؟ اور عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے یا نہ؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک طاعات بدنیہ مثلاً تلاوت قرآن شریف، تسبیح، وتہلیل کا ثواب زندوں کی طرف سے مردوں کو پہنچتا ہے، پس ایصال ثواب کی صورت یہ ہے کہ میت کا ولی قاریوں وغیرہ سے کہہ دے کہ تم اللہ کے لیے کلام اللہ کا ثواب فلاں میت کو بخش دو، یا وہ لوگ خود ولی کے حکم کے بغیر قرآن شریف کی تلاوت کا ثواب اموات کو بخش دیں، مگر چاہیے کہ قاریوں کی نیت جو اموات کو ایصال ثواب کرتے ہیں؛ ولیٔ میت سے معاوضہ واجرت لینے کی نہ ہو، ورنہ ثواب نہیں ہوگا۔

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال: (۳۰۰۷) وقت ثواب رسانی کے اگرچہ نیت کا ہونا کافی ہے؛ لیکن زبان سے جو کہا جائے وہ کن الفاظ سے وقت پہنچانے ثواب کے کہا جائے؟ (۳۸۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: یہ کہا جائے کہ یا اللہ! اس عمل کا ثواب فلاں کو پہنچا دے[1] فقط واللہ اعلم (۵/۴۵۱)

طاعاتِ مالیہ کے ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال: (۳۰۰۸) مساکین کو کھانا کھلا کر میت کو کس طرح ثواب پہنچانا چاہیے؟

(۱۰۷/۳۲-۱۳۳۳ھ)

الجواب: ایصالِ ثواب کلام مجید وکلمۂ طیبہ سے اور کھانا فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب میت کو پہنچایا جاوے یہ درست ہے، طریقہ اس کا یہ ہے کہ کھانا پکا کر فقراء کو کھلا دیا جاوے، اور اللہ تعالیٰ سے

(۱) وفي الحديث من قرأ الإخلاص أحد عشر مرّة ثمّ وهب أجرها للأموات أعطى من الأجر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له)

یہ دعا کی جاوے کہ اس کا ثواب فلاں میت کی روح کو پہنچے، اور صرف نیت ہونا ایصال ثواب کی کافی ہے، اسی طرح کپڑا اور نقد فقراء کو دے کر نیت ثواب میت کی کی جاوے، اور قرآن مجید اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر ثواب میت کو پہنچایا جاوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۹/۵)

ایصالِ ثواب کا ارواح موتی کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

سوال: (۳۰۰۹) ارواح موتی کو وقت ثواب پہنچنے پر سوائے تفریح کے اور کیا معلوم ہوتا ہے؟ (۱۳۳۸/۳۸۸ھ)

الجواب: اعمال صالحہ کا جس قسم کا ثواب ہے وہی پہنچتا ہے۔ فقط واللہ اعلم (۴۲۶/۵)

کیا ایصالِ ثواب سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں؟

سوال: (۳۰۱۰) جو شخص فوت ہو چکا ہو اور زندگی میں صغائر وکبائر کا مرتکب تھا، اب اگر اس کی اولاد اس کو بے شمار قرآن شریف کے ختم اور دوسری برکت والے کلاموں کے چند لاکھ پڑھ کر بخشے اور صدقہ خیرات بہت سا کرے؛ تو کیا اس شخص کے صغائر وکبائر معاف ہوجائیں گے یا صرف صغائر معاف ہوں گے؟ (۱۳۴۲/۱۷۱ھ)

الجواب: درمختار میں ہے: وقال عیاض : أجمع أهل السّنّة أنّ الكبائر لا يكفّرها

---

(۱) صرّح علماؤنا في باب الحجّ عن الغير بأنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أو صدقةً أو غيرها ، كذا في الهداية إلخ —— إلى قوله —— وفي البحر مَن صامَ أو صلّى أو تصدّق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السّنّة والجماعة ، كذا في البدائع . (ردّ المحتار : ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له) ظفیر

اور درّمختار میں ہے: وفي الحديث من قرأ الإخلاص أحد عشر مرّة ثمّ وهب أجرها للأموات أعطى من الأجر. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له)

إلاّ التّوبة ولا قائل بسقوط الدّين ولو حقًّا للّٰه تعالٰى كدين صلاة و زكاة إلخ [1] اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ طاعات وحسنات سے کفارہ صغائر کا ہوتا ہے نہ کبائر کا۔ كما في الحديث: الصّلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلٰى رمضان مكفّرات لما بينهنّ إذا اجتنبت الكبائر [2] كما قال اللّٰه تعالٰى: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (سورۂ ہود، آیت:۱۱۴) فالمراد بالسّيّئات: الصّغائر، وعفو الكبائر محوّل إلٰى مشيّة اللّٰه تعالٰى كما قال اللّٰه تعالٰى: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ﴾ (سورۂ نساء، آیت:۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۶/۵)

وضاحت: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ایصالِ ثواب سے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور کبیرہ گناہ کی معافی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ محمد امین

ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے

سوال: (۳۰۱۱) زید نے قرآن شریف پڑھا اور عمرو کے نام سے ایصال ثواب کردیا؛ اب زید کو اس پڑھنے کا کس قدر ثواب ملے گا؟ (۱۳۳۳-۳۲/۲۸۶ھ)

الجواب: قرآن شریف کا ثواب تو عمرو کو ملے گا، باقی اس وجہ سے کہ زید نے ایک نیک کام کیا اس کو اس کا بدلہ دس گونہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مل سکتا ہے، اخلاص شرط ہے، بدون اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ ﴿اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ (سورۂ زمر، آیت:۳) ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (سورۂ انعام، آیت:۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۴۰/۵-۴۴۱)

سوال: (۳۰۱۲) موتی کو ثواب پہنچانے والے کو بھی کچھ ثواب یا نیکی ملتی ہے یا نہیں؟ (۱۳۳۸/۳۸۸ھ)

(۱) الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۴۴/۴، كتاب الحجّ، باب الهدي، مطلب في تكفير الحجّ الكبائرَ.

(۲) المشكاة، ص:۵۷، كتاب الصّلاة، الفصل الأوّل عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه.

الجواب: ثواب ملتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۵۱-۴۵۲)

جس نے اپنی زندگی میں کلمہ اور قرآن پڑھ کر اپنے لیے امانت رکھا اس کو مرنے کے بعد اس کا ثواب ضرور ملے گا

سوال: (۳۰۱۳) اگر کسی شخص نے اپنے لیے سوا لاکھ کلمہ شریف اور ایک قرآن شریف کا ثواب اپنی زندگی میں واسطے اپنی مغفرت کے امانت رکھا ہو بعد مرگ وہ ثواب اس کو پہنچے گا یا نہیں؟ (۳۸۸/۱۳۳۸ھ)

الجواب: کیوں نہیں (ضرور ملے گا[2]) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۵۱-۴۵۲)

قبرستان میں جا کر کیا پڑھنا چاہیے؟

سوال: (۳۰۱۴) قبرستان میں جا کر کیا پڑھنا چاہیے؟ اور درود شریف پڑھنا چاہیے کہ نہیں؟ کیوں کہ بعض کا خیال ہے کہ درود شریف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخصوص ہے؟ (۵۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: درود شریف بھی پڑھ سکتے ہیں اور طریق مشروع زیارتِ قبور کا یہ ہے کہ کہے: **السّلام علیکم یا أهل القبور أنتم لنا سلف و إنّا إن شاء اللّٰه بکم لاحقون ، یغفر اللّٰه لنا**

---

(۱) وفي الحدیث من قرأ الإخلاص أحد عشر مرّة ثمّ وهب أجرها للأموات أعطی من الأجر بعدد الأموات . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار : ۳/۱۴۲-۱۴۳، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للمیّت وإهداءِ ثوابها له)

(۲) وفي البحر: مَن صام أو صلّی أو تصدّق وجعل ثوابه لغیرہٖ من الأموات والأحیاء جاز ویصل ثوابها إلیهم عند أهل السّنّة والجماعة ، کذا في البدائع ، ثمّ قال : وبهٰذا علم أنّه لا فرق بین أن یکون المجعول له میتًا أو حیًّا ، والظّاهر أنّه لا فرق بین أن ینوي به عند الفعل للغیر أو یفعله لنفسهٖ . (ردّ المحتار علی الدّرّ المختار: ۳/۱۴۲، کتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للمیّت وإهداءِ ثوابها له) ظفیر

ولکم اس کے بعد اگر قُلْ هُوَ اللّٰهُ وغیرہ پڑھ کر ثواب پہنچاوے تو یہ بھی اچھا ہے[۱] فقط واللہ اعلم (۴۵۰/۵-۴۵۱)

ہنود کے نابالغ بچے جنّتی ہیں اور جہاں صرف ہنود کے بچے مدفون ہوں کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں

سوال: (۳۰۱۵)...... (الف) جس جگہ اہل ہنود کے صرف بچے ہی دفن ہوں وہاں اگر کوئی مسلمان آوے تو کچھ پڑھے یا خاموش رہے؟

(ب) وہ بچے ہنود کے جنتی ہیں یا جہنمی؟ (۱۱۷۸/۱۳۳۹ھ)

الجواب: (الف) اہل ہنود کے قبرستان میں جہاں بچے ہی بچے مدفون ہوں کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(ب) نابالغ بچے اہل ہنود کے جو مرتے ہیں وہ جنتی ہیں[۲] فقط واللہ اعلم (۴۵۲/۵-۴۵۳)

نمازِ جنازہ کے بعد ایصالِ ثواب اور دعا کرنا بدعت ہے

سوال: (۳۰۱۶)...... {۱} مرقاۃ شرح مشکاۃ جزو خامس مصری، ص: ۵۴۸، وفي رواية

---

(۱) قال في الفتح: والسّنّة زيارتها قائمًا والدّعاء عندها قائمًا كما كان يفعله صلّى الله عليه وسلّم في الخروج إلى البقيع، ويقول: السّلام عليكم إلخ،........... وفي شرح اللّباب: ويقرأ من القرآن ما تيسّر له من الفاتحة وأوّل البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرّسول وسورة يٰسٓ وتبارك الملك وسورة التّكاثر والإخلاص اثنتي عشرة مرّةً أو إحدى عشرة أوسبعًا أو ثلاثًا، ثمّ يقول: اللّٰهمّ أوْصِل ثواب ما قرأناه إلى فلان أوْ إليهم (ردّ المحتار: ۱۴۱/۳-۱۴۲، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

(۲) وتوقّف الإمام الأعظم رحمه اللّٰه في سوال أطفال الكفرة ودخولهم الجنّة وغيره حكم بذٰلك فيكونون خدم أهل الجنّة. (شرح فقه أكبر، ص:۱۷۱، بحث في أنّ عذاب القبر حقّ إلخ) ظفیر

لهما عنه: وإنّه وضع عمر علٰى سريره فتكنّفه النّاس يدعون ويُثنون ويُصلّون عليه قبل أن يُرفع وأنا فيهم ، فلم يَرُعْنِيْ إلاّ رجل قد أخذ بمنكبي من ورائي، فالتفتُّ فإذا هو عليّ بن أبي طالب فترحّم علٰى عمر إلخ (۱)

{ ۲ } کفایہ، باب الجنائز: روي أنّ رجلاً فعل هٰكذا بعد الصّلاة فراٰه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم فقال : ادع استجب لك (۲)

{ ۳ } عنایہ، باب الجنائز: روي أنّ رسـول الـلّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم راٰى رجلاً فعل هٰكذا بعد الفراغ من الصّلاة فقال صلّى اللّٰه عليه وسلّم: ادع إلخ (۳)

{ ۴ }قسطلانی کی جزء رابع میں حاشیہ پر شرح مسلم امام نووی مصری ص:۳۰۶، قوله: حفظت من دعائه أي علّمنيه بعد الصّلاة فحفظته (۴)

{ ۵ }ردو ہابیہ ص:۲۰، ونیز در شرح برزج ارقام نمودہ: تصدق وخواندن قرآن مجید برمیت ودعا درحق او قبل برداشتن جنازہ وپیش از دفن سبب نجات از احوال آخرت وعذاب قبر است (۵)

{ ۶ } رفاہ المسلمین، ص:۹۶، ''مروی ہے کہ مردے کو گور میں رکھتے وقت آنحضرت ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللّٰهمّ اغفره و ارحمه وتجاوزه وعافه واعف عنه إلخ '' (۶)

{ ۷ } جوہرہ نیرہ: حتّٰى يؤدّوا حقّه بالصّلاة عليه والدّعاء له انتهٰى (۷)

---

(۱) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۱۱/۲۰۹، كتاب المناقب، باب مناقب أبي بكر وعمر رضي اللّٰه عنهما ، الفصل الأوّل ، رقم الحديث: ۶۰۵۷.

(۲) الكفاية شرح الهداية : ۱/۴۳۲، كتاب الصّلاة ، باب الجنائز، فصل في الصّلاة على الميّت .

(۳) العناية شرح الهداية مع فتح القدير: ۲/۱۲۸، كتاب الصّلاة ، باب الجنائز، فصل في الصّلاة على الميّت .

(۴) شرح النّووي على مسلم: ۱/۳۱۱، كتاب الجنائز، فصل في الدّعاء للميّت .

(۵) یہ کتاب ہمیں نہیں ملی۔

(۶) رفاہ المسلمین: ص:۹۶-۹۷، سوال (۳۸) تنبیہ، مطبع مجتبائی دہلی۔

(۷) الجوهرة النيّرة: ۱/۱۲۲، كتاب الصّلاة ، باب الجنائز .

{۸} شامی: وصول القراءة للميّت إذا كانت بحضرته أو دعي له عقبها ولو غائبًا لأنّ محلّ القراءة تنزل الرّحمة والبركة، والدّعاء عقبها أرجى للقبول (۱)

{۹} قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: اقرؤا يٰسٓ على موتاكم (۲)

{۱۰} نماز مترجم مولانا ابوالبشیر صاحب، ص:۸۵: ''بعد نماز جنازہ کے سب لوگ بیٹھ کر قل شریف گیارہ بار اور الحمدللہ شریف دس بار پڑھ کر میت کی ارواح کو بخشیں'' (۳)

{۱۱} تحفۃ المصلی مفتی دائم اللہ صاحب (۴): گیارہ دفعہ درود شریف پڑھ کر بعد سلام نماز جنازہ میت کو بخشیں (۵)

{۱۲} تنبیہ الغافلین، ص۳۷: ''اچھا طریقہ ثواب رسانی کا مردہ کے حق میں یہ ہے کہ قبل دفن کے جس قدر ہو سکے کلمہ یا قرآن شریف یا درود یا کوئی سورت پڑھ کر اس کا ثواب اس مردہ کو بخشیں'' (۶)

{۱۳} مظاہر حق، کتاب الجنائز، تحت حدیث ابن عباسؓ (۷): ''یعنی سورۂ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھی جیسے کہ حدیث ابن عباس کی میں گذرا، یا جنازے پر بعد از نماز کے، یا پہلے نماز کے بہ قصد تبرک پڑھی ہو'' (۸)

---

(۱) ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له.

(۲) سنن أبي داؤد: ۴۴۵/۲، كتاب الجنائز، باب القراءة عند الميّت، عن معقل بن يسار رضي الله عنه.

(۳) نماز مترجم، ص:۳۷، نماز جنازہ کے پڑھنے کا مسنون طریقہ۔

(۴) یہ کتاب ہمیں نہیں ملی۔

(۵) جزو (۱۱) کی عبارت مطبوعہ فتاویٰ میں نہیں ہے، رجسٹر نقول فتاویٰ سے اضافہ کیا گیا ہے۔۱۲

(۶) تنبیہ الغافلین، ص۳۷-۴۷، دوسرا باب سنت وغیرہ کے بیان میں، مطبوعہ: نول کشور لکھنؤ۔

(۷) عن ابن عبّاس رضي الله عنهما: أن النّبيَّ صلّى الله عليه وسلّم قرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب، رواه التّرمذيّ وأبوداؤد وابن ماجة. (مشكاة المصابيح، ص:۱۴۶، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها، الفصل الثّاني)

(۸) مظاہر حق قدیم: ۵۴/۲، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیہا، الفصل الثانی۔۱۲

{۱۴} امام محمود بدرالدین عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب موعظة المحدّث عند القبر بیان فرماتے ہیں: مصلحة الميّت فمثل ما إذا اجتمعوا عنده لقراءة القرآن والذّكر فإنّ الميّت ينتفع به(۱)

{۱۵} مشکاۃ، ص۱۱۶: عن أمّ سلمة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: إذا حضرتم المريضَ أو الميّتَ فقولوا: خيرًا؛ فإنّ الملآئكة يؤمّنون على ما تقولون، رواه مسلم(۲)

{۱۶} جواہر النفیس شرح درالکیس، ص:۱۳۲، وفي نافع المسلمين رجل رفع يديه بدعاء الفاتحة للميّت قبل الدّفن جاز(۳)

سوال؛ مرقومہ بالا دلائل سے بعد سلام نماز جنازہ کے دعا بہ ایصال ثواب بہ سورۂ فاتحہ واخلاص سنت ثابت ہوتا ہے یا مستحب یا بدعت حسنہ یا بدعت سیئہ؟ صرف ثبوتی پوچھتا ہوں، بلا اجتماع و اہتمام اور ضروری جانے (۲۸۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: امور مستحبہ ومباحہ اصرار والتزام سے بدعت ہوجاتے ہیں۔ عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال: لا يجعل أحدكم للشّيطان شيئًا من صلاته يرى أنّ حقًّا عليه أن لا ينصرف إلّا عن يمينه لقد رأيتُ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم كثيرًا ينصرف عن يساره(۴) قال القاري في المرقاة في شرح هذا الحديث: مَن أصرّ على أمر مندوب وجعله عزمًا و لم يعمل بالرّخصة فقد أصاب منه الشّيطان من الإضلال فكيف من أصرّ على بدعة ومنكر انتهى(۵) وفي العالم كيرية: وما يفعل عقيب الصّلاة مكروه

(۱) عمدة القاري: ۸/۲۶۸، كتاب الجنائز، باب موعظة المحدّث عند القبر وقعود أصحابه حوله، المطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت.

(۲) مشكاة المصابيح، ص:۱۴۰، كتاب الجنائز، باب مايقال عند مَن حضره الموتُ، الفصل الأوّل.

(۳) یہ کتاب ہمیں نہیں ملی۔

(۴) مشكاة المصابيح، ص:۸۷، كتاب الصّلاة، باب الدّعاء في التّشهّد، الفصل الأوّل.

(۵) مرقاة المفاتيح: ۳/۲۶، كتاب الصّلاة، باب الدّعاء في التّشهّد، رقم الحديث: ۹۴۶.

لأنّ الجهّال يعتقدونها سنّةً أو واجبةً وكلّ مباح يؤدّي إليه فمكروه انتهٰی [1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۶/صفر سنہ ۱۳۳۵ھ (۴۲۸/۵-۴۳۰)

ایصالِ ثواب کے لیے خیرات کس کو دی جائے؟

سوال: (۳۰۱۷) جس شخص کو کھانا یا نقد کپڑا دیا جاوے وہ کس صفت کا ہونا چاہیے، صوم وصلاۃ کا پابند ہو یا کچھ ضروری نہیں، غیر پابند صوم وصلاۃ کو دینے سے ایصال ثواب ہوگا یا نہ؟ اور کافر یا صاحب نصاب کو کھلانے اور دینے سے ایصال ثواب ہوگا یا نہ؟ (۱۳۱۳/۱۳۳۷ھ)

الجواب: ثواب ہر ایک محتاج کو دینے میں ہے، لیکن مسلمان پابند صوم وصلاۃ کو دینے میں زیادہ ثواب ہے [2] باقی تفصیل ان امور کی فقہ کی کتابوں میں ہے، زبانی کسی عالم سے دریافت کرلیا جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۱/۵)

صاحبِ زکاۃ کو ثواب کی نیت سے کھلانا کیسا ہے؟

سوال: (۳۰۱۸) ایک مولوی اور حافظ؛ صاحبِ زکاۃ ہیں ان کو بزرگ سمجھ کر کھانا کھلایا جاوے اور اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین اور اپنے احباب کی ارواح کو پہنچانا درست ہے یا نہیں؟ اور ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ (۱۲۸۵/۱۳۴۰ھ)

الجواب: فقراء کو کھلانے میں زیادہ ثواب ہے اگر اخلاص نیت کے ساتھ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۴/۵)

---

(۱) الفتاوى الهنديّة: ۱/۱۳۶، كتاب الصّلاة، مسائل سجدة التّشكّر، قبيل الباب الرّابع عشر في صلاة المريض.

(۲) عن أبي سعيد رضي اللّٰه عنه عن النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال: .... فأطعموا طعامكم الأتقياءَ و أوْلَوْا معروفكم المؤمنين، رواه البيهقي. (مشكاة المصابيح، ص:۳۶۹، كتاب الأطعمة، باب الضّيافة، الفصل الثّاني) ظفیر

قبور کا طواف درست نہیں

سوال: (۳۰۱۹) زید کہتا ہے کہ طوافِ قبور جائز ہے، اور استدلال میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کا قول بیان کرتا ہے؛ آیا زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ عبارت شاہ صاحب کی کیا ہے؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ اگر طواف قبور کامل شخص کرے تو اہل قبر کو فائدہ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے یا نہیں؟ طواف کرنے والا اور جائز رکھنے والا آثم بہ وعید ہے یا نہیں؟ (۶۴۳/۱۳۳۸ھ)

الجواب: زید کا قول غلط ہے طواف عبادت مختصّہ بالکعبۃ الشّریفہ ہے، غیر کعبہ کا طواف جائز نہیں ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت بندے کو اس وقت پیش نظر نہیں ہے، اور نہ کتاب مذکور بندہ کے پاس ہے جو اس کو دیکھا جاوے، بہر حال وہ تصوف میں ہے، اگر اس میں کچھ ہو بھی تو اس سے مسائل شرعیہ میں استدلال نہیں ہوسکتا، اور معلوم نہیں کہ وہ کس محل اور کس طرز پر ہے، اور انہوں نے اس کا جائز ہونا بھی لکھا ہے یا نہیں، ہم کو حکم اتباعِ شریعت کا ہے، اور ظاہر ہے کہ شریعت میں سوائے خانہ کعبہ کے کسی کے لیے طواف کی اجازت نہیں ہے۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ (سورۂ بقرہ، آیت: ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۲۳/۵)

ایصالِ ثواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ضروری ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۲۰) ایصال ثواب میں واسطہ جناب رسول اللہ کا دیویں یا نہیں؟ یعنی بلا واسطہ کہے ہوئے ثواب طعام یا کلام کا مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ (۲۰۸/۲۹-۱۳۳۰ھ)

الجواب: ایصالِ ثواب ہر دو طرح جائز ہے، ہر طرح پر ثواب پہنچتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۵/۵-۴۳۶)

اولیاء اور صلحاء کے توسل سے دعا مانگنا درست ہے

سوال: (۳۰۲۱) قبور فقراء و اولیاء و صلحاء پر فاتحہ خوانی کے بعد جو لوگ دعا مانگتے ہیں،

یہ اگر درست ہے تو کس طریقہ سے؟ (۲۵۶۶/۱۳۴۱ھ)

الجواب: اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ بہ برکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما[۱] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۱/۵)

صاحبِ مزار سے دعا کی درخواست کرنا جائز نہیں

سوال: (۳۰۲۲)......(الف) بہ روئے مذہب احناف بزرگان دین کے مزارات پر جا کر یہ عرض کرنا کہ آپ مقبول خداوندی ہیں آپ ہمارے لیے دعا کر دیجیے کہ ہماری فلاں مراد پوری ہو جائے یہ جائز ہے یا نہ؟

(ب) امام صاحب کے نزدیک بزگان دین بعد وفات زائرین کی باتیں سنتے ہیں یا نہیں؟

(ج) کیا یہ صحیح ہے کہ امام صاحب موصوف نے کسی شخص کو کسی قبر پر اہل قبر سے کچھ عرض معروض کرتے دیکھا تو فرمایا کہ تو ایسے سے التجا کرتا ہے جو سن بھی نہیں سکتا؟

(د) اگر کوئی آیت یا حدیث امام صاحب کے قول کی تائید میں ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیے۔

(۵۰۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: (الف۔د) سماع موتی میں خلاف ہے، اور یہ خلاف صحابہؓ کے زمانے سے ہے، بہت سے ائمہ سماع موتی کے قائل ہیں، اور حنفیہ کی کتب میں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں جن سے عدم سماع موتی معلوم ہوتا ہے، مگر امام صاحبؒ سے کوئی تصریح اس بارے میں نقل نہیں کرتے، اور استدلال عدم سماع کا آیت: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (سورۂ نمل، آیت: ۸۰) وغیرہ سے کرتے ہیں، اور مجوزین کا استدلال حدیث: مآ أنتم بأسمع منهم إلخ [۲] اور حدیث سماع قرع

---

(۱) ويجوز التّوسّل إلى اللّٰه تعالىٰ والاستغاثة بالأنبياء والصّالحين بعد موتهم. (البريقة المحمودیّة في شرح الطّريقة المحمّديّة: ۳۵۶/۱، الباب الثّاني في الأمور المهمّة في الشّريعة، المطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت) ظفیر

(۲) عن أبي طلحة رضي اللّٰه عنه أن نبيّ اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أمر يوم بدرٍ بأربعة وعشرين رجلاً من صناديد قريشٍ، فقذفوا في طوىّ من أطواء بدرٍ خبيث مخبث وكان إذا ظهر علىٰ قوم أقام بالعرصة ثلاث ليال، ==

نعال سے ہے [۱] اور آیت مذکورہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نفی سماعِ قبول کی ہے، غرض یہ کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور قول فیصل ہونا اس میں دشوار ہے، پس عوام کو سکوت اس میں مناسب ہے، جب کہ علماء کو بھی اس میں تردد ہے اور دلائل فریقین موجود ہیں، اور جب کہ سماع موتی میں اختلاف ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہوا کہ بزرگان دین کے مزارات پر اس طرح دعا کرنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری فلاں حاجت پوری فرمادے، یہ بھی مختلف فیہ ہوگا، البتہ احوط یہ ہے کہ اس طرح دعا کرے کہ یا اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے میری دعا قبول فرما اور میری حاجت پوری فرما [۲] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۶۰-۴۶۱)

صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے
مگر دعا کی درخواست کرنا درست نہیں

سوال: (۳۰۲۳) بزرگانِ دین کی درگاہ میں حاضر ہونا اور ان سے یہ کہنا کہ آپ مستجاب الدعوات ہیں ہمارے لیے دعا کیجیے کہ خداوند عالم فلاں عرض پوری کردے، شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اولیاء اللہ کو مزارات پر جانے سے خبر ہوتی ہے یا نہیں؟ (۸۲۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

== فلمّا كان ببدرٍ اليوم الثّالثُ أمر براحلته ، فشُدّ عليها رحلها ، ثمّ مشى واتّبعه أصحابه وقالوا: ما نُرى ينطلق إلّا لبعض حاجته حتّى قام على شفة الرّكيّ ...... فقال النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم: والّذي نفس محمّد بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم . (صحيح البخاري: ۲/۵٦٦، كتاب المغازي ، باب قتل أبي جهل)

(۱) عن أنس رضي اللّٰه عنه عن النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال : العبد إذا وضع في قبره وتولّى و ذهب أصحابه حتّى أنّه ليسمع قرعَ نعالهم الحديث. (صحيح البخاري: ۱/۱۷۸، كتاب الجنائز، باب الميّتُ يسمع خفق النّعال)

(۲) ويجوز التّوسّل إلى الله تعالى والاستغاثة بالأنبياء والصّالحين بعد موتهم. (البريقة المحموديّة في شرح الطّريقة المحمّديّة: ۱/۳۵٦، الباب الثّاني في الأمور المهمّة في الشّريعة ، المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت)

الجواب: اس بارے میں مشروع یہ ہے کہ زیارت کے وقت سلام موافق طریقۂ معروف کے کرے، اور اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کرے، اور اگر کچھ پڑھ کر ان کے ارواح کو ثواب پہنچادیوے تو بہت اچھا ہے، اور اگر کچھ دعا کرے تو اللہ تعالیٰ سے کرے، مثلاً اس طریق سے کہ یااللہ ان کی برکت سے میری حاجت پوری فرما، ان بزرگوں سے یہ نہ کہے کہ تم دعا کرو، سماع موتی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، حنفیہ سماع موتی کا انکار کرتے ہیں، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے، اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں؛ لہٰذا اس طرح ان سے خطاب کرکے نہ کہے کہ تم دعا کرو، بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت اور رفع حاجت کی دعا کرے، اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعا کرے تو مضائقہ نہیں، حصن حصین میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرماوے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۴۱-۴۴۲)

سوال: (۳۰۲۴) ایک صاحب فرماتے ہیں کہ کسی مردہ شخص کی خواہ نبی ہو یا ولی، کسی امر میں دعا کرانا یا ان سے کسی قسم کی مدد طلب کرنا بدعت ہے، اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد قحط کے زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جب حضرت ﷺ حیات تھے تو ہم ایسے موقع پر اُن سے دعا کراتے تھے، اب وہ حیات نہیں، آپ اُن کے چچا ہیں، آپ چل کر دعا کریں[2] اسی طرح

---

(۱) وأن يتوسّل إلى اللّٰه تعالى بأنبيائه .... والصّالحين من عباده. (الحصن الحصين، ص:۱۸، آداب الدّعاء) ظفير

(۲) عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: كانوا إذا قحطوا علىٰ عهد النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم استسقوا بالنّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم فيستسقي لهم فيُسقون، فلمّا كان بعد وفاة النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم في إمارة عمر قحطوا، فخرج عمرُ بالعبّاس يستسقي به، فقال: اللّهم إنّا كنّا إذا قحطنا علىٰ عهد نبيّك صلّى اللّٰه عليه وسلّم، استسقينا به فسقيتنا، وإنّا نتوسّل إليك بعمّ نبيّك صلّى اللّٰه عليه وسلّم، فاسقنا، قال: فسُقوا (صحيح ابن حبّان: ۷/۱۱۰-۱۱۱، كتاب الصّلاة، باب صلاة الاستسقاء، رقم الحديث: ۲۸۶۱، المطبوعة: مؤسّسة الرّسالة، بيروت) وهكذا في صحيح البخاري: ۱/۱۳۷، كتاب الاستسقاء، باب سؤال النّاسِ الإمامَ الاستسقاءَ إذا قُحطوا، رقم الحديث: ۱۰۰)

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی جب کبھی ایسا واقعہ پیش آتا یا کوئی ضرورت ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے دعا کراتے، اگر مردہ سے دعا کرانا بدعت نہیں یا اس کا حکم ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر جا کر اُن سے دعا کیوں نہیں کرائی؟ (۲۹۳۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: ثابت سنت اور طریق سلف یہ ہے کہ زیارتِ قبور کے وقت دعاء للاموات اور ایصال ثواب حسنات بہ سوئے اہل قبور کرے، نہ یہ کہ خود ان صاحبِ قبور سے دعا کو کہے کہ میرے لیے دعا کرو، یا ان سے کہے کہ میرا فلاں کام کر دو؛ یہ ثابت نہیں ہے، غایت یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ان کی وساطت سے دعا کرے، مثلاً یہ کہ یا اللہ! بہ برکت فلاں بزرگ صاحب قبر کے میری حاجت پوری فرما، اور دعا قبول فرما وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۴۳)

ایصالِ ثواب کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں

سوال: (۳۰۲۵) قبر پر کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ وغیرہ کا پڑھنا کیسا ہے؟ (۹۲۸/۱۳۴۳ھ)

الجواب: شرح شرعۃ الاسلام میں ہے: قال في الإحياء: والمستحبّ في زيارة القبور أن يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميّت إلخ [۱] اس روایت سے اور نیز دیگر احادیث سے جو زیارت قبور کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ہاتھ اٹھانا ایصال ثواب کے وقت ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۳۳-۴۳۴)

قبر پر قرآن پڑھوانے کا رواج غلط ہے

سوال: (۳۰۲۶) اس طرف رواج عام ہے کہ اگر کوئی شخص مر جاوے تو بعد دفن کے قرآن شریف پڑھاتے ہیں جمعہ تک، اور ملاّ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ قیامت تک حساب منکر ونکیر وضغطۂ قبر رفع ہو جاتا ہے؛ آیا بعد دفن کے قبر پر قرآن پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۰۳/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اجرت معروفہ یا مشروطہ پر جو قرآن شریف میت کے لیے پڑھواتے ہیں، اس میں

---

(۱) مفاتيح الجنان شرح شرعة الإسلام، ص:۶۷۹، فصل في سنن العيادة وما يجب في حقّ المريض وحقوق الميّت إلخ، المطبوعة: مكتبة الحقيقة، استنبول.

محققین نے لکھا ہے کہ میت کو ثواب نہیں پہنچتا کیونکہ جب پڑھنے والے کو ثواب نہ ہوا بہ وجہ نیت اخذِ عوض کے تو میت کو کہاں سے ثواب پہنچے گا[1] البتہ اگر کوئی شخص للہ قرآن شریف پڑھ کر میت کو ثواب پہنچاوے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ثواب میت کو ملے گا، خواہ مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچاوے، یا قبر پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۵/۵)

نمازِ جنازہ کے بعد میّت کی نیکیوں کو بیان کرنا اور حاضرین کو گواہ بنانا ثابت نہیں

سوال: (۳۰۲۷) اگر شخصے از اہل اسلام بمیرد بعد از نماز جنازہ بہ سبب جہالت وعدم تعارف ورثاء میت از مسائل شرعیہ مولوی صاحب بہ دستور دلالت علی الخیر وتبلیغ حکم شرعی وارث مردہ را بریں امر تلقین دہد کہ تو نیکی مردہ را بہ رو بروئے جماعت موجودہ بیان کن، وہمہ را بر سعادتش گواہ کن، پس وارث مردہ برخاستہ افعال جمیلہ او بیان کند، وبر اعمال حسنہ او ہمہ حاضرین را شاہد گرداند، اگر چہ در زندگی چنداں عمل خیر ازو مصدر نشدہ باشند بلکہ گاہے گاہے، ایں جائز است یا نہ؟ چنانچہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام فرمودہ: أنتم شهداء الله في الأرض عن أنس رضي الله عنه قال: مرّوا بجنازة فأثنوا عليها خيرًا ، فقال النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم: وجبت ، ثمّ مرّوا بأخرى فأثنوا عليها شرًّا، فقال: وجبت ، فقال عمر: ما وجبت ؟ فقال: هذا أثنيتم عليه خيرًا فوجبت له الجنّة ، وهذا أثنيتم عليه شرًّا فوجبت له النّار، أنتم شهداء الله في الأرض (مشكاة ، باب المشي بالجنازة)[2] فقط (۳۵۲/ ۱۳۳۷ھ)

الجواب: حاصل ایں حدیث کہ از مشکاۃ شریف نقل کردہ شد ایں است کہ میتے کہ مرداں بہ رو

(۱) وأنّ القراءة لشيء من الدّنيا لا تجوز، وأنّ الآخذ والمعطي آثمان إلخ. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۴۶۶/۲، كتاب الصّلاة ، باب قضاء الفوائت ، مطلب في بطلان الوصيّة بالختمات والتّهاليل) ظفیر

(۲) مشكاة المصابيح ، ص: ۱۴۵، كتاب الجنائز ، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها ، الفصل الأوّل .

ثناءِ خیر کنند، واز نیکی یاد کنند او جنتی است، وآں میت کہ اورا مرد ماں بد گویند آں بد است، و دوزخی است، وایں ہم در دیگر روایات است کہ محاسن مردگاں ذکر کردہ شوند نہ بدی اوشاں، ولیکن ایں تکلفات کہ در سوال مذکور است کہ بہ تصنع وتکلف آنچہ آں میت از کارہائے خیر نہ کردہ است بدو نسبت کردہ شوند، وارتکابِ کذب بے وجہ کردہ شود مأذون شرعی نیست، البتہ آں میت آنچہ از کارہائے نکو کردہ است اگر تذکرہ او شود، وآں امور را ذکر کردہ شود نہ مبالغہ دراں کردہ شود، ونہ کتمان حق کردہ شود، پس ایں تلقین کہ مولوی صاحب مذکور بہ ورثاءِ میت می کنند ثابت نیست، ودر تکلف داخل است کہ نہی ازاں در کلام الٰہی مذکور است: ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (سورۂ ص، آیت:۸۶) واللّٰہ ولي التّوفیق، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمین. فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۲/۵-۴۳۳)

ترجمہ سوال: (۳۰۲۷) اگر کوئی شخص اہل اسلام میں سے وفات پا جائے، نمازِ جنازہ کے بعد ورثائے میت کی جہالت اور مسائل شرعیہ سے عدم واقفیت کی وجہ سے مولوی صاحب نے بہ دستور دلالت علی الخیر اور تبلیغ حکم شرعی؛ وارث مردہ کو اس بات کی تلقین کی کہ تم مردہ کی نیکی کو حاضرین کے روبرو بیان کرو، اور سب کو اس کی سعادت پر گواہ بناؤ، پس وارث مردہ اٹھ کر اس کے افعال جمیلہ بیان کرتا ہے اور اس کے اعمال حسنہ پر جملہ حاضرین کو گواہ بناتا ہے، اگرچہ زندگی میں اس سے چنداں کار خیر صادر نہ ہوئے ہوں بلکہ کبھی کبھی ہوئے ہوں، یہ جائز ہے یا نہ؟ چنانچہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہے: أنتم شهداء اللّٰه في الأرض عن أنس رضي اللّٰه عنه قال : مرّوا بجنازة فأثنوا عليها خيرًا إلخ. (مشكاة ، باب المشي بالجنازة)

الجواب: خلاصہ اس حدیث کا جو مشکاۃ شریف سے نقل کی گئی یہ ہے کہ وہ میت جس پر لوگ ثنائے خیر کرتے ہوں اور بھلائی سے یاد کرتے ہوں؛ وہ جنتی ہے، اور وہ میت کہ لوگ جس کو برا کہتے ہیں وہ بری ہے اور جہنمی ہے، اور یہ بھی دیگر روایات میں ہے کہ مردوں کے محاسن ذکر کیے جائیں نہ ان کی برائی، لیکن یہ تکلفات جو سوال میں مذکور ہیں کہ تصنع اور تکلف کے ساتھ جو کچھ اس میت نے کار ہائے خیر میں سے نہ کیا ہو اس کی طرف نسبت کی جاوے اور بدون وجہ جھوٹ کا ارتکاب کیا جاوے؛ مأذون شرعی نہیں ہے، البتہ اس میت نے جو کچھ نیک کام کیے ہیں اگر ان کا تذکرہ ہو اور ان امور کو ذکر کیا جاوے نہ ان میں مبالغہ کیا جاوے اور نہ کتمان حق کیا جاوے (تو جائز ہے) پس یہ تلقین

جو مذکور مولوی صاحب ورثائے میت کو کرتے ہیں ثابت نہیں ہے اور تکلف میں داخل ہے کہ اس سے ممانعت کلام الٰہی میں مذکور ہے: ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (سورۂ ص، آیت:۸۶) واللّٰہ ولي التّوفيق ، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمين. فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لیے خاص تاریخ کی ضرورت نہیں

سوال: (۳۰۲۸) فاتحہ بزرگان دین کسی خاص تاریخ پر کرنی چاہیے یا جب ممکن ہو؟ کیا خاص تاریخ پر کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے؟ (۱۳۴۳/۱۳۴۷ھ)

الجواب: خاص تاریخ کی ضرورت نہیں ہے[1] اور نہ اس میں ثواب کی زیادتی ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۴/۵)

سب ایام ایصالِ ثواب کے لیے برابر ہیں

سوال: (۳۰۲۹) ایصال ثواب میت کے لیے پہلا روز افضل ہے یا دوسرا و تیسرا وغیرہ؟ یا سب ایام ایصال ثواب میں برابر ہیں؟ یا تیسرے اور دسویں روز کی قید بدعت ہے؟ (۹۳۰/۱۳۳۵ھ)

الجواب: پہلے روز اور تیسرے روز اور دہم و چہلم کی قید کو اڑا دینا چاہیے، شرعاً یہ تخصیصات ایصال کے لیے وارد نہیں ہیں؛ لہٰذا بدعت و حرام ہیں، بلا قید کسی تاریخ کے اور دن کے جب چاہیں ایصالِ ثواب کر دیں، چوتھے یا پانچویں یا ساتویں دن یا اور کسی دن بلا تخصیص کھانا وغیرہ فقراء کو دے دیویں، یہ رسوم اور تخصیصات جو عوام نے مقرر کر رکھی ہیں ان کی کچھ اصل نہیں ہے، ہر ایک دن ایصالِ ثواب کے لیے برابر ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۴/۵)

---

(۱) وفي البزّازية: ويكره اتّخاذ الطّعام في اليوم الأوّل والثّالث وبعد الأسبوع ونقل الطّعام إلى القبر في المواسم واتّخاذ الدّعوة لقراءة القرآن وجمع الصّلحاء والقرّاء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص ، والحاصل أنّ اتّخاذ الطّعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره. (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۱۳۹/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في كراهة الضّيافة من أهل الميّت) ظفیر

تیسرے دن چنے پڑھنے کی رسم اور فاتحہ خوانی کا حکم

سوال: (۳۰۳۰) تیسرے دن جو میت کے لیے چنے پڑھے جاتے ہیں، اور قرآن شریف دو یا زیادہ ختم کیے جاتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر بجائے تیسرے دن کے مثلاً چوتھے دن، یا دوسرے دن چنے پڑھے جائیں تو پھر یہی رسم پڑ جاوے گی، اس وقت کیا حکم ہوگا؟ اور کھانا آگے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور گیارہویں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۵/۹۷۸ھ)

الجواب: یہ رسم تیسرے دن چنے پڑھنے کی اور ختم قرآن شریف کی خیر القرون میں ثابت نہیں ہوئی، اور اب اس کا التزام اس درجہ ہوگیا ہے کہ عوام اس کو ضروری سمجھتے ہیں؛ اس لیے اس کو ترک کرنا چاہیے اور اس رسم کو توڑنا چاہیے، پھر جب اور کوئی دن اسی طرح لازم ہوجاوے اور رسم ہوجاوے اس کو بھی چھوڑنا ضروری ہوجاوے گا، اور جو طریقہ سلف سے ثابت نہ ہو اس کو لازم کر لینا اگرچہ اعتقاداً نہ ہو صرف عملاً ہو وہ بھی واجب الترک ہے[1] اور فاتحہ آگے کھانا رکھ کر بھی جائز نہیں ہے، اسی طرح گیارہویں بھی جائز نہیں ہے، یہ جملہ رسوم اس قسم کی جن کو شارع علیہ السلام اور آپ کے صحابہ وائمہ دین نے نہیں کیا، اور اس کا حکم نہیں کیا ناجائز ہیں، اور بدعت ہیں مگر کفر وشرک نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۳۶-۴۳۷)

ایصالِ ثواب کے لیے تیسرا دن مقرر کرنا درست نہیں

سوال: (۳۰۳۱) میت کے سویم کے دن قرآن شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۲/۳۶۴ھ)

(۱) حوالۂ سابقہ۔

الجواب: اصل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف بلامعاوضہ پڑھ کر میت کو ثواب پہنچایا جائے تو ثواب پہنچتا ہے[1] مگر کسی دن اور تاریخ کی تخصیص نہ ہو، اور اگر رسمی طور سے ہو جیسا کہ اکثر اس زمانے میں مروج ہے کہ تیسرے دن بچوں اور بڑوں سے قرآن شریف پڑھوا کر ان کو پیسے وغیرہ تقسیم کیے جاتے ہیں تو یہ جائز نہیں ہے، اور اس میں میت کو ثواب نہیں پہنچتا[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۶/۵)

ایصالِ ثواب کے لیے شریعت میں کوئی دن مقرر نہیں

سوال: (۳۰۳۲) موتی کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کچھ خیرات دینے اور قرآن مجید تلاوت کر کے بخشنے کا قرآن و احادیث میں کیا حکم وارد ہے؟ اگر کوئی موتی کو بہ غرض ایصالِ ثواب خیرات دیوے اور تلاوتِ قرآن کرے تو کیا واقعی اس کا ثواب موتی کو پہنچ کر عذاب کی تخفیف یا درجاتِ عالیہ کا حصول قرآن و احادیث سے ثابت ہے؟ دن مقرر کرنا فاتحہ خوانی، سہ ماہی، ششماہی وغیرہ، عرس کرنا، بزرگوں کی قبروں سے استمداد کرنا اور منت مراد مانگنا؛ آیا درست ہے؟ اور کیا موتی امورِ عالم میں کچھ تصرف کر سکتے ہیں؟ (۱۳۳۵/۸۹۱ھ)

---

(۱) وفي شرح اللّباب: ويقرأ من القرآن ما تيسّر له من الفاتحة وأوّل البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرّسول و سورة يٰسٓ وتبارك الملك وسورة التّكاثر والإخلاص اثنتي عشرة مرّةً أو إحدى عشرة أو سبعًا أو ثلاثًا ، ثمّ يقول: اللّٰهمّ أوْصِل ثواب ما قرأناه إلى فلان أوْ إليهم (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۴۱-۱۴۲، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

(۲) وفي البزّازية: ويكره اتّخاذ الطّعام في اليوم الأوّل والثّالث وبعد الأسبوع ونقل الطّعام إلى القبر في المواسم واتّخاذ الدّعوة لقراءة القرآن وجمع الصّلحاء والقرّاء للختم أو لقراءة سورة الأنعام أو الإخلاص، والحاصل أنّ اتّخاذ الطّعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره (ردّ المحتار على الدّرّ المختار: ۳/۱۳۹، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في كراهة الضّيافة من أهل الميّت) ظفیر

الجواب: اموات کو ثواب صدقات وقرآن شریف کا پہنچنا، اور اموات کو احیاء کی دعا واستغفار سے نفع پہنچنا نصوص قرآنی اور احادیث سے ثابت ہے۔ کما فصّله في كتب الفقه[1] انکار اس کا جہل اور معصیت اور خرقِ اجماع ہے، البتہ ایصال ثواب کے لیے شریعت میں کوئی دن مقرر نہیں ہے، لہٰذا دہم، چہلم، ششماہی، برسی اور عرس وفاتحہ خوانی مروجہ یہ سب رسوم خلافِ شریعت ہیں، اور بدعت ہیں، اور قبروں سے استمداد اور منت اور طلبِ مراد سب ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۴۶-۴۴۷)

(۱)﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ (الإسراء: ۲۴)﴿ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ﴾ (النّوح: ۲۸)﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ﴾ (الحشر: ۱۰)وعن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه أنّه قال: يا رسول اللّٰه ! إنّ أمّ سعد ماتت ، فأيّ الصّدقة أفضل؟ قال عليه الصّلاة والسّلام: الماء ، فحفر بئرًا، وقال : هذا لأمّ سعد ، أخرجه أبوداؤد والنّسائي رحمهما الله .... قال القونوي رحمه اللّٰه: والأصل في ذٰلك عند أهل السّنّة أنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أو حجًّا أو صدقةً أو غيرَها ، والشّافعيّ رحمه الله جوّز هذا في الصّدقة والعبادة المالية ، وجوّزه في الحجّ ، وإذا قرأ على القبر فللميّت أجر المستمع ، ومنع وصول ثواب القرآن إلى الموتٰى وثواب الصّلاة والصّوم وجميع الطّاعات والعبادات غير المالية ، وعند أبي حنيفة رحمه الله وأصحابه:يجوز ذٰلك، ويصل ثوابه إلى الميّت ، وتمسّك المانع من ذلك بقوله تعالىٰ: ﴿وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ (النّجم:۳۹) وبقوله عليه الصّلاة والسّلام: إذا مات ابن آدم انقطع عمله الحديث ، والجواب: أنّ الآية حجّة لنا، لأنّ الّذي أهدى ثواب عمله لغيره سعٰى في إيصال الثّواب إلٰى ذٰلك الغير، فيكون له ما سعٰى بهذه الآية، ولا يكون له ما سعٰى إلاّ بوصول الثّواب إليه ، فكانت الآية حجّةً لنا لا علينا ، وأمّا الحديث فيدلّ على انقطاع عمله، ونحن نقول به ، وإنّما الكلام في وصول ثواب غيره إليه والموصل للثّواب إلى الميّت هو الله تعالىٰ سبحانه لأنّ الميّت لا يسمع بنفسه ، والقرب والبعد سواء في قدرة الحقّ سبحانه. (شرح الفقه الأكبر، ص:۲۲۴-۲۲۵، مسئلة في أنّ الدّعاء للميّت ينفع خلافًا للمعتزلة)

ماہِ رجب میں ایصالِ ثواب کی کچھ اصل نہیں

سوال: (۳۰۳۳) ماہِ رجب میں اکثر اصحاب مردہ کو بہ ذریعہ تبارک ثواب پہنچایا کرتے ہیں اس کی اصل ہے یا نہ؟ اور طریقہ صحیح کیا ہے؟ (۱۳۱۶/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اس کی کچھ اصل نہیں ہے، بلا کسی قید کے جس دن چاہیں فقراء کو کھانا وغیرہ کھلا کر اور نقد دے کر ثواب میت کو پہنچا دیا جاوے (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۵/۵)

حرام مال صدقہ کر کے ثواب کی امید رکھنا معصیت ہے

سوال: (۳۰۳۴) اگر کوئی حرام مال سے فاتحہ اولیاء کرام کرے اور امیدِ ثواب رکھے تو کیسا ہے؟ (۱۱۷۸/۱۳۳۵ھ)

الجواب: حرام مال صدقہ کر کے امیدِ ثواب رکھنا معصیت ہے، وہ شخص گنہ گار ہوتا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۷/۵)

قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے

سوال: (۳۰۳۵) زید متبع شریعت ہے، لیکن بکر نے ایک مرتبہ بہ چشم خود دیکھا کہ زید ایک بزرگ کے مزار پر گیا، اور قبر پر پیروں کی طرف پیشانی رکھ دی، اور کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر دائیں جانب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھی؛ زید کا یہ فعل جائز ہے یا نہ؟ (۱۳۳۹/۷۶۳ھ)

---

(۱) صرّح علماؤنا في باب الحجّ عن الغير بأنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صومًا أو صدقةً أو غيرها ، كذا في الهداية إلخ . (ردّ المحتار : ۱۴۲/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في القراءة للميّت وإهداءِ ثوابها له) ظفیر

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ...... لا يقبل الله إلّا الطّيّب الحديث ، متّفق عليه . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۶۷، كتاب الزّكاة ، باب فضل الصّدقة ، الفصل الأوّل)

الجواب: زید کا یہ فعل بے شبہ ناجائز اور حرام ہے، اور عام وخاص کسی کے لیے درست نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۵۲)

میت کو دفنانے سے پہلے قبرستان سے واپس آنا کیسا ہے؟

سوال: (۳۰۳۶) جنازہ کی نماز پڑھ کر میت کو دفنانے سے پہلے اگر کوئی شخص قبرستان سے جانا چاہے تو میت کے ورثاء سے اجازت لینے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (۱۳۴۲/۵۴۴ھ)

الجواب: اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ دفنانے سے پہلے چلے آنے میں بہ نسبت بعد دفنانے کے آجانے میں ثواب کم ہوجاتا ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۵۶)

---

(۱) وكذا ما يفعلونه من تقبيل الأرض بين يدي العلماء والعظماء فحرام، والفاعل والرّاضي به آثمان ، لأنّه يشبه عبادة الوثن وهل يكفّران؟ إن على وجه العبادة والتّعظيم كفر، وإن علٰى وجه التّحيّة لا ، وصار آثمًا مرتكبًا للكبيرة ، وفي الملتقط: التّواضع لغير اللّٰه حرام (الدّرّ المختار) وقال شمس الأئمّة السّرخسي : إن كان لغير اللّٰه تعالٰى على وجه التّعظيم كفر أهـ ، قال القهستاني : وفي الظّهيرية: يكفر بالسّجدة مطلقًا. (الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۹/ ۴۶۷-۴۶۸، كتاب الحظر والإباحة ، باب الاستبراء وغيره) ظفیر

(۲) لما في ابن ماجة عن أبي هريرة أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلّٰى على جنازة ، ثمّ أتى القبر فحثى عليه إلخ. (ردّ المحتار: ۱۳۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب في دفن الميّت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: من اتّبع جنازة مسلم إيمانًا واحتسابًا، وكان معه حتّى يصلّي عليها ويفرغ من دفنها فإنّه يرجع من الأجر بقيراطين كلّ قيراط مثل أحد ومن صلّى عليها ، ثمّ رجع قبل أن تدفن فإنّه يرجع بقيراط، متّفق عليه . (مشكاة المصابيح ، ص:۱۴۴، كتاب الجنائز، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها ، الفصل الأوّل) ظفیر

متفرق مسائل

جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا کیسا ہے؟

سوال: (۳۰۳۷) میت کی تعظیم کو اٹھنا کیسا ہے؟ (۱۳۸۷/۴۶-۱۳۴۷ھ)

الجواب: میت کو دیکھ کر اٹھ کھڑے ہونا حدیث شریف میں آیا ہے؛ لہٰذا اس میں کچھ حرج نہیں ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۷/۵)

قبر پر خوب صورتی کے لیے پھول ڈالنا مکروہ ہے

سوال: (۳۰۳۸) اگر کوئی شخص قبر پر پھول بہ طور خوب صورتی کے رکھ دے تو کچھ حرج تو نہیں؟ (۱۱۳۹/۱۳۴۲ھ)

---

(۱) عن عبد الرّحمٰن بن أبي ليلٰى قال : كان سهل بن حنيف وقيس بن سعد قاعدَين بالقادسيّة فمرّ عليهما بجنازة فقاما ، فقيل لهما : إنّها من أهل الأرض أي من أهل الذّمّة ، فقالا : إنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم مرّت به جنازة فقام فقيل له إنّها جنازةُ يهوديّ فقال : أليستْ نفسًا ، متّفق عليه. (مشكاة المصابيح ، ص:۱۴۷، كتاب الجنائز ، باب المشي بالجنازة والصّلاة عليها، الفصل الثّالث)

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس مضمون کی اسی باب میں آئی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قیام کا حکم تھا، پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا، لیکن جواز پھر بھی باقی رہا، اور یہ کھڑا ہونا دراصل خالق النفس اور ملائکہ کی تعظیم کے لیے ہے۔ واللہ اعلم۔ ظفیر

الجواب: قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا نہ چاہیے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۵۷)

قرض ادا نہ کرنے کا عذاب قبر میں ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۳۹) زید متوفی کے ذمہ قرض باقی رہ گیا، اس کے ورثاء نے کسی قدر عرصہ گذرنے کے بعد ادا کیا تو قبل ادا کرنے کے عدم ادائے قرض کا عذاب قبر میں ہوتا ہے یا نہیں؟

(۱۳۴۳/۱۱۶۶ھ)

الجواب: اگر قبل ادائے دَین عذاب قبر ہوا ہوگا تو وہ عذاب ادائے دَین کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مرتفع ہوگیا، حتی الوسع ادائے دَین میت میں جلدی کی جائے، کیونکہ احادیث میں دَین کے متعلق سخت وعید وارد ہے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۵۸)

کسی ولی کے مزار پر سفر کر کے جانا کیسا ہے؟

سوال: (۳۰۴۰) کسی بزرگ یا ولی یا پیر کے مزار پر قصد کر کے اور سفر کر کے جانا کیسا ہے؟

(۱۳۴۳/۱۶۱۷ھ)

الجواب: بغیر کسی خاص دن کی تعیین کے اگر کبھی چلا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں[3] اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا برکت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۵۸)

---

(۱) أنكر الخطّابيّ ومن تبعه : وضع الجريد اليابس وكذلك ما يفعله أكثر النّاس من وضع مافيه رطوبة من الرّياحين والبقول ونحوهما على القبور ليس بشيء. (عمدة القاري شرح البخاري: ۳/ ۱۸۰، كتاب الوضوء ، قبيل باب ماجاء في غسل البول، المطبوعة: دار الكتب العلميّة ، بيروت)

(۲) عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص أنّ النّبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال : القتل في سبيل اللّٰه يكفّر كلّ شيء إلّا الدَّين ، رواه مسلم . (مشكاة المصابيح ، ص: ۳۳۰، كتاب الجهاد ، الفصل الأوّل)

(۳) وبزيارة القبور ولو للنّساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها ويقول: السّلام عليكم دارقوم مؤمنين وإنّا إن شاء اللّٰه بكم لاحقون، ويقرأ يٰسٓ إلخ(الدّرّالمختار)==

اپنے والدین کے مزار پر دوسرے ملک میں جانا کیسا ہے؟

سوال: (۳۰۴۱) لڑکا اپنے والدین کے مزار پر غیر ملک میں جاسکتا ہے؟ (۱۶۱۷/۱۳۴۳ھ)

الجواب: جاسکتا ہے[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۸/۵)

جمعہ کو فاسق مرجائے تو عذاب ہوگا یا نہیں؟

سوال: (۳۰۴۲) اگر جمعہ کے روز فاسق، فاجر مرجائے اس سے حساب منکر نکیر کا اور ضغطہ قبر کا ہوگا یا نہیں؟ اور بعد جمعہ کے پھر عود کرے گا یا نہیں؟ (۱۰۰۳-۴۴/۱۳۴۳ھ)

الجواب: حدیث شریف میں ہے: ما من مسلم يموت يومَ الجمعة أو ليلةَ الجمعة إلّا وقَاهُ الله فتنةَ القبر[2] قال القاري في شرح المرقاة: (فتنة القبر) أي عذابه وسؤاله، وهو يحتمل الإطلاقَ والتّقييدَ، والأوّلُ هو الأولٰى بالنّسبة إلٰى فضل المولٰى[3] اور اس کے بعد شارح موصوف نے چند روایات اس بارے میں نقل فرمائی ہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ

== قوله: (وبزيارة القبور) أي لا بأس بها بل تندب كما في البحر إلخ، وتزار في كلّ أسبوع كما في مختارات النّوازل، قال في شرح لباب المناسك: إلّا أنّ الأفضل يوم الجمعة والسّبت والاثنين والخميس إلخ، وفيه: ويستحبّ أن يزور شهداء جبل أحد إلخ، قلت: استفيد منه ندب الزّيارة وإنّ بعد محلّها إلخ. (الدّرّ المختار وردّ المحتار: ۱۴۰/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور) ظفیر

(۱) حوالہ سابقہ ۱۲

(۲) عن عبد الله بن عَمرو رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ما من مسلم يموت الحديث رواه أحمد والتّرمّذي. (مشكاة المصابيح، ص:۱۲۱، كتاب الصّلاة باب الجمعة، الفصل الثّالث) ظفیر

(۳) مرقاة المفاتيح: ۴۱۵/۳، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، رقم الحديث: ۱۳٦۷۔

پھر عذاب نہ ہوگا، اور شامی میں منقول ہے کہ جمعہ کے روز عذاب منقطع ہوکر پھر نہ ہوگا (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۹/۵-۴۶۰)

مرنے کے بعد روح کا جسم سے تعلق رہتا ہے

سوال: (۳۰۴۳) مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے، پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کردی جاتی ہے؟ (۴۶۹/۱۳۳۹ھ)

الجواب: جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۲/۵)

---

(۱) قال أهل السّنّة والجماعة : عذاب القبر حقّ ، وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حقّ؛ لٰكن إن كان كافرًا فعذابه يدوم إلٰى يوم القيامة ، ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان، فيعذّب اللّحم متّصلاً بالرّوح ، والرّوح متّصلاً بالجسم ، فيتألم الرّوح مع الجسد وإن كان خارجًا عنه ؛ والمؤمن المطيع لا يعذّب بل له ضغطة يجد هول ذٰلك وخوفه ، والعاصي يعذّب ويضغط ، لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثمّ لا يعود ، وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطه القبر ثمّ يقطع . كذا في المعتقدات للشّيخ أبي المعين النّسفي الحنفي . من حاشية الحموي ملخّصًا. (ردّ المحتار : ۴۱/۳، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، قبيل باب العيدين)

ثمّ المؤمن علٰى وجهين: إن كان مطيعًا لا يكون له عذاب ، ويكون له ضغطة ، فيجد هول ذٰلك وخوفه ، وإن كان عاصيًا يكون له عذاب القبر وضغطة القبر ، لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة وليلة الجمعة ، ثمّ لا يعود العذاب إلٰى يوم القيامة ، وإن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة ، وضغطة القبر، ثمّ ينقطع عنه العذاب ، كذا في المعتقدات للشّيخ أبي المعين النّسفي الحنفي . (غمز عيون البصائر المعروف بشرح الحموي: ۲۰۰/۳، الفنّ الثّالث ، القول في أحكام يوم الجمعة ، المطبوعة: زكريا ديوبند) محمد امین پالن پوری

(۲) ثمّ اعلم أنّ الرّوح لها بالبدن خمسة أنواع إلخ ، والرّابع تعلّقها به في البرزخ فإنّها وإن فارقته وتجرّدت عنه فإنّها لم تفارقه فراقًا كليًّا بحيث لا يبقٰى لها إليه التفات البتّة ، ==

روح کے گھر پر آنے کی روایت ثابت نہیں

سوال: (۳۰۴۴) شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ مفید المفتی میں روح کے تعلق کی بابت فرماتے ہیں کہ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے: **إذا مات المؤمن دار روحه حول داره شهرًا فينظر إلى خلفه من ماله كيف يقسم ماله، وكيف يؤدّى دينه، فإذا تمّ شهر ردّ إلى حفرته فيدور حول قبره حولاً، وينظر روحه من يدعوله ويحزن عليه، فإذا تمّ سنةً رفع إلى حيث يجمع الخلا ئق إلى يوم ينفخ في الصّور.** انتہی [1] اور مولانا عبدالحی صاحب بہ جواب استفتاء نمبر: (۳۱۷) ارقام فرماتے ہیں: ”ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد قبض کے روح علیین کو جاتی ہے۔ روایت بزازیہ میں ہے: **فإذا خرجت روحه وضعت على ذلك المسك والرّيحان وذهب به إلى علّيّين.** اور یہ امر کہ یہ ایک چلہ گھر میں اور ایک سال قبر پر رہ کے علیین کو جاتی ہے؛ نہیں ثابت ہے“ [2] اس میں محقق قول کون ہے؟

(۱۰۶۵/۱۳۴۲ھ)

الجواب: اس میں محقق قول یہ ہے جو کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے لکھا ہے [2] فقط

(۴۵۹/۵)

میت کی روح گھر میں نہیں آتی تو خواب میں کیوں نظر آتی ہے؟

سوال: (۳۰۴۵) میت کی روح مکان میں آتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں آتی تو خواب میں کیوں نظر آتی ہے؟ (۱۴۲/۳۲-۱۳۳۳ھ)

== **فإنّها ورد ردّها إليه وقت سلام المسلم عليه، و ورد أنّه يسمع خفق نعالهم حين يولّون عنه و هٰذا الرّدّ إعادة خاصّة لا توجب حياة البدن قبل يوم القيامة.** (شرح الفقه الأكبر، ص: ۲۱۹، قبل مسألة في بيان أنّ الكافر منعم عليه، المطبوعة: دار الإيمان، سهارنفور) ظفیر

(۱) یہ کتاب ہمیں نہیں مل سکی۔

(۲) مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحی: ۳۸۳/۱، کتاب النوادر، استفتاء نمبر: ۳۱۷، مطبع یوسفی لکھنؤ۔

الجواب: خواب میں کسی میت کا نظر آنا اس کو مقتضی نہیں ہے کہ اس کی روح مکان میں آوے بلکہ خواب میں نظر آنا بہ سبب تعلق روحانیت کے ہے، مکان سے اس کو کچھ تعلق آنے کا نہیں ہے، بہت سے زندہ لوگوں کو جو دور دراز پر ہیں خواب میں دیکھا جاتا ہے، پس خواب کا قصہ جدا ہے، اجسام ظاہری کا اتصال اس کے لیے ضروری نہیں ہے، عالم ارواح دوسرا عالم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۰/۵)

غیر انسانوں کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟

سوال: (۳۰۴۶) انسانوں وغیرہ کے سوا باقی حیوانات کی ارواح کہاں رہتی ہیں؟
(۱۳۳۹/۱۵ھ)

الجواب: حدیث میں ہے کہ حیوانات بعد ایک دوسرے سے بدلا لینے دینے کے فنا کر دیے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (اور روح المعانی میں ہے کہ حیوانات کی ارواح بدن سے جدا ہونے کے بعد فضاء میں رہتی ہیں اور بدن سے ان کا اتصال نہیں ہوتا(۱)) (۴۶۲/۵-۴۶۳)

جمعرات کو روح کا اپنے رشتہ داروں کے گھر آنا ثابت نہیں

سوال: (۳۰۴۷) بہت سے علماء کی زبانی ایسا سنا ہے کہ جمعرات کو روح اپنے اقرباء کے گھر آتی ہے اور ثواب کی امیدوار ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس ہوتی ہے؛ یہ صحیح ہے یا نہیں؟
(۱۷۷۲/۱۳۳۸ھ)

---

(۱) ثمّ إن أرواح سائر الحيوانات من البهائم ونحوها قيل : تكون بعد المفارقة في الهواء ولا اتّصال لها بالأبدان ، وقيل: تعدم ولا يعجز اللّٰه تعالىٰ شيء ومن النّاس من قال : إن كان للحيوانات حشر يوم القيامة كما هو المشهور الّذي تقتضيه ظواهر الآيات والأخبار فالأولىٰ أن يقال ببقاء أرواحها في الهواء أو حيث شاء اللّٰه تعالىٰ وإن لم يكن لها حشر كما ذهب إليه الغزالي و أوّلَ الظّواهر فالأولىٰ أن يقال بانعدامها هٰذا. (روح المعاني: ۱۶۴/۱۵، تفسير سورة بني إسرائيل ، المطبوعة: دار إحياء التّراث العربي ، بيروت)

الجواب: یہ کچھ تحقیقی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۹/۵)

بوہروں کی اصلاح کرنے والی جماعت کے متعلق چند سوالات

سوال: (۳۰۴۸) یہاں پر ایک فرقہ ہے جس کو بوہرے کہتے ہیں، یہ لوگ داؤدی شیعہ ہیں، ان میں ایک جماعت ایسی تیار ہوئی ہے جو اس کے لیے جد وجہد کر رہی ہے کہ مذکورہ فرقہ میں اصلاح ہوجائے، تمام فرقہ سورت کے ملاّ طاہر سیف الدین کے ماتحت ہیں، جن کو آسمان کے نیچے خدا مانا جاتا ہے نعوذ باللہ، اس اصلاح کُن جماعت نے ملاّ مذکور کے خلاف علم جہاد بلند کیا ہے، اس لیے تمام فرقے نے انہیں خارج از جماعت کر دیا ہے، اس اصلاح پسند جماعت کے خیالات مجملاً حسب ذیل ہیں:

قرآن کو نامکمل کہنا، صحابہ کرام پر تبرا کرنا سخت گناہ ہے، ملاّ مذکور کو ایک انسان کی حیثیت سے زیادہ مرتبہ دینا معصیت ہے، ملاّ مذکور کی بیعت کے بغیر کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا، یہ سراسر لغو اور بے ہودہ خیال ہے، غرضیکہ ان میں اور اہل سنت میں یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد نہیں، علاوہ ازیں موجودہ تحریک خلافت کے بہت بڑے مؤید اور سرگرم کارکن ہیں، اس اصلاح پسند جماعت کا یہاں صرف ایک گھر ہے، چند روز ہوئے ان کے یہاں ایک بیوی کا انتقال ہوگیا جو کہ خود بھی ایسی ہی روشن خیال تھی، قوم نے چونکہ ان سے مقاطعت کر لی ہے؛ اس لیے کوئی ان کی میت میں نہیں آیا، اس لیے اہل سنت نے بہ اقتضائے اخوت اسلامی میت کی تجہیز وتکفین میں شرکت اور امداد کی اور جنازہ کی نماز بھی پڑھی، ہم لوگوں نے میت کے ولی کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی جو کہ اصلاح پسند جماعت کا سرگروہ ہے، نماز جنازہ پڑھانے کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ امام نے کتاب میں دیکھ کر دعا پڑھی، پھر نماز کی نیت کی پانچ تکبیروں کے ساتھ، اور جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، اسی طرح نماز پڑھی، فرق اس قدر ہے کہ ہاتھ میں کتاب لے کر پڑھی پانچ تکبیرات سے، عوام اعتراض کرتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس امام کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی وہ اہل سنت سے خارج ہوگئے، دریافت طلب امور ذیل ہیں:

(۱) میت کی اس کس مپرسی میں ہمارا کیا فرض تھا؟

(۲) مذکورہ بالا عقائد والے کے پیچھے فرض وسنت اور نماز جنازہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) شیعہ کے پیچھے نماز فرض ونماز جنازہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) بہ صورت جواز لعن طعن کرنے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۵) بہ صورت عدم جواز مصلی کافر یا گنہ گار ہوئے؟ (۹۷۷/۱۳۴۰ھ)

الجواب: اہل سنت وجماعت کے نزدیک نمازِ جنازہ کے لیے وہی جملہ شرائط ہیں جو دیگر نمازوں کے لیے ہیں، سوائے قراءت ورکوع وسجود وغیرہ کے جوکہ کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور جو امور دیگر نمازوں کو فاسد کرتے ہیں وہی نماز جنازہ کو فاسد کرتے ہیں، جیسا کہ شامی میں ہے: **وفي البحر: ویفسدها ما أفسد الصّلاة إلاّ المحاذاة إلخ**[1] پس کتاب ہاتھ میں رکھ کر اور اس میں دیکھ کر نمازِ جنازہ پڑھانا مفسد صلاۃ ہے، لہٰذا وہ نماز نہیں ہوئی، باقی جو خیالات وعقائد سوال میں اصلاح پسند جماعت کے لکھے ہیں یہ جہاں تک بھی ہیں صحیح خیالات ہیں، اور اہل سنت وجماعت کے قریب ہیں سوائے اس کے کہ ائمہ اربعہ کی تقلید سے علیحدہ رہنا یہ بھی ایک آزادی کا سامان ہے، اور عدم تقلید اکثر مفضی ہوجاتی ہے اہل سنت وجماعت کی مخالفت کی طرف، بہرحال جو کچھ اصلاح ہوسکے اس میں سعی کرنا مناسب ہے، اور جملہ مدارج اصلاح کے طے کرکے اہل سنت وجماعت ہی ہوجانا چاہیے اور اصلاح پسند جماعت کی میت کی اگر اہل سنت وجماعت نے تجہیز وتکفین میں اعانت کی تو یہ شرعًا ممنوع نہیں ہے، بلکہ بہ حالت مذکورہ ضروری تھا، اور ایسی کس مپرسی کی حالت میں اہل سنت و جماعت اہل اسلام کو یہی لازم تھا کہ وہ تجہیز وتکفین اس میت کی کریں، اور اُس میں ہر ایک قسم کی امداد کریں، البتہ نماز کا امام اس شخص کو بنانا جس نے بہ طریق مذکور نماز پڑھائی جوکہ شرعًا جائز نہیں ہوئی؛ جائز نہیں تھا، اور جب کہ امام اس گروہ میں کا شخص ہوا تھا تو یا اس کو نماز حسب قاعدہ اہل سنت وجماعت پڑھنی چاہیے تھی ورنہ اہل سنت وجماعت کو اس کے پیچھے نماز میں شرکت نہ کرنی چاہیے تھی، خیر جو کچھ ہولیا سو ہولیا، لعن وطعن کرنے کی ان کو ضرورت نہیں ہے آئندہ اس میں احتیاط کرنی چاہیے،

(۱) ردّ المحتار: ۹۲/۳، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ الجنازۃ، مطلب في صلاۃ الجنازۃ.

اور جب کہ اصلاح پسند جماعت نے اصلاح کرنے کی ہمت کی ہے تو پوری طرح اصلاح کرنی چاہیے کیوں کہ فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہی ہے، از روئے حدیث شریف کے سرِ مو اس جماعت سے علیحدہ نہ ہونا چاہیے[1] شعر

فراق دوست اگر اندک است اندک نیست ❁ میان دیدہ اگر نیم مواست بسیار است (۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۶۳-۴۶۵)

شیعہ یا بوہرہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا اور تعزیت کرنا درست ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۴۹) شیعہ یا بوہرہ کی نماز جنازہ یا قرآن خوانی، بہ غرض ایصال ثواب یا تعزیت کے وقت دعائے مغفرت کرنا، یا میت کے ہمراہ قبرستان تک جانا اہل سنت والجماعت کو درست ہے یا نہیں؟ (۱۳۴۴/۹۷۱ھ)

الجواب: نماز جنازہ پڑھنا اور دعائے مغفرت ان کے لیے کرنا درست نہیں ہے، اور قبرستان تک جانے نہ جانے میں یا تعزیت ادا کرنے نہ کرنے میں اپنے مصالح اور ضرورت کے موافق عمل درآمد کرے[3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۶۵-۴۶۶)

---

(۱) عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: ...... إنّ بني إسرائيل تفرّقت على ثنتين وسبعين ملّةً ، وتفترق أمّتي على ثلاث وسبعين ملّةً ،كلّهم في النّار إلاّ ملّة واحدةً ، قالوا: مَن هي يا رسول الله ! قال : ما أنا عليه وأصحابي ، رواه التّرمذي . (مشكاة المصابيح ،ص:۳۰، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسّنّة، الفصل الثّاني)ظفیر

(۲) ترجمہ: دوست کا فراق اگر معمولی ہو تو وہ معمولی نہیں (جیسے) آنکھ کے اندر اگر آدھا بال بھی ہو تو وہ بہت ہے۔۱۲

(۳) ويقال في تعزيّة المسلم بالكافر أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك . (الفتاوى الهنديّة: ۱/۱۶۷، كتاب الصّلاة ، الباب الحادي والعشرون في الجنائز ، الفصل السّادس في القبر والدّفن والنّقل الخ ، وممّا يتّصل بذلك مسائل التّعزيّة)ظفیر

شیعوں کی طرح جنازہ کو قبرستان لے جاتے وقت چند منٹ زمین پر رکھنا درست نہیں

سوال: (۳۰۵۰) جب شیعہ جنازہ کو قبرستان لے جاتے ہیں تو راستہ سے ہٹا کر جنازہ زمین پر پانچ منٹ کے واسطے رکھ دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ (۱۰۲۹/۱۳۴۳ھ)

الجواب: یہ توقف بلا وجہ شرعی جائز نہیں ہے احادیث میں جنازہ کو جلد لے جانے کا حکم ہے(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۶/۵)

سماع موتی میں محققین حنفیہ کا مذہب کیا ہے؟

سوال: (۳۰۵۱) سماع موتی میں محققین حنفیہ کا کیا مذہب ہے؟ اور قرآن واحادیث سے کیا ثابت ہے؟ (۴/۷۴-۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (سورۂ نمل، آیت: ۸۰) وغیرہ نصوص سے عدم سماع موتی ظاہر ہے۔ فإنّ عدم الإسماع یستلزم عدم السّماع وهو قول محقّقي الحنفيّة (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۳۸/۵)

فقہائے احناف کا مذہب یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے

وضاحت: اس عنوان کے تحت تین سوال درج ہیں اور تینوں کے سائل: ''محمد فاضل امام مسجد چک: ۲۸۷۔ شمالی گوگیرہ، ڈاک خانہ: ۲۹۰، ضلع: لائل پور'' ہیں۔ محمد امین پالن پوری

---

(۱) ويسرع بها بلا خبب إلخ و كره تأخير صلاته و دفنه ليصلّى عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة (الدرّ المختار) للحديث أسرعوا بالجنازة فإن كانت صالحةً قدّمتموها إلى الخير، وإن كانت غير ذلك فشرٌّ تضعونه عن رقابكم. (الدرّ المختار و ردّ المحتار: ۱۲۶/۳، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في حمل الميّت) ظفیر

(۲) قال ابن الهمام في شرح الهداية: اعلم أن أكثر مشائخ الحنفية على أن الميّت لايسمع إلخ . (مرقاة المفاتيح: ۴۷۵/۷، كتاب الجهاد، باب حكم الأسراء، رقم الحديث: ۳۹۶۷)

سوال: (۳۰۵۲) اکثر کتب فقہ معتبرہ مثلاً شامی، طحطاوی علی مراقی الفلاح فتح القدیر میں محمد بن واسع کا فیصلہ یا قول اس طرح درج ہے: **فقد قال محمّد بن واسع : الموتٰی یَعلمون بزوّارهم یوم الجمعة ویومًا قبله ویومًا بعده** [1] **(شامي، باب زیارة القبور) وهٰکذا في الطّحطاوي علی مراقي الفلاح** [2] **وشرح الصّدور للعلّامة السّیوطي** [3] **وفتح القدیر** مگر علامہ شامی کے باقی کتب میں لفظ **بلغني** ہے جو دلالت کرتا ہے کہ محمد بن واسع کو کسی غیر سے یہ قول پہنچا ہے، اور شامی میں لفظ **بلغني** نہیں، جو دلالت کرتا ہے کہ یہ فیصلہ یا حکم خود محمد بن واسع کا ہے عبارت شامی کو معتبر سمجھا جاوے یا دیگر کتب کو کیا یہ فیصلہ درست ہے؟ (۱۳۳۹/۲۸۳۶ھ)

پتا مستفتی: محمد فاضل امام مسجد، چک: ۲۸۷۔شمالی گوگیرہ، ڈاک خانہ: ۲۹۰، ضلع: لائل پور

الجواب: شامی کی عبارت کا یہ مطلب لینا چاہیے۔ **فقد قال محمّد بن واسع ناقلاً عن السّلف إلخ** پس اس صورت میں کچھ تعارض مابین عبارت شامی وعبارت دیگر کتب نہ رہے گا، جس کی وجہ سے کسی کی تغلیط کی جاوے؛ بلکہ تطبیق دونوں میں ہوگئی، اور ظاہر یہی ہے کہ محمد بن واسع اس قول کو سلف سے نقل فرمارہے ہیں از خود نہیں کہتے، پس لفظ **بلغني** کو بحالہ رکھنا چاہیے اور پہلی عبارت میں تاویل کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۵۳/۵-۴۵۴)

سوال: (۳۰۵۳) سوال مکرر متعلق ۲۸۳۶، مندرجہ رجسٹر سنہ ۱۳۳۹ھ: شک یہ ہے کہ تمام فقہاء حنفیہ عدم سماع اموات کا مسئلہ تحریر فرمارہے ہیں، اور آپ نے بھی ایک جگہ فیصلہ فرمادیا ہے کہ عدم سماع اموات امام صاحب کا مذہب ہے، پھر بعد میں واسطی کا قول ہے، وہی فقہاء نقل کرتے ہیں، اور اس پر کسی قسم کی جرح وقدح نہیں کرتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع اموات کا

---

(۱) ردّ المحتار: ۱۴۰/۳، کتاب الصّلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في زیارة القبور.

(۲) حاشیة الطّحطاوي علیٰ مراقي الفلاح، ص:۶۱۹-۶۲۰-، کتاب الصّلاة، باب أحکام الجنائز، فصل في زیارة القبور.

(۳) شرح الصّدور بشرح حال الموتٰی والقبور، ص:۲۰۳، کتاب الصّلاة، باب زیارة القبور و علم الموتٰی إلخ، المطبوعة: دار المدني، جدّة.

مسئلہ درست ہے، اور عدم سماع کا غلط، لہٰذا محمد بن واسع جو ناقل عن السلف ہے وہ کون ہے؟ اور کس مذہب کا شخص ہے؟ (۱۳۴۰/۲۵ھ)

پتا مستفتی: محمد فاضل امام مسجد، چک: ۲۸۷۔ شمالی گوگیرہ، ڈاک خانہ: ۲۹۰، ضلع: لائل پور

الجواب: محمد بن واسع تابعین میں سے ہیں جو کہ ائمہ مجتہدین سے سابق ہیں، اس لیے ان کو حنفی یا شافعی کچھ نہیں کہہ سکتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو، اور علمِ زائرین اموات کو ہونا سماعِ موتی کی دلیل نہیں ہے، کیونکہ سماع موتی دوسری چیز ہے، اور علم اور ادراک امر آخر ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جو سماع موتی کی منکر ہیں بدلیل قوله تعالیٰ: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (سورۂ نمل، آیت: ۸۰) اور آیت: ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (سورۂ فاطر، آیت: ۲۲) حدیث: ما أنت بأسمع منهم ـــــ جو اہل قلیب بدر کے بارے میں وارد ہے اور مثبتین سماع موتی اس سے دلیل پکڑتے ہیں ـــــ کی تاویل بأعلم منهم کے ساتھ کرتی ہیں[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۶۸/۵-۴۶۹)

سوال: (۳۰۵۴) آپ کا فتوی پہنچا، حال معلوم ہوا، جواباً گزارش ہے کہ جب میت کو زائر کا علم وادراک ہے اور سماع نہیں، یہ ایک ایسا عقدۂ لاینحل ہے کہ خاک سار کی سمجھ میں نہیں آتا، میت کو زائرین کا علم بھی ہووے اور ادراک بھی ہووے اور سماع نہ ہووے یہ عجب تماشا ہے، بہ جز دیکھنے یا سننے کے علم یا ادراک نہیں ہوتا، پھر اموات کس طرح معلوم کر لیتی ہیں؟ (۱۳۴۰/۲۵۰ھ)

پتا مستفتی: محمد فاضل امام مسجد، چک: ۲۸۷۔ شمالی گوگیرہ، ڈاک خانہ: ۲۹۰، ضلع: لائل پور

الجواب: اس بارے میں بندہ نے وہی لکھا ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا، جب ان سے یہ کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قلیب بدر کے بارے میں فرمایا ہے: ما أنتم بأسمع منهم[1] کہ تم ان اموات سے زیادہ سننے والے نہیں ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا

(۱) عن عائشة رضي الله عنها قالت: إنّما قال النّبيّ صلّى الله عليه وسلّم: إنّهم ليعلمون الآن أن ما كنت أقول لهم حقّ وقد قال الله: ﴿ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (صحيح البخاري: ۱۸۳/۱، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عذاب القبر إلخ)

کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ما أنتم بأعلم منهم [۱] یعنی یہ کہ تم ان سے زیادہ نہیں جانتے، غرض ان کی یہ تھی کہ اموات کو علم ہے اور سماع نہیں ہے، اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ بدون سننے کے علم اورادراک نہیں ہوسکتا، بہروں کو علم اور ادراک ہوتا ہے اور سماع نہیں ہوتا، پس آپ ان قصوں میں نہ پڑیں، اور اس کو کسی عالم سے سمجھ لیں، اور یہ مسئلہ جان لیں کہ قرآن شریف میں سماع موتی کا انکار کیا گیا ہے، لہٰذا حدیث شریف میں تاویل کرنا مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴٦۷)

(۱) حوالۂ سابقہ۔
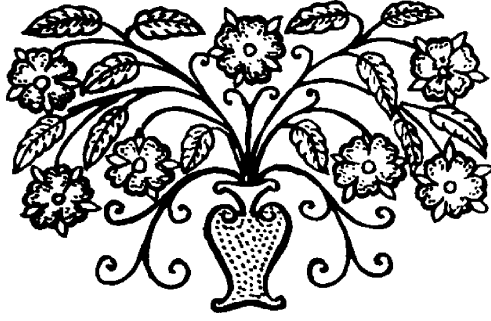
شہید کے احکام

معمولی بیماری میں مرنے والا شہید نہیں

سوال: (۳۰۵۵) خورشید خاں پسر رحمٰن خاں قوم پٹھان معمولی بیماری میں فوت ہوا، رحمٰن خاں پدر اس کا بہ عمر تخمیناً قریب ایک سو سالہ تھا، زوجہ خورشید خاں نے جس کا عقد ثانی پسر رحمٰن خاں سے ہوا تھا (اور وقت تکمیل ہبہ نامہ وقف مذکورہ وہ پہلے فوت ہو چکا تھا)[۱] رحمٰن خاں کو بہکا کر ایک (تولیت)[۱] نامہ بہ طور وقف اراضی باغ موضع نور پور پرگنہ دیوبند اس مضمون کا تحریر کرالیا کہ یہ باغ مذکور جس میں اقرار خورشید خاں کا ہے، اس کے خرچ روشنی کے واسطے وقف کر دیا اس کی آمدنی سے خرچ روشنی وغیرہ ہوا کرے گی، اور متولی اپنے بعد پوتی کو کیا، اب سوال یہ ہے کہ معمولی بیماری میں فوت ہونے والے کو شہید کہتے ہیں یا نہیں؟ اور خورشید خاں پر بہ حالت موجودہ اطلاق لفظ شہادت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور قبر پر روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (۵۲/۱۳۳۵ھ)

الجواب: معمولی بیماری میں مرنے والے کو شرعاً شہید نہیں کہتے اور اس پر حکم شہادت کا نہیں لگایا جاتا اور قبر شہید کی ہو یا غیر شہید کی ولی کی ہو یا عاصی کی روشنی مروجہ کرنا ایسی قبر پر درست نہیں ہے[۲] اور وقف کے اندر چونکہ یہ ہوتا ہے کہ بالآخر مصارف اس کے فقراء ہوتے ہیں،

---

(۱) قوسین والی عبارت رجسٹر نقول فتاوی سے اضافہ کی گئی ہے۔۱۲

(۲) وما يؤخذ من الدّراهم والشّمع والزّيت ونحوها إلٰى ضرائح الأولياء الكرام تقرّبًا إليهم فهو بالإجماع باطل وحرام. (الدّرّ المختار مع الرّدّ: ۳/۳۷۹، كتاب الصّوم، باب ما يفسد الصّوم ومالا يفسده، مطلب في النّذر الّذي يقع لأموات من أكثر العوام إلخ) ظفیر

اس لیے یہ وقف صحیح ہوگیا، اور متولی جس کو رحمٰن خاں نے اپنے بعد بنایا وہ متولی ہوگیا اور رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۷۰-۴۷۱)

آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے مگر آپ ﷺ کو سید الشہداء کہنا ثابت نہیں

سوال: (۳۰۵۶) حضرت رسول کریم ﷺ سید الشہداء ہیں یا نہیں؟ نیز شہداء کی حیات کے متعلق جو قرآن کریم میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو مردے مت کہو؛ کیا یہ حیات شہداء ہی کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں؟ اور آنحضرت ﷺ اس حیات میں شہداء سے افضل ہیں یا نہیں؟

(۱۶۸/۱۳۴۱ھ)

الجواب: آنحضرت ﷺ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں، اور جب کہ آپ ﷺ جملہ انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہیں تو جملہ صدیقین اور شہداء سے بھی افضل ہیں، اور ان کے سردار ہیں، اس میں کچھ جائے تردّد اور شک نہیں ہے کما قیل: ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''؛ لیکن ظاہر میں آپ شہید نہیں ہوئے تا کہ سید الشہداء کا لفظ آپ کے لیے استعمال کیا جائے، آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جو کہ شہید ہوئے تھے سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا ہے۔ کما ورد في الأحادیث [1] پس ایسا سوال آپ کا قلت علم وتدبر پر مبنی ہے، ایسا سوال نہ کرنا چاہیے، اور انبیاء علیہم السلام کی حیات خصوصًا آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء کی حیات سے افضل اور اعلیٰ ہے، اور بحث اس کی طویل ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۷۱)

---

(۱) عن جابر رضي الله عنه عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم قال: سيّد الشّهداء حمزة بن عبد المطّلب الحديث. (المستدرك للحاكم على الصّحيحين: ۳/۲۱۵، كتاب معرفة الصّحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، ذكر إسلام حمزة بن عبد المطّلب، رقم الحديث: ۴۸۸۴ المطبوعة: دار الكتب العلميّة، بيروت)

(۲) عن أبي الدّرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم: أكثروا الصّلاة عليَّ يوم الجمعة، فإنّه مشهود يشهده الملائكة، ==

جو وطن سے دور سفر کی حالت میں مرگیا وہ حکماً شہید ہے

سوال: (۳۰۵۷) زید مسلمان سید پابند صوم وصلاۃ دین دار مگر غریب مرد تھا، جو چنگی میں ۱۲ روپے ماہوار ملازم محرر پونڈ تھا، وہ بہ مرض نمونیا چھ روز بہ حالت سفر وتنہائی بیمار رہ کر فوت ہوگیا، ایسی موت کو غربت کی موت کہا جائے گا، اور زید شہید مرا یا نہیں؟ موت غربة شهادة (ابن ماجہ) (۲۱۷۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: اس صورت میں مصداق حدیث شریف: موت غربة شهادة [1] کا ان شاء اللہ تعالیٰ ہے، اور شہادتِ حکمیہ زید کو حاصل ہے [2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۱/۵-۴۷۲)

جو پانی میں ڈوب کر یا ہیضہ وطاعون میں مرجائے وہ حکمی شہید ہے

سوال: (۳۰۵۸) شہید یعنی جو پانی میں ڈوب کر مرے یا جہاد میں یا مرض ہیضہ وطاعون میں مرجاوے اس کو غسل وکفن دیا جاوے یا نہیں؟ (۱۳۹۸/۱۳۴۰ھ)

الجواب: جو شخص پانی میں ڈوب کر مرے یا ہیضہ وطاعون میں مرے وہ حکمی شہید ہے، اس کو غسل وکفن ہونا چاہیے، اور شہید فی سبیل اللہ جو کہ حقیقی شہید ہے، اس کو حسب شرائط فقہاء غسل وکفن نہیں ہے [3] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۲/۵-۴۷۳)

== وإنّ أحدًا لم يصلِّ عليَّ إلاّ عُرضت عليَّ صلاته حتّٰى يفرغ منها، قال: قلت: وبعد الـموت؟ قال: إنّ اللّٰه حرّم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء ، فنبيّ اللّٰه حيٌّ يرزقُ، رواه ابن ماجة. (مشكاة المصابيح، ص:۱۲۱، كتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، الفصل الثّالث) ظفیر

(۱) عن ابن عبّاس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم: موتُ غربةٍ شهادةٌ ، رواه ابن ماجة. (مشكاة المصابيح، ص:۱۳۹، كتاب الجنائز ، باب عيادة المريض وثواب المرض ، الفصل الثّالث)

(۲) فَالمُرتَثُّ شهيد الآخرة وكذا الجنب إلخ ، والغريق والحريق والغريب . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵۳/۳، كتاب الصّلاة ، باب الشّهيد، مطلب في تعداد الشّهداء) ظفیر

(۳) فينـزع عنه ما لا يصلح للكفن ويزاد إن نقص إلخ ، وينقص إن زاد لأجل أن يتمّ كفنه المسنون ويصلّى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه إلخ ، ==

شہید حکمی کو غسل دینا ضروری ہے

سوال: (۳۰۵۹) ایک مسلمہ عورت حیض ونفاس سے پاک غسل کردہ آتش بازی کا سامان چکی میں پیس رہی تھی، اس میں آگ لگ گئی مکان گر گیا، اس حادثہ سے چند منٹ پیشتر چار شخص خدام خلافت نہر سے غسل کر کے اس مکان میں آئے تھے، یہ پانچوں آدمی دب کر مر گئے بغیر غسل کے ان کو دفن کیا گیا، مگر دعائے مغفرت، جنازہ پڑھا گیا؟ (۲۸۶۹/۱۳۴۱ھ)

الجواب: حریق وغریق اور جس پر دیوار وغیرہ گر جاوے اور وہ مر جاوے یہ سب شہید آخرت ہیں، ان کو غسل دینا لازم ہے اور اگر ممکن نہ ہو تو تیمّم کرانا چاہیے تھا اور بلا غسل دفن کر دینے کی حالت میں ان کے لیے حکم یہ تھا کہ بعد دفن کر دینے کے دوبارہ نمازِ جنازہ قبر پر پڑھی جاتی، کیوں کہ جو نماز بلا غسل ہوئی وہ معتبر نہیں ہوئی، اور بعد دفن کر دینے کے چونکہ غسل متعذر ہو گیا اس لیے غسل ساقط ہو گیا، لہٰذا نماز دوبارہ ان کی قبور پر پڑھنی چاہیے تھی، مگر یہ حکم صلاۃ علی القبر کا تفسخ میت سے پہلے پہلے تھا، جس کی تقدیر عند البعض تین دن ہے، اور اصح عدم تقدیر ہے بہ وجہ اختلاف وقت تفسخ کے، اختلاف امکنہ واز منہ وغیرہ کی وجہ سے، درمختار میں ہے: **وإن دفن وأهيل عليه التّراب بغير صلاة أو بها بلا غسل إلخ صلّي علىٰ قبرهٖ استحسانًا ما لم يغلب على الظّنّ تفسّخه من غير تقدير هو الأصحّ (الدّرّ المختار) لأنّه يختلف باختلاف الأوقات حرًّا و بردًا، والميّت سمنًا وهزالاً، والأمكنة ، بحر وقيل: يقدر بثلاثة أيّام إلخ[۱] (شامي) وفي باب الشّهيد من الدّرّ المختار: وكلّ ذٰلك في الشّهيد الكامل إلخ، قوله: (في الشّهيد الكامل)**

== وكلّ ذٰلك في الشّهيد الكامل وإلاّ فالمرتثّ شهيد الآخرة وكذا الجنب ونحوه ومن قصد العدوّ فأصاب نفسه والغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون إلخ. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۵۰-۱۵۳، كتاب الصّلاة ، باب الشّهيد ، مطلب في تعداد الشّهداء) ظفیر

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۱۷، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب .

وهو شهيد الدّنيا والآخرة . و شهادة الدّنيا بعدم الغسل إلّا لنجاسة أصابته غير دمه ، وشهادة الآخرة بنيل الثّواب الموعود للشّهيد إلخ[1] (شامي) اس سے معلوم ہوا کہ شہید آخرت کے لیے ثواب موعود آخرت میں حاصل ہوگا، اور دنیا میں اس کو حکم شہادت کا دوبارہ عدم غسل وغیرہ نہ دیا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۷۳-۴۷۴)

وضاحت: جو شخص غسل کرنے کے بعد دب کر مر گیا اس کو آخرت میں شہید کا ثواب ملے گا مگر دنیا میں اس کو شہادت کا حکم نہیں دیا جائے گا؛ اس لیے مرنے سے پہلے جو غسل کیا ہے وہ کافی نہیں، مرنے کے بعد دوبارہ غسل دینا ضروری ہے۔ محمد امین پالن پوری

جو مسلمان ظلماً کافروں کے ہاتھ سے مارا گیا وہ شہید ہے اس کو غسل نہ دیا جائے نماز پڑھ کر دفن کیا جائے

سوال: (۳۰٦۰)......(الف) اس وقت کافر تمام ہندستان میں مسلمانوں کو ذلیل کرنا اور اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں، اور مسلمانوں کے امور مذہبی میں مداخلت کرتے ہیں، اگر مسلمان ان کی شرارت کے روکنے میں کام آجاویں تو وہ شہید ہوں گے یا نہیں؟

(ب) محرم اور عرس اور میلہ وغیرہ میں اگر ہندو حملہ آور ہوں اور مسلمان ضائع ہو جاویں تو کیا حکم ہے؟

(ج) اگر ہندو خفیہ طور سے حملہ کریں یا کوٹھوں پر چڑھ کر نقصان پہنچاویں اور مسلمان مارے جائیں تو کیا حکم ہوگا؟ (۸۸۳/۱۳۴۵ھ)

الجواب: (الف - ج) ان سب صورتوں میں جو مسلمان مارے جاویں گے وہ شہید ہوں گے کیوں کہ جو مسلمان ظلماً کافروں کے ہاتھ سے مارا جاوے وہ شہید ہوتا ہے[2] فقط (۵/۴۷٦)

---

(۱) الدّرّ المختار و ردّ المحتار: ۳/۱۵۲-۱۵۳، باب الشّهيد ، مطلب في تعداد الشّهداء .

(۲) هو كلّ مكلّفٍ مسلمٍ طاهرٍ إلخ ، قتل ظلمًا بغير حقّ بجارحة إلخ ، وكذا يكون شهيدًا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ولو تَسَبُّبًا أو بغير آلةٍ جارحَةٍ فإنَّ مقتولهم شهيد إلخ . (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۳/۱۴۷-۱۵۰، كتاب الصّلاة ، باب الشّهيد) ظفیر

جس کو ظلماً قتل کیا گیا وہ شہید ہے اس کو غسل نہ دیا جائے اور نماز پڑھی جائے

سوال: (۳۰٦۱) ایک مجنون نے اپنی عورت کے سر میں کڑھائی مار کر سر پھاڑ دیا عورت مرگئی عورت کو غسل دینا چاہیے یا نہ؟ (۲۱۲۰/۱۳۴۱ھ)

الجواب: وہ عورت شہید ہے اس کو غسل نہ دیا جاوے بلا غسل کے نماز اس پر پڑھ کر دفن کردیا جاوے۔ لحديث زملوهم بكلومهم ودمائهم، رواه أحمد[1] (شامي) فقط (۴۷۳/۵)

سوال: (۳۰٦۲) جس مردہ کے جسم میں بہ وجہ قتل کرنے کے زخم ہوں؛ اس کو غسل دینا جائز ہے یا نہیں؟ (۴۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: اگر اس کو ظلماً قتل کیا گیا ہے تو وہ شہید ہے، اس کو غسل نہ دیا جاوے گا اور نماز پڑھنی چاہیے[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۴/۵)

جس کو چوروں نے قتل کردیا وہ شہید ہے اس کو غسل نہ دیا جائے اور نماز پڑھی جائے

سوال: (۳۰٦۳) جو آدمی خانگی کام کو گاؤں میں جاتا ہے، چوروں نے راستے میں اس کو

---

(۱) ويصلّى عليه بلا غسل ويدفن بدمه وثيابه لحديث زمّلُوْهُمْ بِكُلُوْمِهِمْ (الدّرّ المختار) لقوله صلّى الله عليه وسلّم في شهداء أحد: زمّلوهم بكلومهم ودمائهم، رواه أحمد، كذا في شرح المنية. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۵۰/۳، كتاب الصّلاة، باب الشّهيد) ظفير

فكلّ من قُتل بالحديد ظلمًا وهو طاهر بالغ ولم يجب به عوض مالي فهو في معناهم فيلحق بهم. (الهداية: ۱۸۳/۱، كتاب الصّلاة، باب الشّهيد)

(۲) الشّهيد هو كلّ مكلّفٍ مسلمٍ طاهرٍ إلخ قُتِلَ ظُلمًا...... ولمْ يَجِبْ بنفس القَتْلِ مالٌ ــــ وإلٰى قوله ــــ و يصلّى عليه بلا غسلٍ ويُدْفَنُ بدمه وثيابه. (الدّرّ المختار مع ردّ المحتار: ۱۴۷/۳-۱۵۰، كتاب الصّلاة، باب الشّهيد، مطلب في تعداد الشّهداء) ظفير

قتل کردیا یہ مسلمان ہے شہید کہلاوے گا یا نہیں؟ اور غسل ونماز کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۴۱۱/۳۳-۱۳۳۴ھ)

الجواب: وہ شخص شہید ہے اس کو غسل نہ دیا جاوے اور نماز پڑھی جائے۔ **ویصلي علیه بلا غسل ویدفن بدمه وثیابه إلخ**[1] **(الدرّ المختار)** فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۵/۵)

حقیقی اور حکمی شہید کا جسم گلتا سڑتا ہے یا نہیں؟

سوال: (۳۰۶۴)......(الف) شہادت صغریٰ پانے والے شہداء کے جسم قبر میں گلیں سڑیں اور ریزہ ہوں گے یا نہیں؟

(ب) شہادت کبری پانے والوں کے اجسام کے متعلق کیا حکم ہے؟ (۲۱۷۰/۱۳۴۳ھ)

الجواب: (الف-ب) انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے: **إنّ اللّٰه حرّم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبیاء**[2] باقی سوائے انبیاء علیہم السلام کے دوسروں کے بارے میں ایسا وارد نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۵/۵)

منکر نکیر کن لوگوں سے سوال نہیں کریں گے؟

سوال: (۳۰۶۵) شہادت صغری پانے والے شہداء سے سوالات منکر ونکیر ہوں گے یا نہیں؟

(۲۱۷۰/۱۳۴۳ھ)

---

(۱) حوالۂ سابقہ۔

(۲) **عن أبي الدّرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم: أكثروا الصّلاة عليَّ یوم الجمعة، فإنّه مشهود یشهده الملائكة، وإنّ أحدًا لم یصلِّ عليَّ إلّا عُرضت عليَّ صلاته حتّی یفرغ منها، قال: قلت: وبعد الموت؟ قال: إنّ اللّٰه حرّم علی الأرض أن تأكل أجساد الأنبیاء، فنبيّ اللّٰه حيٌّ یرزق، رواه ابن ماجة. (مشكاة المصابیح،** ص:۱۲۱، **كتاب الصّلاة، باب الجمعة، الفصل الثّالث)** ظفیر

الجواب: شامی میں منقول ہے کہ آٹھ شخص سے سوال منکر ونکیر نہ ہوگا، ایک ان میں سے شہید ہے، اور طاعون میں مرنے والا اور مرابط وغیرہ[1] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۴۷۵/۵)

حیات النبی سے مراد حیات دنیوی ظاہری نہیں ہے

سوال: (۳۰۶۶) آنحضرت ﷺ کا حیات ہونا مسلمات اہل سنت وجماعت سے ہے، پھر قبض روح اور تجہیز وتکفین وتدفین وغیرہ امور منافی حیات معلوم ہوتے ہیں، اگر حیات انبیاء مثل حیات شہداء عنداللہ ہونا کہا جاوے تو مابین کیا فرق ہوگا؟ (۴۸۵/۱۳۳۸ھ)

الجواب: انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقوی واتم ہے، اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (سورہ زمر، آیت: ۳۰) لہٰذا احکام اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی بھی پوری تحقیق ''آبِ حیات'' مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ میں مذکور ہے؛ اس کو دیکھ لیں[2] فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۳۹۷/۵)

اولیاء اللہ مرنے کے بعد زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟

سوال: (۳۰۶۷) حضرات اولیاء اللہ بعد وصال زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ بہر صورت دلیل کیا ہے؟ (۸۲۷/۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: وباللہ التوفیق: سبھی مرنے والے ہیں ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (سورۂ زمر، آیت: ۳۰) اور سبھی کو حیات روحانی حاصل رہتی ہے کیونکہ مدار ثواب وعقاب کا حیات روحانی پر ہے

(۱) ذكر أن من لا يسئل ثمانية : الشّهيد والمرابط والمطعون والميّت زمن الطّاعون بغيرِہٖ إذا كان صابرًا محتسبًا والصّديق والأطفال والميّت يوم الجمعة أو ليلتها والقاري كلّ ليلة تبارك المُلك إلخ . (ردّ المحتار على الدرّ المختار: ۷۷/۳، كتاب الصّلاة ، باب صلاة الجنازة ، مطلب ثمانية لا يُسئلون في قبورهم) ظفیر

(۲) آبِ حیات، ص: ۳۹-۴۹، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم دیوبند۔

جو کہ مسلم ہے، پھر اس حیات روحانی میں درجات میں انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی تر ہے، اس کے بعد شہداء کی، پھر جملہ مؤمنین ومؤمنات کی درجہ بہ درجہ، اور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداء کی حیات میں وارد ہیں، حدیث شریف میں ہے: إنّ اللّٰه حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء ، فنبيّ اللّٰه حيٌّ یرزقُ الحدیث [۱] أو کما قال صلّی اللّٰه علیه وسلّم، اور شہداء کے بارے میں قرآن شریف میں ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (سورۂ آل عمران، آیت: ۱۶۹-۱۷۰) پس اس قسم کی تصریح کوئی اولیاء اللہ کے لفظ کے ساتھ وارد ہونا یاد نہیں ہے، لیکن جب کہ شہداء کے لیے حیات کی تصریح ہے اور شہداء بھی اولیاء اللہ ہیں تو اس وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے بھی تصریح حیات کی ہوگی، یا یوں کہا جاوے کہ جب کہ شہداء کے لیے حیات کی تصریح ہے تو چونکہ اولیاء اللہ بھی بہ حکم شہداء ہیں بلکہ بعض اولیاء شہداء سے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں، جیسے صدیقین کہ وہ اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے؛ شہداء سے افضل ہے۔ کما قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (سورۂ نساء، آیت: ٦۹) اس آیت میں انبیاء کے بعد شہداء سے پہلے صدیقین کا ذکر فرمایا گیا ہے، بہ ظاہر یہ ترتیب مقتضی افضلیت صدیقین کو شہداء پر ہے؛ اس لیے اولیاء اللہ کے لیے بھی یہ خاص حیات علی حسب المراتب ثابت ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/۴۷٦-۴۷۷)

مرنے کے بعد اولیاء اللہ کے فیوض باقی رہتے ہیں

سوال: (۳۰٦۸) اولیاء اللہ کے تصرفات اور ان کے فیوض وانوار وبرکات بعد وصال بھی

---

(۱) عن أبي الدّرداء رضي اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : أکثروا الصّلاة عليَّ یوم الجمعة، فإنّه مشهود یشهده الملائکة، وإنّ أحدًا لم یصلِّ عليَّ إلاّ عُرضت عليَّ صلاته حتّٰی یفرغ منها ، قال : قلت : وبعد الموت؟ قال : إنّ اللّٰه حرّم علی الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء ، فنبيّ اللّٰه حيٌّ یرزقُ ، رواه ابن ماجة . (مشکاة المصابیح ، ص: ۱۲۱، کتاب الصّلاة ، باب الجمعة ، الفصل الثّالث) ظفیر

موجود رہتے ہیں، یا بعد موت ظاہری وہ سب ختم ہوجاتے ہیں۔ (۸۲۷/ ۳۵-۱۳۳۶ھ)

الجواب: فیوض وبرکات ان کے بعد ممات کے باقی رہتے ہیں[1] مثلاً یہ کہ ان کی زیارت اور قرب سے زائرین کو برکات حاصل ہوں اوران پر بھی درود ورحمت ہو کیوں کہ جب وہ اولیاء موردِ رحمتِ الٰہی ہیں تو جو شخص ان کی زیارت کرے گا وہ بھی علی حسب المراتب مستفیض ان کی برکات سے ہوگا، باقی یہ کہ وہ تصرفات کرتے ہیں یا نہیں اوران کو کچھ اختیار دیا گیا ہے یا نہیں؛ اس میں عقیدہ کو صحیح رکھنا لازم ہے، متصرف عالم میں سوائے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی نہیں، ایک ذرہ بدون اس کے حکم وارادہ کے نہیں حرکت کرسکتا، اور جو کچھ حق تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے مقدر فرمادیا وہی ہوتا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا، اوراس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک نہیں، اور کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۵/ ۴۷۷-۴۷۸)

---

(۱) عن عائشة رضي اللّٰه تعالٰى عنها قالت: لما مات النّجاشي كنّا نتحدّث أنّه لا يزال يُرٰى علٰى قبرہٖ نورٌ ، رواه أبوداؤد. (مشكاة المصابيح، ص:۵۴۵، كتاب الفتن ، باب الكرامات ، الفصل الثّاني)

وفي المرقاة : والمعنى أنّ هٰذا أمر مشهور فيما بيننا مذكور عمّن رأى نور قبره منّا ولا يتصوّر اتّفاقنا على الكذب فهو كاد أن يكون متواترًا . (مرقاة المفاتيح:۱۱/۹۳، كتاب الفضائل ، باب الكرامات ، الفصل الثّاني ، رقم الحديث:۵۹۴۷)

مظاہر حق قدیم میں ہے: ''اور ظاہر یہ ہے کہ مراد ''نور'' سے نور محسوس ہے، مانند نور چراغ یا چاند اور آفتاب کے؛ اور ہوسکتا ہے کہ عبارت ہو نورانیت اور تازگی سے کہ پاتے ہوں اپنے دلوں میں ان کی قبر کی زیارت سے، واللہ اعلم۔ (مظاہر حق قدیم، جلد تتمہ چہارم:ص:۵۰، باب الکرامات)

اور فتاوی رشیدیہ میں ہے:

سوال: مزارات اولیاء رحمہم اللہ سے فیض حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس صورت سے؟

الجواب: مزارات اولیاء سے کاملین کو فیض ہوتا ہے، مگر عوام کو اس کی اجازت دینی ہرگز جائز نہیں ہے، اور تحصیلِ فیض کا طریقہ کوئی خاص نہیں ہے، جب جانے والا اہل ہوتا ہے تو اس طرف سے حسبِ استعداد فیضان ہوتا ہے؛ مگر عوام میں ان امور کا بیان کرنا کفر وشرک کا دروازہ کھولنا ہے۔ فقط (فتاوی رشیدیہ: ص:۱۰۴، کتاب العقائد، عنوان: مزارات اولیاء سے فیض) محمد امین پالن پوری

دارالعلوم دیوبند کی اہم مطبوعات

مقدّمة ردّ المحتار (تحقيق جديد)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۱ تا ۱۸)
قصائد منتخبة من ديوان المتنبّي	دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی نقوش
الفتنة الدّجّالية	علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج
العقيدة الإسلاميّة	تاریخ دارالعلوم دیوبند (اردو، انگریزی،۲: جلد)
مبادي الفلسفه	حیات اور کارنامے مولانا قاسم صاحبؒ
تسهيل الأصول	حیات اور کارنامے حضرت شیخ الہندؒ
باب الأدب من ديوان الحماسة	حیات اور کارنامے حضرت مولانا رشید احمدؒ
مفتاح العربية (اوّل، دوم)	خیر القرون کی درس گاہیں
علماؤ ديوبند اتّجاههم الدّيني ومزاجهم	مختصر سوانح ائمۂ اربعہ
دار العلوم ديوبند (عربي)	سوانح قاسمی (مکمل،۲: جلد)
الإسلام والعقلانية	حکمتِ قاسمیہ
حسن غريب (مکمل۲: جلد)	آبِ حیات
حسن صحيح (مکمل۳: جلد)	اوثق العریٰ
الحالة التّعليمية في الهند	احسن القریٰ فی توضیح اوثق العریٰ
حجّة الإسلام (عربي، اردو)	ادلۂ کاملہ
الصّحابة ماذا نبيغي أن نعتقد عنهم	ایضاح الادلّہ
إشاعة الإسلام	شوریٰ کی شرعی حیثیت
شيوخ الإمام أبي داوٗد السّجستاني	تدوین سیر ومغازی
علماؤ ديوبند خدماتهم في الحديث	آئینۂ حقیقت نما
الرأى النّجيح في عدد ركعات التّراويح (اردو)	تذکرۃ النعمانؒ
هداية المعتدي في قراءة المقتدي (اردو)	اجودھیا کے اسلامی آثار

امام اعظم اور علم حدیث	نیک بیویاں نماز کہاں پڑھیں؟
احکام اسلام	عمدة الأثاث في حكم الطّلاق الثّلاث
ازالۃ الریب	مقالات ابوالمآثر
انتصار الاسلام	معاوضہ علی التراویح
ایرانی انقلاب	مالا بدمنہ
دارالعلوم کا فتویٰ اور اس کی حقیقت	باادب بانصیب
حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان	اسلام اور عقلیات
مودودی دستور وعقائد	اجتماع گنگوہ
قبلہ نما	مکتوبِ ہدایت
احکام المفید	دوضروری مسئلے
حجۃ الاسلام	ایمان وعمل
براہین قاسمیہ	راہِ سنت یعنی المنہاج الواضح
غلط فہمیوں کا ازالہ	آئینۂ حقیقت نما (مع تحقیق وتخریج)
قرآن محکم	جماعت اسلامی کا دینی رخ مکمل
تسہیل الاصول	غیر مقلدیت اسباب وتدارک
چند اہم عصری مسائل مکمل ۲/ جلدیں	یہود کے متعلق قرآنی پیشین گوئیاں
فرقہ اہل حدیث پاک وہند کا تحقیقی جائزہ	کثرتِ رائے کا فیصلہ
مجموعہ رسائل چاند پوری	نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ دلائل شرعیہ......
مجموعہ رسائل شاہ جہاں پوری	جواب حاضر ہے
دارالعلوم دیوبند کا اتہاس (ہندی)	فقهاء الصّحابة ورواة الحديث......
علوم القرآن فی اصول التفسیر	نماز کے متعلق چند اہم مسائل کی تحقیق
فتح المبين في كشف مقاعد	فتاوی دارالعلوم دیوبند اوّل – پنجم (جدید ترتیب)